دارالافتاء میں رائج الوقت
نسخوں کے مطابق تخریج کے ساتھ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

مع اضافہ جدیدہ

تالیف: مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب

ترتیب و حواشی: مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ

حسب ہدایت و نگرانی: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

اضافہ جدیدہ

دارالافتاؤں میں رائج الوقت نسخوں کے مطابق تخریج کے ساتھ جدید کمپیوٹر ایڈیشن

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

مُدلّل و مکمّل

جلد ۱۴

بقية الوقف و آداب المساجد و القرآن و المقابر
و البيوع و الربا و القمار و التأمين

افادات : مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

حسب ہدایت : حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مرتب
مفتی محمد امین صاحب پالنپوری
استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند

ملاحظہ
حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

دَارُالاِشَاعَت
اُردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

طباعت : ستمبر ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : 511 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121, HALLIWELL ROAD
BOLTON, BL1-3NE

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

فہرست مضامین

بقیۃ کتاب الوقف

مساجد کے لیے غیر مسلم کے عطیات کا بیان

مسجد ضرار اور نئی مسجد سے متعلق مسائل

مساجد سے متعلق متفرق مسائل

عیدگاہ کے احکام

مدارس کے احکام

قبرستان کے احکام

آدابِ مساجد

آدابِ قرآن شریف

آدابِ قبرستان

خرید وفروخت کا بیان

بیع سلم کا بیان

اموال ربویہ کی خرید وفروخت کا بیان

سود، قمار اور بیمہ کا بیان

آگاہی

اس جلد میں جن کتابوں کے حوالے بار بار آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں

اسمائے کتب	مطبوعہ
صحاح ستہ	مکتبہ بلال دیوبند
موطین	مکتبہ بلال دیوبند
شرح معانی الآثار	مکتبہ بلال دیوبند
مشکوۃ شریف	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
ہدایہ	الامین کتابستان دیوبند
فتاوی شامی	دارالکتاب دیوبند
فتاوی ہندیہ	دارالکتاب دیوبند
بدائع الصنائع	دارالکتاب دیوبند
شرح وقایہ	دارالکتاب دیوبند
حلبی کبیری	دارالکتاب دیوبند
طحطاوی علی مراقی الفلاح	دارالکتاب دیوبند
البحر الرائق	زکریا بک ڈپو دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

الحمدللّٰہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، أمّا بعد:

طویل مدت کے بعد فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی تیرہویں جلد تین ماہ پہلے شائع ہوئی تھی، جس میں شرکت و بٹوارہ، مضاربت اور وقف کے مسائل ہیں، اب چودہویں جلد شائع ہورہی ہے، اس میں وقف کے بقیہ مسائل، آداب مساجد، آداب قرآن، آداب قبرستان، خرید وفروخت کے مسائل اور سود، قمار اور بیمہ کے احکام ہیں۔

تیرہویں جلد کی طرح اس جلد میں بھی ہم نے ہر سوال کے اخیر میں نمبر سلسلہ اور ہجری سنہ درج کردیا ہے تاکہ بعد میں ضرورت پیش آئے تو مراجعت میں آسانی ہو، اور جو فتاوی فارسی یا عربی میں تھے ان کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور غیر معروف الفاظ کی بین القوسین یا حاشیہ میں مختصر وضاحت کی ہے تاکہ عام قارئین بھی مفتی صاحب کے فتاویٰ سے استفادہ کرسکیں، نیز عناوین اور علامات ترقیم سے تمام فتاوی کو مزین کیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی حاشیہ میں حوالے درج کیے ہیں اور مفتی صاحب کے حوالوں کی تخریج کی ہے۔

الغرض احقر نے اور احقر کے دونوں معاونین مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری سلمہ اور مفتی محمد یونس دہلوی سلمہ نے اس جلد کو عمدہ سے عمدہ تر بنانے کی پوری کوشش کی ہے اور تصحیح کا پورا اہتمام کیا ہے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا احتمال ہے اس لیے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں آگاہ فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی جائے۔

سابقہ جلد کی طرح جب یہ جلد تیار ہوگئی تو ہم نے اس کو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا جو ہمارے کام کی علمی سرپرستی فرمارہے ہیں، موصوف نے تدریسی وتصنیفی مصروفیتوں کے باوجود تمام فتاوی کو بغور پڑھا اور متعدد جگہ قیمتی حواشی اِرقام فرمائے، موصوف کے ملاحظہ اور تصویب کے بعد اس جلد کو شائع کیا جارہا ہے۔

اخیر میں ہم تمام اراکین شوری کا خصوصا حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش، حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی، حضرت مولانا بدر الدین صاحب اجمل اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان بزرگوں کی توجہات اور مساعیٔ جمیلہ سے فتاوی کی یہ جلد منظر عام پر آرہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سایۂ عاطفت کو دراز فرمائیں۔ آمین یارب العالمین!

محمد امین پالن پوری
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بقیة کتاب الوقف

مساجد کے لیے غیر مسلم کے عطیات کا بیان

(مساجد کے لیے غیر مسلم کے عطیات دو طرح کے ہیں: منقولات اور جائداد، پہلے مسئلہ میں فتاوی میں اختلاف نہیں ہے یعنی اگر کوئی غیر مسلم روپیہ پیسہ، چراغ بتی، بوریا چٹائی مسجد میں بہ نیت قربت دے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا درست ہے، تمام فتاوی میں یہی بات ہے، اور اگر شرماشرمی میں یا معاشرتی دباؤ میں دے تو اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

اور دوسرے مسئلہ میں یعنی غیر مسلم کوئی جائداد مسجد کے لیے وقف کرے یا مسجد بنا کر مسلمانوں کو سونپ دے یا اپنی تولیت میں رکھے: اس میں فتاوی میں اختلاف ہے، بعض میں اس کو بھی درست قرار دیا ہے اور بعض میں نادرست، اور فتوی نمبر: ۸۱۹ میں تفصیل ہے۔

اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل طے شدہ ہے کہ اگر غیر مسلم بہ نیت قربت یعنی کار ثواب سمجھ کر دے تو درست ہے، پہلے مسئلہ میں اسی اصل کا اعتبار کیا ہے، مگر دوسرے مسئلہ میں اس امر میں گفتگو کی ہے کہ اعتبار غیر مسلم کی رائے اور اعتقاد کا ہے یا اس کے مذہب کا ہے؟ غیر مسلم کی رائے میں مسجد بنانا کار ثواب ہوسکتا ہے مگر اس کے مذہب کی رو سے یہ قربت نہیں ہے اگر پہلی بات کا اعتبار کیا جائے گا تو وقف صحیح ہوگا، اور بصورت ثانی وقف صحیح نہیں ہوگا، چنانچہ فتاوی مختلف ہو گئے ہیں کسی میں اوّل کا اعتبار کر کے جواز کا حکم لکھا گیا ہے، اور اکثر فتاوی میں ثانی کا اعتبار کر کے عدم جواز کا حکم لکھا ہے۔

مگر فتاوی رشیدیہ (ص: ۵۳۷، جسیم) وغیرہ میں ہے کہ وہ مسجد بن جائے گی یعنی حضرت گنگوہی قدس سرہ وغیرہ

نے غیر مسلم کی ذاتی رائے کا اعتبار کیا ہے، اس کے مذہب کا اعتبار نہیں کیا، اور امداد الفتاویٰ (۲/ ۶۶۷ زکریا) میں ترجیح ثانی کو دی ہے، اور غیر مسلم کے مذہب کی رو سے مسجد بنانا قربت کا کام نہیں ہوسکتا، پس وہ وقف صحیح نہیں ہگر جب پہلے مسئلہ میں اس کی ذاتی رائے کا اعتبار کیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں بھی اسی کا اعتبار کرنا چاہیے، چنانچہ کفایت المفتی وغیرہ میں صحتِ وقف کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

البتہ قربت کے علاوہ ایک اور پہلو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ اس غیر مسلم کی طرف سے یا اس کی قوم کی طرف سے امتنان (احسان جتلانے) کا اندیشہ نہ ہو، اگر یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسجد ہم نے بنائی ہے، پس وقف کے سلسلہ میں احتیاط اولیٰ ہے، اسی طرح اگر غیر مسلم کا مسجد کے لیے بڑا چندہ ہو اور مذکورہ احتمال ہو تو بھی احتیاط برتنی چاہیے اور ایسا چندہ قبول نہیں کرنا چاہیے، اور معمولی چیزوں میں اور چھوٹے چندے میں یہ اندیشہ نہیں، پس اس کو قبول کرنے میں حرج نہیں ۱۲ سعید احمد پالن پوری)

مسجد کی تعمیر میں ہندو کا روپیہ صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۸۰۱) مسجد کی تعمیر میں اگر ہندو کچھ روپیہ دیوے تو صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ آیت: ۱۷) سے کیا مراد ہے؟ (۴/ ۷۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: آیت کریمہ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ الآية﴾ (سورۂ توبہ آیت: ۱۷) کا حاصل اسی قدر ہے کہ مشرکین تعمیر مساجد نہیں کرتے، اور مشرکین کو یہ سزاوار نہیں ہے، باقی اگر کفار تقرب سمجھ کر مسجد میں تیل، بوریا، لوٹا وغیرہ دیں یا روپیہ پیسہ تعمیر مسجد میں دیویں تو اس کی ممانعت نہیں ہے، اور فقہائے حنفیہ نے وقف کافر کے جواز کی یہ شرط لکھی ہے کہ اہل اسلام کے نزدیک اور ان کے نزدیک وہ تقرب اور ثواب ہو(۱)

ہندو کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم

سوال: (۸۰۲) ہندو کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۲۲/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: ہندو کی بنائی ہوئی مسجد اور عیدگاہ وقف نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ ہندو کا وقف کرنا مسجد وغیرہ کو صحیح نہیں ہے، اس لیے اس کو چاہیے تھا کہ روپیہ مسلمانوں کو دے کر ان سے عیدگاہ تعمیر کراتا، البتہ نماز اس

(۱) إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم (الشامي ۶/ ۴۱۰ شرائط الوقف)

میں ہوجاتی ہے۔

سوال: (۸۰۳) اگر کوئی کافر دیار ہند میں بہ نیت ثواب یا بہ غرض تالیف قلوب مسلمین مسجد تعمیر کرائے، اور اس کا اہتمام اور انتظام اپنے ہاتھ میں رکھے، یا بہ نظر رعایت مصالح مسلمین اس کے جملہ حقوق مسلمانوں کو تفویض کردے؛ تو کیا بوجہ عموم آیت کریمہ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ آیت: ۱۷) ایسی مسجد مسجد کے حکم میں داخل سمجھی جائے گی؟ اور نماز جائز ہو جائے گی یا نہیں؟ (۲۵۸۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایسی مسجد مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اور حکم مسجد شرعی کا اس کو لاحق نہیں ہے، اور جو ثواب مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے وہ اس میں حاصل نہ ہوگا، اگرچہ نماز ہوجائے گی، جیسا کہ صاحب تفسیر احمدی (۱) نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ قوله تعالىٰ: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ الآية﴾ والمعنى ما صحّ للمشركين وما استقام لهم تعمير المساجد حال كونهم شاهدين على أنفسهم بالكفر؛ يعني لا يستقيم لهم الجمع بين المتنافيين: عمارة بيت الله وعبادة غيره؛ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ أي المؤمنون الجامعون للكمالات العلمية والعملية، فالمقصود أن الله تعالى منع المشركين

(۱) التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية کے مصنف کا نام نامی احمد ہے اور والد ماجد کا نام ابوسعید۔ آپ ملّا جیون کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کے اسلاف کا اصل وطن مکہ معظمہ ہے، پھر آپ کا خاندان ہندوستان میں آکر مضافات لکھنؤ میں ضلع رائے بریلی کے قصبہ امیٹھی میں آباد ہوگیا۔ ملّا جیون اسی قصبہ امیٹھی میں سنہ ۱۰۴۸ھ میں پیدا ہوئے، آپ نہایت سادہ وضع، ملنسار اور رسمی تکلفات سے قطعاً بیگانہ اور قوت حافظہ میں یگانہ تھے، نیز آپ سلطان اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ کے اتالیق تھے۔ آپ کی تصنیفات میں سے التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية بہت مشہور ومقبول ہے اور کافی عرصہ تک داخل درس رہی ہے، نیز ہندوستان میں سب سے پہلے احکام قرآن کے موضوع پر آپ نے یہ کتاب تالیف فرمائی جس میں آپ نے قرآن مجید کی کم وبیش پانچ سو آیات کی تشریح حنفی مذہب کے نقطۂ نگاہ سے کی ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ موصوف کی زمانۂ طالب علمی کی تصنیف ہے جیسا کہ خاتمۂ کتاب میں خود موصوف نے بیان کیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی آپ کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں سے نور الانوار شرح المنار آپ کی زندہ یادگار ہے جو آج بھی داخل نصاب ہے۔ آپ نے سنہ ۱۱۳۰ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ آمین

عن تعمير المساجد، حال كونهم على الشرك ـــــ إلى أن قال ـــــ فإن أراد كافر أن يبني مساجد أو يعمرها يمنع منه، وهو المفهوم من النص وإن لم يدل عليه رواية الخ (۱) (ص۲۴۰ تفسیر أحمدی) وقال فی رد المحتار: إن شرط وقف الذمی أن يكون قربة عندنا وعندهم الخ (۲) وقال قبيله: مالو وقف الذمی على حج أو عمرة مع أنه لايصح الخ (۲) ان عبارات سے واضح ہے کہ کافر کا وقف کرنا مسجد کو یا مسجد بنانا، اور مرمت کرنا صحیح نہیں ہے، اور وہ مسجد نہ ہوگی۔ فقط

سوال: (۸۰۴) ...... (الف) ہندوز مین دار کی جگہ میں اس کی اجازت کے بغیر ایک مسجد بنائی گئی؛ یہ مسجد شرعی ہوئی یا نہیں؟

(ب) اگر وہ ہندوز مین دار اب اس جگہ کو وقف کردے تو مسجد شرعی ہوجاوے گی یا نہیں؟ اور ہندو کا وقف صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) اگر اس جگہ کو جو ہندو کی ملک ہے کوئی مسلمان اس سے خرید کر وقف کردے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

(۱۷۶۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اول صورت میں اور ثانی صورت میں وہ مسجد شرعی نہیں ہوئی، اول صورت میں ظاہر ہے، اور دوسری صورت میں اس لیے کہ وقف کرنا ہندو کا مسجد کے لیے صحیح نہیں ہے۔ تیسری صورت میں وقف صحیح ہوجاوے گا اور مسجد شرعی ہوجاوے گی۔

سوال: (۸۰۵) ایک ہندو کا ارادہ ہے کہ مسجد تعمیر کراوے، مگر یہاں کے علماء و دیگر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں مسلمانوں کی نماز نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ وہ ہندو ہے، اس کی کمائی ناجائز ہے، اس کا پیشہ شراب فروشی کا ہے، اور کرایہ مکانات کی آمدنی بھی ہے اس بارے میں جیسا ارشاد ہو اس کی تعمیل کی جائے۔ (۱۰۵۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ہندو کی آمدنی کے متعلق تو کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ شراب فروشی وغیرہ کی آمدنی اس کے حق میں درست ہے جب وہ مسلمانوں کو اس آمدنی میں سے کچھ دے گا تو ان کے

---

(۱) التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية ص:۳۶۳-۳۶۴ سورة البراءة. المطبوعة: مطبع اخوان الصفاء.

(۲) الشامي ۶/۴۱۰ كتاب الوقف – شرائط الوقف.

لیے بھی وہ حلال ہے؛ مگر چونکہ ہندو کی بنائی ہوئی مسجد ''مسجد شرعی'' نہیں ہوسکتی؛ اس لیے اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ہندو کسی مسلمان کو روپیہ ہبہ کردے، اور وہ مسلمان ایک ہو یا چند ہوں، اس روپے سے مسجد بنا دیویں اور وقف کردیویں تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے وہ مسجد ہوجائے گی۔ قال في ردالمحتار: إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس بخلاف الوقف على بيعة فإنه قربة عندهم فقط أو على حج أو عمرة فإنه قربة عندنا فقط فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط لأن وقف المسلم لا يشترط كونه قربة عندهم بل عندنا كوقفنا على حج وعمرة، بخلافه على بيعة فإنه غير قربة عندنا بل عند هم(۱) فقط

ہندو کی دی ہوئی زمین پر مسجد بنانے کا حکم

سوال: (۸۰۶) ہندو نے اپنے گاؤں کے تمام مسلمانوں کو ایک قطعہ زمین ہبہ کردیا ہے، اور کہتا ہے کہ تمہیں اختیار ہے اس پر جو چاہو بنالو تو اس زمین پر تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ (۳۰۹۳/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں مسلمان اس زمین میں بعد مالک ہونے کے مسجد بناء کرسکتے ہیں، اور وہ مسلمانوں کی طرف سے وقف ہوگی، اور شرعی مسجد ہوجاوے گی؛ غرض یہ کہ مسلمانوں کی ملک میں آجانا، اور مسلمانوں کی طرف سے مسجد ہونا، اور وقف ہونا ضروری ہے؛ لیکن ایسا ہبہ نامہ چونکہ بوجہ ہبہ مشاع (۲) ہونے کے صحیح نہیں ہوتا، اس لیے طریقہ جواز کا یہ ہے کہ بجائے ہبہ نامہ کے اس ہندو کی طرف سے بیع نامہ ہو، اور جن مسلمانوں کو مشتری قرار دیا جاوے ان کے نام معلوم ہوں؛ اگرچہ کتنی ہی تعداد میں ہوں مگر تعیین ہوجاوے، اور اگر ہبہ ہی ہو تو ایک مسلمان کے نام ہو پھر وہ قابض ہوکر اپنی طرف سے مسجد تعمیر کردے۔ فقط

سوال: (۸۰۷) زید نے کسی اہل ہنود سے کہا کہ مجھ کو مسجد بنانے کے لیے ایک قطعہ زمین دیدو، اس نے از روئے ہبہ بغیر لکھ دینے کسی ہبہ نامہ یا قبالہ کے زبانی ایک قطعہ زمین اس کو دیدیا، اور زید نے اس زمین میں جامع مسجد بنالی، اور خود اسی مسجد کا واقف اور متولی ہوگیا، اور دو تین سال سے مصلی اس میں

(۱) الشامي ۶/۴۱۰ كتاب الوقف ـ شرائط الوقف.

(۲) مشاع یعنی مشترک، چونکہ واہب نے زمین گاؤں کے تمام مسلمانوں کو ہبہ کی ہے اس لئے یہ ہبہ مشاع ہے۔ سعید احمد

نماز جمعہ متواتر ادا کرتے ہیں، اور نیز مالک زمین کے ساتھ یہ شرط ٹھہری تھی کہ جب مجھے ضرورت ہو یا میرا جی چاہے تو مسجد وہاں سے اٹھادوں گا، اور زمین کو اپنے تصرف میں لاؤں گا؛ آیا اس میں نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ (۷۰/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر اس ہندو نے وہ قطعہ زمین زید کو ہبہ کر دیا جیسا کہ سوال میں درج ہے، اور پھر زید نے اس میں مسجد تعمیر کی اور اس کو وقف کیا تو یہ وقف صحیح ہو گیا، اور وہ مسجد ہو گئی اور نماز اس میں صحیح ہے، اور ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا والهبة لا تبطل بالشروط (۱) (درمختار) اور جب کہ ہندو کا ہبہ بہ نام زید صحیح ہو گیا تو زید مالک اس قطعہ زمین کا ہو گیا، لہٰذا وقف کرنا اس کا اپنی مملوکہ زمین کو باتفاق صحیح ہو گیا کما فی الشامی: أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكًا له وقت الوقف ملكًا باتًا ولو بسبب فاسد الخ (۲)

ہندو کی وقف کردہ زمین میں مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: (۸۰۸) ہندو سے زمین وقف کرا کے مسجد کی تعمیر کرائی، اس مسجد میں نماز جمعہ و پنج گانہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۴۱۹ھ)

الجواب: ہندو کا وقف مسجد کے لیے صحیح نہیں ہے، البتہ اگر وہ مسلمانوں کو دے دے، اور مسلمان وقف کر دیں تو صحیح ہے؛ کیونکہ کافر کا وقف اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ جس کام کے لیے وہ وقف کرے، وہ اس کے نزدیک اور ہمارے نزدیک باتفاق قربت اور ثواب کا کام ہو جیسا کہ ردالمحتار میں بہ شرح قول درمختار وأن يكون قربةً في ذاته الخ لکھا ہے: لما في البحر وغيره: أن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا و عندهم الخ (۳) باقی نماز اس میں جمعہ وغیرہ کی صحیح ہے، وقف صحیح ہو یا نہ ہو، اور مسجد ہو یا نہ ہو، کیونکہ جواز نماز جمعہ و نماز پنج گانہ کے لیے مسجد کا ہونا اور اس جگہ کا موقوفہ ہونا شرط نہیں ہے، اور اذن مالک ظاہر ہے کہ موجود ہے۔ فقط

---

(۱) وحكمها أنها لا تبطل بالشروط الفاسدة (الدر المختار مع الشامی ۸/۴۲۵ فی أوائل كتاب الهبة)
(۲) الشامی ۶/۴۱۰ كتاب الوقف۔ شرائط الوقف۔
(۳) الدر مع الرد ۶/۴۱۰ كتاب الوقف ــ شرائط الوقف .

ہندو سے روپیہ لے کر مسجد کی مرمت میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۸۰۹) ایک مسجد مرمت طلب ہے، ایک ہندو مرمت کے لیے کچھ روپیہ دینا چاہتا ہے یہ روپیہ لے کر مرمت کرانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۲۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ہندو سے روپیہ لے کر مسجد میں لگانا درست ہے، جب کہ وہ اس کو کار خیر سمجھ کر دیتا ہے کہ اس شرط پر شامی میں کافر کے وقف کو بھی جائز لکھا ہے کہ جو امر مسلمانوں کے نزدیک بھی قربت ہو، اور کافروں کے نزدیک بھی قربت اور کار ثواب ہو اس میں ہندو کا وقف صحیح ہے، اور روپیہ کے مسجد میں خرچ کرنے کے جواز میں دوسری تاویلِ جواز بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ وہ ہندو مسلمانوں کو وہ روپیہ دیدے، تاکہ مسلمان اس کو مسجد میں صرف کریں۔ فقط

غیر مسلم کا مسجد یا مدرسہ میں روپیہ دینے کا اور جائداد وقف کرنے کا حکم

سوال: (۸۱۰) مسجد یا مدرسہ اسلامی میں اگر کوئی ہندو مرد یا عورت روپیہ دے، یا کوئی جائداد وقف کردے تو وہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بہ صورت عدم جواز اب اس جائداد کو کیا کیا جاوے؟ (۹۱۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: روپیہ دیوے تو مدرسہ و مسجد میں اس کا صرف کرنا درست ہے، اور وقف کافر کا مسجد و مدرسہ پر درست نہیں ہے، وہ جائداد موقوفہ ملک اسی کافر کی ہے، اس کی صورت جواز کی یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ہندو کسی مسلمان کو اس کا مالک بنادیوے، پھر وہ مسلمان مسجد وغیرہ پر اس کو وقف کردے۔

ہندو کا مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے دری دینا

سوال: (۸۱۱) میں ہندو ہوں، میں نے ایک شطرنجی (دری) مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے دی تھی؛ لیکن مسلمانوں نے واپس کردی، حالانکہ میں سود نہیں لیتا اور نہ پوجا وغیرہ کرتا ہوں؟ (۶۳۸/۱۳۴۴-۴۳ھ)

الجواب: اس شطرنجی کا مسجد میں بچھانا اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے، مسجد والوں کو اس کو واپس کرنا نہ چاہیے تھا۔

کافر کا مسجد کے واسطے لوٹا اور فرش دینا

سوال: (۸۱۲) کافر نے اگر اپنے روپے سے مسجد بنوائی، یا کسی مسجد میں لوٹا، فرش وغیرہ نقد مسجد کے خرچ کے واسطے دے تو کیا حکم ہے؟ (۱۴۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ کافر کے وقف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ قربت ہو ان کے نزدیک بھی اور اہل اسلام کے نزدیک بھی لمافي البحر وغيره: إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس، بخلاف الوقف على بيعة فإنه قربة عند هم فقط أو على حج أو عمرة فإنه قربة عندنا فقط الخ (۱) بناءً علیہ کافر کا وقف کرنا مسجد بنا کر صحیح نہیں ہے، لیکن اگر کافر مسجد کی تعمیر میں چندہ دے یا لوٹا فرش دے تو جائز ہے، کیوں کہ ان کاموں کو وہ تقرب اور ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔

کافر کا مسجد میں چراغ جلانے کے لیے تیل دینا

سوال: (۸۱۳)...... (الف) اگر کوئی شخص اہل ہنود اور مشرکین میں سے اپنی طرف سے روغن وغیرہ دے کر کسی مسجد میں چراغ جلائے تو یہ امر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر وہ چراغ جلانے کی وجہ سے مؤذن کو کچھ پیسہ بھی دیوے تو مؤذن کو لینا اور اپنے صرف میں لانا درست ہے یا نہیں؟ (۱۲۰۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف) کافر اگر مسجد میں تیل جلانے کے لیے دیوے تو اس کا لینا اور مسجد میں جلانا درست ہے۔

(ب) مؤذن مسجد کو وہ پیسہ لینا اور اپنے صرف میں لانا درست ہے اور جائز ہے۔ فقط

ہندو کا مسجد کے احاطے میں حوض اور کنواں بنوانا

سوال: (۸۱۴) ایک ہندو مسجد کے احاطے میں ایک حوض مصلیوں کے لیے اور ایک کنواں اپنے خاص خرچ سے کھدوا کر دینا چاہتا ہے، مسلمان اس ہندو کو اس کام کے لیے اجازت دے سکتے ہیں یا

(۱) الشامي ۶/ ۵۱۰ كتاب الوقف – شرائط الوقف.

نہیں؟ (۲۷۲۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ ہندو مذکور بھی یہ کام ثواب کا سمجھ کر کرتا ہے، اور مسلمانوں کے مذہب میں بھی یہ کار ثواب اور قربت ہے؛ لہٰذا بہ موجب عبارت شامی جو ذیل میں درج ہے یہ وقف صحیح ہے۔ لما في البحر وغيره: ان شرط وقف الذمي ان يكون قربة عندنا و عندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ(۱) فقط

ہندو کی کچھ زمین مسجد میں داخل کر لینا

سوال: (۸۱۵) زید نے دانستہ ایک غیر مسلم بنیا کی زمین ملحقہ کا بلا اجازت و بلا رضا مندی مسجد سے الحاق کرلیا، اندازاً بیس سال سے مسجد میں نماز پڑھی جاتی ہے، زید کے انتقال کے بعد یہ معاملہ ان کے وارثوں سے معلوم ہوا ہے اس صورت میں مسجد میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کو برقرار رکھنے کے لیے اس غیر مسلم سے رضا مندی حاصل کرنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۹۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر یہ تحقیق ہو جائے، اور شرعی طریق سے ثابت ہو جائے کہ ہندو کی کچھ زمین مسجد میں داخل کر لی گئی ہے، تو اس ہندو سے یا اس کے وارثوں سے اس زمین کو خرید کر یا اجازت لے کر اس معاملہ کو صاف کیا جائے، باقی زید کے وارثوں کے کہہ دینے سے اس امر کا یقین نہ کیا جائے کہ مسجد میں ہندو کی زمین داخل کی گئی ہے ـــــ اور نماز اس میں صحیح ہے۔ فقط

ہندو کی موقوفہ زمین کی آمدنی مسجد کے مصارف میں لگانا

سوال: (۸۱۶) ایک ہندو نے اراضی، مسجد نکوڑ کے لیے وقف کردی ہے، اور وقف نامے میں اختیار صریح دیا ہے کہ آمدنی زمین موقوفہ کی مسجد میں لگائی جاوے، اور مسافروں کے لیے مکانات تعمیر کیے جائیں، البتہ مسجد اس جگہ میں نہ بنائی جائے، آیا اس صورت میں آمدنی اس اراضی موقوفہ کی مسجد کے مصارف میں لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۹۴۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: روایات فقہیہ کے موافق کافر کا وقف کرنا مسجد کے لیے درست نہیں ہے؛ یعنی جو

(۱) الشامی ۶/۳۱۰ کتاب الوقف، شرائط الوقف.

صورت سوال میں درج ہے کہ اس زمین موقوفہ کی آمدنی مسجد میں صرف ہو؛ یہ وقف درست نہیں ہے، البتہ اس کے جواز کی یہ صورت اب بھی ہوسکتی ہے کہ چوں کہ وہ زمین ابھی تک وقف نہیں ہوئی ہے، اور اسی ہندو کی ملک ہے، اس لیے اس سے یہ کہا جاوے کہ کسی معتبر مسلمان کی ملک کردی جائے کہ وہ اپنی طرف سے مسجد کے لیے وقف کردے۔ فقط

ہندو کی وقف کی ہوئی زمین پر بنی ہوئی مسجد کا حکم

سوال: (۸۱۷) مسلمانوں نے ہندو زمین دار سے مسجد بنانے کی درخواست کی، اس نے اجازت دے دی اور چٹھی لکھ دی، اور مسلمانوں نے اس پر کچی مسجد بنالی، پھر زمین دار مذکور نے ہنود کے کہنے سے مسلمانوں پر زور دیا کہ تم مسجد اٹھالو، چنانچہ مسلمانوں نے مسجد کو شہید کردیا، اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۱/۶۳۴ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ کافر ہندو اگر مسجد بناوے اور وقف کرے تو وہ صحیح نہیں ہے، اور مسجد نہیں ہوئی، اور اگر اس کافر ہندو نے وہ زمین مسلمانوں کی ملک کردی، اور مسلمانوں نے اس زمین کو مسجد کے لیے وقف کردیا، اور مسجد بنالی تو وہ مسجد ہوگئی، پس دوسری صورت میں اس مسجد کو توڑنا اور مسجد کے حکم سے نکالنا درست نہیں ہے، وہ جگہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہوگئی مسلمانوں کو چاہیے کہ پھر اس کو تعمیر کریں اور مسجد بناویں، اور پہلی صورت میں وہ زمین اس ہندو کی ہے، مسجد نہیں ہوئی، وہ جو چاہے کرے۔ فقط

وقف شدہ مسجد پر کسی کا دعوئ ملکیت صحیح نہیں

سوال: (۸۱۸) ایک ہندو ریاست میں مسجدیں منہدم کی جارہی ہیں، مسلمانوں کو اس خبر سے اضطراب و بے چینی ہوئی، تقریباً سو برس سے آج تک مزاحمت نہ کرنے، اور دس بارہ سال قبل مرمت یا پختہ تعمیر کے وقت بھی منع نہ کرنے کے باوجود راج کا دعوئ ملکیت بغیر کسی تحریری ثبوت کے قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۶۷۷ھ)

الجواب: مساجد وقف ہیں، اور وقف پر کسی کا دعوئ ملکیت صحیح نہیں ہے؛ جیسا کہ مسئلہ معروفہ ہے اور کتب فقہ میں مصرح ہے: اَلْوَقْفُ لَایُمْلَکُ وَلَا یُمَلَّکُ (الدر مع الرد ۶/۴۲۱ کتاب الوقف) یعنی

بتت کسی کا مملوک نہیں ہے، اور اس میں کوئی تصرف کسی کا از قبیل بیع و ہبہ ورہن وغیرہ صحیح نہیں ہے۔

جو ہندو پوشیدہ طور پر مسلمان ہو گیا ہے اس کا مسجد وغیرہ کے لیے اپنی جائداد وقف کرنا

سوال: (۸۱۹) ایک شخص ہندو مذہب باطن میں مسلمان ہو گیا، ارکان اسلام نماز روزہ تلاوت ادا کرتا ہے؛ لیکن اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کرتا اپنی برادری میں مثل دیگر اہل ہنود شامل ہے، یہ شخص اسی موجودہ حالت میں اپنی جائداد اسلامی دینی مدارس اور مساجد کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے، پس ایسے شخص کا وقف کرنا شرعاً جائز اور معتبر ہے یا نہیں؟ یہ شخص اپنی جائداد کو اپنے والدین کی طرف سے وقف کرنا چاہتا ہے، والدین حالت کفر میں مرے ہیں، پس کیا ایسے والدین کی طرف سے وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ شخص آمدنی وقف سے اپنے بعض ملازموں کے لیے بھی کچھ مقرر کرنا چاہتا ہے خواہ وہ ملازم ہندو ہو یا مسلمان (۷۱/۹۱-۱۳۴۵ھ)

الجواب: وقف کے جواز ونفاذ کے لیے یہ شرط ہے کہ جس کام کے لیے وقف کیا جاوے وہ کار ثواب اور قربت ہو، اور وقف کرنے والا بہ ارادۂ ثواب وقربت وقف کرے، پس کسی مسلمان کا وقف کرنا مسجد یا مدارس دینیہ کی امداد کے لیے صحیح ہے، اور کافر کے وقف کے جواز وصحت کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ امر جس کے لیے وہ وقف کرتا ہے اس کے اعتقاد میں بھی ''کار ثواب'' ہو، پس اگر واقف مذکور کو مسلمان سمجھا جاوے، جیسا کہ اس کے باطناً ایمان اور ارکان اسلام کے ادا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے؛ تو وقف کرنا اس کا مساجد ومدارس وغیرہ امور دینیہ کے لیے بلاشبہ درست ہے اور صحیح ونافذ ہے، اگر چہ وہ یہ کہے کہ میں اپنے والدین کی طرف سے؛ یعنی ان کے ثواب رسانی کے لیے وقف کرتا ہوں، اور والدین اس کے کفر پر مرے ہیں؛ کیوں کہ واقف مسلمان ہے، اور وہی مالک ہے، اس کو اختیار وقف کرنے کا ہے، والدین کافرین کی طرف سے کہنا اس کا لغو ہے، اس کہنے سے وقف کے جواز میں کچھ شبہ نہ رہے گا جب کہ واقف کو مسلم سمجھا جاوے۔

البتہ اگر واقف مذکور کو بوجہ عدم اعلانِ اسلام وادائے رسومِ کفر باعتبار ظاہر کے کفار میں شامل کیا جاوے؛ جیسا کہ وہ خود اپنے آپ کو کفار میں شامل وداخل ظاہر کر رہا ہے؛ تو پھر اس کے وقف کی صحت

کہ سے علمائے اسلام وفقہائے حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ جس امر کے لیے وقف کیا جاوے وہ کفار کے اعتقاد کے موافق بھی قربت اور کار ثواب ہو، غرض یہ کہ اہل اسلام وکفار دونوں فریق اس کے کار خیر اور قربت ہونے کے معتقد ہوں، اس شرط کی وجہ سے کفار کا وقف مساجد ومدارس علوم دینیہ کے لیے صحیح نہ ہوگا؛ کیونکہ مذہبًا کفار کے اعتقاد میں مسجد ومدرسہ اسلامیہ دینیہ قربت وکار ثواب نہیں ہے، اگرچہ کسی خاص شخص اور فرد واحد کا اعتقاد ان کی قربت کا ہو۔

چنانچہ علامہ شامی صاحب درمختار کے اس قول: وأن يكون قربة في ذاته معلومًا منجزًا لا معلقًا الخ کی شرح میں لکھتے ہیں: أي بأن يكون من حيث النظر إلى ذاته و صورته قربةً ، والمراد أن يحكم الشرع بأنه لو صدر من مسلم يكون قربةً حملاً على أنه قصد القربة ، لكنه يدخل فيه مالو وقف الذمي على حج أو عمرة مع أنه لا يصح، ولو أجرى الكلام على ظاهره لا يدخل فيه وقف الذمي على الفقراء لأنه لا قربة من الذمي، ولو حمل على أن المراد ما كان قربة في اعتقاد الواقف يدخل فيه وقف الذمي على بيعة مع أنه لا يصح ، فتعين أن هذا شرط في وقف المسلم فقط؛ بخلاف الذمي لما في البحر وغيره أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس ، بخلاف الوقف على بيعة فإنه قربة عندهم فقط أو على حج أو عمرة فإنه قربة عندنا فقط ،فأفاد أن هذا شرط لوقف الذمي فقط، لأن وقف المسلم لايشترط كونه قربة عندهم بل عندنا كوقفنا على حج و عمرة، بخلافه على بيعة فإنه غير قربة عندنا بل عندهم الخ (۱) پس مناسب یہ ہے کہ واقف مذکور جو کہ باطنًا مسلمان ہے اپنے اسلام کا اعلان کر کے؛ پھر وقف کرے تاکہ صحت وقف میں کچھ شبہ نہ رہے۔ اور ملازموں کے لیے آمدنی وقف سے جو کچھ مقرر کیا جاوے گا، بہ صورت صحت وقف وہ شرط معتبر ہوگی خواہ ملازم ہندو ہوں یا مسلمان؛ کیوں کہ شرط واقف معتبر ہوتی ہے۔ قال في الدرالمختار: وجاز على ذمي لأنه قربة الخ ولا شك أن التصدق على أهل الذمة قربة الخ (۲) شامی۔ فقط

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار ۶/ ۵۱۰ كتاب الوقف — شرائط الوقف .
(۲) الدرمع الرد ۶/ ۵۱۲ كتاب الوقف — مطلب: شرائط الواقف معتبرة الخ .

مسجد کی مرمت میں ہندو اور شیعہ سے چندہ لینا کیسا ہے؟

سوال: (۸۲۰) مسجد کی مرمت وغیرہ میں ہندو اور شیعہ کا چندہ لینا درست ہے یا نہ؟ (۱۱۲۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اشخاص مذکورین کا چندہ لینا درست ہے۔ فقط

عیسائی کی دی ہوئی زمین پر اہل اسلام کا اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کرنا

سوال: (۸۲۱) ایک عیسائی کچھ زمین مسلمانوں کو بلا قیمت اس غرض سے دے رہا ہے کہ مسلمان اس پر اپنے صرفہ سے مسجد تعمیر کریں، مسلمان اس زمین پر مسجد بنا سکتے ہیں یا نہ؟ (۱۳۳۲/۱۳۳۲ھ)

الجواب: بنا سکتے ہیں اور وہ مسجد ہو جائے گی۔

ہندو معماروں سے مسجد تعمیر کرانا درست ہے

سوال: (۸۲۲) تعمیر مسجد ہنود مستری سے کرانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو آیت کریمہ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ توبہ آیت:۱۷) سے کیا مراد ہے؟ (۱۵۱۷/۱۳۳۱ھ)

الجواب: ہندو معماروں سے مسجد تعمیر کرانا درست ہے؛ جیسا کہ تمام علمائے سلف و خلف کا یہ معمول بہ بلانکیر ہونا اس کی دلیل بین ہے، اور آیت کریمہ ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۷) سے مراد مسجد کی معنوی آبادی ہے؛ جو کہ ذکر اللہ اور اقامت صلوٰۃ اور جلوس فی المساجد وغیرہ سے ہے: مراد ہے قال في الجلالين: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ بالإفراد والجمع بدخوله والقعود فيه الخ (۱) وفي الحديث مرفوعًا: إذا رأيتم الرجل يتعاهد المسجد فاشهدوا له بالإيمان فإن الله يقول: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ﴾ (۲) فقط

---

(۱) تفسیر جلالین ص:۱۵۶ سورۃ توبۃ، آیت:۱۷ مطبوعہ دیوبند۔

(۲) عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الرجل يتعاهد المسجد فاشهدوا له بالإيمان فإن الله يقول: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي (مشكاة المصابيح، ص:۶۹ كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة)

مسجد ضرار اور نئی مسجد سے متعلق مسائل

مسجد کے دور ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: (۸۲۳) ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، اور بہت دور کے فاصلے پر ہے تو یہاں دوسری مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور پہلی مسجد کو نماز عید کے لیے خاص کر لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ (۲۹۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دوسری مسجد بنانا موافق صورت سوال کے درست ہے، اور مسجد اول کو عید کی نماز کے لیے خاص کرنا بھی جائز ہے۔ فقط

سوال: (۸۲۴) ایک مسجد مکانات سے دور ہے، اس وجہ سے اس میں اذان و چراغ وغیرہ کا بندوبست نہیں ہے، اس لیے لوگ چاہتے ہیں کہ اس مسجد کو وہاں سے نقل کر کے مکانات کے نزدیک بنادیں؛ اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۵۲۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: کسی مسجد کی مسجدیت کا ابطال درست نہیں ہے، جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہو چکی وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی؛ البتہ اگر بسبب دور ہونے اس مسجد کے، قریب دوسری مسجد بنائی جائے یہ بھی درست ہے مگر وہ پہلی مسجد بھی مسجد ہی رہے گی۔

سوال: (۸۲۵) ایک خام مسجد بنی ہوئی ہے، اب اس کو اہل گاؤں دوسری جگہ پختہ بنانا چاہتے ہیں، اس وجہ سے کہ دوسری جگہ جو تجویز کی ہے وہ درمیان گاؤں کے ہے، پہلی مسجد محلہ سے دور ہے، اگر دوسری جگہ نئی مسجد بنائی جائے تو سابقہ خام مسجد کو شہید کر کے اس جگہ مکان بنا سکتے ہیں؟ یا کسی دوسرے مصرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۸۹۸/۱۳۳۳ھ)

الجواب: دوسری جگہ اگر مسجد بنانے کی ضرورت ہے تو پختہ مسجد دوسرے موقع مناسب میں بنانا جائز ہے، لیکن پہلی مسجد خام بھی مسجد رہے گی، اس سے حکم مسجد کا زائل نہ ہوگا؛ کیونکہ جو جگہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ کو قیامت تک مسجد رہے گی، اس کی حفاظت ضروری ہے، اور اس جگہ دوسرا امکان نہیں بن سکتا، اور کسی کی ملک میں وہ جگہ داخل نہیں ہو سکتی۔ فقط

سوال: (۸۲۶) ہماری بستی میں ایک مسجد پہلے زمانہ سے چلی آتی ہے، اب اس مسجد سے جانب دکھن کو اس محلہ کی آبادی بڑھتی جاتی ہے، مسجد ایک گوشہ میں رہ گئی ہے، مسجد سے چونکہ مکانات فاصلے پر ہیں، اس وجہ سے اہل محلہ وہاں نماز کو نہیں آتے، اور امام بھی بوجہ تنہائی گھبراتا ہے، لہٰذا تجویز یہ ہے کہ مسلمان جس جگہ آباد ہیں ان کے جتھے اور مجمع میں اور کشادہ جگہ میں مسجد جدید بنائی جاوے، اور پرانی مسجد؛ چاروں طرف سے مضبوط دیوار سے محفوظ کر کے تیغا (اینٹ وغیرہ سے بند) کر دیا جاوے کہ بے ادبی نہ ہو، اس صورت میں پختہ جدید مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۷۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جدید پختہ مسجد بنانا بہ ضرورت مذکورہ درست ہے، اور درصورت آباد نہ رہنے مسجد قدیم کے اس کی وہی صورت حفاظت کی کرنی چاہیے جو سوال میں درج ہے، کتب فقہ سے بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے۔ فقط

ایک مسجد کی موجودگی میں دوسری مسجد بنانا

سوال: (۸۲۷)......(الف) کیا ایک مسجد کی موجودگی میں اس سے دور اور محلے میں دوسری مسجد بنانا ممنوع ہے؟

(ب) جس صورت میں دوسری مسجد بنانے والے اہل سنت والجماعت حنفی ہوں، اور یہ فریق مفسدوں کے ضرر و شر سے بچنے کے لیے دوسری مسجد بنائے تو کیا مسجد جدید مسجد ضرار ہوگی؟

(ج) کیا متولی اور منتظم مساجد؛ مساجد کے مداخل و مخارج میں حسب خواہش بلا امتیاز طریق جائز و ناجائز بذات خود بلا مشاورت اہل اسلام دست تصرف دراز کر سکتے ہیں؟ اور یقینی تغلب و غبن فاحش کے باوجود مسلمانوں کی درخواست پر حساب و کتاب سے انکار و اعراض جائز ہے؟

(د) آمد و خرچ کے معائنہ حساب کی درخواست پر متولی و منتظم کا یہ جواب کہ اپنے روپے سے نئی

مسجد بنا کر حساب دیکھا کرو، اور آئندہ تم اس مسجد میں قدم نہ رکھنا، ورنہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا، اور منتظم کی بدزبانی، بے لگامی انواع واقسام سے ایذاء رسانی کرنا، اور بانیان مسجد جدید کو منافق وتو تعمیر مسجد کو مسجد ضرار قرار دینا کیسا ہے جب کہ نیت ان کی صالح ہے اور ارادہ ضرر رسانی کا نہیں ہے؟ (۱۸۲۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) ممنوع نہیں ہے، بلکہ موافق اطلاق آیت کریمہ ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (سورۂ توبہ: آیت: ۱۸) اور حدیث شریف مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ الحديث (۱) بنائے مسجد بہ اخلاص نیت علامت ایمان وسبب دخول جنت ہے۔

(ب) مسجد ثانی نو تعمیر ہرگز اس صورت میں مسجد ضرار کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتی، اور حسن ظن مسلمانوں کے ساتھ مامور بہ، اور بدگمانی حرام ہے لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ الآية﴾ (سورۂ حجرات: آیت: ۱۲) اور حدیث شریف میں ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى (الحديث) (۲) پس اہل اسلام کی بناء کردہ مسجد کو حکم مسجد ضرار کا دینا حرام اور ناجائز ہے، اور بدگمانی کرنے والے عاصی وفاسق ہیں۔

(ج) متولی اور منتظم مساجد وغیرہ کا یہ فرض ہے کہ آمد وخرچ کا حساب صاف رکھیں، اور غبن اور بے جا تصرفات سے احتراز کریں، اور حساب کو صاف کر کے شائع کریں، اور جو کوئی مسلمانوں میں سے حساب کو دیکھنا چاہے اس کو دکھلائیں، اور اطمینان کردیں اور مواقع تہمت سے بچیں۔

(د) جواب مذکور متولی کی طرف سے بے جا اور ناجائز ہے، اور سب وشتم اہل اسلام خود کبیرہ گناہ اور موجب فسق ومعصیت ہے اور ایسا بدزبان خائن متولی اور منتظم بنانے کے لائق نہیں ہے، بلکہ لائق عزل ہے، صلحائے مسلمین اس کو معزول کر کے دوسرے شخص امین کو متولی بنائیں، اور بانیان مسجد جدید کو جن کی نیت اور غرض اصلاح اور اخلاص ہے ''منافق'' کہنا اور ان کی بناء کردہ مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہنا حرام اور معصیت ہے، یہ جملہ امور متولی مذکور میں ایسے ہیں کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے، اور حساب آمد وخرچ کو صاف کر کے اپنے اوپر سے الزام خیانت کا نہ اٹھاوے؛ اس وقت تک وہ لائق متولی ہونے کے نہیں ہے، اور مستحق عزل ہے۔ فقط

(۱) مشكاة المصابيح ص: ۶۸ - باب المساجد ومواضع الصلوة.

(۲) صحيح البخاري ۲/۱ باب كيف كان بدؤ الوحي.

دو مسجدوں کے ہوتے ہوئے تیسری مسجد بنانا

سوال: (۸۲۸) ایک بستی میں دو مسجدیں قدیم سے تھیں، ایک مسجد کے امام کو اہل محلّہ نے علیحدہ کردیا، اس پر چند آدمیوں نے ایک تیسری مسجد خام تیار کرلی یہ مسجد ہوگئی یا نہیں؟ اس میں بعض لوگ معترض ہیں اور منہدم کرنا چاہتے ہیں اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۶۱۵/۱۳۳۴ھ)

الجواب: وہ تیسری مسجد جو خام تیار ہوئی ہے وہ مسجد ہوگئی، اور اس مسجد میں جو نمازیں پڑھی جائیں گی مسجد کا ثواب اس میں حاصل ہوگا، منہدم کرنا اس کا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ فتوی تابید مسجد پر ہے؛ یعنی جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہوجاتی ہے وہ ہمیشہ مسجد رہے گی اس کا منہدم کرنا اور ویران کرنا جائز نہیں ہے۔

نمازیوں کی ضرورت کی خاطر نئی مسجد بنانا

سوال: (۸۲۹) ایک موضع میں زید نے ایک مسجد بنائی، اور اس کے قریب بیل وغیرہ باندھنے کی جگہ تیار کی، جس کی وجہ سے مسجد میں بدبو آتی ہے، اور نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور نیز مسجد دور ہونے کی وجہ سے نمازیوں کو جماعت میں شریک ہونا دشوار ہوتا ہے؛ اسی بناء پر نمازیوں کے آرام کے واسطے عمر نے ایک مسجد موضع کے وسط میں بنانے کا ارادہ کیا؛ زید اور اس کے اقارب اس میں مانع ہیں، اور زید کہتا ہے کہ اگر دوسری مسجد تیار ہوگئی تو میرا نام نہیں رہے گا؛ اس صورت میں مسجد بنانے کا کیا حکم ہے؟ اور زید کے لیے کیا ارشاد ہے؟ (۳۲/۹۰۷-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دوسری مسجد پختہ موضع مذکور کے وسط میں بنانا جس سے تمام مسلمانوں کو نماز اور جماعت کا آرام ملے، اور باطمینان اس میں نماز پڑھیں، کار ثواب اور بہت اچھا ہے، زید کا از راہ نفسانیت اس میں مانع اور مخالف ہونا برا اور گناہ ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا الآية﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۱۴) وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ الآية﴾ (سورۂ توبہ آیت: ۱۸) پس عمر کو چاہیے کہ بلا شبہ اور بلا تردد مسجد پختہ نیک نیتی کے ساتھ تعمیر کرے اللہ تعالیٰ پوری فرمائیں گے اور جو مخالف ہوگا وہ خائب اور خاسر ہوگا۔

جدید مسجد کی تبدیلی جائز نہیں

سوال: (۸۳۰) ایک قریہ میں چار مسجدیں ہیں، اور ہر ایک مسجد میں نماز پنج وقتہ ونماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، چند روز ہوئے کہ پندرہ بیس آدمیوں نے ایک مسجد جدید تین سو ہاتھ کے فاصلے پر مسجد قدیم کے تیار کی ہے، اور اس میں نماز جمعہ و پنج وقتہ ادا ہوتی ہے، اور بانیان مسجد جدید کی نیت تفریق جماعت وضرر رسانی مؤمنین مسجد قدیم مقصود نہیں ہے؛ یہاں کے مولوی صاحبان فرماتے ہیں کہ یہ مسجد درست نہیں ہے؛ کیونکہ قریب مسجد قدیم کے ہے، اگر یہ کچھ اور دور فاصلے پر ہو تو درست ہے؛ ایسی صورت میں مسجد جدید کا انتقال درست ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۳۸۵ھ)

الجواب: باہم مساجد کی دوری کے لیے کوئی شرعی تحدید نہیں ہے، حسب ضرورت قریب وبعید ہر طرح بناء مساجد درست ہے؛ پس جب کہ بانیان مسجد جدید کی نیت تفریق جماعت واضرار مؤمنین کی نہیں ہے، تو بانیان مأجور ہیں، اور وہ مسجد بہ حکم ''مسجد ضرار'' نہیں ہے، نماز جمعہ و پنج وقتی ادا کرنا اس میں درست ہے اور جب کہ وہ جگہ بہ قاعدۂ شرعیہ مسجد ہوگئی، تو اب تبدیلی اس کی جائز نہیں ہے: کیونکہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے کما صرح في الشامي: أن الفتوی علی قول أبي یوسف رحمه الله تعالی في تأبید المسجد (۱) فقط

رفع فساد کی غرض سے نئی مسجد بنانا

سوال: (۸۳۱) ایک شیعہ نے ایک سنی سے اس شرط پر زمین بلا معاوضہ حاصل کی کہ مسجد تعمیر ہونے کے بعد کل مسلمانوں کو عبادت کرنے کا حق مساوی حاصل ہوگا، چنانچہ بعد تعمیر مسجد اب تک سنی برابر نماز پنج گانہ اور تراویح اس میں پڑھتے آئے، اس سال جب تراویح پڑھنے کا وقت آیا تو تعمیر کنندہ کے پسر نے نماز پڑھنے کی ممانعت کردی، سنیوں نے بہ خیال رفع فساد اپنے ۳۰ برس کے حق کو نظر انداز کر کے اس مسجد کو ترک کر دیا، اب اسی مسجد کے قریب چندہ کر کے سنی لوگ جدید مسجد بنانا چاہتے ہیں تو جدید مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟ (۱۳۳۸/۹۲ھ)

(۱) الشامي ۶/۴۲۹ کتاب الوقف ـ مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره

الجواب: اس صورت میں جدید مسجد بنانا درست ہے۔

مسجد میں کسی بھی قسم کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: (۸۳۲) ایک بستی میں صرف ایک مسجد ہے، مگر اس میں پانی وغیرہ کا بندوبست نہیں ہے، اور اس کا متولی چراغ بھی نہیں جلاتا، اور نہ اس میں امام ومؤذن مقرر ہیں، ان ہی وجوہات سے نمازیوں کو تکلیف ہے، لہٰذا اس بستی میں دوسری مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جب کہ غرض رفع تکلیف مصلیان ہے تو اس وجہ سے مسجد ثانی بنانا درست ہے، اور حدیث شریف میں ہے: **إنما الأعمال بالنیات** (۱)

جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسری جگہ کشادہ مسجد بنانا

سوال: (۸۳۳) ہماری ایک مسجد خورد پختہ تعمیر شدہ ہے، اب ہمارا ارادہ مسجد مذکور کو گرا کر وسیع تیار کرنے کا ہے، مگر بہ باعث تنگی جگہ کے موجودہ جگہ پر یہ مسجد فراخ نہیں ہوسکتی، اگر شرعاً اس کی تبدیلی جائز ہو تو دیگر جگہ اسی کے عوض کھلے میدان میں ایک وسیع خاطر خواہ مسجد بنائی جاوے، اور مسجد سابقہ جس کو گرایا جاوے گا اس کی جگہ فرشی (یعنی خالی جگہ) مکانات خانگی میں کسی طرح سے استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۸۶۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حکم شرعی یہ ہے کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے، وہ ہمیشہ کو مسجد رہتی ہے، اور ابدالآباد تک احکام وآداب مسجد اس کے ساتھ متعلق رہتے ہیں، یہ درست نہیں ہے کہ اس کو مکانات مسکونہ میں شامل کرلیا جاوے، یا اس میں مکان بنالیا جاوے، پس اگر مسجد وسیع بنانے کی ضرورت ہے تو اگر ممکن ہو تو اس مسجد کو وسیع کیا جاوے؛ یعنی اس میں اور زمین اور مکان شامل کرکے اس کو از سر نو تعمیر کیا جاوے، اور وسیع کیا جاوے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسری جگہ دوسری مسجد وسیع بنالی جاوے، اور اس مسجد سابق کو بھی مسجد رکھا جاوے۔ فقط

---

(۱) صحیح البخاری ۲/۱ باب کیف کان بدء الوحی.

دو مسجدوں کے ہوتے ہوئے تیسری مسجد بنا کر اس کی طرف ترغیب دینا

سوال: (۸۳۴) ایک گاؤں میں قدیم الایام سے دو مسجدیں چلی آتی ہیں، اور ہر دو مساجد کے ساتھ شرعی فیصلے سے محلے لگے ہوئے ہیں، اور ہر ایک محلے والے اپنی مسجدوں کو ذکر اذکار سے آباد کرتے ہیں، اور حقوق ہر دو مسجد جو کہ ان پر فرض ہیں بہ طریق شرعی ادا کرنے سے کوتاہی نہیں کرتے؛ اب ایک اور شخص نے ایک مسجد بنائی ہے اور سابق مسجدوں کے محلّہ والوں کو مسجد جدید کی آبادی کی ترغیب دیتا ہے کہ جس سے سابقہ مسجدوں کو نقصان پہنچتا ہے؛ ایسی مسجد کے لیے جو کہ سابقہ قدیمی مسجدوں کے حقوق کو ساقط کرتی ہے، کیا حکم ہے؟ اور بانی مسجد جدید کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۳۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر اس شخص نے جدید مسجد باخلاص نیت تقرباً الی اللہ مال حلال سے تعمیر کی ہے تو یہ حکم ﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۸) وہ شخص مومن مخلص اور ہدایت یافتہ ہے، اور چونکہ حدیث شریف میں وارد ہے: إنما الأعمال بالنیات (۱) تو اگر نیت اس بانی مسجد کی نیک ہے اور کسی دوسری مسجد کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ کوئی ضرورت اس کو داعی ہوئی مسجد جدید بناء کرنے کی، اور وہ ضرورت خواہ حصول ثواب ہی ہو جیسا کہ وارد ہوا ہے: من بنی للّٰہ مسجدًا بنی اللّٰہ لہ بیتًا فی الجنة (۲) تو اس مسجد کو ملحق مسجد ضرار نہ کیا جائے گا، اور انہدام وغیرہ اس کا درست نہ ہوگا، اور منہدم اور غیر آباد کرنے والے اس کے وعید ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا الآیة﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۱۴) میں داخل ہوں گے۔ فقط

پہلی مسجد کو نقصان پہنچانے کے لیے دوسری مسجد بنانا

سوال: (۸۳۵) ہمارے یہاں ایک مسجد پرانی ہے، اس کی مرمت اور درستی کے لیے چندہ جمع کیا گیا، اور کام شروع ہو گیا اب کسی شخص کے بہکانے سے دو فریق ہو گئے، دوسرا فریق اسی موضع میں دوسری مسجد بنانا چاہتا ہے، اور اپنا چندہ واپس مانگتا ہے، جب کہ دوسری مسجد سے پہلی مسجد کو نقصان پہنچے

(۱) البخاری ۱/۲ باب کیف کان بدء الوحی۔

(۲) مشکاة المصابیح ص: ۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوة۔

تو دوسری مسجد بنانا اور آپس میں تفرقہ ڈالنا کیسا ہے؟ (۱۳۴۴ دھ ۸۵۸)

الجواب: اگر وہاں ایک مسجد سب مسلمانوں کے لیے کافی ہے؛ جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اس حالت میں باہم نااتفاقی کر کے، دوسری مسجد بنانا جس سے پہلی مسجد کی آبادی میں کمی ہو اور مسلمانوں میں باہم تفریق ہو اچھا نہیں ہے، اور اس امر کی ممانعت وارد ہوئی ہے کہ ایسی مسجد نہ بنائی جائے جس سے غرض یہ ہو کہ پہلی مسجد کو نقصان پہنچے، البتہ اگر واقعی ضرورت دوسری مسجد کی ہو اور تعمیر مسجد جدید کرنے والوں کی نیت ثواب کی ہو تو پھر یہ حکم **من بنى لله مسجدًا بنى الله له بيتًا في الجنة الحديث**(۱) بشارتِ جنت ان کو حاصل ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہے **انما الاعمال بالنيات** (۲) یعنی مدار اعمال کا نیت پر ہے، پس اگر نیت مسجد بنانے والوں کی نیک ہے، اور حصول ثواب کی نیت ہے تو ثواب حاصل ہوگا، اور اگر ضد اور نفسانیت سے مسجد بنائی جائے تو بجائے ثواب کے گناہ اور مؤاخذہ کا خوف ہے، الحاصل نااتفاقی اور اختلاف نہایت قبیح ہے، جہاں تک ہو سکے آپس میں اتحاد اور اتفاق رکھنا چاہیے، پھر بعد اتفاق کے اگر ضرورت مسجد ثانی کی سمجھی جائے تو اتفاق کے ساتھ دوسری مسجد تعمیر کرائی جائے، اور اختلاف نہ ڈالا جائے، اور جو چندہ مسجد موجود کے لیے جمع کیا گیا ہے وہ اسی مسجد میں صرف کیا جائے، پس جو لوگ اپنا چندہ واپس طلب کرتے ہیں ان کو ایسا نہ چاہیے اور اپنا چندہ واپس نہ لیں۔ فقط

پرانی مسجد کی فضیلت زیادہ ہے یا نئی مسجد کی؟

سوال: (۱۳۶) ...... (الف) بزرگی قدیم مسجد کی زیادہ ہے یا نئی مسجد کی؟

(ب) قدیم مسجد کا پیش امام بہ سبب قدیم مسجد کے بزرگ سمجھا جائے گا اور حق دار عید کی نماز کا ہے، یا نئی مسجد کے پیش امام حافظ صاحب بزرگ سمجھے جائیں گے اور حق دار ہیں یا نہیں؟

(ج) جب کہ دو مسجدیں ہیں: ایک نئی، دوسری قدیم: جمعہ کا ثواب افضل (یعنی زیادہ) قدیمی مسجد میں ہے یا نئی میں؟ (۱۳۴۴-۴۳ ۴۲ھ)

الجواب: (الف) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ (سورۂ جن، آیت: ۱۸) اور بیشک

(۱) مشكاة المصابيح ص: ۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوة.

(۲) صحيح البخاري ۱/۲ باب كيف كان بدء الوحي.

سب مسجدیں اللہ کے واسطے ہیں، اور اللہ کے گھر ہیں، اس میں باعتبار اصل مسجد ہونے کے کچھ فرق نہیں؛ البتہ باعتبار ثواب جماعت اور نماز کے کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اقدم میں زیادہ ثواب ہے۔(۱)

(ب) امام کی بزرگی اس کی صلاح اور تقوی اور علم پر ہے، اس میں تقدم تأخر کا کچھ فرق نہیں — اور عید کے لیے جس کو قوم تسلیم کر لے احق ہے۔

(ج) قدیمی میں زیادہ ثواب ہے اگر کوئی دوسرا عارض پیش نہ آئے۔ فقط

بستی کی تمام مساجد کو شہید کر کے ایک بڑی مسجد بنانا

سوال: (۸۳۷) ایک بستی میں ستر مساجد ہیں، اور ہر ایک میں جماعت واذان التزام سے نہیں ہوتی، اب بعضے صالح لوگ چاہتے ہیں کہ ان سب مساجد کو توڑ کر بستی کے درمیان ایک مسجد کبیر بناویں، اور ان ہی مساجد کے سامان سے؛ تو ان مساجد کو توڑنا، اور ان کے سامان سے دوسری مسجد بنانا جائز ہے یا نہ؟ (۴۲۹/۴۵-۱۳۴۴ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ مسجد رہتی ہے، ابطال اس کی مسجدیت کا درست نہیں ہے، البتہ اگر مسجد جدید بستی کے درمیان بنانے کی ضرورت ہے تو مسجد جدید چندہ سے بنائی جاوے، مگر مساجد سابقہ کو بھی باقی رکھنا ضروری ہے۔ لأن الفتوىٰ على تأبيد المسجد (الشامی ۶/۴۲۹ کتاب الوقف) فقط

قدیم جامع مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کو جامع مسجد بنانا

سوال: (۸۳۸) جامع مسجد قدیم کو کسی مصلحت سے چھوڑ کر دوسری مسجد کو جامع مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دوسری مسجد کو جامع مسجد قرار دینا اور اس میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔

---

(۱) ثم الأقدم أفضل لسبقه حكمًا، إلّا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته فإنه أفضل حينئذٍ لسبقه حقيقةً وحكمًا (الحلبي الكبير ص: ۶۱۳ فصل فی أحكام المسجد — الثاني فی أفضل المساجد للصلاة)

جس مسجد میں گنجائش زیادہ ہواُسے جامع مسجد قرار دیا جائے

سوال: (۸۳۹) ایک قصبہ میں ایک مسجد تمام مساجد سے بڑی ہے، اس وجہ سے اس کو جامع مسجد قرار دیدیا ہے، ورنہ جامع مسجد اس قصبہ میں شاہی وقت کی ہے، اب جس محلّہ میں یہ مسجد ہے اس میں ایک قوم کے لوگ زیادہ ہیں بلامشورہ کے بعض لوگ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اور امام بالکل ناخواندہ رکھتے ہیں؛ اس مسجد کو جامع مسجد رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۵۵/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس بڑی مسجد کو جمعہ کے لیے خاص کر لینا، اور جامع مسجد کر لینا درست ہے؛ کیوں کہ جامع مسجد اسی کو کرنا انسب ہے جس میں وسعت زیادہ ہو، اگر چہ جائز ہر ایک مسجد میں ہے اور ایک شہر میں کئی جگہ بھی جمعہ درست ہے؛ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ ایک جگہ ہو، تا کہ جماعت بڑی ہو ——— اور امام مقرر کرنا بہتر اس شخص کو ہے جو مسائل نماز سے واقف ہو، اور قرآن شریف اچھا اور صحیح پڑھتا ہو؛ لیکن نماز ناخواندہ امام کے پیچھے بھی صحیح ہے، بہ شرطیکہ اس سے کوئی غلطی مفسد نماز صادر نہ ہو، اور اتفاق رکھنا اور سب مسلمانوں کا ایک جگہ نماز پڑھنا اچھا ہے، تفرقہ برا ہے۔ فقط

جامع مسجد سے چھ سو قدم کے فاصلے پر نئی مسجد بنانا

سوال: (۸۴۰) جامع مسجد سے چھ سو قدم کے فاصلے پر ایک تکیہ ہے، وہاں کچھ آبادی نہیں، تفرقہ ڈالنے والوں نے جامع مسجد میں نماز پڑھنے والی جماعت کو پکڑ کر اس تکیہ پر نماز جمعہ پڑھانی شروع کر دی ہے، اور اس تکیہ پر مسجد بنانا چاہتے ہیں؛ شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲۸۲۲/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ اگر چند لوگ اس جگہ تکیہ کے موقع پر مسجد بنالیں گے تو وہ مسجد ہو جاوے گی، اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ ایک شہر میں چند جگہ جمعہ صحیح ہے، لیکن اگر بدنیتی سے کسی نے ایسا کیا اور تفرقہ ڈالنے کے لیے کیا تو وہ موافق اپنی نیت فاسد کے عاصی ہوگا؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے: انما الأعمال بالنيات ولكل امرئ مانوى الحديث (۱) مگر چونکہ نیت کا حال سوائے عالم الغیب کے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا، اس لیے بدظنی بھی نہ کرنی چاہیے کیونکہ قرآن شریف میں ہے ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (سورۂ حجرات، آیت: ۱۲) فقط

(۱) الجامع الصحيح للبخاری ۱/ ۲ باب كيف كان بدء الوحی ۔

کسی مصلحت سے پہلی مسجد میں جمعہ بند کر کے دوسری مسجد میں شروع کرنا

سوال: (۸۴۱) راج محل میں ایک مسجد اکبرشاہ کے وقت کی بنی ہوئی تھی، اور وہ مسجد تخمیناً پچاس یا ساٹھ سال سے کسی طرح سے گورنمنٹ کے قبضہ میں تھی، مسلمانوں کی استدعاء پر گورنمنٹ نے اڑھائی ہزار روپے لے کر مسجد مسلمانوں کے حوالے کردی، اور دو سو روپے گورنمنٹ کی جانب سے مسجد کی مرمت کے لیے ملے۔ اس روپے سے مسجد کی مرمت درست ہے یا نہیں؟ اور اس مسجد میں نماز جمعہ قائم کرنا اس وجہ سے کہ مسجد کی شان معلوم ہو اور غیر اقوام کو بھی یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس میں مسلمان نماز پڑھتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرکاری روپیہ لگانا مسجد میں نقصان کا باعث ہے۔ اور جس مسجد میں پہلے سے جمعہ ہوتا ہے وہ پنج وقتی نماز سے آباد رہے گی، اس کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ نہیں ہے ـــــ اور ایک دالان جو سرکاری روپے سے اس مسجد میں بنا ہوا ہے، اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ـــــ اور مسجد کی اندرونی دیوار اٹھا دینے سے ایک چوکھٹ اور کواڑ نکلے ہیں ان کو کیا کرنا چاہیے؟ (۷۰۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جمعہ کی نماز قائم کرنا اس مسجد جدید اکبرشاہی میں بلا تأمل درست ہے، اور جو وجوہ سوال میں اس کی آبادی کے متعلق لکھی ہیں ان کی وجہ سے ضروری ہے کہ اس میں جمعہ قائم کریں، بعض لوگوں کا اس میں شبہ کرنا صحیح نہیں ہے؛ سرکاری روپیہ لگنے سے اس مسجد میں کچھ نقصان نہیں آیا ـــــ اور دالان جو سرکار نے بنا کر مسلمانوں کے حوالے کردیا اس میں بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ مسجد ہی ہے ـــــ اور مسجد قدیم جس میں پہلے سے جمعہ ہوتا تھا اگر اس میں جمعہ کی نماز نہ پڑھیں، اور اس اکبری مسجد میں پڑھیں تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ مسجد قدیم پنج وقتی نماز سے آباد رہے گی۔ بہر حال شرعی کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ مسجد جدید اکبری میں جمعہ قائم کرنا منع ہو، اس کے خلاف جو خیالات ہیں وہ بے اصل ہیں ـــــ اور چوکھٹ اور کواڑ وغیرہ جو مسجد کے اندر کی دیوار اٹھا دینے سے اور توڑنے سے حاصل ہوئے ہیں ان کو فروخت کر کے مسجد مذکور میں صرف کردینا یا اگر ضرورت ہو تو بعینہٖ ان کو مسجد میں لگانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد ضرار کس کو کہتے ہیں؟

سوال: (۸۴۲) مسجد ضرار کس کو کہتے ہیں؟ (۵۴۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسجد ضرار وہی ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور کفار ومنافقین نے (الف) ﴿ضِرَارًا﴾ (ب) ﴿وَكُفْرًا﴾ (ج) ﴿وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (د) ﴿وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ﴾ بنائی تھی، کسی مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو حکم مسجد ضرار کا نہیں لگایا جا سکتا۔

سوال: (۸۴۳) اگر آج کل کوئی مسلمان مسجد بنائے، اور اس میں شرائط ضرار متحقق ہوں تو اس کو مسجد ضرار کہیں گے یا نہیں؟ (۱۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسجد ضرار ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار وصف بیان فرمائے ہیں كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ مِنْ قَبْلُ الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۷)

اوّل یہ کہ: اضرار مسلمین کے لیے وہ مسجد بنائی گئی ہو —— دوسرے از راہ کفر ونفاق وہ مسجد بنائی گئی ہو —— تیسرے تفریق بین المؤمنین —— چوتھے ارصاد یعنی جگہ دینا اور پناہ دینا اور ٹھہرانا اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین اور محاربین کو۔

پس جو مسجد ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو وہ مسجد ضرار ہے، اور مسلمانوں کی طرف چوں کہ ایسا گمان کرنا حرام اور ناجائز ہے؛ اس لیے مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجد ضرار نہ کہنا چاہیے۔ فقط

مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجد کو ''ضرار'' کہنا درست نہیں

سوال: (۸۴۴) دو قومیں ہیں کہ جو ایک جگہ رہتی ہیں بوجہ غیر کفو ہونے کے ایک دوسرے سے نفرت رکھتی ہیں خصوصاً مسجد میں نماز کے وقت اکثر دنگا فساد ہو جاتا ہے، حتی کہ خونریزی کا اندیشہ ہے، اور ہر دو قوم مستقل جماعت کثیر ہے، از روئے شرافت ایک راجح دوسری مرجوح ضرور ہے۔ لہٰذا اگر محض رفع فساد اور انہدام نفاق کے باعث کوئی ایک قوم جدا مسجد بنا لے، اور حلفاً ﴿تفريق بين المؤمنين وارصادًا لمن حارب الله الآية﴾ مقصود نہ ہو تو اس مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ (۱۶۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جائز ہوگی؛ کیونکہ مفسرین نے تشریح کی ہے کہ مسجد ضرار میں جو امور مذکور ہیں جب تک وہ کسی مسجد میں صادق نہ آویں گے، مسجد ضرار کا حکم نہ کیا جاوے گا، اور اول تو مسلمان کی بناء کردہ مساجد پر ایسا گمان کرنا بھی درست نہیں ہے کہ اس نے بہ قصد اضرار، وتفریق بین المؤمنین یہ مسجد بنائی ہے، اور جب کہ وہ حلفاً اس غرض سے اور قصد سے انکار کرتا ہے، تو پھر اس کی طرف بدگمانی کرنا بھی درست نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ الآية﴾ (سورۂ حجرات، آیت: ۱۲) وفي الحديث: فإن الظن أكذب الحديثِ (۱) اور جب کہ اس نے محض لوجہ اللہ مسجد بنائی تو اس کو مسجد ضرار کہنا اور اس میں نماز کو منع کرنا مصداق ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۱۴) کا بننا ہے۔ فقط واللہ اعلم

ہندو آبادی میں بنائی ہوئی مسجد کو "ضرار" کہنا درست نہیں

سوال: (۸۴۵) قصبہ "نکودر" میں ایک تجارتی منڈی ہے اس میں صرف ہندو دکاندار ہیں، زید کہتا ہے کہ وہاں مسجد کا ہونا ضروری ہے، خالد کہتا ہے کہ وہاں تعمیر مسجد کی کوئی ضرورت نہیں، اور تعمیر مسجد سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، اور بکر کہتا ہے کہ شرعاً ایسے مقام میں مسجد ناجائز ہے، اور مسجد ضرار کا واقعہ پیش کرتا ہے؛ اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ (۱۵۳۱/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جب کہ قصبہ "نکودر" میں مسلمان بھی آباد ہیں تو مسجد کا تعمیر ہونا وہاں ضروری ہے، اور کم از کم تعمیر مسجد میں حرج کچھ نہیں ہے، اور "مسجد ضرار" کہنا اس کو کسی طرح درست نہیں ہے، اور اس منڈی میں بھی مسلمانوں کی آمد ورفت ضرور رہتی ہوگی؛ ایسی جگہ مسجد کا ہونا اچھا ہے، اور کار ثواب ہے، حدیث شریف میں ہے: من بنى لله مسجدًا بنى الله له بيتًا في الجنة (۲) نیز حدیث شریف میں ہے: إنما الأعمال بالنيات (الحديث) (۳) فقط

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث (الجامع للترمذي ۱۹/۲ باب ما جاء في ظن السوء)

(۲) مشكاة المصابيح ص: ۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوة.

(۳) الجامع الصحيح للبخاري ۲/۱ باب كيف كان بدء الوحي.

نئی مسجد بنانے کے بعد پرانی مسجد کو "ضرار" کہنا کیسا ہے؟

سوال: (۸۴۶) ایک پرانی مسجد جو کہ بوجہ طوفان عظیم محلّہ سمیت فنا ہوگئی، بعد ازاں اہل محلّہ قدیمی بستی چھوڑ کر ایک نئی بستی میں سکونت پذیر ہیں، جو سابق بستی سے ربع میل کے فاصلے پر ہے، وہاں ایک نئی مسجد تعمیر کر لی ہے، اور نماز جمعہ سات ماہ تک ہوتی رہی، اب انہوں نے دوبارہ وہ پرانی مسجد تیار کر کے نماز جمعہ پڑھنی شروع کر دی ہے، جہاں فی الحال آبادی بھی نہیں ہے، اس پرانی مسجد میں جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور پرانی مسجد کو "مسجد ضرار" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۷۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اصل یہ ہے کہ جو ایک دفعہ شرعی حیثیت سے مسجد ہو جاتی ہے پھر دائما مسجد ہی رہتی ہے، آبادی کی ویرانی، تعمیر کا انہدام اس کی مسجدیت کو باطل نہیں کر سکتا؛ پس صورت مسئولہ میں جو پرانی مسجد ویران ہو چکی تھی، بہ دستور مسجد تھی، اس کی تعمیر مسلمانوں کے ذمہ تھی، ایسے ہی وہ نئی مسجد جو شرعی طور پر مسجد ہو چکی ہے ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، کسی مدعی کا دعوئ شفعہ اس کو باطل نہیں کر سکتا، مسلمانوں کا فرض ہے کہ دونوں مسجدوں کو آباد رکھیں، اور اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد قدیم جو اب آبادی سے کچھ فاصلے پر ہے، جمعہ کے لیے مخصوص کر دی جائے، اور نئی مسجد میں تمام نمازی صلوات خمسہ ادا کریں، یہ تقسیم بھی اس لیے ہے کہ ہر نماز کے لیے مسجد قدیم میں جانا بہ ظاہر دشوار ہوگا، ورنہ مسلمان اگر اتفاق وعزم سے کام لیں تو دونوں مسجدیں ہر وقت آباد رہ سکتی ہیں، ان میں سے کسی مسجد کو "ضرار" کہنا انتہائی جہالت اور شرعی معصیت ہے۔ درمختار میں ہے: ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدًا عند الإمام والثاني أبدًا إلى قيام الساعة وبه يفتي حاوى القدسي وفي الشامي: وأكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الأوجه فتح، بحر (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسلمانوں کی مساجد میں "مسجد ضرار" اور "مسجد شرعی" کی تفریق صحیح نہیں

سوال: (۸۴۷)......(الف) کتنے رقبہ یا آبادی کے واسطے ایک مسجد ہونا فرض واجب یا سنت ہے؟

(ب) رقبہ یا آبادی معینہ شارع علیہ السلام کے اندر ایک سے زائد جس قدر مسجدیں ہوں وہ بھی

(۱) الدر والشامی ۴۲۹/۶ كتاب الوقف – مطلبٌ فيما لو خرب المسجد أو غيره.

حسب مسجد اللہ کہلانے کی مستحق ہیں یا مسجد ضرار؟

(ج) کسی مقررہ رقبہ یا آبادی کی جملہ مساجد موجودہ میں سے، مسجد اسلامی اور مساجد ضرار کا فرق وانتخاب، بہ ذریعہ اجماع واتفاق رائے واجب ہوگا یا تاریخی وزمانی حیثیت سے جو اول وقدیم ہو مسجد اسلامی قرار دی جائے؟

(د) یا ہر وہ عمارت جو مسجد نما ہو مسجد اسلامی ہے؟ خواہ اس کا بانی کوئی ہو، کیسے ہی عقائد رکھتا ہو؟ اس کی نیت کیسی ہی خراب کیوں نہ ہو؟ مگر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کو خدا کا گھر ہی سمجھے؟
(۱۰۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) شرعاً اس میں کوئی تحدید اور قید نہیں ہے، حسب ضرورت مطلقاً اجازت تعمیر مساجد کی ہے، نصوص کلام اللہ واحادیث رسول اللہ ﷺ نے کوئی تحدید اس کی نہیں فرمائی، نہ مجتہدین وعلمائے امت نے اس بارے میں کچھ تحدید کی ہے؛ بلکہ ضرورت وحاجت ونیک نیتی پر اس کا دار ومدار ہے، اگر اخلاص اور نیک نیتی سے ایک مسجد کے قریب بھی دوسری مسجد بنائی جائے، تو شرعاً وہ مستحق اجرِ بنائے مسجد ہے، اور ضرورات بھی مختلف ہیں، کوئی محلہ اتنا آباد اور کثیر التعداد آدمیوں کو مشتمل ہوتا ہے کہ اس محلہ میں ایک مسجد کافی نہیں ہوتی، وہاں دو اور تین اور چار یا زیادہ مساجد ہوں تو وہ بھی آباد رہ سکتی ہیں؛ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت میں وہاں ضرورت تھی، دوسرے وقت ضرورت نہ رہی، مگر جو مسجد ہو چکی وہ مسجد ہی رہے گی؛ بہر حال مدار اس پر ہے کہ جو مسجد بنائی جائے، اللہ کے واسطے اور نیک نیتی سے بنائی جائے، اور واضح ہو کہ مسلمان کے کسی دینی کام مثل بنائے مسجد وغیرہ کو بدنیتی پر محمول نہ کرنا چاہیے کہ ہم کو حکم مسلمانوں پر حسن ظن کا ہے نہ بدگمانی کا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (سورۂ حجرات، آیت: ۱۲) إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث (۱) البتہ یہ ضرور ہے کہ بنانے والوں کو محض لوجہ اللہ اور اخلاص اور نیک نیتی سے مسجد بنانا چاہیے، اور مال حلال سے بنانا چاہیے، مگر دوسروں کو موقع طعن زنی کا اور بدگمانی کا شریعت نے نہیں دیا ہے۔

(ب) جب کہ معلوم ہوا کہ کوئی تحدید شرعاً دربارۂ بناء مساجد نہیں ہے، بلکہ مدار ضرورت اور نیک

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا (أبوداؤد ۲/۶۷۳ كتاب الأدب ـ باب في الظن)

نیتی پر ہے تو جملہ مساجد بناء کردہ مؤمنین ''مساجد شرعیہ'' ہیں، اور مساجد کہلانے کی مستحق ہیں، مسلمان کی بناء کردہ مسجد پر حکم ''مسجد ضرار'' کا نہیں لگایا جاسکتا؛ کیونکہ مسجد ضرار کفار ومنافقین کی بناء کردہ تھی، اور ان کی بد نیتی اور فساد وتفریق کے لیے بنانا: وحی قطعی سے معلوم ہوگیا تھا، مسلمانوں کی بناء کردہ مساجد پر یہ حکم کیسے جاری ہوسکتا ہے؟ حالانکہ بناء مسجد کو حق تعالیٰ نے علامت ایمان کی بتلائی ہے۔ قال الله تعالی: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۸) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من بنى لله مسجدًا بنى الله له بيتًا في الجنة (۱) اور یہ پہلے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر حسن ظن کا حکم ہے، کسی کی نیت کا حال دوسروں کو کیسے معلوم ہوسکتا ہے هلا شققت عن قلبه (۲) حدیث شریف میں وارد ہے، اور حدیث متفق علیہ میں ہے إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرئ مانوى (الحديث) (۳)

(ج) اوپر کی تحقیق سے واضح ہوا کہ جملہ مساجد مؤمنین مساجد ہیں، ان میں کسی کو مسجد شرعی اور کسی کو مسجد ضرار کہنا، اور یہ تفریق کرنا صحیح نہیں ہے اور ''قدامت وتاخر زمانہ'' کو مسجد کے لیے مسجد شرعی ہونے میں کچھ دخل نہیں، مسجد قدیم بھی مسجد ہے، اور مسجد جدید بھی مسجد ہے، اور اس میں کسی کے اجماع رائے اور اتفاق کی ضرورت نہیں ہے، البتہ بعض مواقع میں فقہاء نے لکھا ہے کہ بعض صورتوں میں مسجد قدیم میں نماز پڑھنا افضل ہوتا ہے مسجد جدید سے، مثلاً کسی کے مکان سے دونوں مسجدیں برابر فاصلے پر ہیں، اور ان میں مسجد محلّہ کوئی نہیں، تو اس صورت میں اس شخص کے حق میں مسجد قدیم میں نماز پڑھنا افضل ہے مسجد جدید سے، اور مسجد محلّہ اہل محلّہ کے لیے افضل ہے اگرچہ وہ جدید ہو۔

(د) ہر ایک مسجد کو مسجد ہی سمجھنا چاہیے، اور آداب مسجد اس میں بجالانا چاہیے، اور اس کی آبادی کی فکر اور اس میں سعی کرنا چاہیے، کسی کی ویرانی اور بربادی میں سعی نہ کرنی چاہیے۔ قَالَ اللّٰهُ تعالى: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا الآية﴾ (سورۂ بقرہ،

---

(۱) مشكاة المصابيح ص:۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوة.

(۲) عن أسامة بن زيد رضي الله عنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أناس من جُهَيْنَةَ فأتيت على رجل منهم فذهبت أطعنه فقال: لا اله الا الله. فطعنته، فقتلته فجئت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبرته فقال: أقتلته وقد شهد أن لااله الاالله؟ قلت: يارسول الله! إنما فعل ذلك تعوذا، قال فهلا شققت عن قلبه؟ متفق عليه (مشكاة ص:۲۹۹ كتاب القصاص الفصل الأول)

(۳) الجامع الصحيح للبخاري ۲/۱ باب كيف كان بدء الوحي.

آیت:۱۱۴) یہ اوپر معلوم ہوا کہ نیت کا حال سوائے عالم الغیب والشہادۃ کے کسی کو کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے! ایک صحابی نے ایک کافر کو کلمہ توحید پڑھنے کے بعد قتل کردیا، اور یہ تاویل کی کہ اس نے ازراہ نفاق تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھ لیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس پر یہ ارشاد فرمایا: ھلا شققت عن قلبه تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟ پس اس کی بحث اور کھود کرید نہ کرنی چاہیے کہ فلاں مسجد کا بانی کون تھا؟ اس کی نیت کیسی تھی؟ فقط

سوال: (۸۴۸) درقصبہ پنیاں گاؤں مسجدے از مدت مدید قائم است، اکنوں شخصے از اہل محلہ مسجدے دیگر تیار ساخت، بعض علماء مسجد نو را مسجد ضرار گویند وبعض برخلاف ایں فتوی دہند، قول کدام کس اقرب الی الصواب است؟ بینوا توجروا (۱۳۳۵/۳۴۵ھ)

الجواب: بانی مسجد جدید اگر از راہ نفسانیت وبغرض اضرار مسجد قدیم مسجد جدید تیار کردہ است مستحق وعید وعاصی است؛ لیکن مارا حکم ببودنش مسجد ضرار کردن روا نیست کہ إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (۱) وارد است ومارا علم نیت او نیست وبحکم آیت کریمہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ (سورۂ حجرات، آیت:۱۲) سوء ظن بمؤمن حرام است۔

ترجمہ: سوال: (۸۴۸) قصبہ پنیاں گاؤں میں ایک مسجد عرصہ دراز سے قائم ہے فی الحال محلے والوں میں سے ایک شخص نے نئی مسجد بنائی ہے، بعض علماء جدید مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہتے ہیں اور بعض علماء اس کے برخلاف فتوی دیتے ہیں؛ ان میں سے کس کا قول اقرب الی الصواب ہے؟

الجواب: نئی مسجد کے بانی نے اگر نفسانیت اور مسجد قدیم کو ضرر پہنچانے کی غرض سے جدید مسجد تیار کرائی ہے تو وہ وعید کا مستحق اور گنہ گار ہے؛ لیکن ہمارے لیے اس پر ''مسجد ضرار'' ہونے کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے، حدیث میں ہے إنما الأعمال بالنيات اور ہمیں اس شخص کی نیت کا حال معلوم نہیں۔ نیز قرآن کریم کی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ الآية﴾ کی وجہ سے بھی مسلمان کے ساتھ بدگمانی حرام ہے۔

سوال: (۸۴۹) زید نے ایک وسیع مسجد بنانے کا ارادہ کر کے ہمسایوں سے مشورہ لیا، اول یہ رائے ہوئی کہ مسجد قدیم کو وسیع کیا جائے؛ چونکہ جگہ میں گنجائش نہ تھی اس لیے بہ جز دو چار نمازیوں کے

(۱) صحيح البخاري ۱/۲ باب كيف كان بدء الوحي.

باقی سب نمازیوں کے اتفاق سے دوسری جگہ وسیع مسجد پختہ بنائی گئی، بعدہ مخالفین نے کسی عالم سے ظاہر کیا کہ بانی نے سود کے روپے سے مسجد بنائی، اور ریاءً بنائی ہے، بناء علیہ مولوی مذکور نے اس مسجد پر ضرار کا فتوی دیا، بانی کہتا ہے کہ میں نے اپنی موروثی زمین کا غلہ فروخت کرکے مسجد بنائی ہے: آیا یہ مسجد شرعی مسجد ہے یا نہیں؟ (۲۱۴۴/۱۳۴۴ھ)

الجواب: مسجد مذکور شرعی مسجد ہے، اور نماز و جماعت اس میں صحیح ہے، اور وہ ثواب وفضیلت جو مسجد میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے مسجد مذکور میں حاصل ہے ملحق بہ مسجد ضرار کہنا اس کو غلط ہے۔ فقط

گرمی کی وجہ سے پرانی مسجد چھوڑ کر جو نئی مسجد بنائی گئی ہے اس کو مسجد ضرار کہنا درست نہیں

سوال: (۸۵۰) در یک موضع مسجد است، پیش چند ایام درو جماعت شدہ، حالا او را متروک ساختہ در دیگر موضع بلا عذر معتد بہ ـــ یعنی ریح می آید و گرمی می شود ـــ مسجد جدید تیار نمودہ اند ایں مسجد ضار در شرع شریف است یا نہ؟ (۱۰۷۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ہرگاہ نیت بانیین مسجد ثانی اضرار کسے نیست و بناءش ﴿كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نیست ﴿وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ نیست چگونہ او را مسجد ضرار گفتہ شود کہ در بودن مسجد ضرار چہار شرط ذکر فرمودہ اند (الف) ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾ (ب) ﴿وَ كُفْرًا﴾ (ج) ﴿وَ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (د) ﴿وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۷) فافهم وتدبر فإن الظن أكذب الحديث(۱)

ترجمہ: سوال: (۸۵۰) ایک جگہ مسجد ہے، چند دنوں پہلے اس میں جماعت ہوتی تھی، فی الحال لوگوں نے اسے بالکل چھوڑ کر معمولی عذر کی بناء پر ـــ کہ لو چلتی ہے اور گرمی ہوتی ہے ـــ ایک دوسری جگہ نئی مسجد تیار کرلی ہے: شریعت میں ایسی مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: جب کہ مسجد بنانے والوں کی نیت کسی کو نقصان پہنچانا نہیں ہے اور نہ اس کی بنیاد

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث (جامع الترمذي ۲/۱۹ أبواب البر والصلة، باب ما جاء في ظن السوء)

''کفر'' ''تفریق بین المؤمنین ،اور'' ارصادا لمن حارب اللّٰہ ورسولہ'' پر ہے تو پھر کیسے اسے مسجد ضرار کہا جائے گا؟ حالانکہ مسجد ضرار ہونے کے لیے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں: (۱) اسلام کو نقصان پہنچانا۔ (۲) اس میں بیٹھ کر کفر کی باتیں کرنا۔ (۳) مؤمنین کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا۔ (۴) خدا اور رسول کے دشمنوں کے لیے قیام کا سامان کرنا — ان باتوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور بدگمانی سے بچنا چاہیے، اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔

اہل شیعہ کے مقابلے میں اہل سنت نے جو دوسری مسجد بنائی ہے وہ مسجد ضرار نہیں

سوال: (۸۵۱) ایک مسجد اہل شیعہ کی تعمیر کردہ ہے، اس مسجد میں جا کر اگر کوئی مولوی مناقب اصحاب ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے فضائل) بیان کرے تو سخت خطرہ ہے، اور فساد برپا ہوتا ہے اس صورت میں اگر اہل سنت والجماعت دوسری جامع مسجد تعمیر کرادیں تو وہ بحکم مسجد ضرار ہوگی یا نہیں؟ (۵۴۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: بہ صورت مذکورہ اہل سنت وجماعت کو دوسری مسجد تعمیر کرانا ضروری ولابدی ہے تا کہ اہل سنت وجماعت بہ اطمینان بلاخوف وخطر اس میں نماز باجماعت وجمعہ ادا کریں، اور مناقب صحابہ وخلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین بیان کریں، اور احکام شرعیہ وعظ میں بیان کریں اور جن حضرات کے حق میں اللہ تعالیٰ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (۱) فرماتا ہے ان حضرات کے مناقب اور فضائل بلاخوف وخطر سنادیں، پس ایسی مسجد بحکم مسجد ضرار کسی طرح نہ ہوگی، بلکہ مسجد ضرار کے مشابہ مسجد روافض ہے جس پر تعریف مسجد ضرار من بعض الوجوہ صادق آتی ہے، اور مسجد ضرار ایسے ہی منافقین کی بناء کی ہوئی تھی۔ فقط

دوسری مسجد کو ''ضرار'' اور بانی کو ''کافر'' کہنا کسی طرح درست نہیں

سوال: (۸۵۲) کیا ایک محلّہ میں دو مسجد بنانا جائز ہے؟ جو لوگ مسجد قدیم پر قابض ہیں وہ علمائے

(۱) سورۂ مائدہ، آیت: ۱۱۹، سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۰، سورۂ مجادلہ، آیت: ۲۲، اور سورۂ بیّنہ، آیت: ۸۔

اہل سنت کو علانیہ کافر کہتے ہیں، اور کلمات توہین آنحضرت ﷺ کی شان میں استعمال کرتے ہیں، اس وجہ سے دوسری مسجد بنانا، اور دوسری مسجد کو ضرار کا حکم دینا اور منہدم کرنا اور جلانا چاہیے یا نہ؟ اور بانی کو کافر کہا جاوے گا یا نہیں؟ (۱۳۳۰/۱۲۲۶ھ)

الجواب: بنائے مسجد جدید بہ ضرورت مذکورہ جائز ہے، اور مسجد ثانی بہ حکم مسجد ضرار نہیں ہے، اور منہدم کرنا اور جلانا اس کا درست نہیں ہے، اور کافر کہنا بانی مسجد جدید کو کسی طرح درست نہیں ہے بلکہ کافر کہنے والا مصداق أیما رجل قال لأخیه کافر فقد باء بها أحدهما أو کما قال صلی الله علیه وسلم (۱) کا ہے والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ. فقط

حضرت عطاء کی روایت کی وجہ سے مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو ''ضرار'' کہنا درست نہیں

سوال: (۸۵۳) مسجدے بناء شد متصل مسجدے دیگر عناداً یا غیر عناداً کہ در بناء کردنے مسجد ثانی مسجد اوّل غیر آباد شد؛ آیا مسجد ثانی حکم مسجد ضرار دارد یا نہ؟ گر ندارد معنی حدیث عطاء چہ باشد؟ وعن عطاء لما فتح الله الأمصار علی عمر رضی الله تعالی عنه أمر المسلمین أن ینبوا المساجد وأن لایتخذوا فی مدینة مسجدین یضار أحدهما صاحبه (۲) (۱۳۳۳-۳۲/۵۸۳ھ)

الجواب: بناء مسجد مسلمانے را حکم مسجد ضرار دادن صحیح نیست، واز روایت عطاء ہمیں قدر ثابت است کہ کسے بہ غرض اضرار مسجد دیگر بناء نہ کند، اگر بایں نیت مسجدے بناء خواہد کرد ثواب بناء مسجد او را حاصل نخواہد شد؛ بلکہ اگر ماخوذ و معتوب گردد عجب نیست؛ لیکن ازیں روایت دیگراں را ایں حکم کردن ثابت نیست کہ مسجد بناء کردۂ مسلمانے را مسجد ضرار گویند کہ حال نیت کسے دیگراں را معلوم نمی شود۔ وقال علیه الصلاة والسلام: انما الاعمال بالنیات الخ (۳) وإیاکم والظن فإن الظن أکذب

---

(۱) عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: أیما رجل قال لأخیه کافر فقد باء بها أحدهما (جامع الترمذی ۹۲/۲ أبواب الإیمان، باب ما جاء فی من رمی أخاه بکفر)

(۲) تفسیر روح المعانی ۲۱/۱۱ سورۃ توبۃ، آیت: ۱۰۷.

(۳) الجامع الصحیح للبخاری ۲/۱ باب کیف کان بدء الوحی.

الحدیث(۱) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ (سورۂ حجرات، آیت:۱۲) فقط

ترجمہ: سوال: (۸۵۳) ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد ضد میں یا بغیر ضد کے تعمیر کی گئی لیکن اس دوسری مسجد کے بنانے کی وجہ سے پہلی مسجد ویران ہوگئی؛ تو ایسی صورت میں دوسری مسجد ''مسجد ضرار'' کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس روایت کا کیا مطلب ہے جو حضرت عطاء رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شہروں کی فتحیابی نصیب فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مسجدیں بنائیں، مگر ایک شہر میں دو مسجدیں اس طرح نہ بنائیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو نقصان پہنچے۔

الجواب: مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہنا صحیح نہیں ہے اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص نقصان پہنچانے کی غرض سے دوسری مسجد نہ بنائے اگر اس نیت سے مسجد بنائے گا تو اسے مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا؛ بلکہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماخوذ و معتوب ہو جائے۔

تاہم اس روایت کی بناء پر دوسرے کے لیے کسی مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو ''ضرار'' کہنے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ کسی کی نیت کا حال دوسروں کو معلوم نہیں ہوسکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: بدظنی سے بچو! کیونکہ بدظنی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں؛ فقط

---

(۱) عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: إياكم والظن، فإنّ الظن أكذب الحديث (ترمذی ۱۹/۲ ابواب البر والصلة. باب ما جاء فی ظن السوء)

مساجد سے متعلق متفرق مسائل

مسافروں کی راحت کے لیے مسجد بنانا کارِثواب ہے

سوال: (۸۵۴) ہمارا موضع لب سڑک واقع ہے، آبادی کے اندر دو مسجدیں خام موجود ہیں، لیکن بہ خیال سہولتِ مسافران ایک مسجد لب سڑک متصل چاہ پختہ تعمیر کرنے کا ارادہ ہے؛ جائز ہے یا نہیں؟ اگر میں اور دیگر مسلمان اس میں نماز پڑھنے لگیں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۸۵۳ھ)

الجواب: لب سڑک متصل چاہ؛ مسجد تعمیر کرا دینا بہ غرض سہولت و راحتِ مسافران جائز اور کارِ ثواب ہے، اور اگر آپ اور دیگر بستی کے لوگ اس میں نماز پڑھتے رہیں تو اچھا ہے، بہ شرطیکہ بستی کی مسجدیں ویران نہ ہوں، بلکہ وہاں بھی نمازی نماز پڑھتے رہیں، اور اس جدید مسجد میں بھی پڑھیں۔ فقط

مسجد کا صحیح رخ کونسا ہے؟

سوال: (۸۵۵) مسجد کا رخ قطب کی جہت پر ہونا چاہیے یا کعبہ کے رخ پر؟ یعنی قطب ستارے پر صحیح ہوگی یا کعبہ پر؟ بعض پرانی مسجدیں کعبہ پر ہیں، اور بعض پرانی مسجدیں قطب پر بھی ہیں؛ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں طریق پر جو مسجدیں ہیں، ان میں سے کوئی مسجد ایسی بھی ہے کہ جس میں نماز نہ ہوتی ہو، یا دونوں طریق سے جو مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں نماز درست ہے؟ غرضیکہ یہ تحریر فرماویں کہ ان دونوں قسم کی مسجدوں میں سے کون سی مسجد صحیح ہے اور کون سی صحیح طریقے پر نہیں ہے؟ (۳۲۰/۱۳۴۴-۴۳ھ)

الجواب: قطب شمالی کو داہنے مونڈھے پر کرنے سے کعبے کا رخ صحیح ہو جاتا ہے، اور نماز صحیح ہو جاتی ہے، اگر کسی جگہ قلیل فرق ہوتا ہو تب بھی کچھ حرج نہیں ہے، تھوڑے فرق سے جہت کعبہ نہیں بدلتی۔ فقط

قبلہ سے قدرے منحرف مسجد کا حکم

سوال: (۸۵۶) ایک مسجد میں کچھ اعوجاج اور ٹیڑھا پن ظاہر ہوا ہے جو صحیح قبلہ کی طرف نہیں ہے؛ یعنی پہلوِ شمالی چار فٹ آگے بڑھا ہوا ہے، اور پہلو جنوبی چار فٹ پیچھے ہٹا ہوا ہے؛ تو اس کو شہید کر کے از سر نو بنایا جاوے یا نماز اس میں درست ہے؟ (۴۹۷-۴۴/۱۳۲۵ھ)

الجواب: مسجد کو شہید نہ کیا جاوے، اسی حالت میں نماز اس میں صحیح ہے۔

ایک شہر کی مسجدوں کی جہاتِ قبلہ میں تفاوت نہیں ہوسکتا

سوال: (۸۵۷) ایک ہی شہر میں مسجدوں کی جہاتِ قبلہ متفاوت ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ اور جو شخص جان بوجھ کر عمداً قبلہ رخ سے دوسری جانب نماز پڑھے وہ کافر ہوگا یا نہیں؟ (۲۲۳۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ ایک شہر میں تفاوت سمت قبلہ نہیں ہوسکتا، مگر بعض اوقات زمین کے پھیر سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے، پس جب کہ ہر ایک مسجد میں قطب نما سے رخ صحیح معلوم ہوتا ہے تو سب میں نماز صحیح ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ تھوڑے سے انحراف سے نماز میں فساد نہیں آتا جیسا کہ درمختار و شامی میں مفصلاً مذکور ہے(۱) اور یہ بھی واضح ہو کہ صلاۃ الی غیر القبلہ عمداً موجب کفر نہیں ہے بلکہ فسق و معصیت ہے: كما في الدر المختار: وبهذا ظهر أن تعمد الصلاة

---

(۱) في الدر المختار: والسادس: استقبال القبلة حقيقة أو حكمًا ..... فللمكّي ..... إصابة عينها ..... ولغيره أي غير معاينها إصابة جهتها بأن يبقى شيء من سطح الوجه مُسامِتًا للكعبة أو لهوائها الخ. وفي الشامي: فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين انحرافًا لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز، ويؤيده ما قال في الظهيرية: إذا تيامن أو تياسر تجوز، لأن وجه الإنسان مُقوّس، لأن عند التيامن أو التياسر يكون أحد جوانبه إلى القبلة اهـ ..... والحاصل أن المراد بالتيامن والتياسر الانتقال عن عين الكعبة إلى جهة اليمين أو اليسار لا الانحراف لكن وقع في كلامهم ما يدل على أن الانحراف لا يضر، ففي القهستاني. ولا بأس بالانحراف انحرافًا لا تزول به المقابلة بالكلية بأن يبقى شيء من سطح الوجه مُسامِتًا للكعبة اهـ ..... فعلم أن الانحراف اليسير لا يضر، وهو الذي يبقى معه الوجهُ أو شيءٌ من جوانبه مسامِتًا لعين الكعبة أو لهوائها الخ (الدر المختار و ردالمحتار ۲/۹۶-۹۹ كتاب الصلاة - باب شروط الصلاة - مبحث في استقبال القبلة)

بلا طهر غير مكفر كصلاته لغير القبلة (۱) اور علامہ شامی نے کہا کہ ''صلاۃ بلا طہارت'' میں تکفیر کی روایت نوادر کی ہے ظاہر الروایہ نہیں ہے (۲) فقط

مسجد کا منبر، محراب کے اندر بنانا چاہیے یا باہر؟

سوال: (۸۵۸) منبر محراب کے اندر بنانا چاہیے یا باہر؟ (د ۲۸۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: منبر ایسی جگہ ہونا چاہیے کہ نمازی اس کے سامنے ہوں، اور آواز اس کی نمازیوں کو پہنچے، اگر محراب کے اندر بھی ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔

صف کے درمیان حائل ہونے والے منبر کا حکم

سوال: (۸۵۹)...... (الف) ایک جامع مسجد کی اول صف میں منبر جس پر خطبہ پڑھا جاتا ہے قاطع صف ہے، حسب استفتاء اس منبر کو اکھاڑ کر اس کے بجائے ایک منبر چوبی تیار کرادیا گیا جس پر خطیب نے چند سال تک خطبہ پڑھا، اور وقت نماز اس منبر کو اٹھا دیا جاتا تھا، مگر چند اشخاص نے حال میں منبر کے اکھاڑنے والے کو سخت الفاظ استعمال کیے اور ضداً اینٹ کا منبر مثل سابق کے تیار کرلیا۔

(ب) منبر جو قاطع جماعت وصفِ اول ہے اس کا رہنا نماز کے واسطے کراہت کا باعث ہے یا نہیں؟ (۹۲۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف، ب) یہ صورت اچھی تھی کہ منبر سابق قاطع صف کو اکھاڑ کر منبر چوبی بنایا گیا جس پر خطبہ بھی پڑھ لیا جائے اور بہ وقت جماعت علیحدہ کردیا جائے تاکہ صف اول پوری ہوجائے کیونکہ اتمام صف سنت ہے كما ورد: أقيموا الصفوف (۳) اور آنحضرت ﷺ کے لیے منبر چوبی بنوایا گیا تھا

(۱) الدر مع الرد ۱/۳۷۵ كتاب الطهارة. مطلبٌ فاقد الطهورين. وفيه أيضا: و به ظهر أن تعمد الصلاة الخ (الدر مع الرد ۱/۱۷۰ أوائل كتاب الطهارة)

(۲) حيث قال بعد ذكره الخلاف في مسئلة الصلاة بلا طهارة: و إن الإكفار رواية النوادر. وفي ظاهر الرواية لا يكون كفرًا الخ (ردالمحتار ۱/۱۷۰، أوّل كتاب الطهارة)

(۳) عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف فإني أراكم خلف ظهري (الجامع الصحيح للبخاري ۱/۱۰۰ كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها)

جس پر آپ خطبہ پڑھتے تھے پس جس شخص نے ایسا کیا اس نے کارِ ثواب کیا اس پر طعن کرنا اور برا کہنا معصیت ہے، اور ضد کر کے پھر منبر سابق قاطع صف کی تعمیر کرنا قبیح اور مذموم ہے، وہ شخص جس نے ضدًا یہ تجویز کی اور جن لوگوں نے اس کا ساتھ دیا انہوں نے فعل سنت کو چھوڑ کر بے وجہ خلاف سنت اور مکروہ فعل اختیار کیا۔

محراب وسطِ مسجد میں نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۸۶۰) ایک مسجد قدیم کی سہ دری کے داہنی جانب دو در اور بڑھائے گئے ہیں، اب اگر مجموعہ دروں کے حساب سے بیچ کے در میں محراب قائم کی جاتی ہے تو ڈیڑھ گز کا ٹکڑا بائیں جانب زیادہ ہوتا ہے، بہر حال محراب وسط مسجد میں نہیں رہتی، کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳/۳۲-۳۲۹ھ)

الجواب: حتی الوسع امام کے کھڑے ہونے کی جگہ وسط میں ہونی چاہیے، سنت یہی ہے؛ البتہ بہ ضرورت تھوڑے بہت فرق کا کچھ حرج نہیں ہے، پس مجموعہ دروں کے حساب سے بیچ کا در لیا جاوے۔

مسجد کی کھڑکیاں کتنی اوپر ہونی چاہئیں؟

سوال: (۸۶۱) مسجد جدید کی مغربی دیوار میں ہوا کے لیے کھڑکیاں بنوانا اگر جائز ہے تو قد آدم سے اوپر ہونی چاہئیں یا کیا؟ (۵۲۷ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ درست ہے اور کھڑکیوں میں تار لوہے کے مثلاً لگوا دیے جاویں تو پھر ان کھڑکیوں کو نیچے رکھنا بھی درست ہے، قد آدم بلندی پر کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تار کھڑکیوں کے بہ منزلہ سُترہ کے ہو جاویں گے۔ فقط

ویران مسجد کو آباد کرنا عین ثواب ہے

سوال: (۸۶۲) ایک مسجد ایک رئیس صاحب کی ہے، اس میں وقت پر نماز نہیں ہوتی، اور یہاں کے نمازی اس دقت کی وجہ سے ایک دوسری مسجد کو جو ویران پڑی ہے آباد کرنا چاہتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ رئیس صاحب پرانی مسجد کی تعمیر و مرمت کو روکتے ہیں؛ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳/۳۲-۴۲ھ)

الجواب: پرانی مسجد کو درست اور آباد کرنا بہت ضروری اور کارِ ثواب ہے، پرانی مسجد کی تعمیر و مرمت کو روکنا جائز نہیں ہے، فریق غالب کا روکنا مسجد ویران کی تعمیر و آبادی کو، بالکل ظلم اور جہالت ہے؛ ویران مسجد کو آباد کرنا اور اس کی حفاظت اور تعمیر و مرمت کرنا عین ثواب ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۸) اور فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا الآية﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۱۴) فقط

مسجد کا مسقّف حصہ افضل ہے یا صحن؟

سوال: (۸۶۳) مسجد کا مسقف حصہ افضل ہے یا صحن؟ اگر دھوپ کی وجہ سے (یعنی گرمی کے زمانے میں) صحن میں نماز پڑھی جائے تو ثواب میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۵۵۲ھ)

الجواب: مسجد کے دونوں حصوں میں ثواب برابر ہے۔ فقط

قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے

سوال: (۸۶۴)......(الف) محلّہ داران کے لیے قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے یا اس کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانا افضل ہے؟

(ب) اگر مسجد جدید کی غیر آبادی کی نیت سے دور جاوے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۵/۶۴۳ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے فی الشامی: إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته فإنه أفضل حينئذٍ ...... و مسجد حيه وإن قل جمعه أفضل من الجامع وإن كثر جمعه الخ (۱) (شامی)

(ب) وہ گنہ گار ہے۔ فقط

غیر آباد مسجد کا تبادلہ

سوال: (۸۶۵) ایک قصبہ میں سکھوں اور مسلمانوں کی آبادی ہے، موضع کے درمیان ایک ایسی

(۱) الشامی ۳۷۵/۲ کتاب الصلوة . مطلبٌ فی أفضل المساجد .

جگہ ہے جو غیر مسقف، بے آباد برائے نام مسجد ہے، عرصہ بیس سال سے اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یہ مسجد سکھوں کے مکانوں سے متصل ہے، سکھ کہتے ہیں کہ اس مسجد کے بدلے ہم سے دُگنی جگہ لے لو، ورنہ ہم عدالت سے چارہ جوئی کریں گے: آیا یہ جگہ مسجد کی دے کر دوسری جگہ اس کے بدلے میں لے سکتے ہیں؟ اگر عدالت سے مسجد ان کو مل گئی تو مسلمانوں کے لیے بہت برا ہوگا، اور ہمیشہ کے لیے عداوت قائم ہو جائے گی: شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۲/۹۶ھ)

الجواب: کتب فقہ میں ہے کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے، وہ ہمیشہ کو مسجد رہتی ہے اس میں کبھی کوئی تصرف مالکانہ اس میں درست نہیں ہے، اور اس کا مبادلہ جائز نہیں ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ (سورۂ جن، آیت: ۱۸) اور شامی میں ہے: أن الفتوی علی تأبید المسجد (الشامی ۶/۴۲۹ کتاب الوقف) پس اپنے اختیار سے مسلمانوں کو اس مسجد کو چھوڑنا اور مبادلہ کرنا، اور سکھوں کے حوالہ کر دینا درست نہیں ہے، حکم سرکار سے اگر ان کو مل جاوے گی تو اس میں مسلمانوں پر گناہ نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ معذور اور لاچار ہیں، لیکن اپنے اختیار سے ان کو مسجد کفار کے قبضہ میں دے دینا جائز نہیں ہے۔ فقط

نئی مسجد کے امام سے ناراض ہو کر پرانی مسجد کو آباد کرنا

سوال: (۸۶۶) اہل اسلام نے بالاتفاق سابقہ مسجد کو مصلحۃً چھوڑ کر نئی مسجد تعمیر کر لی، اس لیے سابقہ مسجد رفتہ رفتہ غیر آباد ہو گئی، اور دیواریں بھی گر گئیں، دو تین مسلمانوں نے امام مسجد سے ناراض ہو کر ضد میں آ کر سابقہ مسجد کو از سر نو تعمیر کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی: اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۸۹۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ بہت اچھا ہوا کہ مسجد سابق آباد کی گئی؛ کیونکہ حکم شرعی یہ ہے کہ جو جگہ ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ کو ابد الآباد تک مسجد رہتی ہے اور اس کی آبادی میں کوشش کرنا ضروری اور موجب اجر عظیم ہے۔ فقط

مسجد کی نفع رسانی میں خلل ڈالنے والے کے لیے کیا سزا ہے؟

سوال: (۸۶۷) ایک درخت پیپل مقبوضہ سرکار مسلم کو سرکار مسلم نے مسلمانوں کی خواہش پر مسجد

میں صرف کرنے کے لیے دے دیا، اس پر ایک مسلمان نے اہل ہنود کو ورغلا کر کہا کہ یہ درخت پیپل تمہاری پرستش کا ہے، تم اس کو نہ کاٹنے دو، اور مسجد کے صرف میں نہ لانے دو؛ چنانچہ ہنود نے سرکار میں عرضی دی اور سرکار سے اس درخت کے کاٹنے کی ممانعت ہوگئی؛ ایسے مسلمان کی نسبت شریعت سے کیا سزا ہے کہ جو مسجد کے امور میں حارج ہو اور مانع ہو؟ (۱۲۹۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وہ شخص جو مسلمان ہو کر مسجد کی نفع رسانی میں حارج اور مانع ہو، عاصی اور مناع خیر ہے، اور جیسا کہ مساجد کی آبادی میں سعی کرنے والے اور مسجد کی خبر گیری کرنے والے بشارت ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۸) (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن کا یقین رکھتے ہیں) میں داخل ہیں اسی طرح مساجد کے ویران کرنے والے اور ویرانی میں سعی کرنے والے اور نفع رسانی میں خلل ڈالنے والے بشارت مذکورہ سے دور ہوں گے، اور اس وعید میں داخل ہوں گے جو ﴿مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ﴾ (سورۂ ق، آیت:۲۵، سورۂ قلم، آیت:۱۲) کے لیے وارد ہے۔ فقط

جدید مسجد کی تعمیر سے روکنا

سوال: (۸۶۸) موضع بدہولیا ضلع بانس بریلی میں صرف ایک مسجد پرانی ہے، اور بستی بہت وسیع ہے؛ تقریباً پانسو نماز پڑھنے والے آباد ہیں، ان میں سے ایک شخص نے ارادہ مسجد جدید بنوانے کا کیا، اور مسلمانوں کو جمع کر کے ان کی رائے واتفاق سے ایک کچا چبوترا بنوا دیا، عرصہ دو سال کا ہوا اس پر نماز بہ دستور ہوتی ہے، مسجد قدیم کے گرد ونواح کے لوگوں نے یہ رائے کی کہ دوسری مسجد یہاں نہ بنے، صرف مسجد قدیم ہی رہے، اور وہ آمادہ فوجداری ہوئے، اور چبوترا کو کھودنے کے لیے تیار ہوئے، اور جگہ دینے والے کو بہکا دیا کہ تو اپنی جگہ واپس لے لے، اس صورت میں جو لوگ مانع ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ (۳۲۰/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر اس شخص نے وہ چبوترا بالغرض نماز پڑھنے کے وقف کر دیا، اور اس کو مسجد سمجھا (گیا) تو وہ مسجد ہوگیا؛ اب اس کو واپس لینا اس جگہ کا درست نہیں ہے، اور جو لوگ مانع ہیں وہ گنہگار ہیں۔ فقط

مسجد اور مسجد کے اوقاف کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے

سوال: (۸۶۹) مسجد موسومہ ''غریب شاہ'' واقع متصل پل بنگش دہلی کا حجرہ اور صحن کا تقریباً

نصف حصہ اور کنواں و غسل خانہ وغیرہ گورنمنٹ لینا چاہتی ہے ان کی حفاظت حسب استطاعت مسلمانوں پر عند الشرع کہاں تک ضروری ہے؟ اور اگر ان حصص کی حفاظت میں کسی مسلمان کا مال اور جان صرف ہو جائے تو کیا وہ عند اللہ ماجور ہوگا؟ (۶۹/۱۳۴۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: بہ حکم ﴿ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ﴾ (سورۂ جن، آیت: ۱۸) اور بہ موجب روایات فقہیہ اَلْوَقْفُ لا یُمْلَكُ وَلا یُمَلَّكُ (الدرمع الرد ۶/۴۲۱ کتاب الوقف) وأن الفتوىٰ علی تأبید المسجد (الشامی ۶/۴۲۹ کتاب الوقف) مسجد اور حجرۂ مسجد اور صحن مسجد اور چاہ موقوفہ کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے، اور تصرف غیر سے حسب استطاعت اس کو بچانا ضروری اور لازم ہے، مسلمان اس میں پوری سعی اور چارہ جوئی کریں، اور تصرف غیر سے ان چیزوں کو بچائیں، اور جانی و مالی امداد سے حتی الوسع دریغ نہ کریں، لیکن قتل وقتال نہ کریں، اور ان کی حفاظت میں جو کچھ سعی جانی و مالی مسلمان کریں گے مستحق اجر ہوں گے۔ فقط

سرکار مساجد و مقابر کو منہدم کرنے کا حکم صادر کردے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۸۷۰) زمانہ حال میں عموماً دیکھا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی سڑک یا ریل کی پٹری یا نہر جاری کرنے اور کھودنے کا حکم کیا جاتا ہے تو اکثر ان کی زد میں مساجد و مقابر آجاتے ہیں، اور ان کو بالکل منہدم کرانے کا حکم کیا جاتا ہے: آخر حالت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ سرکار اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے نہیں ہٹتی، اور مسلمان اپنے جوش مذہبی کی وجہ سے جان دینے تک تیار ہو جاتے ہیں، اور کئی جانیں بے گناہ مقتول ہو جاتی ہیں؛ لیکن اکثر دیکھا جاتا ہے کہ سرکار اپنا حکم واپس کرتی ہے، اگر مسلمان اتنا بھی نہ کریں گے تو یقیناً سرکار کے لیے ایک قسم کا راستہ کھل جائے گا، اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا ہمیشہ اسی طرح استیصال کیا جائے گا؛ چنانچہ آج کل ضلع ''سکھر سندھ'' میں ایک نہر کھدوانے کا حکم کیا گیا ہے، اور بہت سے مقابر و مساجد اس کی زد میں آچکی ہیں؛ اب مسلمانوں کو صورت مذکورہ میں کیا کرنا چاہیے؟ اور کہاں تک مساجد کی حفاظت ان پر ضروری ہے؟ (۱۹۸۱/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: چونکہ گورنمنٹ کا یہ طرز عمل اس اعلان عام کے سراسر مخالف ہے، جس کو ''کوئن وکٹوریہ''

اور ہر دو پارلیمنٹ (دارالعوام اور دارالامراء) اور انگلستان کی مذہبی جماعت نے متفقہ طور پر ۱۸۵۸ء میں تمام ہندوستان میں شائع کر کے تمام سکان ہند کو مطمئن کیا تھا، اور جس کی تصدیق "ایڈورڈ ہفتم" اور "جارج پنجم" نے اپنی اپنی تخت نشینی کے اوقات میں نہایت پرزور الفاظ میں شائع کرائی تھی، اور جس کو اصولاً تمام ذمہ داران حکومت ہند آج تک تسلیم کررہے ہیں، اور چونکہ مذہبی حیثیت سے ہر مسلمان پر فرض اور واجب ہے کہ وہ شعائر اسلامیہ کی حفاظت میں اپنی پوری جدوجہد کو عمل میں لائے اور ہر قسم کی قوت کو صرف کرنے میں انتہائی درجہ تک سے بھی دریغ نہ کرے، اور چونکہ ایسے مذہبی معاملات میں سعی کرنا قدم قدم پر موجب ثواب ورحمت ہے، اس لیے "مسلمانان سندھ" پر خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں پر عموماً درجہ بدرجہ ضروری اور لازم ہے کہ امر مسئول عنہ میں مساجد دینیہ اور مقابر اسلامیہ کی حفاظت پوری طاقت کے ساتھ کریں، اور کسی کمزوری کو ہرگز روا نہ رکھیں؛ جولوگ ایسے معاملات میں ﴿لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۹۵) سے مسلمانوں کے عزائم اور ان کی ہمتوں کو ضعیف کرتے ہیں وہ سخت ترین غلطی پر ہیں، ان کو اس آیت کی تفسیر کی خبر نہیں؛ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت اس آیت کی تفسیر میں "صحاح" میں موجود ہے (۱) اس پر نظر ڈالیں، مسلمانوں کا ایسے امور میں سعی بلیغ اور انتہائی قوت صرف کرنے سے جان چرانا اور شعائر اسلامیہ کو برباد ہونے دینا یہ تہلکۃ ہے نہ کہ بدعہد ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا قال

---

(۱) عن أسلم أبي عمران قال : كنا بمدينة الروم فأخرجوا إلينا صفًا عظيمًا من الروم ، فخرج إليهم من المسلمين مثلهم أو أكثرُ وعلى أهل مصر عقبة بن عامر ، وعلى الجماعة فضالة بن عُبيد ، فحمل رجل من المسلمين على صف الروم حتى دخل عليهم، فصاح الناس وقالوا : سبحان الله ! يلقي بيديه إلى التهلكة ، فقام أبو أيوب الأنصاري، فقال: يا أيها الناس ! إنكم لَتُأَوِّلُوْنَ هذه الآية هذا التأويل ، و إنما نزلت هذه الآية فينا معشر الأنصار لمّا أعز الله الإسلام و كثر ناصروه ، فقال بعضنا لبعض سرًّا دون رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أموالنا قد ضاعت وإن الله قد أعز الإسلام وكثر ناصروه ، فلو أقمنا في أموالنا ، فأصلحنا ما ضاع منها ، فأنزل الله تعالى على نبيه صلى الله عليه وسلم يَرُدُّ علينا ماقلنا ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ كانت التهلكة الاقامة على الأموال و إصلاحها وتركنا الغزو ، فما زال أبو أيوب شاخصا في سبيل الله ، حتى دفن بأرض الروم .هذا حديث حسن غريب صحيح (جامع الترمذي ۱۲۶/۲ أبواب التفسير – من سورة البقرة. وهكذا في أبي داوٗد ص: ۳۴۰ كتاب الجهاد – باب في قوله عزّ وجلّ ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾)

علیہ الصلاۃ والسلام: إن الناس إذا رأوا الظالم فلم یأخذوا علی یدیہ، أوشك أن یعمھم اللّٰہ بعقاب (۱) وقال علیہ الصلاۃ والسلام: کلا! واللّٰہ لتأمرنّ بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتأخذن علی یدی الظالم ولتأطرنہ علی الحق أطرًا ولتقصرنہ علی الحق قصرًا (۲) (وفی روایۃ) أولیضربن اللّٰہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعننکم کمالعنھم الحدیث (۳) رواہ أبو داوٗد فی سننہ وغیرہ. کتبہ حسین احمد غفرلہٗ

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی نے حکومت برطانیہ کے جن جن اعلانات کا حوالہ دیا ہے، میں نے بھی سنا ہے کہ یہ اعلانات کیے جاچکے ہیں، لیکن اگر بالفرض یہ اعلانات نہ بھی ہوتے تب بھی کوئی مسلمان بحیثیت اسلام اپنے مذہبی شعائر کو مٹائے جاتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا ہے، اور اس کے لیے مذہبی حیثیت سے ضروری ہے کہ وہ ہر جائز کوشش اپنے مذہبی شعاروں کو محفوظ رکھنے کی کرے، اور یہ فریضہ کسی خاص محلّہ یا خاندان کے لوگوں پر عائد نہیں ہوتا ہے، بلکہ دنیا کے تمام مسلمان اس فریضہ کے لیے مشترک حیثیت رکھتے ہیں۔ بناءً علیہ ان مساجد و مقابر کو تاحد جواز بچانا ہر مسلمان پر فرض ہے واللّٰہ ولی امرہ ومجری قدرہ۔ محمد اعزاز علی غفرلہٗ

دیوار سے گھیر کر مسجد کو محفوظ کرنے کا حکم کب ہے؟

سوال: (۱۷۸) ایک مسجد ایسی چھوٹی ہے کہ جس میں تین چار آدمی کے نماز پڑھنے کے لائق جگہ ہے،

(۱) عن قیس قال: قال أبوبکر بعد أن حمداللّٰہ و أثنی علیہ یا أیھا الناس! إنکم تقرؤن ھذہ الآیۃ وتضعونھا علی غیر مواضعھا، علیکم أنفسکم، لایضرکم من ضل إذا اھتدیتم. قال عن خالد: وإنا سمعنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: إن الناس إذا رأوا الظالم. الحدیث (سنن أبی داوٗد ص: ۵۹۶ کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی)

(۲) عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن أوّل مادخل النقصُ علی بنی إسرائیل کان الرجلُ یَلْقی الرجلَ فیقول: یا ھذا! اتق اللّٰہ و دع ما تصنع، فإنہ لا یحل لك ثم یلقاہ ..... ثم قال: کلاَّ واللّٰہ لتأمرن بالمعروف ولَتَنْھَوُنّ عن المنکر. الحدیث (سنن أبي داوٗد ص: ۵۹۶ کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی)

(۳) عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بنحوہ، زاد: أو لیضربن اللّٰہ بقلوب بعضکم علی بعض. الحدیث (سنن أبي داوٗد ص: ۵۹۶ کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی)

آگے پیچھے کھڑے ہو کر جماعت نہیں کر سکتے تو اس مسجد کو محاط کر دینے کا حکم ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۴۰۵ھ)

الجواب: یہ حکم مسجد کے محاط اور محفوظ کر دینے کا اس وقت ہے کہ وہ مسجد ایسی ویران ہو جائے یا ویرانی کی جگہ میں واقع ہو جائے کہ اس مسجد میں کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہے، اور کوئی نماز نہ پڑھے، اس کے لیے یہ حکم ہے کہ جب اس کے کھلے ہوئے پڑے رہنے میں بے ادبی کا خوف ہے، اور جانوروں کے آنے جانے اور رہنے کا اندیشہ ہے تو اس کو محاط و محفوظ کر دیا جائے، باقی کسی مسجد محلہ کے چھوٹی ہونے کی وجہ سے یہ حکم نہیں ہے کہ اس کو بند کر دیا جائے؛ بلکہ اس میں نماز پڑھنی چاہیے، جماعت نہ ہو تو ایک دو آدمی ہی نماز پڑھا کریں، محلہ والوں کے ذمہ یہ حق ہے کہ اس کو ویران نہ کریں، اور جس طرح ہو سکے اس میں نماز پڑھیں، اگر جماعت نہ ہو سکے تو بلا جماعت ہی نماز پڑھیں، اور اول تو جہاں تک ہو سکے جماعت سے ہی نماز پڑھنی چاہیے، اگرچہ امام و مقتدی برابر میں کھڑے ہوں مگر امام کچھ آگے ہو جائے۔ فقط

غیر اوقاتِ نماز میں مسجد کے دروازے بند کرنا جائز ہے

سوال: (۸۷۲) مسجد کا دروازہ غیر اوقات نماز میں بہ حفاظت اسباب دن کو بند کرنا کیسا ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۱۱۱۸ھ)

الجواب: غیر اوقات نماز میں بہ غرض حفاظت سامان مسجد دروازہ مسجد کا بند کرنا درست ہے۔ درمختار میں ہے: وکما کرہ غلق باب المسجد اِلّالخوف علی متاعہ (۱)

سوال: (۸۷۳) چہ حکم شرع شریف است دریں مسئلہ کہ جامع مسجد لکھیم پور میں تین درجے ہیں: دو مسقف اور ایک سائبان ٹین ہے اور مسجد کے دونوں پہلو چپ و راست ہیں اور مسجد سے ملحق دو حجرے مؤذن کے قیام و اشیاء مسجد کی حفاظت کے لیے ہیں، مسجد کے درجۂ اولی میں جھاڑ قیمتی لگے ہوئے ہیں ان ہی جھاڑ وغیرہ کی حفاظت کے لیے کچھ عرصہ سے شب میں درجۂ اولی کے سب کیواڑ بند کر کے قفل ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ قفل عشاء و فجر و جمعہ کی نماز کے وقت کھولا جاتا ہے۔ اور باقی اوقات شب و روز میں درجۂ اولی مقفل رہتا ہے، تین وقت کی نماز جماعت باہر کے درجوں میں ہوتی ہے، مولوی عبدالعزیز اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ امر ناجائز ہے قول ان کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ فقط (۱۳۳۰-۲۹/۳۱۷ھ)

---

(۱) الدر مع الشامی ۲/۳۷۰ کتاب الصلوۃ، مطلبٌ فی أحکام المسجد.

الجواب: فقہاء نے اس بارے میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ بلاضرورت مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر سامان ومتاع کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو غیر اوقات صلوٰۃ میں بند کرنا دروازۂ مسجد کا درست ہے، پس جب کہ بہ ضرورت حفظ سامان مسجد تمام مسجد کو غیر اوقات صلوٰۃ میں بند کردینا درست ہے تو ایک درجے کا بند کردینا جس میں سامان مسجد ہے اور اس کے بند کرنے سے نمازیوں کا کچھ حرج نہیں ہے بدرجۂ اولیٰ جائز ودرست ہے۔

قال في الدر المختار: وكما كره غلق باب المسجد إلّا لخوف على متاعه ، به يفتى ، وقال في ردالمحتار: هذا أولى من التقييد بزماننا ، لأن المدار على خوف الضرر ، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات ثبت كذلك إلا في أوقات الصلوة أو لا فلا ، أو في بعضها ففي بعضها ، كذا في الفتح. وفي العناية: والتدبير في الغلق لأهل المحلة الخ (۱) (الشامي ، المجلد الأوّل ، أحكام المساجد) فقط

بلاوجہ مسجد میں آنے کا دروازہ بند کرنا

سوال: (۸۷۴) ایک مسجد کے دو دروازے ہیں: ایک شرقی ایک غربی، اور جانب شرقی میں مسلمان زیادہ آباد ہیں، اور آمدورفت بھی اسی شرقی دروازے سے بہت ہے، اب بعض غربی دروازہ والوں نے عناداً شرقی دروازہ بند کردیا، اور اس کے بند ہونے سے شرقی نمازیوں کو بہت تکلیف ہوگئی تو اگر اس دروازے کو کھلوادیں تو شرعاً جائز ہے یا نہ؟ (۵۲۰-۴۴ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: بدون کسی وجہ شرعی اور مجبوری کے مسجد مذکور کا دروازۂ شرقی بند کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ اس کے بند کرنے سے اس طرف کے نمازیوں کو تکلیف ہو وَقَالَ عَلَيْهِ الصلوةُ وَالسَّلامُ: لَاضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ (۲) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۱۴) پس نمازیوں کے روکنے کے لیے دروازہ شرقی کو بند کرنا سخت گناہ اور ظلم ہے، اس کو فوراً کھول دینا چاہیے۔ فقط

---

(۱) الدر المختار و رد المحتار ۲/۳۷۰ كتاب الصلاة ـ مطلبٌ في أحكام المسجد.

(۲) عن عمرو بن يحيى المازني عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاضرر ولاضرار (الموطأ للإمام مالك ص:۳۱۱ كتاب الأقضية ، القضاء في المرفق)

مسجد ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ترکِ موالات کے زمانے میں بھی عدالت میں نالش کرنی چاہیے(۱)

سوال: (۸۷۵) شیعہ اور سنیوں میں ایک مسجد کا مقدمہ دیوان میں ہے، اگر ترکِ موالات کی وجہ سے پیروی عدالت میں نہ کی جائے تو مسجد ہاتھ سے نکل جائے گی، اس صورت میں پیروی عدالت میں جا کر کرنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۱۱۲/۳۹-۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایسی حالت میں اہل سنت و جماعت کو پیروی کرنی چاہیے۔ فقط

عدالت کا یہ فیصلہ کہ ایک سال حنفی اور ایک سال مرزائی اس مسجد میں نماز پڑھیں: درست نہیں

سوال: (۸۷۶) ایک گاؤں کے تمام باشندے پہلے حنفی تھے، اب ان میں سے چند آدمی مرزائی ہوگئے ہیں، اور مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، عدالت سے یہ فیصلہ ہوا کہ ایک سال تک حنفی اس مسجد میں نماز پڑھیں، اور ایک سال تک مرزائی نماز پڑھیں؛ کیا یہ فیصلہ شرع کے مطابق ہے؟ (۱۵۳۵/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: مرزائیوں کے کفر پر علمائے اہل سنت و جماعت کا فتوی ہے، وہ گروہ مرتد و کافر ہے، لہٰذا ان کو مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دینا، اور مسجد پر ان کا قبضہ کرانا، اور جو صورت سوال میں درج ہے کہ ایک سال حنفی نماز پڑھیں، اور ایک سال مرزائی نماز پڑھیں، شرعاً جائز نہیں ہے، ان کو مسجد اہل سنت و جماعت میں کچھ حق اور دعوی نہیں ہوسکتا۔

حنفیوں اور غیر مقلدین کے لیے مسجدیں نامزد کرنا اور فتنہ پھیلانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا

سوال: (۸۷۷) ایک قصبہ کئی سو برس سے آباد ہے، وہاں کے مسلمانوں کی مردم شماری فی الحال

---

(۱) موالات: دوستی، ترکِ موالات: عدم تعاون، جنگ آزادی کے زمانے میں انگریزی حکومت سے عدم تعاون کا فتوی جاری ہوا تھا، اور تمام ہندوستانیوں نے حکومت کا بائیکاٹ کردیا تھا، اس زمانے کے بارے میں سوال ہے۔ سعید احمد پالن پوری

تقریباً آٹھ ہزار ہے، اور وہاں مسجد تخمیناً اسّی (۸۰) کے قریب آباد ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مساجد ہیں، وہاں کے کل مسلمان بہ جز و چند شیعہ کے، ابتداء سے حنفی المذہب، متفق الخیال، متحد العقائد و المسائل، باہم شیر و شکر کی طرح ملے جلے رہتے تھے، ان میں کسی قسم کا جنگ و جدال و تخالف نہ تھا، مگر تقریباً تمیں بتیس برس سے چندلوگ —— غالبًا فی الحال ان کی تعداد دو ڈھائی سو ہوگی —— منکر مذہب غیر مقلد ہو گئے، اور باہم سخت منافرت اور مخالفت پیدا ہوگئی، حتی کہ بارہا فوج داری اور عدالت کی نوبت پہنچ گئی، غیر مقلدین نے اپنی عیدگاہ اور جامع مسجد بھی بنوالی، مگر بعض بعض ایسی بھی مسجدیں ہیں جن میں دونوں فریق نماز پڑھتے ہیں، ایسی مسجدوں پر اکثر مذہبی جھگڑے ہوجایا کرتے ہیں، چنانچہ ان دنوں موجودہ ۱۳۳۳ھ ۱۳/ محرم کو ایک مسجد میں دونوں فریق جمع ہوگئے، اور آپس میں مار پیٹ لٹھم لٹھا گھوسم گھوسا کر بیٹھے، بلکہ اس کے ذریعہ سے دو فوج داریاں اور بھی ہوگئیں، جس سے قصبہ میں ایک ہلچل مچ گئی، پولیس آکر روک تھام نہ کرتی تو نہ معلوم کیا ہوجاتا۔ آئے دن کی مذہبی فوج داری سے دونوں فریق تنگ آگئے، اب فریقین اس امر پر راضی ہیں کہ باہم صلح کر کے جھگڑے کو مٹادیں، چنانچہ برضامندئ فریقین چند اشخاص حکم مقرر کیے گئے ہیں، اور باتفاق فریقین اقرار نامہ ثالثی میں یہ مضمون لکھا گیا ہے کہ ثالثان حسب شریعت و قانون اور دیانت داری جو فیصلہ کردیں گے، ہم فریقین کو منظور ہے۔ اب علمائے حقانی سے یہ استفسار ہے۔

(الف) چونکہ تمیں برس کے تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس قصبہ میں جب دونوں فریق ایک نزاعی مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں تو اکثر مذہبی شر و فساد کر بیٹھتے ہیں، اگر اس شر و فساد اور فتنہ و پرخاش کے مٹانے کے لیے ثالثین دونوں کو الگ کردیں، اور فریقین کے لیے خاص خاص مسجدیں نامزد کردیں تو کیا یہ فیصلہ خلاف شریعت ہوگا؟

(ب) اگر کسی نمازی کے ذریعہ سے حفظ امن میں خلل واقع ہوتا ہو، اور شر و فساد کا اندیشہ ہو یا عام نمازیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہو؛ تو ایسے شخص کو بغرض حفظ امن اور انسداد شر و فساد جماعت سے روک دینا کیا شرع کے خلاف ہے؟ (۱۰۴۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) قرآن پاک میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۰۵) یعنی بیشک اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا، اور یہ بھی ہے: ﴿لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف،

آیت:۱۴۲) یعنی مفسدوں کے راستہ کی پیروی نہ کرو، اور یہ بھی ہے: ﴿لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۵۶) یعنی بعد اصلاح کے زمین میں فساد نہ کرو۔ ان نصوص سے بخوبی ثابت ہے کہ فساد برپا کرنا حرام اور اس کا مٹانا واجب ہے، چونکہ تیس برس کے تجربے سے معلوم ہے کہ دونوں فریق کے اکٹھے ہونے سے شر وفساد اور فتنہ برپا ہوجایا کرتا ہے، اس لیے محض بغرض انسداد فساد و حفظ امن اور اصلاح بین الناس اگر ثالثین دونوں فریق کو الگ کردیں، اور دونوں فریق کے لیے مسجدیں خاص خاص نامزد کردیں تو خلاف شریعت نہ ہوگا؛ بلکہ وہ لوگ عند اللہ ماجور اور مصیب ہوں گے۔

(ب) جو شخص حفظ امن میں خلل انداز ہو اور باعث شر وفساد ہو، اور عام نمازیوں کو تکلیف دہ اور ایذاء رساں ہو، اور اس کا فعل موجب اشتعال طبع ہو، اس کو جماعت سے روکنا قانون شرع کے مطابق ہے؛ حدیثیں اور آثار اور اقوال فقہاء اس پر صاف دال ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے کچا لہسن پیاز کھانے والوں کو مسجد سے روک دیا، بلکہ مسجد سے نکال دیا، نیز آپ نے ان عورتوں کو جو خوشبو لگائے ہوئے ہوں مسجد میں آنے سے بخوف فتنہ منع فرمایا ہے، نیز آپ نے ان لوگوں کے حق میں جو نمازی کے سامنے سے چلے جائیں ـــــ جس سے نمازی کے خشوع اور خضوع میں فرق آنے کا احتمال ہے، اگرچہ نماز نہیں جاتی ـــــ فرمادیا: فليدفعه فإن أبى فليقاتل فإنما هو شيطان (۱) و نحو ذلك نیز آپ نے اس شخص کو جس نے مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیا تھا، امامت سے معزول کردیا، اور اس کو خدا اور رسول کا موذی قرار دیا تھا، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جو مسجد میں جمع ہوکر بہ آواز بلند ذکر اور ورد میں مشغول تھے ''مبتدع'' قرار دے کر مسجد سے نکلوادیا، اور فقہاء نے بھی تصریح کی ہے کہ کچا لہسن اور پیاز کھانے والوں کو اور ایسے ہی گندہ دہن اور جذامی اور مبروص اور ماہی فروش کو اور کل موذی کو اگرچہ وہ زبان سے ایذاء پہنچاتا ہو مسجد میں آنے سے روک دینا چاہیے۔

بطور نمونہ کے چند روایات اور عبارات محدثین وفقہاء ملاحظہ فرمائیے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا يؤذينا بريح الثوم رواه مسلم (۲) وعن عمر بن الخطاب قال: ... ثم إنكم أيها الناس!**

---

(۱) الجامع الصحيح للبخاري ۱/۷۳ كتاب الصلوة ، بابٌ ليرد المصلي من مرّ بين يديه.

(۲) الصحيح لمسلم ۱/۲۰۹ باب نهي من أكل ثوما أو بصلاً أو كراثا أو نحوها الخ .

تأكلون شجرتين لا أراهما إلاّ خبيثتين هذا البصل والثوم . لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا وجد ريحهما من الرجل في المسجد أمر به فأخرج إلى البقيع فمن أكلهما فليمتهما طبخًا رواه مسلم (۱) نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ فلا يقربن المساجد هذا تصريح بنهي من أكل الثوم ونحوه عن دخول كل مسجد وهذا مذهب العلماء كافةً (۱) اورحافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: وألحق بعضهم بذلك من بفيه بخرأوبه جرح له رائحة وزاد بعضهم فألحق أصحاب الصنائع كالسماك والعاهات كالمجذوم ومن يؤذي الناس بلسانه الخ (۲) وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرءة أصابت بخورًا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة رواه مسلم (۳) وعن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يقطع الصلاة شئ وأدرؤا ما استطعتم فإنما هو شيطان رواه أبوداوٗد (۴) وعن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صلى أحدكم إلى شيء يستره من الناس فأراد أحد أن يجتاز بين يديه فليدفعه فإن أبى فليقاتله فإنما هو شيطان رواه البخاري (۵) وعن ابى سهلة السائب بن خلاد قال أحمد (هو رجل) من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: أن رجلا أمَّ قوما فبصق في القبلة ورسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين فرغ: لايصلي لكم فأراد بعد ذلك أن يصلي لهم فمنعوه وأخبروه بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: نعم وحسبت أنه قال: إنك آذيت الله ورسوله رواه أبوداؤد (۶) وعن ابن مسعود رضي الله عنه أنه سمع قومًا اجتمعوا في

(۱) الصحيح لمسلم ۱/۲۱۰ باب نهي من أكل ثومًا أو بصلاً أو كراثًا أو نحوها إلخ .
(۲) فتح الباري ۲/۳۴۳ كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيّ والبصل والكرات، مطبوعة مكتبة الرياض، رياض، السعودية .
(۳) الصحيح لمسلم ۱/۱۸۳ كتاب الصلوة. باب خروج النساء إلى المساجد إذالم يترتب عليه فتنة.
(۴) ابوداوٗد ۱/۱۰۴ كتاب الصلاة، باب من قال لا يقطع الصلوة شيءٌ.
(۵) مشكاة ص: ۷۴ كتاب الصلاة – باب السترة. وصحيح البخاري ۱/۷۳ كتاب الصلاة، باب ليرد المصلي من مرّ بين يديه .
(۶) أبوداوٗد ۱/۶۹ كتاب الصلوة . باب في كراهية البزاق في المسجد .

مسجد يهللون ويصلون عليه الصلاة والسلام جهرًا فراح إليهم فقال: ما عهدنا ذلك على عهده عليه السلام وما أراكم إلاّ مبتدعين فمازال يذكر ذلك حتى أخرجهم عن المسجد (۱)

اوردرمختار میں ہے: وأكل نحو ثوم ويمنع منه وكذا كل موذٍ ولو بلسانه اهـ اورردالمحتار میں ہے: وكذلك ألحق بعضهم بذلك مَنْ بفيه بخر أو به جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق وقال سحنون: لا أرى الجمعة عليهما واحتج بالحديث . وألحق بالحديث كل من آذى الناس بلسانه وبه أفتى ابن عمر و هو أصل في نفي كل من يتأذى به اهـ (۲)

مسجد کے حقوق باطل کرنے کا کسی کو اختیار نہیں

سوال: (۸۷۸)......(الف) ایک مسجد ہے اس کا احاطہ کئی سال سے بنا ہوا ہے، اب کفار نے بلوہ کر کے چار پانچ مسلمانوں کو بہکا کر دھوکے سے ایک روپے کے اسٹامپ پر چند شرائط لکھوا کر دستخط کرائے کہ اس احاطۂ مسجد کو اکھاڑ دیں گے، اور برسوں سے مسجد کے غسل خانوں کا پانی بہتا ہے اس کو بند کر دیں گے؛ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۵۷۱ھ)

(ب) اگر کفار کے امر سے دیوار احاطۂ مسجد جو عرصہ سے بنی ہوئی ہے، مسلمان اس کو توڑ دیں تو مسلمان اکھاڑنے والا اور توڑنے والا کیسا ہے؟

الجواب: (الف) مسجد کے احاطہ کو اکھڑوا دینا، اور غسل خانوں کا پانی بند کر دینا جائز نہیں ہے، اور کفار کے غلبہ کی وجہ سے اس قسم کی تصرفات مسجد واحاطۂ مسجد واشیاء موقوفہ میں درست نہیں ہے، اور ابطال حقوق مسجد کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔

(ب) جو مسلمان ایسا کریں وہ عاصی وظالم ہیں، ان کا یہ فعل حرام اور معصیت ہے۔ فقط

---

(۱) الفتاوى البزّازيّة على هامش الفتاوى الهندية ۶/ ۳۷۸ كتاب الكراهية – الفصل التاسع في المتفرقات .

(۲) الدر والشامي ۲/ ۳۷۷،۳۷۸ كتاب الصلوة . مطلبٌ في الغرس في المسجد .

کسی شخص کا یہ کہنا کہ مسجد صرف میری ہے

سوال: (۸۷۹) ایک شخص کہتا ہے کہ مسجد کسی کی نہیں صرف میری اکیلے کی ہے؟ (۲۸۸/۳۳-۱۳۴۵ھ)

الجواب: مسجد کسی کی ملک نہیں ہے جو کوئی دعویٰ ملکیت کا کرے اس کا دعویٰ غلط ہے، اور باطل ہے۔ فقط

مسجد کو نصاریٰ کی ملکیت تسلیم کرنے سے مسجد کا حکم نہیں بدلتا

سوال: (۸۸۰) جو مسلمان اپنے قول وفعل سے مسجد کو نصاریٰ وغیرہ کی ملکیت بہ خوشی بلا جبر واکراہ قبول ومنظور وتسلیم کرے وہ مسلمان شریعت میں کافر یا فاسق وفاجر ہوگا؟ اور اس کی امامت، تولیت و شہادت جائز ہوگی؟ اور وہ مسجد مسجد کا حق رکھتی ہے؟ (۵۵۷/۳۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جو مسجد ایک دفعہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ مسجد رہتی ہے لأنّ الفتوىٰ علىٰ تأبيد المسجد (الشامی ۶/ ۴۲۹ کتاب الوقف) پس کسی کے کہہ دینے سے وہ مسجد نصاریٰ کی یا کسی کی ملک نہیں ہو سکتی، قول اس شخص کا لغو ہے، اور اگر اس نے (ایسا) کیا یا کہا تو وہ فاسق ہو گیا، اگر چہ اس کے کہنے کا کچھ اثر شرعاً نہیں ہے، بلکہ وہ لغو ہے۔ فقط

پتھر پر مسجد سیدان حویلی کلاں لکھ کر مسجد کے دروازے پر نصب کرنے سے مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی

سوال: (۸۸۱) قصبہ کھرڑ محلہ دھوبیان میں ایک مسجد واقع ہے، اور اس کے جمیع اخراجات دھوبی لوگ ہی برداشت کرتے ہیں، اور اکثر یہی لوگ اس مسجد میں نماز بھی پڑھتے ہیں، اس محلہ میں چند گھر سیدان شیعہ وسنی کے بھی ہیں، جو سوائے یہ کہنے کے کہ مسجد ہماری ہے اور کوئی خدمت مسجد کی نہیں کرتے، اب سیدان نے چھیڑ چھاڑ کرنے کی نیت سے مسجد کے دروازے پر ایک پتھر نصب کرادیا ہے، جس پر تحریر ہے ”مسجد سیدان حویلی کلاں“ اس پتھر کے نصب کرنے سے دھوبی ناراض ہیں کہ مسجد، قدیم الایام سے ہے، اب اس پر ملکیت کا پتھر کیوں لگایا جاتا ہے؟ ان کا ارادہ دوسری مسجد تعمیر کرنے کا ہے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ (۱۹۸۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اچھا یہ ہے کہ جب تک سیدان محلّہ، دھوبیوں وغیرہم نمازیان مسجد محلّہ کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے منع نہ کریں، اس وقت تک وہ لوگ اسی مسجد محلّہ میں نماز پڑھیں؛ کیونکہ مسجد محلّہ کا ان پر حق ہے اور مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی، پس سیدان کا پتھر پر یہ لکھوانا ''مسجد سیدان حویلی کلاں'' اس سے مسجد مذکور سیدوں کی ملک نہیں ہوئی، اور نہ اس قدر لکھوانے سے ان کی یہ غرض ہوسکتی ہے کہ یہ مسجد ملک ان کی ہے؛ بلکہ اس قسم کی تحریر سے غرض یہ ہوتی ہے کہ بانی مسجد فلاں شخص ہے، لہٰذا اس سے دھوبیوں وغیرہم کو برا نہ ماننا چاہیے، اور بدستور اسی مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے، اور مسجد کی ہر قسم کی خدمت اور خبر گیری کرنی چاہیے؛ کیونکہ مسجدیں اللہ کی ہیں، کسی کی ملک میں نہیں۔ قَالَ اللّٰهُ تعالٰی: ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ (سورۂ جن، آیت: ۱۸) فقط

مسجد کے دروازے پر ''یادگار صحت فلاں بن فلاں'' کے مضمون کا پتھر چسپاں کرنا

سوال: (۸۸۲) زید کا لڑکا سخت علیل تھا، زید نے خدا تعالیٰ عزوجل سے دعا کی کہ اگر میرا لڑکا تندرست ہوجاوے تو بطور یادگار مسجد کا دروازہ مع منار وغیرہ بنوا کر وقف کردوں گا۔ خدا تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور بچہ تندرست ہوگیا، اب اس دروازہ مسجد پر حسب ذیل مضمون کا پتھر چسپاں کرنا درست ہے یا نہیں؟ یادگار صحت فلاں بن فلاں۔ (۴۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس مضمون میں شرعاً کچھ حرج نہیں ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس میں ریاء وسمعہ وغیرہ کا شائبہ نہ ہو، خالصاً لوجہ اللہ اس کو وقف کردیا جاوے، اور نام آوری اور ریاء کا خیال نہ ہو، محض اس وجہ سے یہ تحریر ہو کہ یادگار رہے۔ فقط

جس مسجد میں ہندو بانیوں کے نام کی تختی لگی ہے اس کا حکم

سوال: (۸۸۳) تقریباً چالیس سال ہوئے کہ ہندو لوگوں ــــــ مالکان دیہہ ــــــ نے مسلمانوں کے واسطے اپنی لاگت سے مسجد بنوادی تھی، وہ مسجد تا حال اہل اسلام کے قبضے میں ہے، اور اس میں نماز پڑھتے ہیں، البتہ ایک اینٹ مسجد میں ایسی لگی ہوئی ہے جس میں ان دونوں کا نام: یعنی

دونوں ہندوؤں ــــ مسجد بنوانے والوں ــــ کا نام کندہ ہے؛ یہ مسجد شرعاً مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟
(۹۳۰/ ۳۶-۱۳۳۶ھ)

الجواب: کافر کے وقف کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس کے اور ہمارے اعتقاد میں وہ قربت اور کارثواب ہو؛ پس اگر مذکورین ہندوؤں نے کارثواب سمجھ کر اس مسجد کو تعمیر کر کے مسلمانوں کے لیے وقف کردی ہے تو وہ مسجد ہوگئی، اور یہ وقف صحیح ہوگیا، جیسا کہ شامی میں ہے: لما في البحر وغيره: أن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أوعلى مسجد القدس الخ (۱) (۳/ ۳۶۰ کتاب الوقف) اور اگر کافروں کے اعتقاد میں وہ کارثواب نہ ہو تو پھر ان کا وقف کرنا صحیح نہ ہوگا اور وہ مسجد مسجد شرعی نہ ہوگی، اس صورت میں اس کے مسجد ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ زمین مسلمانوں کو دے دیں، اور مسلمان اس کو وقف کردیں، اور مسجد تعمیر کرلیں، یا وہ خود تعمیر کر کے مسلمانوں کو دے دیں، اور مسلمان اس کو وقف کردیں اور مسجد کردیں۔

بہر حال اس وقت دو کام اس مسجد میں ہونے چاہئیں ایک یہ کہ جس اینٹ پر ان کا نام ہے اس کو ہٹا دینا چاہیے، اور اگر وہ اینٹ نہ نکل سکے تو اس پر چونہ وغیرہ کا پلاستر کرادیا جائے کہ وہ چھپ جائے، اور دوسرے یہ کہ جن ہندوؤں نے وہ مسجد بنائی وہ یا اس کے ورثہ معین اہل اسلام کو دے دیں، اور وہ مسلمان اس کو وقف کردیں تو اس صورت میں وہ مسجد ہوجائے گی۔ فقط

اہل ہنود کے قبضہ سے مسجد کو نکالنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے

سوال: (۸۸۴) شاہی زمانے کی پرانی مسجد ہے، اہل ہنود نے وہ مسجد کسی وقت میں شہید کرادی، اور مسلمانوں سے ایک تحریر لکھالی کہ ''اس مسجد پر ہمارا حق کسی طرح کا نہیں ہے، اور ہم کسی طرح کا دعویٰ نہیں کریں گے'' اس تحریر سے اس مسجد پر مسلمانوں کا حق باقی ہے یا نہیں؟ (۲۱۳۳/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس تحریر کی وجہ سے وہ مسجد، مسجد ہونے سے نہیں نکلی، مسلمانانِ شہر اس مسجد کو اہل ہنود کے قبضہ سے نکال کر مسجد بنادیویں، اور حکام ریاست سے اس بارے میں امداد لیویں، کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے کسی کی ملک نہیں، اور جو مسجد ہوجاتی ہے وہ ہمیشہ مسجد رہتی ہے کما في الشامي: أن الفتوىٰ على تأبيد المسجد (الشامي ۶/ ۴۲۹ کتاب الوقف) فقط

---

(۱) الشامي ۶/ ۳۱۰ کتاب الوقف ـــ شرائط الوقف۔

شہر کی تمام مسجدوں کو آباد کرنا

سوال: (۸۸۵) اگر کسی شہر میں مسجدوں کی کثرت ہو، اور نمازی کم ہوں، ہر ایک مسجد میں امام مقرر کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اگر متصل محلے والے مل کر ایک مسجد میں امام مقرر کریں، اور دیگر مساجد چھوڑ کر ایک مسجد میں باجماعت امام مذکور کے پیچھے نماز ادا کریں تو کیا حکم ہے؟ (۱۷۳۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بہتر یہ ہے کہ حتی الوسع سب مسجدوں کو آباد کریں، اور تھوڑے تھوڑے نمازی سب مسجدوں میں نماز پڑھیں، بہ حالت مجبوری جیسا موقع ہو کریں۔ فقط

جو زمین امام اور اس کی اولاد کے لیے وقف کی گئی ہے اس کا حکم

سوال: (۸۸۶) واقف نے زید اور اس کی اولاد کے لیے نسلاً بعد نسلٍ الی یوم القیامہ، ایک مسجد میں امامت کرنے کے لیے تھوڑی زمین وقف کی، اور اس شرط کے موافق اب تک جاری ہے اور اب زید کی اولاد تین چار پشت ہو کر ان کے خاندان میں سو آدمی سے زیادہ ہو گئے، اور اس وقف زمین کی آمدنی ان کو کافی نہیں ہوتی، اور ان میں اکثر آدمی نماز پڑھانے کے لائق ہیں؛ پس ان لوگوں میں کون امامت اور وظیفہ پانے کا مستحق ہے؟ (۱۷۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر واقف نے یہ شرط کی تھی کہ آمدنی اس زمین موقوفہ کی اس کو ملے گی جو زید کی اولاد میں امام مسجد مذکور ہوگا تو جس کو اکثر اہل مسجد و اہل محلہ لائق تر امامت کے سمجھیں، اور اس کو امام مقرر کر دیں تو وہ مستحق اس آمدنی کا ہوگا نہ باقی اولاد زید کی، اور اگر آمدنی مذکور زید کے لیے خاص کر دی تھی تو اس کے بعد اس کی تمام اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ حصہ رسد تقسیم ہوگی۔

واقف کے وظیفہ کا مستحق کون سا مؤذن ہے؟

سوال: (۸۸۷) واقف نے کچھ وظیفہ مؤذن کے لیے مقرر کیا، اور فوت ہو گیا؛ مؤذن وہ شخص ہے جو علی الدوام اذان کہے یا جو کبھی کبھی کہتا ہے؟ (۵۱۶/۳۲-۱۳۴۴ھ)

الجواب: شامی میں ہے: ولایکون مدرسها من الشعائر إلا إذا لازم التدریس الخ (۱) بناءعلیہ مؤذن بھی وہی مستحق مشروط ہوسکتا ہے جوملازمت (پابندی) کرے اذان کہنے پر۔فقط

جوجائداد امام ومؤذن کی معاش کے لیے وقف ہے اس کی زائد آمدنی سے معلم کوتنخواہ دینا

سوال: (۸۸۸) چند بیگہ زمین مسجد کے امام اور مؤذن کی معاش کے لیے اول وقف کیا تھا، اب اسی مسجد کے متعلق ایک مدرسہ بھی ہے اس زمین کی آمدنی سے معلم کی تنخواہ دینا جائز ہے یانہیں؟ (۱۳۸۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر امام اور مؤذن کے خرچ سے زیادہ آمدنی ہو اور اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو تنخواہ معلم مدرسہ بھی اس میں سے دینا درست ہے: فان مراعاة غرض الواقفین واجبة (۲)

امام کوجوروپیہ دیا گیا ہے اس کومسجد میں صرف کرنا

سوال: (۸۸۹) اگرنکاح کرنے یا کرانے والا حسب رواج گاؤں امام کو کچھ روپیہ دیدے، لیکن بالفعل اس مسجد میں کوئی امام نہیں تو اس روپیہ کومسجد میں صرف کرسکتے ہیں یانہیں؟ (۱۳۴۳/۹۰۰ھ)

الجواب: جبکہ وہاں بالفعل کوئی امام نہیں ہے تو وہ روپیہ مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔فقط

بانی کے مقررکردہ امام پر قوم راضی نہ ہوتو کیا حکم ہے؟

سوال: (۸۹۰) زید بانی مسجد اور امام ہے، اورزید امام اول اور برادرزادہ امام ثانی ہے زید نے امام ثانی کوعلیحدہ کردیا، مصلیان نے اس کو رکھنا چاہا مگر زید نے خلاف کیا، پھر زید نے دوسرے شخص اجنبی کو امام ثانی مقرر کرلیا، اس بناء پر زید اور دیگر نمازیوں میں اختلاف ہے، اور نمازی امام ثانی کے پیچھے نماز

(۱) قوله: لو مدرس المدرسة، ولایکون مدرسها الخ (الشامی ۴۴۳/۶ کتاب الوقف – قبل مطلبٌ فیمن لم یدرس لعدم وجود الطلبة)

(۲) ردالمحتار ۵۲۱/۶ کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة.

جمعہ پڑھنے سے انکار کرتے ہیں؛ اس صورت میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟ اور دیگر نمازیان؛ جامع مسجد دوسری بنا کر نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۱۷۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: البانی للمسجد أولی من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار إلا إذا عین القوم أصلح ممن عینه البانی الخ(۱) حاصل یہ ہے کہ امام ومؤذن مقرر کرنے میں بانی مقدم ہے، لیکن اگر قوم ایسے شخص کو امام مقرر کرے جو کہ بانی کے امام مقرر کردہ سے زیادہ لائق ہے امامت کے، تو پھر قوم کا مقرر کیا ہوا امام قائم رکھا جاوے، پس اس نزاع کا فیصلہ اسی اصل کے موافق کر لیا جاوے، اور مسجد جدید بلا اشد ضرورت کے نہ بنائی جاوے جس سے پہلی مسجد کی ویرانی ہو اور نیز یہ کہ ضد اور نفسانیت سے کوئی مسجد نہ بنائی جائے، اور اگر واقعی ضرورت مسجد جدید کی ہو، اور اخلاص کے ساتھ مسجد اللہ کے واسطے بنائی جاوے تو وہ بھی مسجد ہو جاوے گی اور اس میں نماز صحیح ہے۔ فقط

امام کے فاسق وفاجر ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: (۸۹۱) ایک گاؤں میں بہت دنوں سے ایک مسجد میں سب لوگ ایک ساتھ جمعہ پڑھتے ہیں، اتفاقاً اس مسجد کا امام فاسق وفاجر ہے، اس محلہ کے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے، مگر مسجد والا از بروئے اس امام کے پیچھے نماز پڑھانا چاہتا ہے، اور کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اس امام کے پیچھے نماز پڑھے ورنہ اس گھر سے چلا جائے؛ لوگوں نے مجبور ہو کر تھوڑے فاصلے پر دوسری مسجد بنالی ہے، اور جمعہ پڑھ رہے ہیں؛ اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس مسجد کو ''مسجد ضرار'' کہنا درست ہے یا نہیں؟ (۳۹۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اس صورت میں مسجد ثانی میں نماز صحیح ہے، اور اس مسجد کو ''مسجد ضرار'' کا حکم نہ دیا جائے گا؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عند الحنفیہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں ہے، بلکہ شہر اور قصبہ اور ایسے بڑے گاؤں میں جو مثل قصبہ کے ہو اور اس میں بازار ہو جمعہ صحیح ہوتا ہے۔ قال فی الشامی: وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق ـــــ إلی أن قال ـــــ وفیما ذکرنا إشارة إلی أنها لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب الخ (۲) فقط

---

(۱) الدر مع الشامی ۶/۵۰۵ کتاب الوقف. قبل مطلبٌ فی الوقف المنقطع الأول والمنقطع الوسط.
(۲) الشامی ۳/۸ کتاب الصلوة. فی أوائل باب الجمعة.

ظالم تحصیل دار کے توسل سے مسجد کے لیے زمین خریدنا

سوال: (۸۹۲) ایک ہندو تحصیل دار جو کہ مسلمانوں کے ساتھ کئی موقعوں پر کھلم کھلا ظلم کر چکا ہو، اب اسی تحصیل دار کے توسل سے چند مسلمان مسجد کے لیے زمین خریدنا چاہتے ہیں، کیونکہ بغیر توسل تحصیل دار کے مالک زمین، زمین دینے سے انکار کر چکا ہے، اس تحصیل دار کے توسل سے زمین خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۱۷۴۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: وہ مسلمان اگر بتوسل تحصیل دار مذکور زمین خرید کر اس کو وقف کر دیں، اور اس میں مسجد بنائیں تو وہ مسجد ہو جائے گی، اور اس میں نماز درست ہے۔ فقط

مسجد بنانے کی نیت کر کے مسجد تعمیر نہ کرنا

سوال: (۸۹۳) ایک شخص نے نیت مسجد بنوانے کی کی، اور ایک مکان منہدم کرایا، اور سامان مسجد پورا مہیا ہو چکا، مگر اس گاؤں میں تین مسجدیں ہیں، ان میں بھی نمازی بہت کم ہوتے ہیں، اگر جدید تعمیر نہ کرائی جائے تو وہ شخص گنہ گار تو نہ ہوگا؟ اور وہ جگہ دوسرے کام میں آسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۰۲۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر اس مسجد جدید کے لیے مکان مذکور کو وقف نہیں کیا تھا، اور ہنوز نیت ہی نیت تھی کوئی لفظ ایسا نہ کہا تھا کہ میں نے اس مکان کی زمین کو مسجد کر دیا، یا وقف برائے مسجد کر دیا؛ تو اس صورت میں اگر مکان مذکور میں مسجد جدید تیار نہ کی جائے؛ تو وہ شخص آثم وگنہ گار نہ ہوگا، اور اگر اس نے کوئی لفظ ایسا کہا ہے کہ میں نے اس کو مسجد کر دیا، یا وقف کر دیا تو پھر اس کو مسجد رکھنا اور مسجد تعمیر کرنا ضروری ہے۔

مسجد کو نقصان پہنچانے والے انجن کا حکم

سوال: (۸۹۴) قصبہ میں ایک جامع مسجد ہے، اور دکانات پشت جامع مسجد میں انجن بہت بڑا جس کی دبل سے تعمیر کو ضرر و نقصان ہے، اور نماز میں اس کی آواز سے خلل پڑتا ہے، اس صورت میں انجن کو وہاں سے ہٹانے کا کیا حکم ہے؟ وہاں سے ہٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ (۵۵۳/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں کہ مسجد کی تعمیر کو ضرر کا اندیشہ ہے، اور نمازیوں کی نماز میں بھی تفرقہ اور

خلل پڑتا ہے، مناسب ہے کہ انجمن مذکور کو وہاں سے ہٹا دیا جاوے، اور مسجد کی دکان میں اس کو نہ رکھا جاوے کہ قلیل نفع کے لیے زیادہ نقصان کو گوارا کرنا مقتضائے عقل وشرع نہیں ہے۔ فقط

ہندوؤں کا مسجد کے قریب باجا وغیرہ بجانے اور مسجد کے احاطے میں قربانی نہ کرنے کی شرط لگانا

سوال: (۸۹۵) ایک مسجد لب سڑک بنانے کی تجویز ہے، بلکہ بنیاد ڈال دی ہے، ہنود کو یہ اعتراض ہے کہ مسجد سے ملا ہوا ایک ہندو کا گھر ہے، اگر اس میں بارات وغیرہ آکر ٹھہرے تو مسلمانوں کو باجا وغیرہ کا اعتراض نہ کرنا چاہیے، مسجد کے احاطے میں کسی قسم کی قربانی نہ ہونی چاہیے، یہ شرائط قابل قبول ہیں یا نہیں؟ (۵۲۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: مسجد مذکور کو جس کی بنیاد بھی قائم ہو چکی ہے تیار کر لینا چاہیے، اور چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے، اس لیے باجا وغیرہ مسلمانان روک نہیں سکتے، اور قربانی مسجد کے احاطے میں ہی لازم نہیں ہے، اور احاطہ مسجد میں قربانی کرنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے، لہٰذا ان امور کے اس وقت مان لینے میں کوئی شرعی حرج نہیں ہے۔ فقط

مسلمان مسجد سے متصل مکانات چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۸۹۶) انگریزوں نے ملک ایران میں جا کر شاہ ایران سے ایک زمین ٹھیکے پر لی، اور اس میں زمین سے تیل نکالنے کا کارخانہ قائم کیا، اور بہت سے کام کرنے والے مسلمان نوکر رکھے؛ مسلمانوں نے انگریزوں سے اجازت لے کر اس میدان میں کئی ہزار کے صرفہ سے ایک نہایت نفیس مسجد تعمیر کر لی اور اس میں نماز پنج گانہ وجمعہ ادا کرتے رہے، اس کے بعد کسی موقع پر انگریزوں نے ہدم مسجد کا قصد کیا، وہی مسلمان مزاحم ہوئے، اور شاہ ایران کو واقعہ کی اطلاع کی، شاہ ایران نے مسلمانوں کی موافقت کی، اور انگریزوں کو ان کے ارادے سے روک دیا؛ اب پھر انگریز کہتے ہیں کہ مسجد اور ان مکانات کی وجہ سے جو ہم نے ملازمین کارخانہ کے لیے بنوا دیے ہیں، ہمارے کارخانے میں تنگی واقع ہوتی ہے، لہٰذا ہم یہاں

کے مکانات اور مسجد منہدم کرا کے تقریباً دو میل کے فاصلے پر دوسرے مکانات اور دوسری مسجد بنواتے ہیں، اس پر پھر مسلمانوں نے مزاحمت کی، اور کارخانے کا کام تک بند کردیا، جس سے انگریزوں کو کافی مالی نقصان پہنچا اور یہ مجبوری یہ کہنے لگے کہ اچھا ہم مسجد منہدم نہیں کراتے، لیکن تم لوگوں کے لیے مکانات دوسری جگہ ضرور بنادیں گے تاکہ کارخانے کی توسیع ہوسکے، اور وہ مکانات اس قدر فاصلہ پر ہوں گے کہ وہاں رہتے ہوئے یہاں آنا سوائے جمعہ کے دوسری نمازوں میں دشوار ہوگا؛ آیا اس مسجد کا ہدم کردینا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو قدیمی مکانات متصل مسجد سے جدید مکانات کی طرف منتقل ہونا، اور مسجد کو تنہا چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۶۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جب کہ مسلمانوں نے شرعی طور پر اس مسجد کی تعمیر کرائی تو اب اس پر وہ تمام احکامات جاری ہوں گے جو مساجد کے لیے مخصوص ہیں یعنی وہ دائما مسجد ہی رہے گی، اس کو منہدم کرانا یا اس میں کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدًا عند الإمام والثاني أبدًا إلى قيام الساعة الخ (۱) (درمختار) وهكذا في البحر مع زيادة تفصيل (۲) اور کارخانے کے مالک جب کہ مسلمانوں کو تخلیہ مکانات پر مجبور کرتے ہیں تو ان کے لیے وہاں سے منتقل ہونا جائز ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ جس جگہ وہ منتقل کیے جائیں وہاں بھی تعمیر مسجد کا مطالبہ کریں، اس لحاظ سے سابق مسجد، مسجد جامع ہوجائے گی اور یہ جدید مسجد پنج گانہ نماز کے لیے۔

بہر حال مسلمان چونکہ ان کے زیر اثر ہیں اس لیے کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیے جس سے ضرر کا اندیشہ ہو، مسجد کے قیام و دوام کی خاطر اگر مسلمان یہ جگہ خالی کردیں، اور کہیں قریب جا بسیں، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کا یہ اصرار تخریب مسجد کا باعث ہو، کیونکہ جب وہ تمام خطہ غیر مسلموں کے قبضہ میں ہے تو وہ مسلمان مزدوروں کو ہر طرح سے مجبور کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

جس مسجد کے بانی اور وقف نامے کا پتا نہ ہو اس میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: (۸۹۷) ایک مسجد پچاس برس سے قائم ہے ایک کچہری زمین دار کے احاطہ کے اندر، اور

---

(۱) الدر مع الشامی ۶/۴۲۹ کتاب الوقف. مطلبٌ فيما لو خرب المسجد أو غيره.
(۲) راجع البحر الرائق ۵/۴۲۱-۴۲۳ کتاب الوقف. فصل في أحكام المساجد.

لوگ برابر نماز پڑھتے آئے ہیں، لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ کس نے مسجد بنوائی، نہ کوئی وقف نامہ ہے، چونکہ وہ مسجد ہندو زمین دار کی کچہری کے اندر ہے، اس لیے بعض عالم کہتے ہیں کہ نماز پڑھنا درست ہے، مگر ثواب نہ ہوگا، بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں، ہندو زمین دار کہتا ہے کہ مسجد بھی ہماری زمین میں ہے، تم لوگ نماز پڑھو، ہمارا کوئی دعویٰ نہیں ہے، اس مسجد کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ مدلل لکھیں (۱۳۴۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مسجد مذکور مسجد شرعی ہے، اس میں نماز درست ہے، اور ثواب مسجد کا حاصل ہوگا؛ کیونکہ جو مسجد پہلے سے مسجد کے ہی نام سے مشہور ہے، اور ہمیشہ اس میں نماز و جماعت ہوتی رہی، یہی دلیل اور علامت مسجد ہونے کے لیے کافی ہے، اور کسی حجت کی اس میں ضرورت نہیں ہے، اور جب کہ وہ مسجد ہے تو وقف ہونا اس کا لازم ہے **لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى:** ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ﴾ (سورۂ جن، آیت:۱۸) وفي الشامي: **أن الفتوى على قول أبي يوسف في تأبيد المسجد**(۱) فقط

مسجد میں پنکھے لگانا جائز ہے

سوال: (۸۹۸) مسجد میں فرشی یا بجلی پنکھا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۲۱۲۴ھ)

الجواب: کچھ ضرورت نہیں ہے لیکن لگانا جائز ہے، اور جس میں بے ادبی کی صورت ہو وہ مکروہ ہے، اگر ایسی صورت نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

سوال: (۸۹۹) مسجد میں برقی پنکھا برائے آرام نمازیاں لگوانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳/۱۱۸ھ)

الجواب: جائز ہے، کچھ حرج اس میں معلوم نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ ہوا کے لیے دریچہ وغیرہ کھول دیا جائے۔

مسجدوں میں جھاڑ فانوس وغیرہ لگانا

سوال: (۹۰۰) مسجدوں میں آرائشی سامان لگانا مثلاً جھاڑ فانوس ہانڈیاں یا پنکھے وغیرہ وغیرہ جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۱۵۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا بأس بنقشه خلا محرابه النخ بجص و ماء ذهب لو بماله

---

(۱) الشامي ۶/۴۲۹ كتاب الوقف ــ مطلبٌ فيما لو خرب المسجد أو غيره.

الحلال الخ (۱) اس عبارت سے واضح ہے کہ اپنے مال حلال سے اگر کوئی شخص واحد یا متعدد زیبائش مسجد وآرائش مسجد کریں تو درست ہے۔ فقط

مسجد کے صحن میں جو قبر ہے اس کو برابر کرنا

سوال: (۹۰۱) ایک مسجد کے صحن خام میں ایک قبر ہے، اور صحن پختہ کرنے کا ارادہ ہے، تو قبر کو برابر کردینا تاکہ سجدے کے آگے واقع نہ ہو درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۱۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ایسے موقع میں قبر کو برابر کردیا جاوے، تاکہ مصلی کے سامنے نشان قبر باقی نہ رہے۔

سوال: (۹۰۲) صحن مسجد میں ایک قبر پرانی بنی ہوئی ہے اور نمازیوں کی کثرت سے تنگی رہتی ہے، اگر اس قبر کو صحن میں ملادیا جاوے، اور اس پر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۳۳۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درست ہے۔ فقط

سوال: (۹۰۳) مسجد کے متصل ایک قبر بے موقع ہے، وہاں مسجد کا فرش بنانے کی سخت ضرورت ہے، اگر اس قبر کو دو چار گز نیچے اتار دیا جائے، اس کے اوپر کوٹھا بنایا جائے، اس کے اوپر فرش برابر کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس قبر کو اکھیڑ کر قبرستان میں دفن کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ (۲۷۰۶/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر وہ قبر پرانی ہے کہ میت مٹی ہوگئی ہوگی تو اس قبر کا نشان مٹادینا، اور اس پر فرش برابر کردینا جائز ہے، درمختار میں ہے کہ پرانی قبور کو کھود کر وہاں زراعت کرنا، اور مکان بنانا درست ہے (۲) بلکہ اگر قبر کو کھودنا نہ پڑے، بلا کھودنے کے فرش کو برابر کرسکیں تو اس میں قبر کے کہنہ ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، فرش کا برابر کردینا اس پر جائز ہے، غرض یہ ہے کہ نشان قبر باقی نہ رکھا جائے تاکہ نماز میں کچھ کراہت نہ ہو۔ فقط

مسجد کے کمروں میں محلے والوں کا مہمانوں کو ٹھہرانا

سوال: (۹۰۴) جو مکانات بیرون مسجد، احاطہ مسجد میں خیراتی روپے سے بنائے گئے ہوں، ان

---

(۱) تنویر الأبصار مع الشامی ۲/۳۷۳ کتاب الصلوة مطلبٌ: کلمة لابأس دلیل علی أن المستحب غیره.

(۲) کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابًا (الدر المختار مع الشامی ۳/۱۳۶ کتاب الصلاة مطلب فی دفن المیت)

میں سے امام ومؤذن کو نکال کر، اہل محلہ اپنے عام مہمانوں کو ٹھہراویں تو یہ درست ہے یا نہیں؟
(۱۹/۱۷۔۳۴-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایسے امور کا اختیار شرعاً اہل محلہ کو ہی ہوتا ہے، مگر ان کو خود ایسا کرنا چاہیے جس میں کوئی محظور شرعی نہ ہو۔

متنازعہ راستہ وقف میں داخل ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۹۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک مقام میں ایک مسجد ہے، جس کے دکھن جانب تقریباً ۲۰ فٹ چوڑا راستہ ہے، اور راستہ کے دکھن جانب ایک مکان ہے، مکان مدت دراز سے چلا آرہا ہے، اور نیز راستہ بھی مدت مدید سے ہے، اور آدمی وتانگے برابر چلتے ہیں، لیکن سرکاری کاغذ کے اعتبار سے نصف حصہ راستہ کا مسجد کے حلقہ میں آجاتا ہے، اور نصف حصہ راستے کا مکان کے احاطہ میں آجاتا ہے، اب زید کہتا ہے کہ نقشہ سرکاری کے مطابق ہم مسجد کا احاطہ کریں گے، اس صورت میں نقشہ سرکاری کا اعتبار کر کے راستہ کو تنگ کرنا، اور حقوق عامہ کو مسجد کے احاطہ میں داخل کرنا، اور مکانات کو منہدم کرنا، اور اس کا راستہ بنانا شرعاً جائز ہے؟ یا نقشہ کے مقابل قبضہ باطل سمجھا جاوے گا؟ خصوصاً اس زمانہ میں کہ پٹواریوں کو کچھ دے دلا کر لوگ کم وبیش کرا لیتے ہیں، عمر کہتا ہے کہ نقشہ سرکاری بہ مقابل قبضہ نامعتبر ہے، حقوق عامہ کو تنگ کرنا جائز نہ ہوگا: كما في الفتاوى الخيرية: سئل في عقار بيد جماعة تلقوه بالإرث عن أبيهم عن جدهم برز الآن رجل يدعي أنه وقف جده مستندًا بأنه موجود بالدفتر السلطاني في وقف جده هل مجرد وجوده في الدفتر السلطاني كاف في ثبوت كونه وقفا أم لا؟ أجاب حجج الشرع ثلث: البينة، والإقرار، والنكول، لا مجرد الخط، لأنه علامة لا تبنى عليه الأحكام .والله أعلم (فتاوى خيرية ۱/۱۱۹(۱)) بينوا بالكتاب وتوجروا عند الوهاب (۱۵۶۲/۴۳-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ جو کچھ فتاویٰ خیریہ میں ہے صحیح ہے، بدون حجت شرعیہ کے وقف ہونا راستہ متنازعہ کا

(۱) كتاب الوقف، مطلب: ادعى رجل عقارا بيد جماعة أنه وقف جده مستندا إلى دفتر سلطاني، المطبوعة: المطبعة الكبرى الميرية ببولاق،مصر.

ثابت نہ ہوگا، اور اس بناء پر راستہ کو تنگ کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

قبلے کی دیوار اور مسجد کے دیگر حصوں میں نقش ونگار کرنا

سوال: (۹۰۶) آیا یہ چاند اور تارے کوئی اسلامی مقدس چیزیں ہیں جو بطور یادگار کے مسجدوں میں رکھی جاتی ہیں، قبلہ کی جانب چاند اور تاروں کے نقوش ہونے کے باعث مشابہت عبادت یا تعظیم تو نہ ہوگی جو ناجائز ہے؟ (۲۱۶۴/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اصل یہ ہے کہ نقوش فی المساجد علمائے حنفیہؒ کے نزدیک مباح ہے، یعنی نہ تو اس کے کرنے میں کوئی ثواب ہے، اور نہ ترک پر کوئی گناہ؛ لیکن یہ رخصت یا اباحت؛ مساجد کے ان حصوں کے ساتھ مخصوص ہے جو محراب اور جدار قبلہ کے علاوہ ہیں؛ کیونکہ ان پر نقش ونگار کرنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا ہی بہتر ہے، اور اگر چہ اس میں بالکلیہ مشابہت عبادت تو نہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ یہی نقش ونگار اکثر نمازیوں کے خیالات میں پراگندگی کا باعث ضرور ہوتے ہیں۔ کمافی الدر المختار: ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره لأنه يلهي المصلّي ويُكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصًا في جدار القبلة قاله الحلبي الخ. وقال الشامي تحت قوله لابأس: في هذا التعبير كما قال شمس الأئمة إشارة إلى أنه لايؤجر ويكفيه أن ينجو رأسًا برأس قال في النهاية: لأن لفظ لا بأس دليل على أن المستحب غيره لأن البأس الشدة الخ (۱) (شامی ۱/۶۴۲ مصری) وقال أيضًا تحت قوله لأنه يلهي المصلي: أي فيخل بخشوعه من النظر إلى موضع سجوده الخ (۱) اور البحر الرائق میں ہے ومحل الاختلاف في غير نقش المحراب أما نقشه فهو مكروه لأنه يلهي المصلي الخ (۲) (بحر ۱/۲۸ مصری) لہٰذا اس کا ترک ہی اولیٰ ہے، لیکن یہ سب کچھ جب ہی ہے کہ کوئی شخص ذاتی طور پر اس کا کفیل ہوجائے، یا کم سے کم چند آدمی مل کر خاص اس کام کے لیے چندہ کریں، اور جو مال کہ مسجد کے لیے وقف یا اس کی آمدنی ہے، اس میں اس طرح کی فضول خرچی جائز نہیں، مال وقف صرف بنائے مسجد یا اس کی اصلاح واستحکام میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ البحر الرائق میں

---

(۱) الدر مع الشامي ۲/۳۷۳ كتاب الصلوٰة. مطلبٌ: كلمة لا بأس دليلٌ على أن المستحب غيره.
(۲) البحر الرائق ۲/۶۵ كتاب الصلوٰة. في آخر باب ما يفسد الصلوة ومايكره فيها.

کافی سے نقل کیا ہے حیث قال: قال المصنف فی الکافی: وهذا إذا فعل من مال نفسه أما المتولي فإنما يفعل من مال الوقف مايحكم البناء دون النقش فلو فعل ضمن حينئذٍ لما فيه من تضييع المال الخ (۱) وفی الدر المختار: ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بما له الحلال لا من مال الوقف فإنه حرام الخ (۲) فقط

اہل سنت کی بنائی ہوئی مسجد کو آباد رکھنا ضروری ہے

سوال: (۹۰۷) ایک مسجد اوائل میں اہل سنت نے بنائی تھی، فی الحال بعض ان میں سے شیعہ بن گئے، اور ہمیشہ صحابہ کرام پر لعنت وتبرا حلال جان کر کرتے ہیں، اور خلافت وصحابیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منکر ہیں، اب تک تو دونوں فریق بدستور مسجد مذکورہ میں نماز پڑھتے چلے آئے ہیں، اب بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ مسجد نو بناء کرنی چاہیے، ایسی مسجد میں نماز ناجائز ہے اور بعض سنی کہتے ہیں کہ یہی مسجد مشترکہ بصورت سابقہ کافی ہے، مسجد نو کی کچھ ضرورت نہیں ہے پس کس گروہ کی رائے ٹھیک ہے؟ (۲۱۹۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اہل سنت وجماعت کو اس میں نماز ترک نہ کرنی چاہیے، اور جماعت کرنی چاہیے؛ کیونکہ جب کہ وہ مسجد بناء کردۂ اہل سنت وجماعت ہے تو اس کو آباد رکھنا ضروری ہے، اگر اہل سنت وجماعت نے وہاں نماز وجماعت ترک کردی تو ظاہر ہے کہ وہ ویران ہوجائے گی، اور اہل رفض کے شر اور فساد سے اللہ تعالیٰ رہائی دے گا، اور اگر بہ ذریعہ عدالت اس کے انسداد کی صورت ہوسکے تو وہ کی جائے، ورنہ منتقم حقیقی ان کو ہلاک وتباہ کرے گا؛ پس رائے ان لوگوں کی صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس مسجد کو چھوڑنا نہ چاہیے؛ البتہ تبرگوئی وغیرہ کے انسداد کی فکر اور تدبیر کرنی چاہیے۔ فقط

جس مسجد کے نیچے کوئی مکان بنا ہوا ہو اس میں نماز پڑھنے کا ثواب

سوال: (۹۰۸) جس مسجد کے نیچے کوئی مکان بنا ہوا اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب اسی مسجد کی

(۱) حوالۂ سابقہ۔
(۲) الدر مع الشامی ۳/۳۷۳ کتاب الصلوٰۃ. مطلبٌ: کلمة لا بأس دليلٌ على أن المستحب غيره.

طرح ملے گا جس کے نیچے کوئی مکان نہیں ہے یا کچھ فرق ہوگا؟ (۱۳۳۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسجد کے ثواب میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ فقط

امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک بات صحیح نہیں

سوال: (۹۰۹) از خزینۃ الأصفیاء مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری (ص: ۴۳ (۱)) نقل است کہ اہل شہر مسجد بے تعمیر کردند، واز بہر تبرک از حضرت امام اعظم رحمہ اللہ چیزے خواستند، حضرت امام صاحب بہ ہزار کراہت درمے بداد، بعد چندروز بانیان مسجد، آں درہم را واپس آوردہ گفتند کہ ایں ناسرہ است، آنحضرت بگرفت وشاد شد، وگفت کہ الحمد للہ مال حلال من بہ آب وگل خرچ نشد (۲)

اس نقل سے ثابت ہوتا ہے کہ مال حلال کا تعمیر مسجد میں لگانا امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے آیا اس نقل کا یہی مطلب ہے یا کیا؟ (۱۳۴۳/۱۰۲۳ھ)

الجواب: یہ نقل صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور کتب معتبرہ میں —— جو کہ حضرت امام اعظمؒ کے احوال ومناقب میں ہیں، ان میں —— منقول نہیں ہے، اور اگر ثابت ہوتو پھر کوئی وجہ ایسی ہوگی جس کی وجہ سے امام صاحب نے اس میں خرچ کرنا پسند نہ فرمایا ہو مثلاً جن امور کی شرعاً ممانعت ہے، اس میں صرف ہونے کا خیال ہو جیسے نقش ونگار اور زیبائش میں صرف کرنا وغیرہ؛ کیونکہ احادیث سے مساجد کے مزخرف (آراستہ) کرنے کی ممانعت ثابت ہے، یا اور کوئی وجہ ایسی ہو جو موجب کراہت ہو، باقی تعمیر ساجد کے بارے میں تو خود حضرت امام صاحب رحمہ اللہ سے حدیث منقول ہے، اور کتب فقہ حنفیہ میں منقول ہے کہ مسجد میں مال حلال صرف کرنا چاہیے، کیونکہ مال طیب وحلال ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے، بہر حال اس قسم کی نقول بلا سند صحیح کے مقبول نہیں ہیں، اور اگر سند صحیح سے ثابت ہوں

---

(۱) ۱/۴۵-۴۶ مطبوعہ: منشی نول کشور، کانپور۔

(۲) ترجمہ: خزینۃ الأصفیاء مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری (ص: ۴۳) کے حوالے سے یہ روایت منقول ہے کہ اہل شہر نے مسجد تعمیر کرائی، اور برائے تبرک امام اعظم رحمہ اللہ سے کوئی چیز طلب کی؛ امام صاحب نے نہایت ہی کراہت کے ساتھ ایک درہم دیا؛ چند روز کے بعد مسجد کے بانیوں نے یہ کہتے ہوئے وہ درہم لوٹا دیا کہ یہ تو کھوٹا ہے۔ حضرت امام صاحب اسے لے کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ الحمد للہ میرا حلال مال مٹی اور پانی میں صرف ہونے سے بچ گیا۔

تو پھر کچھ تاویل کی جائے گی، باقی یہ کہنا کہ امام صاحب نے ناسرہ درہم کیوں دیا تو جب کہ یہ نقل ہی ثابت نہ ہو، تو درہم ناسرہ (کھوٹا) دینا کیسے ثابت ہوگا؟ اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کھرا سمجھ کر دیا جائے، اور وہ کھوٹا نکل آئے؛ یا کسی کو حکم کیا، اس نے گھر سے لاکر دے دیا، اور ناسرہ ہونا اس کا معلوم نہ ہوا۔ فقط

مسجد میں دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے جو جانور دیے جاتے ہیں ان کی قیمت مسجد میں صرف کرنا

سوال: (۹۱۰) موضع مرہٹہ تحصیل کوہ مری میں ایک بڑا گاؤں ہے، وہاں ایک مسجد میں درس و تدریس اور تعلیم علوم دینیہ کی ہوتی ہے، اس کی امداد کے لیے اہل دیہات نقد اور جنس اور جانور بھیجتے رہتے ہیں؛ جانوروں کے متعلق یہ دستور تھا کہ ذبح کرکے ان کا گوشت طلباء علماء اور فقراء کو تقسیم کردیا جاتا تھا؛ چنانچہ رفتہ رفتہ کثرت آمد جانوران سے کئی قسم کی بدانتظامی شروع ہوگئی تھی، اور طلباء وغیرہ کی طرف کسی کی توجہ نہ رہی تھی، اور مسجد بھی پرانی اور بوسیدہ ہوگئی تھی؛ اس لیے باشندگان معززین نے باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی کہ آئندہ جانوروں کو فروخت کرکے ان کی قیمت سے بوسیدہ مسجد کو از سر نو تعمیر کیا جائے، اور ایک مدرسہ اسلامیہ بھی تعمیر کیا جائے جہاں طلباء کو دینی تعلیم دی جائے، اور مسافر خانے تعمیر کیے جائیں، اس پر تین سال سے عمل درآمد ہے۔

آیا بجائے گوشت تقسیم کرنے کے جانوروں کو فروخت کرکے تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست اور جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۴/۱۲۵۷ھ)

الجواب: اس کا جواز دینے والوں کی نیت واجازت پر موقوف ہے، اگر وہ لوگ جو جانور وغیرہ بھیجتے ہیں مصارف مذکورہ میں ان جانوروں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کے صرف کرنے کی اجازت دیں تو یہ درست ہے، اور بہت اچھا ہے، اور جب کہ عام طور سے طریق مذکور کی اطلاع کردی جائے گی، اور اشتہار دے دیا جائے گا تو اس کے بعد جو لوگ مصارف مذکورہ سے مطلع ہوکر جانور بھیجیں گے تو ان کی طرف سے اس کی اجازت ہوگی۔ فقط

مسجد کی تعمیر کے بارے میں نازیبا بات کہنے والے کا حکم

سوال: (۹۱۱) چند مسلمانوں نے مسجد کے لیے زمین خریدی، ایک شخص جانتا ہے کہ مسجد کی جگہ

ہے؛ مگر وہ کہتا ہے کہ کیا زنا گھر بنواؤ گے؟ شرعاً اس پر کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۱/۳۴۰ھ)

الجواب: وہ شخص اشد درجہ کا فاسق ہے توبہ کرنا اس کے اوپر لازم ہے۔ فقط

موقوفہ جائداد کا فرضی وصیت نامہ

سوال: (۹۱۲) مساۃ زینب النساء نے اپنی جائداد مملوکہ مقبوضہ، مسجد کے نام کردی تھی نو، دس سال تک مسجد کی نام رہی، جب مساۃ کی موت کا وقت قریب پہنچا، تب چار اشخاص نے ایک وصیت نامہ فرضی تیار کیا، جب مساۃ اپنے حواس خمسہ میں نہ رہی، اس کا انگوٹھا وصیت نامہ پر لگالیا، اسی روز رات کو اس کا انتقال ہوگیا، اور جو رجسٹری مسجد کے نام سے تھی منسوخ کرا کر وصیت نامہ بنام محمد اسماعیل رجسٹری کرالیا (یہ وصیت نامہ) جائز ہوا یا نہ؟ (۱۳۳۹/۱۰۲۴ھ)

الجواب: جب کہ وہ جائداد مساۃ زینب النساء نے بنام مسجد کردی تھی تو وہ مسجد پر وقف ہوگئی، اور وقف میں کوئی تصرف خود واقف کا بھی صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا وہ وصیت نامہ فرضی جو بنام محمد اسماعیل لکھوایا گیا وہ باطل اور ناجائز ہے۔ فقط

سود لینے والے رافضیوں کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال: (۹۱۳) یہاں قوم شیعہ اسماعیلیہ فرقہ تجارت کرتا ہے، اور یہ لوگ سود لیتے ہیں؛ لیکن سود کو حلال نہیں جانتے اور دوسرا فرقہ شیعہ ایرانی یہاں تجارت کرتا ہے وہ غیر مسلمان سے سود لینا درست جانتے ہیں؛ کیا ان دونوں فرقوں کا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟ اور اپنے ساتھ نماز میں شریک ہونے دیں کہ نہیں؟ (۱۳۳۵/۲۸ھ)

الجواب: ان دونوں رافضیوں کا روپیہ مسجد میں نہ لگانا چاہیے اور نماز میں اگر وہ شریک ہو جائیں تو سنیوں کی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔

سودی قرض لے کر تجارت کرنے والے کے یہاں کھانا پینا اور اس کا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے

سوال: (۹۱۴) جو لوگ سودی قرض لے کر تجارت شروع کرتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا اور

ان کا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟ (۲۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جو لوگ سود لے کر (یعنی سودی قرض لے کر) تجارت کرتے ہیں وہ گناہ گار ہیں، مگر ان کے یہاں کھانا پینا درست ہے، اور ان کا مال بھی مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔

حرام آمدنی سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم

سوال: (۹۱۵) اگر سودخوار آدمیوں نے روپیہ جمع کر کے مسجد بنائی تو اس مسجد میں نماز درست ہے کہ نہیں؟ (۲۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جن لوگوں کی آمدنی حرام ہے اور وہ سود لیتے ہیں اور اسی حرام آمدنی سے مسجد تیار ہوئی ہے تو اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عیدگاہ کے احکام

عیدگاہ: شہر کی کس سمت میں ہونی چاہیے؟

سوال: (۹۱۶) عیدگاہ شہر کی بائیں جانب ہونا بہتر ہے یا کسی اور جانب؟ (۲۱۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)
الجواب: عیدگاہ کے لیے کوئی جانب شہر کی مقرر نہیں جس طرف سہولت ہو اور موقع ہو اسی طرف عیدگاہ بنائی جائے۔ فقط

عیدگاہ شہر کے اندر ہونی چاہیے یا باہر؟

سوال: (۹۱۷)...... (الف) زمین سرکاری غیر موقوفہ پر اہل شہر نماز عید کی پڑھ لیں تو اس کو عید گاہ کہا جائے گا یا نہیں؟

(ب) اگر بعض لوگ مسجد میں عید کی نماز پڑھیں تو جائز ہوگی یا نہیں؟

(ج) اگر عیدگاہ ہو تو شہر کے اندر ہونی چاہیے یا باہر؟ (۳۴۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف، ب) زمین سرکاری افتادہ میں نماز عیدین صحیح ہے، مگر وہ عیدگاہ نہیں ہوئی، اور عیدین کی نماز صحراء میں جاکر (پڑھنا) سنت ہے، وہ سنت اس میں ادا ہوگئی، اور مسجد میں نماز عیدین پڑھنا بھی درست ہے، اور نماز ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ سنت کے خلاف ہے۔

(ج) اور عیدگاہ شہر سے باہر ہونی چاہیے تاکہ سنت ادا ہو۔ فقط

عیدگاہ بھی مسجد کے حکم میں ہے

سوال: (۹۱۸)...... (الف) ''کھنڈوہ'' میں عیدگاہ کے قریب پتھر کی کھدان ہے، جو پہلے بہت

فاصلے پر تھی، مگر اب اس قدر قریب ہوگئی ہے کہ جس وقت پتھر میں سرنگ لگایا جاتا ہے، عیدگاہ کی دیواریں ہل جاتی ہیں، جس سے اس کے گرنے کا احتمال ہے، لہٰذا اگر سرکار؛ زمین اور عمارتِ عیدگاہ کا معاوضہ دیوے تو دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جاسکتی ہے؟ اور موجودہ عیدگاہ کو سرکار اپنے کام میں لاسکتی ہے یا نہیں؟

(ب) عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف، ب) عیدگاہ وقف ہوتی ہے اور مسجد کے حکم میں ہے (۱) پس اس میں یہ تصرف کرنا درست نہیں ہے (۲)

عیدگاہ کا پٹواری کے یہاں اندراج نہ ہو تب بھی وقف صحیح ہے

سوال: (۹۱۹) چند آدمیوں نے زرعی زمین عیدگاہ کے لیے وقف کی، چھتیس سال سے اس عیدگاہ میں نماز پڑھی جاتی ہے، اس عیدگاہ کی مغربی دیوار معہ محراب موجود ہے؛ یہ عیدگاہ پٹواری کے یہاں اندراج نہ ہونے سے وقف ہوگئی یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: وقف ہوگئی، اور عیدگاہ ہوگئی، اور اس کو کوئی واپس نہیں لے سکتا۔ لأنّ الْوَقْفَ لَا يُمْلَكُ وَلَا يُمَلَّكُ (الدر المختار مع الشامی ۶/۴۲۱ کتاب الوقف)

---

(۱) یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صرف جواز اقتداء میں عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے، بقیہ احکام میں مسجد کے حکم میں نہیں، بلکہ فنائے مسجد اور مدرسہ وغیرہ کے حکم میں ہے وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء و إن انفصل الصفوف رفقا بالناس ، لا في حق غيره ، به يفتى ، نهاية ، فحل دخوله لجنب و حائض كفناء مسجد و رباط ومدرسة الخ (الدر مع الرد ۲/۳۷۲ كتاب الصلاة. مطلب في أحكام المسجد) و ما اتخذ لصلاة العيد لايكون مسجدا مطلقًا، و إنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام و إن كان منفصلا عن الصفوف ، و أما فيما سوى ذلك ليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلاة لاغير (الفتاوى الخانية على الهندية ۳/۲۹۱ كتاب الوقف – باب الرجل يجعل داره مسجدا أو خانًا أو سقاية أو مقبرة)

(۲) في الشامي: قوله والمصلّى شمل مصلّى الجنازة ومصلّى العيد. قال بعضهم: يكون مسجدًا حتى إذا مات لا يورث عنه الخ (الشامي ۶/۴۲۶ كتاب الوقف – قبيل مطلبٌ في أحكام المسجد)

عیدین کی نماز کے لیے وقف کی ہوئی زمین کا حکم

سوال: (۹۲۰) ایک مسلمان نے ایک زمین نماز عیدین کے واسطے مقرر کی، اس شرط پر کہ زمین میرے تصرف میں رہے، اس کے مرنے کے بعد وہ زمین تعلق دار کے پاس چلی گئی، اب مسلمان اس میں عیدگاہ پختہ بنانا چاہتے ہیں، مگر تعلق دار منع کرتا ہے؛ تو اس کا کیا حکم ہے؟ (۲۶۷۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر اجازتِ مالکِ زمین حاصل ہوجاوے تو تصرف مذکور اس میں درست ہے؛ یا مالک مسلمان نے اس کو بہ غرض نماز عیدین وقف کر دیا ہے تب بھی تصرف مسلمانوں کا اس میں درست ہے؛ اور اگر محض نماز کی اجازت مالک نے دی تھی، وقف نہ کیا تھا، یا وہ اہل وقف کا نہ تھا(۱) تو نماز اس میں درست ہے، مگر تصرف مذکور بلا اجازت مالک درست نہیں ہے۔

شہر سے باہر عیدگاہ تعمیر کرنا

سوال: (۹۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم لوگ باشندگانِ قصبہ ''محمد پور دیوان'' بوجہ مالایغنی وعدم حیثیت علوم دانی نماز عیدین ونماز جمعہ ایک بزرگ کے چبوترا یعنی مجلس خانہ میں ——— کہ عموماً بزرگوں کی زیارت گاہوں پر ہوتا ہے ——— ادا کیا کرتے تھے، اور وہ زیارت گاہ شہر میں واقع ہے؛ اب چونکہ سب شہر والوں کو مایۂ علوم دانی حاصل ہوا، اور پایۂ مالی میسر ہوا، نماز عید کے لیے شہر سے باہر بہ صرف زر کثیر، باتفاق جمیع اکابر، مسجد مصلی تیار ہوئی ہے، اور جس مال سے بناء مسجد مصلی ہوئی ہے، مال طیب ہے؛ اور اس میں کوئی غرض؛ مباہات اور ریاء وسمعہ اور تخریب وتفریق مسجد جماعت دیگر نہیں ہے، محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ واداءً لسنۃ رسول اللہ بنی ہے، مگر دوسری طرف والوں سے شور وغل ہے کہ یہ مسجد، مسجد ضرار ہے،

---

(۱) صحتِ وقف کے لیے واقف کا عاقل، بالغ اور آزاد ہونا شرط ہے، پس پاگل، نابالغ اور غلام و باندی وقف کے اہل نہیں أما الذي يرجع إلى الواقف فأنواع ، منها العقل ، و منها البلوغ فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، لأن الوقف من التصرفات الضارة لكونه إزالة الملك بغير عوض، والصبي والمجنون ليسا من أهل التصرفات الضارة، ولهذا لا تصح منهما الهبة والصدقة والإعتاق ونحو ذلك. ومنها الحرية فلا يملكه العبد لأنه إزالة الملك . والعبد ليس من أهل الملك (بدائع الصنائع للإمام الكاساني رحمه الله تعالى ۵/ ۳۲۷-۳۲۸ كتاب الوقف والصدقة)

اس کو ترک کیا جاوے؛ بلکہ تلف کیا جاوے، اور بجائے باہر جانے برائے نماز عیدین کے، مکان قدیم میں نماز عیدین بدستور سابق پڑھی جاوے، اور باہر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور مسجد عید بنانے والوں کی طرف سے یہ تردید ہے کہ شہر کے بیچ نماز عید کرنا سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے موافق نہیں ہے، اور یہ مسجد، مسجد ضرار نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں جب دوسری مسجد برائے عید شہر کے باہر آباد نہیں کہ اس مسجد جدید سے اس مسجد قدیم کی تخریب، یا اس کی جماعت کی تفریق ہوئی ہو؛ بلکہ اس مسجد کی بناء موجب احیاء سنت نبوی ہوئی ہے، پھر کس طرح مسجد ضرار ہوئی؛ حالانکہ مال طیب سے اور بغیر غرض مباہات اور ریاء وسُمعہ وتفریق جماعت مسجد دیگر تیار ہوئی ہے۔ للہ! اس مسئلہ کو عبارت اردو میں بہ حوالہ کتب معتبرہ احادیث وفقہ بیان فرمائیے کہ یہ مسجد، مسجد ضرار ہوسکتی ہے؟ اور اس کو ترک یا تلف کیا جاوے؟ اور بدستور جہالت سابقہ شہر سے باہر جانے کے بجائے —— کہ طریق نبوی وطریق خلفائے راشدینؓ ہے —— شہر کے بیچ میں مقام قدیم پر نماز عید قائم رہے؟ اور بہ صورت نہ ہونے مسجد ضرار کے، جس شخص نے اس مسجد کو مسجد ضرار کا حکم دیا ہے اس کے حق میں شرعاً کیا حکم ہوتا ہے؟ اور جب یہ مسجد، مسجد ضرار میں سے نہ ہو، اور مسلمان اس میں نماز پڑھنا ترک کردیویں، ان کے حق میں شرعاً کیا حکم ہوتا ہے؟ بینوا بالدلیل توجروا بالأجر الجزیل۔ (۴۹/۷۴۹ھ۱۳۳۵)

الجواب: أقول وباللّٰہ التوفیق: جب یہ امر محقق ہوا کہ خروج الی المصلی برائے نماز عیدین سنت مؤکدہ ہے، جیسا کہ عبارات کتب فقہیہ (۱) وروایات احادیث (۲) سے ثابت ہے تو نماز عیدین کے لیے یہ عیدگاہ شہر سے باہر بنانا، اور اس میں نماز عیدین جاری کرنا بے شبہ احیاء سنت نبویہ ہے —— علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات —— پس اس عیدگاہ کو جو بہ غرض احیاء سنت، وادائے نماز عیدین،

---

(۱) والخروج إلیہا أی الجَبَّانۃ (الصحراء) لصلاۃ العید سنۃ ، و إن وسعہم المسجد الجامع ہو الصحیح (الدر المختار مع الشامی ۴۶/۳ کتاب الصلاۃ – باب العیدین، مطلبٌ: یطلق المستحب علی السنۃ وبالعکس) ——لو صلی العید فی الجامع ولم یتوجہ إلی المصلّٰی فقد ترک السنۃ (البحر الرائق ۲۷۸/۲ کتاب الصلاۃ ۔ باب العیدین)

(۲) عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال : کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم : یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلّٰی فأوّل شیء یبدأ بہ الصلاۃ ، ثم ینصرف الحدیث (صحیح البخاری ۱۳۱/۱ کتاب العیدین ۔ باب الخروج إلی المصلّٰی)

بروفق فعل نبی کریم ﷺ بناء کی گئی ہے، اور مال حلال طیب سے بلا مباہات وفخر بنائی گئی ہے مسجد ضرار کے حکم میں کہنا اور سمجھنا کسی مسلمان عاقل کا کام نہیں ہوسکتا فضلا عن العالم جو شخص اس عید گاہ کو بہ حکم مسجد ضرار سمجھے، یا اس پر مسجد ضرار کا حکم جاری کرے، وہ مصداق **فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا**(۱) کا ہے، مسلمانوں کو ہرگز اس کے فتوی پر عمل نہ کرنا چاہیے، اور عید گاہ مذکور میں بلا شبہ نماز عیدین ادا کرنا چاہیے، اور اس کو سنت نبویہ سمجھ کر اس پر کاربند ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اگر عید گاہ مذکور بنانے کو اور اس میں نماز عیدین پڑھنے کو مسجد ضرار کا حکم دیا جاوے گا، تو جملہ عید گاہوں میں یہ حکم جاری ماننا پڑے گا، اس لیے کہ جس شہر اور بستی میں عید گاہ کسی وقت تعمیر ہوتی ہے، اس سے پیشتر غالبًا وہ لوگ شہر کی کسی مسجد میں ہی نماز عیدین ادا کرتے ہوں گے تو جس وقت عید گاہ تعمیر ہوئی، اور اس میں نماز عیدین جاری کی گئی، تو جس مسجد میں یا جس جگہ پہلے نماز عید ہوتی ہے اس کو چھوڑا جاوے گا، اور اس طریق سے تمام عید گاہیں سلف کے زمانے سے اب تک بحکم مسجد ضرار ہوئی جاتی ہیں معاذ اللہ!! یہ کیسی کم فہمی اور گمراہی کا فتوی ہے، جس نے بھی دیا ہے کہ بناء عید گاہ کو موجب اضرار مسجد خیال کیا جاوے، یہ محض تسویل شیطانی اور کم فہمی ہے کہ طریق سنت کو اضرار خیال کیا جاوے، اور مسلمانوں کو عمل بالسنت سے روکا جاوے۔ فقط

مرگھٹ کی جگہ عید گاہ بنانا

سوال: (۹۲۲) موضع "برورہ" میں کوئی عید گاہ نہیں تھی، آٹھ سال ہوئے، جب میں نے آبادی دیہہ سے جانب اتر، جنگل "اوسر" بہ ملکیت خود میں نے ایک چبوترۂ خام واسطے عید گاہ کے بنوایا تھا، جس کی بنیاد مولانا بہاؤ الدین مرشد آبادی نے رکھی تھی، اس جنگل "اوسر" میں جگہ عید گاہ، و متصل چبوترۂ عید گاہ، اہل ہنود کے مردے جلا کرتے تھے، جب چبوترۂ عید گاہ قائم ہوگیا تو ہنود نے مردے جلانا چھوڑ دیا، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرگھٹ کی جگہ عید گاہ ہونی نہیں چاہیے۔ کیا حکم ہے؟ (۱۳۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اب جب کہ وہاں مردے نہیں جلتے تو اس جگہ عید گاہ قائم ہونے، اور عید کی نماز وہاں

---

(۱) عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذالم يبق عالمًا اتخذ الناس رؤوسا جهالاً فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا و أضلوا، متفق عليه (مشكاة ص: ۳۳ كتاب العلم)

پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط

مرگھٹ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عیدگاہ بنانا

سوال: (۹۲۳) بعض الناس نے ہندوؤں کے مرگھٹ پر ایک چبوترہ برائے نماز عیدین بنالیا تھا، اور اس کے ایک گوشے میں مردے بھی جلائے جاتے ہیں؛ بلکہ بعض مرتبہ مردے کی ہڈی بھی اس چبوترے پر دیکھی، اور جو شخص اس زمین کو وقف کرنا چاہتا ہے، وہ اس کل زمین کا زمیندار بھی نہیں، اور اسی میں کچھ مکان بنا کر چمار آباد کردیے ہیں، اور نماز عید چبوترہ مذکور اور باغ وغیرہ میں بھی ادا کی گئی، لہٰذا مرگھٹ کی کراہیت کی وجہ سے ایک چبوترہ دوسرا تجویز کیا ہے، اور بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ چبوترۂ جدید کو عیدگاہ بنالیا جائے، لہٰذا تحریر فرمائیں کہ چبوترۂ جدید پر نماز ادا کرنے میں کچھ حرج تو نہیں؟ (۱۱۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جدید چبوترے کو عید کی نماز کے لیے معین کرنا اچھا ہے، اور نماز اس پر درست اور بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم

ایک عیدگاہ کا سامان منتقل کر کے دوسری جگہ عیدگاہ بنانا

سوال: (۹۲۴) ایک عیدگاہ متصل دریا واقع ہے، اگر امسال سیلاب آیا تو عیدگاہ کے شہید ہوجانے کا خوف ہے؛ کیونکہ سیلاب کی وجہ سے ہمیشہ زمین کٹتی رہتی ہے، ایسی صورت میں اس عیدگاہ کی اینٹیں اوکھیڑ کر دوسری جگہ ان ہی اینٹوں سے عیدگاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جب کہ عیدگاہ کے معدوم ہوجانے کا یقین ہے؛ تو مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے کہ اس کا تمام سامان منتقل کر کے دوسری جگہ عیدگاہ تعمیر کرلیں؛ لیکن یہ پہلی جگہ بھی اگر بچ گئی تو بہ دستور وقف رہے گی، اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔

عیدگاہ کے احاطے میں مسجد بنانا

سوال: (۹۲۵) اندرون احاطۂ عیدگاہ مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ (۱۰/۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: عیدگاہ بعض احکام میں خود مسجد ہے، اس احاطے میں اور مسجد بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اور معلوم نہیں کہ عیدگاہ کے احاطے میں مسجد بنانے سے کیا غرض ہے؟ الغرض ایسا نہ کرنا چاہیے، عیدگاہ کو عیدگاہ ہی رکھنا چاہیے و أما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء الخ (۱)

عیدگاہ کی اینٹیں مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۹۲۶) ایک شخص نے عیدگاہ بنوا کر وقف کر دی، اب اس عیدگاہ کی دیوار کی اینٹیں جو عیدگاہ سے بالکل خارج اور زائد ہیں، کسی دوسری مسجد میں جس میں ضرورت ہے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۳۲/۱۳۳ھ)

الجواب: اس بارے میں روایات فقہ میں یہ تصریح ہے کہ جب تک کوئی مسجد ویران نہ ہو، اس کا سامان دوسری مسجد میں لے جانا درست نہیں ہے؛ چنانچہ قید ولو خرب ما حوله واستغنى عنه الخ (۲) میں اس کی تصریح کی ہے، اور یہی حکم دیگر اوقاف کا ہے کما في الدر المختار: وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه الخ (۲) پس معلوم ہوا کہ بہ صورت ویرانئ مسجد ورباط وعیدگاہ وغیرہ یہ درست ہے کہ اس کا سامان دوسری مسجد وغیرہ میں صرف کیا جائے، اور بہ حالت عدم ویرانی مسجد وعیدگاہ وغیرہ یہ درست نہیں ہے۔

عیدگاہ کی جگہ اسکول اور اسکول کی جگہ عیدگاہ تعمیر کرنا

سوال: (۹۲۷) اسلامیہ اسکول دو سال سے جاری ہے، جو کرائے کے مکان میں لگایا جاتا ہے، اسلامیہ کمیٹی نے دس ہزار روپے جمع کیے ہیں کہ اسکول کی عمارت بنائی جائے، پہلے سے اس انجمن نے ایک عیدگاہ، اراضی خرید کر کے بنائی ہوئی ہے، اسی عیدگاہ کے ساتھ مزید اراضی پچھلی طرف عیدگاہ برائے اسکول خریدی گئی ہیں، مگر برائے مدرسہ موزوں جگہ عیدگاہ ہے، کمیٹی کی منشا ہے کہ عیدگاہ کی جگہ عمارت اسکول تیار کی جائے، اور اسکول کے واسطے جو جگہ خرید کی ہے اس میں عیدگاہ بنا دی جائے؛ یہ درست ہے

(۱) الدر المختار مع الشامي ۳۷۲/۲ كتاب الصلوة . مطلبٌ في آخر أحكام المسجد .
(۲) الدر المختار والشامي ۴۲۹/۶ كتاب الوقف ـ مطلبٌ فيما لو خرب المسجد أو غيره.

یانہیں؟(۲۶۵۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: صورت موجودہ میں عیدگاہ کو اسکول کرنا، اور اسکول کی زمین میں عیدگاہ کرنا، موافق روایات فقہیہ کے درست نہیں ہے؛ پس جو جگہ عیدگاہ ہوچکی ہے وہ عیدگاہ ہی رہی، اور جو زمین اسکول کے لیے خریدی گئی ہے، اس میں اسکول تعمیر کرایا جائے۔ شامی میں ہے: مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ (۱)

قدیم عیدگاہ کو فروخت کرنا یا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا

سوال: (۹۲۸) شہر ''انبالہ'' میں عیدگاہ بنی ہوئی ہے، ایک میل کے فاصلہ پر ہے، اور راستہ عام نہیں ہے؛ بلکہ زمین داروں کی زمین پر گزرنا ہوتا ہے، اور وہ مانع ہوتے ہیں، اور نیز پانی بھی نزدیک نہیں ہے، اور برسات میں آمد و رفت بند ہوجاتی ہے؛ ایک زمین شہر کے نزدیک لب سڑک ملتی ہے، پانی بھی نزدیک ہے، ارادہ ہے کہ یا تو اس زمین کو اس زمین سے تبادلہ کرلیا جائے یا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے جدید زمین خرید لی جائے؛ آیا شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟ اور اس کا ملبہ اس جدید عیدگاہ میں لگایا جائے یا کیا؟(۳۱۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بہ حالت موجودہ عیدگاہ قدیم کا فروخت کرنا، یا اس سے مبادلہ کرنا، یا اس کو منہدم کرکے اس کا ملبہ دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں ہے، حتی الوسع اسی عیدگاہ قدیم میں سہولت کی صورتیں پیدا کی جائیں؛ مثلاً اگر پانی قریب نہیں ہے تو پانی کا انتظام کیا جائے، اور راستے کا انتظام کیا جائے۔

اپنے اختیار سے عیدگاہ کی زمین سرکار کو دینا یا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا

سوال: (۹۲۹) ایک عیدگاہ قدیم شاہی زمانہ کی تیار کردہ ہے، اس عیدگاہ کے قریب ریلوے کمپنی کا احاطہ ہے، اب ریلوے کمپنی ریلوے احاطے کو کشادہ کرنا چاہتی ہے، اور عیدگاہ کو شہید کرکے ریلوے لائن کو بڑھانا چاہتی ہے، اور کمپنی کہتی ہے کہ ''اگر تم لوگ ہم کو یہ جگہ عیدگاہ دے دو تو تم کو دوسری عیدگاہ جہاں تم پسند کروگے ریلوے کمپنی کے خرچ سے تیار کرادی جائے گی، اگر تم لوگ یہ منظور نہ کروگے تو عیدگاہ

(۱) الشامی ۵۲۱/۶ کتاب الوقف ـ مطلبٌ: مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ.

کی جگہ جبراً لی جائے گی'' اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۹۴۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اپنے اختیار سے مسلمانوں کو عیدگاہ کا دینا، اور بدلہ کرنا درست نہیں ہے؛ باقی حکام جبراً اس کو ریلوے میں داخل کریں تو مسلمانوں کے ذمے اس میں کچھ مؤاخذہ نہیں ہے۔ فقط

عیدگاہ کی زمین بیچنے، خریدنے اور اس میں تعاون کرنے کا حکم

سوال: (۹۳۰) ایک زمین دار نے ایک قطعۂ زمین برائے عیدگاہ وقف کیا، بعد میں متولی عیدگاہ نے عیدگاہ کے واسطے ایک قطعہ زمین چندہ سے خرید کر باغ اور کنواں لگایا، آج تک اہل اسلام اس میں نماز پڑھتے چلے آتے ہیں، بعد مرنے متولی کے اس کی اولاد نے باغ اور کنواں وعیدگاہ کو فروخت کر دیا، جب مسلمانوں کو معلوم ہوا، انہوں نے دعویٰ کیا ہے؛ جو شخص دھوکے سے ایسا معاملہ کرے، اور جو گواہی ایسے شخص کی دیں ان کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲۷۵۶/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: عیدگاہ اور اس باغ وچاہ سب کی بیع باطل ہے؛ کیونکہ یہ سب چیزیں وقف ہیں، اور وقف کی بیع وشراء باطل ہے: اَلْوَقْفُ لا یُمْلَکُ وَلا یُمَلَّکُ (الدرمع الرد ۶/ ۴۲۱ کتاب الوقف) اہل اسلام کو ضرور ہے کہ دعویٰ کر کے بیع مذکور کو ناجائز اور باطل کرائیں، اور بائع ومشتری اوقاف اور معاونین سب عاصی وفاسق ہیں۔ فقط

ایک شہر میں دو جگہ عیدین کی نماز ادا کرنا

سوال: (۹۳۱) ایک چبوترا برائے نماز عیدین بنایا گیا تھا، اور چند سال تک اس پر نماز عیدین ادا کرتے رہے، اب چند آدمیوں نے چندہ جمع کر کے دوسری جگہ عیدگاہ تیار کرالی ہے، اس عیدگاہ کے بننے سے دو گروہ ہو گئے: ایک (گروہ) چبوترا سابق پر نماز عیدین ادا کرتا ہے، اور ایک گروہ عیدگاہ میں کہ جو بعد میں تعمیر ہوئی ہے؛ آیا چبوترا کو چھوڑ دیا جائے یا عیدگاہ کو توڑ دیا جائے؟ (۲۰۵۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: نماز عیدین دونوں جگہ ادا ہو جائے گی، اور دونوں جگہ نماز صحیح ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں میں باہم اتفاق رہے، نااتفاقی نہ ہو، لہٰذا اگر پہلا چبوترا باقاعدہ وقف برائے نماز عیدین نہ ہوا ہو، اور دوسری زمین جس میں عیدگاہ بنائی گئی ہے، وقف ہو گئی ہو تو دوسری عیدگاہ میں باتفاق سب مسلمان

ایک جگہ نماز ادا کریں، اور اگر دونوں وقف ہوئی ہیں تو دونوں میں نماز پڑھیں؛ کیونکہ ویران کرنا کسی ایک کو ان میں سے درست نہیں ہے، جیسا کہ دو مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد کو ویران کرنا درست نہیں ہے۔ فقط

عیدگاہ میں نماز پڑھنے میں فساد کا خوف ہوتو جنگل میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۹۳۲) ایک موضع میں زید، بکر، عمر، خالد اور ولید پانچ شخصوں کی اولاد پانچ محلے، پانچ پٹی میں آباد ہیں، اور مالک موضع کے چند شخص رئیس غیر ہیں، اب بنیاد عیدگاہ بنی، زید نے بلا استصواب واسترضاء مالک موضع غیر منقسمہ میں رکھ دی، موضع مذکور میں تین حصے ایک رئیس مسلمان کے، اور ایک حصہ غیر مسلم قوم کا ہے، بعد نہاد بنیاد موضع تقسیم ہوا، اور جائے عیدگاہ مسلمانوں کے حصہ میں آئی، اس نے انکار واقرار اس عیدگاہ کے بارے میں کچھ نہیں کیا، کچھ عرصہ کے بعد ایک منار ــــــ جس کے ساتھ دیوار قبلہ بھی تھی ــــــ گر گیا؛ اب اولاد زید نے تمام موضع کے باشندگان سے چندہ لے کر، اس کی مرمت بلکہ تمام چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ بنایا؛ امام جامع مسجد جو پندرہ سال سے برابر نماز عید پڑھاتا ہے، وہ اولاد زید میں سے نہیں ہے دوسرے قبائل میں سے ہے؛ کسی دنیاوی غرض سے اولاد زید نے عید کی نماز کا امام اپنی طرف سے مقرر کرنا چاہا، اور دعوی کیا کہ عیدگاہ ہماری ملک ہے، ہم جس کو چاہیں امام بناویں، اگر امام جامع یا اور قبائل کا امام نماز پڑھاوے گا تو ہم عیدگاہ سے نکال دیں گے، ان کو ضرورت ہے تو اپنی عیدگاہ جدا بنا کر علیحدہ نماز پڑھیں؛ اس عیدگاہ میں عوام کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں وہی ثواب حاصل ہوتا ہے جو عیدگاہ میں ہے، یا اور قبائل کو اپنی نماز جنگل میں پڑھنی افضل ہے؟ (۱۸۸۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اولاد زید کا دعوی ملکیت کا باطل ہے، اور نماز اس عیدگاہ میں سب کی صحیح ہے، اور ثواب اور فضیلت عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا اس میں حاصل ہے، اور اگر دوسرے قبائل کو اس عیدگاہ میں نماز پڑھنے میں فساد اور لڑائی کا خوف ہوتو دوسری جگہ جنگل میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اور فضیلت اس میں بھی حاصل ہے۔

عیدگاہ کے بارے میں ہندو دعوی کریں تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۹۳۳) ایک پرانی مسجد ہے، اور ہمیشہ مسلمان اس پر قابض ہیں، اس مسجد کے متعلق کچھ زمین ہے، مسلمانوں نے اس کو عیدگاہ بنا رکھا ہے، ہمیشہ سے عیدین کی نماز اس میں ہوتی ہے، عیدگاہ کی زمین پر کفار نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ زمین عیدگاہ نہیں ہے، بلکہ یہ زمین ہم لوگوں کی ہے: لہٰذا مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ (۲۶۹۴/۱۳۴۴ھ)

الجواب: عیدگاہ مذکور کے بارے میں گورنمنٹ سے چارہ جوئی کرنی چاہیے، اور یہ ثابت کرنا چاہیے کہ عیدگاہ وقف ہے، وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوسکتی ہے، اور کفار کا دعویٰ خارج ہونا چاہیے؛ مسلمانوں کو چاہیے کہ گورنمنٹ ہی سے چارہ جوئی کریں، خود ہندوؤں سے لڑائی فساد نہ کریں؛ کیونکہ بہ حالت مجبوری (بھی) مسلمانوں کو کشت وخون نہ کرنا چاہیے؛ البتہ مالی کوشش سے دریغ نہ کریں۔ فقط

حرام آمدنی سے عیدگاہ کی مرمت کرانا

سوال: (۹۳۴) ایک ہیجڑا یعنی گانے بجانے والا اپنے مال مکسوبہ سے عیدگاہ تیار کراتا ہے، اس میں عامۂ مسلمین کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حرام آمدنی کے روپے سے مسجد اور عیدگاہ کی مرمت و درستی نہ کرائی جائے۔

عیدگاہ کے میدان میں کھیل، تماشے کشتی کرانے، اور ہارمونیم بجانے کا حکم

سوال: (۹۳۵) عیدگاہ کے اندر اعلان عام کر کے کھیل تماشوں اور کشتی کا کرانا یا ہارمونیم باجا کے ساتھ گانا بلا اجازت متولی عیدگاہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۳۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: عیدگاہ بہت سے امور میں بہ حکم مسجد ہے، اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشہ اور کشتی وغیرہ کا کرانا اور ہارمونیم باجا بجانا اور گانا؛ یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں، متولی عیدگاہ ہرگز ان امور کی

اجازت کسی کو نہیں دے سکتا، اور بلا اجازت یا بہ اجازت متولی بھی کسی کو ارتکاب ان امور کا کرنا عیدگاہ میں درست نہیں ہے: هكذا في الدر المختار والشامي (۱) فقط

عیدگاہ میں جانور چرانا، باندھنا اور خرمن بنانا

سوال: (۹۳۶)......(الف) ایک عیدگاہ کا فرش خام ہے، موسم برسات میں اس فرش پر گھاس پیدا ہو جاتی ہے، اس گھاس کو متولی اپنے جانوروں کو چراوے تو جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اس فرش پر غلہ کا خرمن لگا کر اس میں سے غلہ علیحدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اس فرش پر بیل وغیرہ بھی باندھ سکتے ہیں یا نہ؟ (۱۳۴۳/۷۵۶ھ)

الجواب: (الف) وہاں جانوروں کو نہ چھوڑنا چاہیے کہ فرش عیدگاہ پر چرتے پھریں، بلکہ ایسا کیا جائے کہ گھاس وہاں سے کٹوالی جائے، اور اس کو اپنے کام میں لایا جائے اگر واقف کی کوئی شرط اس کے متعلق نہیں ہے۔

(ب) ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ عیدگاہ کے لیے عند البعض مسجد کا حکم ہے اس لیے اس میں احتیاط کرنی چاہیے۔

(ج) یہ بھی جائز نہیں ہے۔

عیدگاہ میں بوئے ہوئے درختوں کی جڑ میں کھاد ڈالنا

سوال: (۹۳۷) عیدگاہ میں درخت سایہ دار لگائے گئے ہیں، ان کی پرورش کی غرض سے ان کی جڑ میں کھاد ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۹۵۱ھ)

الجواب: کھاد ڈالنا ان درختوں کی جڑ میں بہ ضرورت پرورش درختاں وراحتِ نمازیاں جائز ہے، کیونکہ عیدگاہ دائما مسجد کے حکم میں نہیں ہے، صرف عیدین کی نماز میں جواز اقتداء کے لیے باوجود انفصال صفوف کے اس کو حکم مسجد کا دیا جاتا ہے، ورنہ دوسرے اوقات میں عیدگاہ بحکم مسجد نہیں ہے: وأما المتخذ

(۱) و أما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد الخ (الدر المختار مع الشامي ۲/۳۷۲ كتاب الصلاة – مطلب في أحكام المسجد)

لصلوٰة جنازة أو عيد فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف رفقًا بالناس لا فی حق غيره، به يفتى نهاية فحل دخوله لجنب وحائض الخ (۱) پس جب کہ جنبی اور حائضہ کا داخل ہونا اس میں درست ہے تو کھاد ڈالنا بہ ضرورت مذکورہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ فقط

(۱) الدر المختار مع الشامی ۲/۳۷۲ کتاب الصلوة – مطلبٌ فی أحكام المسجد.

مدارس کے احکام

مہتمم کی شرعی حیثیت

(اس عنوان کے تحت درج ہونے والے دونوں فتاوی اہم ہیں، دونوں سوال: حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی کے ہیں، جن کا تعلق خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے تھا، پس گویا حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے سوال ہیں، اس سے سوالوں کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مدارس میں جو لوگ چندہ دیتے ہیں، خواہ وہ صدقات واجبہ ہوں یا امداد وعطا، اور خواہ انہوں نے مصرف متعین کیا ہو یا نہ کیا ہو: یہ چندہ کی رقم دیتے ہی معطی کی ملک سے خارج ہوجاتی ہے یا خرچ ہونے تک اسی کی ملک میں رہتی ہے؟ اگر خارج ہوجاتی ہے تو مسئلہ کی تخریج کس طرح کی جائے یعنی اس کی بنیاد کیا ہوگی؟ کس اصول وضابطہ سے یہ مسئلہ متعلق کیا جائے؟ اور خارج نہیں ہوتی تو معطی کی موت کی صورت میں اگر چندہ باقی ہو تو وہ وارثوں کو لوٹا دینا چاہیے، نیز خرچ ہونے سے پہلے معطی چندہ واپس لینا چاہے تو اس کو واپس لینے کا حق ہونا چاہیے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے پہلے جواب میں فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا فتوی نقل کیا ہے، پھر اس کی تائید میں عبارت پیش کی ہے، پس آپ کا فتوی بھی یہی ہوا۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے جواب میں پہلی شق اختیار کی ہے کہ ''چندہ دیتے ہی معطی کی ملک سے خارج ہوجاتا ہے'' اور اس کی تخریج اس طرح فرمائی ہے کہ مدرسہ کا مہتمم تمام طلبہ کا قیم اور نائب ہوتا ہے، پس جس طرح امیر المؤمنین سارے عالم کا امیر ہوتا ہے اور اس کی وصولی سے رقوم مالکان کی ملک سے نکل جاتی ہیں، اسی طرح طلباء کا نائب یعنی مہتمم چندہ وصول کرلے گا تو وہ رقم معطی کی ملک سے نکل جائے گی، اور طلبہ کی ملک ہوجائے گی اور اس صورت میں طلبہ کا معلوم ومتعین ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے بیت المال میں مستحقین کی تعیین نہیں ہوتی۔

پھر حضرت قدس سرہ نے فتوی میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''مہتمم بعض وجوہ میں معطی کا وکیل ہوتا ہے'' اور بعض وجوہ سے مراد یہ ہے کہ معطی نے جس مصرف میں خرچ کرنے کے لیے رقم دی ہے اسی مصرف میں خرچ کرنے کا مہتمم پابند ہے، مصرف میں تبدیلی معطی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی، مثلاً معطی نے مدرسہ کی مسجد کے

لیے چندہ دیا تو مہتمم اس کو معطی کی اجازت کے بغیر مدرسہ کے دیگر مصارف میں خرچ نہیں کر سکتا۔

یہ تو مسئلہ کا ایک پہلو تھا، جس کو حضرت گنگوہی قدس سرہ نے خوب واضح کر دیا ہے مگر اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ مہتمم طلبہ پر صدقاتِ واجبہ صرف کرنے کا وکیل بھی ہے یا نہیں؟ یعنی وہ بغیر تملیک کے ان رقوم کو مصارف طلبہ میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟ مسئلہ کا یہ پہلو حضرت گنگوہی کے فتوی میں واضح نہیں، چنانچہ عمل اس بات پر چلتا رہا اور فتاوی یہ دیئے گئے کہ تملیک مستحق ضروری ہے، اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی، مگر اس میں دشواری پیش آئی کیونکہ صدقات واجبہ کا چندہ تو کافی آتا ہے، مگر امداد کی رقوم اتنی نہیں آتیں کہ مدرسہ کا کام بخوبی چلے، اس لیے حیلۂ تملیک کا سہارا لیا گیا۔

مگر حیلہ تملیک: اس وقت حیلہ ہوتا ہے جب واقعی تملیک ہو، اور مروجہ حیلۂ تملیک میں واقعی تملیک نہیں ہوتی، اور حیلۂ اسقاط عبادت میں مفتیان کرام یہ فتوی دے چکے ہیں کہ وہ محض ڈھونگ ہے، اس سے نماز روزے معاف نہیں ہوتے، کیونکہ اس میں واقعی تملیک نہیں ہوتی، اس لیے ارباب مدارس کے لیے لمحۂ فکریہ پیدا ہوا کہ اس مخمصہ سے نکلنے کی تدبیر کیا کی جائے؟ اگر طلبہ کو وظیفہ دیا جائے اور وہ اپنی فیس میں داخل کریں تو اس میں طول عمل ہے اور لے بھاگنے کا اندیشہ بھی ہے۔

چنانچہ کئی سال پہلے مجلس شوری دارالعلوم دیوبند میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا یہی فتوی زیر غور آیا، کئی مجالس میں اس پر غور کیا گیا کہ کیا مہتمم مدرسہ کو معلوم و متعین طلبہ کا خود ان طلبہ کی ضروریات پر رقوم واجبہ خرچ کرنے کا وکیل و نائب مانا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مجلس شوری نے اسی فتوی کی بنیاد پر طے کیا کہ جب مہتمم نامعلوم طلبہ کا نائب ہو کر معطیان سے چندہ وصول کر سکتا ہے تو مہتمم متعین طلبہ کا نائب ہو کر نامعلوم معطیان کی طرف سے مصارف طلبہ میں صرف کرنے کا وکیل و نائب بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ یہ تجویز پاس کی گئی کہ داخلہ کے وقت طلبہ سے توکیل نامہ میں مندرجہ ذیل مضمون لکھوایا جائے:

''میں حضرت مہتمم صاحب یا ان کے قائم مقام کو اپنی طرف سے زکوۃ وصول کرنے کا بھی وکیل بناتا ہوں، اور اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا بھی وکیل بناتا ہوں''

پھر تجویز میں ہے کہ ''اس کے بعد مہتمم صاحب کو زکوۃ و صدقات کی رقم طلبہ کی ضروریات: طعام، لباس، پانی، بجلی، علاج اور رہائش وغیرہ میں صرف کرنے کا اختیار ہے''

توکیل نامہ کا پہلا جزو کہ ''میں مہتمم صاحب کو اپنی طرف سے زکوۃ وصول کرنے کا بھی وکیل بناتا ہوں'' احتیاطا لکھا گیا ہے، اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو مجہول طلبہ کی طرف سے بھی وکیل ہے، البتہ دوسرا جزو کہ ''اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا بھی وکیل بناتا ہوں'' ضروری ہے۔ مگر مصارف طلبہ کی تحدید و تعیین میں ''وغیرہ'' بڑھانے

کی وجہ سے اجمال پیدا ہو گیا ہے، وغیرہ کا دائرہ تو عمارات اور کتب تک وسیع ہے، اس لیے مفتیان کرام کو غور کر کے اس کی پوری تعیین کرنی چاہیے تاکہ ارباب مدارس اس پر عمل کر سکیں۔

میرے ذہن میں اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جن چیزوں سے طلبہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ان چیزوں کا فائدہ ان پر منتہی ہو جاتا ہے، وہ ''مصارف طلبہ'' ہیں، اور جن چیزوں سے طلبہ بالواسطہ فائدہ اٹھاتے ہیں یا وہ ان چیزوں سے سارا فائدہ نہیں اٹھا لیتے، جیسے درس گاہ کی تپائیاں اور مستعار کتابیں وہ مصارف طلبہ کے زمرہ میں نہیں آتیں ——— اور مہتمم کو طلبہ کا وکیل ماننے کی صورت میں تملیک طعام ضروری نہیں، اباحت یعنی طلبہ کو ساتھ بٹھا کر کھلانا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری)

سوال: (۹۳۸) چندۂ مدارس: خواہ بمد زکوۃ وصدقۂ فطر وغیرہ ہو یا محض اعانت مدرسہ کے لیے بہ تعیین مصرف یا بلا تعیین ہو، بہ مجرد اعطاء؛ معطیین کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ بر شق اول وجہ خروج کیا ہے؟ اور بہ صورت ثانیہ اگر کوئی شخص چندہ دے کر مر جاوے اور وہ چندہ مدرسہ میں باقی ہو اور صرف نہ ہوا ہو تو اس میں میراث جاری ہونی چاہیے؟ نیز اگر وہ صرف ہونے سے پہلے واپس لینا چاہے تو اسے واپس ملنا چاہیے؟ (۱۴۴۳-۳۳-۱۳۳۴ھ)

مستفتی: حبیب احمد کیرانوی، خانقاہ امدادیہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون ۲۱/ شعبان سنہ ۱۳۳۴ھ

(مذکورہ بالا سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے تذکرۃ الرشید سے درج ذیل سوال و جواب نقل کرنے کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے جواب کو حوالے سے مدلل فرمایا ہے۔ از مرتب)

سوال: مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقائے عین واجب ہے اور صرف بالاستہلاک ناجائز۔ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل تو معطی چندہ اگر مر جاوے تو غرباء وورثاء کا حق ہے۔ اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔

زمانۂ شارع علیہ السلام وخلفاء میں جو بیت المال تھا اس میں بھی یہ اشکال جاری ہے بہت سوچا مگر قواعد شرعیہ سے حل نہ ہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہو جانا چاہیے اور مُستہلِک ملک مُستہلَک ہو کر جو صرف کیا جائے اس کا تبرع ہوگا، اور مالکوں کا ضامن ہوگا، اگر یہ ہے تو اہل مدرسہ یا امین انجمن کو سخت دقت ہے؛ امید کہ جواب باصواب سے تشفی فرماویں۔

الجواب: مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسا امیر نائب جملہ عالم ہوتا ہے، پس جو شئے کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبض ہے، اس کے قبض سے ملکِ معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا

ہو گیا، اگر چہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں مگر نائب معین ہے؛ پس بعد موت معطی کے ملک ورثۂ معطی کی اس میں نہیں ہو سکتی، اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے، بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثۂ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہی۔ از حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ (تذکرۃ الرشید جلد اوّل ص:۱۶۴)

رجل أعطى درهمًا في عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح لأنه وإن كان لايمكن تصحيحه وقفًا يمكن تصحيحه تمليكًا بالهبة للمسجد وإثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض كذا في الواقعات الحسامية (۱) وذكر الناطفي إذا وقف ماله لإصلاح المساجد يجوز وإن وقف لبناء القناطير أو لإصلاح الطريق أو لحفر القبور أو اتخاذ السقايات والخانات للمسلمين أو لشراء الأكفان لهم لايجوز وهو جائز في الفتوى كذا في فتاوى قاضيخان (۲) فقط

سوال:(۹۳۹) جو چندہ خرید کتب کے لیے، یا تعمیر مدرسہ کے واسطے، یا خرید جائداد کے لیے وصول کیا جاتا ہے، کیا وہ طلبہ کی ملک ہے؟ اگر نہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز جو مصرف چندہ کے لیے معطی چندہ مقرر کرتا ہے اس کی پابندی مہتمم پر لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟ (۱۳۳۴-۳۴/۱۵۰۳ھ)

مستفتی: حبیب احمد کیرانہ ضلع مظفر نگر ۲۹/ شعبان ۱۳۳۴ھ

الجواب: حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے فتوی میں یہ الفاظ بھی ہیں، اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے؛ پس خرید کتب وتعمیر وغیرہ میں مہتمم نیابۃً عن المعطی خرچ کرتا ہے، اور خرید جائداد میں خریداری کے بعد نیابۃً عن المعطی اس جائداد کو وقف کرتا ہے، جیسا کہ دلالۃً ثابت ہے، اور جو مصرف معطی چندہ مقرر کرتا ہے اس کی پابندی مہتمم کو لازم ہے مگر جب کہ معطی سے اجازت لے لیوے تو تغیر کر سکتا ہے۔ فقط

---

(۱) الفتاوى الهندية ۲/۴۶۰ كتاب الوقف، الباب الحادي عشر. الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه. أما قوله "تصحيحه وقفًا يمكن" فهو موجود في نسخة الهندية المطبوعة من المصطفائية.

(۲) الفتاوى الخانية مع الفتاوى العالمغيرية ۳/۲۹۲ كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدًا أو خانا أو سقاية أو مقبرةً.

متولی اور مہتمم کس کو بنانا چاہیے؟

سوال: (۹۴۰) جو شخص جاہل ہو، اور صوم وصلاۃ کا پابند نہ ہو، اس کو متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۵۷۶/۱۳۴۴ھ)

الجواب: متولی ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو خائن نہ ہو، اور کار تولیت اچھی طرح انجام دے سکے؛ اس قدر تو ضروری ہے، اور بہتر یہ ہے کہ نیک آدمی کو جو کہ پابند احکام شریعت ہو، اور تولیت کا کام بھی انجام دے سکے متولی و مہتمم بنایا جائے۔

اراکین مدرسہ کیسے ہونے چاہئیں؟

سوال: (۹۴۱)......(الف) اسلامی مدارس کے اراکین پابند صوم وصلوۃ ہونے چاہئیں اور وضع قطع ان کی موافق شرع شریف ہونا چاہیے یا نہیں؟

(ب) جو لوگ پابند صوم وصلوۃ ہوں اور ظاہر حال ان کا خلاف شرع ہو، وہ اسلامی مدارس کے شرعًا ارکان ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۹۷۷/۱۳۴۴-۴۳ھ)

الجواب: (الف) وہ لوگ باشرع ہونے چاہئیں۔

(ب) ایسے لوگوں کو اراکین مدارس بنانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مدارسِ اسلامیہ کی شرعی حیثیت

سوال: (۹۴۲)......(الف) مدرسہ خازن العلوم اور جس قدر مدارس اس طرح (کے) قائم کیے گئے ہیں وہ وقف ہیں یا نہیں؟

(ب) اور ایسی صورت میں اہل اسلام و بہی خواہان؛ مدرسہ کے لیے مجلس انتظامیہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(ج) متولی اگر دعویٰ ملکیت وقف پر کرے نیز افعال فسق وفجور کا مرتکب ہو تو قابل عزل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۹۱/۱۳۴۴-۴۳ھ)

الجواب: (الف) مدرسہ خازن العلوم اور جملہ مدارس اسلامیہ جو اس قسم کے ہیں وقف ہیں دعویٰ ملکیت کا کرنا باطل ہے۔ (ب) کر سکتے ہیں۔

(ج) دعویٰ ملکیت کا کرنا باطل ہے کہ اَلْوَقْفُ لاَ يُمْلَكُ وَلاَ يُمَلَّكُ (الدر المختار مع الشامی ۴۲۱/۶ کتاب الوقف) کلام مشہور ومسلم ہے۔ اور دعوئے ملک وافعال فسق وفجور کی وجہ سے وہ قابل عزل ہے وینزع وجوبًا لو الواقف فغيره بالأولى غير مأمون أو عاجزًا أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه ...... وإن شرط عدم نزعه الخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کونسا مدرسہ "مدرسہ اسلامیہ" ہے؟

سوال: (۹۴۳) ...... (الف) وہ عربی مدارس جس کا انتظام گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے ان کو مدرسہ اسلامیہ کہہ سکتے ہیں؟

(ب) گورنمنٹی مدارس اور وہ مدارس جو عام پبلک سے متعلق ہیں دونوں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟ (۲۱۳۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اگر تعلیم عربی اور تعلیم فقہ وحدیث اس میں ہوتی ہے تو اس کو "مدرسہ اسلامیہ" کہہ سکتے ہیں، لیکن اب عرف یہ ہوگیا ہے کہ جو مدرسہ اہل اسلام کے چندے سے ہو اور اس میں تعلیم دینیات ہو اس کو مدرسہ اسلامیہ کہتے ہیں، لیکن درحقیقت جس میں (بھی) تعلیم دینیات ہو وہی مدرسہ اسلامیہ ہے۔

(ب) اگر گورنمنٹ ان مدارس میں کچھ اپنی مداخلت کرے اور پابندی قواعد کی کروائے جس سے دینیات کی تعلیم میں حرج ہو تو وہ مدرسہ خالص مدرسہ اسلامیہ نہ ہوگا اور اس میں اور قومی چندے کے مدارس میں فرق ہوگا۔

وقف کی نیت کے بغیر اپنی مملوکہ زمین میں مدرسہ قائم کرنا

سوال: (۹۴۴) ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں جو اس کے مکان کے سامنے افتادہ ہے اور

(۱) الدر مع الشامی ۴۵۳،۴۵۴/۶ كتاب الوقف ـ مطلبٌ فيما يعزل به الناظر .

صحن سے پیوستہ ہے چندے کے روپے سے مدرسہ تعمیر کرایا اور سترہ سال تک خود اس میں درس عربی دیا؛ غرض وہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہوگیا لیکن بانی نے کوئی نیت وقف زمین مملوکہ کی نہیں کی، نہ زبان سے کچھ کہا؛ پس اس صورت میں وقف صحیح ہوگیا یا نہیں؟ (۳۱۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اس صورت میں وہ زمین مملوکہ وقف نہیں ہوئی کما فی الدر المختار: **ورکنه الألفاظ الخاصة كأرضي هذه صدقة موقوفة مؤبدة على المساكين ونحوه من الألفاظ كموقوفة لله تعالى أو على وجه الخير أو البر الخ** (۱)

مدرسہ کی عمارت کے لیے چندہ دینا بہتر ہے یا زمین کے لیے؟

سوال: (۹۴۵) ایک زمین برائے مدرسہ اسلامیہ جس میں صرف دینیات کا کام ہوگا، مبلغ تین ہزار روپے میں خریدی، اس میں مبلغ سات سو روپے دیے گئے، اور مبلغ تئیس سو روپے باقی رہے، اس دو ہزار تین سو روپے کی ادائیگی کا اقرار ایک سال کا ہوا، اب بعض چندہ دہندگان یہ کہتے ہیں کہ اس زمین میں چندہ دینا بہ مقابلہ تیار کرنے مدرسہ کے اولیٰ ہے، اس وجہ سے کہ زمین بہ مقابلہ عمارت کے زیادہ پائیدار ہے۔ عمارت ٹوٹنے کے بعد اس زمین میں دوسری عمارت بن جائے گی اور دوسری عمارت جو بنی وہ جدید ہوگئی؛ زمین وہی رہی۔ بہ مقابلہ عمارت بنانے کے زمین کا صدقہ جاریہ برابر رہا؛ اب دریافت طلب یہ ہے کہ جو چندہ دیتے ہیں وہ عمارت بنانے میں چندہ دیں یا زمین کے خریدنے میں دیویں؛ اس میں کون سا امر بہتر ہے؟ (۱۴۸۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جب کہ وہ زمین مدرسہ اسلامیہ دینیہ کے لیے خریدی گئی ہے، جس میں مدرسہ تعمیر ہوگا، تو مقدم یہ ہے کہ اول اس زمین کی قیمت ادا کرنی چاہیے اور اس میں چندہ دینا چاہیے، اس کے بعد اس کی تعمیر کے لیے چندہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مدارس کی تعمیرات (جو چندے سے بنائی گئی ہیں) وقف ہیں

سوال: (۹۴۶) مدارس جو عام مسلمانوں کے چندے سے تعمیر ہوتے ہیں، وہ چندے کا روپیہ وقف

(۱) الدر المختار مع الشامی ۶/۴۰۹ أوائل کتاب الوقف.

ہے یا نہیں؟ اور پھر اس روپے سے جو مکانات تعمیر ہوتے ہیں ان کا کیا حال ہے؟ (۱۱۳۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: روپیہ چندے کا جب تک اس مصرف میں صرف نہ ہو جس کے لیے چندہ کیا گیا ہے، ملک چندہ دہندگان کی ہے، جب اس سے مکان بنا کر وقف کر دیا جائے اس وقت وقف ہوتا ہے، اور جب کہ زمین مدرسہ کے لیے ہو اور اس میں چندہ سے تعمیر کی جائے بہ غرض مدرسہ تو وہ تعمیر وقف ہو جاتی ہے کما فی الدر المختار: و إن موقوفة على ماعين البناء له جاز تبعًا إجماعًا الخ (۱) فقط

مدرسہ کے بانی کے نام سے مدرسہ قائم کرنا

سوال: (۹۴۷) ایک مسجد کے احاطے میں ایک مدرسہ تعلیم قرآن کے لیے قائم کیا گیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد اس احاطے میں ایک تعمیر پختہ تیار کرا کر وقف کر دی گئی، بانی مدرسہ کا نام محمد الطاف حسین ہے، انہوں نے مدرسہ کا نام بھی مدرسہ ''محمدیہ الطافیہ'' رکھا ہے تو یہ اس نام کے ساتھ موسوم کرنا اچھا ہے یا برا؟ دوسرے یہ کہ اگر مدرسہ اسی جگہ قائم رہے گا تو بانی مدرسہ غاصب زمین مسجد تو نہ ہوگا؟

(۲۸۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: مدرسہ مذکورہ کا نام ''محمدیہ الطافیہ'' رکھنا درست ہے، اس میں بانی مدرسہ کے نام کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے جو کہ ہمیشہ کے لیے صلحاء کی دعا کا بہانہ ہوگا، اور بہ موجب حدیث صحیح من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها الخ (۲) بانی کو ثواب پہنچتا رہے گا؛ الغرض شریعت غراء کے موافق اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور جو نیت بانی کی اس نام رکھنے سے ہوگی، اس کے موافق اس کو حصہ ملے گا۔ قال علیه الصلوة و السلام: إنما الأعمال بالنیات الحدیث (۳) اور مدرسہ مذکورہ اس جگہ قائم رہنے سے وہ زمین مسجد کی مغصوبہ نہیں ہوئی، اور بانی مدرسہ غاصب نہیں ہوا، جب کہ اس نے بناء کو بھی وقف کر دیا ہے جیسا کہ زمین پہلے سے وقف تھی۔ فقط

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۴۶۳/۶ کتاب الوقف – مطلبٌ: مناظرةُ ابنِ الشُّحنة الخ .

(۲) عن المنذر بن جریر عن أبیه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حسنةً فعمل بها کان له أجرها ومثل أجر من عمل بها لا ینقص من أجورهم شیئًا وَ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً فعمل بها کان علیه وزرها ووزر من عمل بها لا ینقص من أوزارهم شیئًا (ابن ماجة، ص:۱۸باب من سن سنةً حسنةً أو سیئةً)

(۳) صحیح البخاری ۲/۱ باب کیف کان بدء الوحی .

مدرسے کے روپے سے خریدی ہوئی زمین مدرسے کی ملک ہے

سوال: (۹۴۸) ایک مدرسے والوں کو سرکار نے کچھ زمین سڑک وغیرہ بنانے کے واسطے مالکان زمین کو حق ملکیت دلوا کر مدرسہ والوں کو دلوائی ہے؛ تو آیا یہ مدرسے والے شرعاً اس زمین کے مالک ہوں گے؟ اور ان کو یہ زمین مدرسہ کے کام میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۲۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر مدرسہ والوں نے اپنا روپیہ معاوضے میں دیا تو وہ مالک ہو گئے، خواہ وہ مدرسے میں لگاویں یا اپنے صرف میں لاویں، اور اگر مدرسے کا روپیہ اس زمین کے معاوضے میں دیا گیا تو وہ زمین مدرسے کی ملک ہوگئی، اور وقف ہوگئی، مدرسے کے استعمال میں لانا اس کو درست ہے۔ فقط

اس شرط کے ساتھ زمین وقف کرنا کہ اگر مدرسہ نہ رہا تو زمین ہماری

سوال: (۹۴۹) زید نے عمرو سے پوچھ کر اس کی مملوکہ زمین میں کچھ چندہ، کچھ اپنا، کچھ قرض کے روپے سے مدرسہ بنالیا، چند سال کے بعد عمرو مالک زمین نے اس زمین کو بایں الفاظ وقف کردیا کہ یہ زمین میں نے مدرسہ کے نام وقف کردی؛ مہتممین کو اختیار ہے کہ اس میں مکانِ درس بنائیں، مگر شرط یہ ہے کہ اگر مدرسہ نہ رہا تو زمین ہماری، ملبہ سے ہمیں کچھ غرض نہیں، مسلمانوں کی رائے سے جہاں چاہے دے دیا جائے۔

اس کے بعد کئی برس گذر گئے، مدرسہ نہیں چلا، یہاں تک کہ ملازمین کی کئی سال تک کی تنخواہ اور جو روپیہ قرض لے کر لگایا تھا وہ سب مدرسہ کے ذمہ باقی ہے؛ اس صورت میں جب کہ مدرسہ نہ چلا اور نہ امید ہے؛ تو زمین مالکِ زمین کی ہوگئی یا نہ؟ اور ملبہ کی قیمت سے تنخواہ وقرض ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ملبہ سے بھی ادا نہ ہو تو مالک زمین، اپنی خوشی سے وہ زمین تنخواہ داروں یا قرض خواہوں کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا کسی غیر کو ہبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۷۴۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: واقف کے اس شرط کرنے سے کہ اگر مدرسہ نہ رہا تو زمین ہماری، وقف باطل ہوگیا، وہ زمین وقف نہیں ہوئی؛ مالک کو اختیار ہے کہ اس زمین کو فروخت کرے یا ہبہ کرے، یا تنخواہوں میں ملازمین کو دے دے، اور ملبہ کی قیمت سے قرض ادا کردیا جاوے۔ شامی میں خصاف سے منقول ہے:

لو قال: على أن لي إخراجها من الوقف إلى غيره أو على أن أهبها وأتصدق بثمنها أو على أن أهبها لمن شئت أو على أن أرهنها متى بدا لي وأخرجها عن الوقف بطل الوقف الخ(۱)

تعلیمِ قرآن کے لیے تہائی جائداد کو وقف کرنے کی وصیت کرنا

سوال: (۹۵۰) زید نے مرنے سے سات دن پہلے اپنی ثلث جائداد کی وصیت اس طرح کی کہ اس جائداد کی آمدنی فلاں مدرسہ میں بہ مد درس تعلیم قرآن مجید وقف کرتا ہوں؛ یہ وصیت جائز ہے یا نہیں؟ (۸۶۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ وصیت شرعاً درست ہے، موافق زید کی وصیت کے ایک ثلث جائداد اس کی وقف ہوگئی، اس کی آمدنی اس مدرسہ میں بہ مد تعلیم قرآن مجید صرف کی جاوے۔ فقط

کچھ روپیہ مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جمع کیا مگر مدرسہ قائم نہ ہوسکا تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۹۵۱) ایک گاؤں میں مدرسہ جاری کرنے کی نیت سے روپیہ جمع کیا گیا تھا، لیکن مدرسہ جاری نہ ہوسکا، وہ روپیہ اب مسجد کے ملحقات مثلاً حمام وغیرہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ اور کچھ روپیہ دیگر مواضعات سے آیا تھا وہ بھی اس کام میں آسکتا ہے یا نہیں؟ (۵۵۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جن لوگوں نے وہ روپیہ دیا تھا خواہ اس گاؤں کے تھے یا باہر کے، ان سب کی رضامندی سے وہ روپیہ مسجد کے ملحقات حمام وغیرہ میں لگ سکتا ہے۔

واقف کا تاحیات مکان میں رہنے کی شرط کے ساتھ مکان وقف کرنا

سوال: (۹۵۲) واقع شہر لکھنؤ محلّہ دوگانواں میں ایک لاولد حوّا بی بی ضعیفہ ہیں، ان کی ملکیت مقبوضہ میں ایک مختصر سا مکان مسکونہ بلاشرکت غیرے ہے، جس کے کرائے کی آمدنی دو تین روپے ماہانہ ہوسکتی ہے، مالکہ اس مکان کو مدرسہ عربیہ دیوبند میں بہ صیغہ تجوید وقف کرنا چاہتی ہیں؛ بدیں شرط کہ تاحیات

(۱) الشامي ۶/۴۱۱ كتاب الوقف – قبل مطلبٌ في وقف المرتدّ والكافر.

وہ خود اور ایک دوسری بیوہ ان کی عزیزہ سکونت پزیر ہیں، ان دونوں بیوہ کی حیات کے بعد مدرسہ دیوبند کے مصرف میں یہ صیغہ وقف مذکور آئے۔

سوال یہ ہے کہ یہ وقف شرعاً جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ آیا بہ صورت جواز وقف مطلوبہ، مدرسہ دیوبند اس وقف کو قبول کرے گا یا نہیں؟ یہ امر بوجہ بعد مسافت مکان مذکور وموقوف لہا وقلیل ہونے آمدنی مکان مذکور، استفسار طلب ہے۔ (۱۹۳/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: شرعاً اس طریق سے وقف کرنا کہ تاحین حیات واقفہ خود اور ان کی قرابت دار دوسری عورت اس مکان میں سکونت پزیر رہیں، اور بعد وفات ان دونوں کے اس کی آمدنی مدرسہ دیوبند میں صرف ہو درست ہے، اور وقف اس طرح صحیح ہوجاتا ہے، اور شرط واقف کی معتبر ہوتی ہے، اور نیز اگر کرایہ مکان مذکور موقوف کا تاحیات، واقفہ خود لے یا کسی دوسرے کے لیے مقرر کردے اور بعد وفات مدرسے کے لیے وہ آمدنی منتقل ہو یہ شرط بھی درست ہے اور وقف صحیح ہے؛ لیکن وقف نامے میں اگر واقف نے یہ شرط بھی لکھ دی کہ واقف یا متولی حسب ضرورت اگر اس مکان موقوفہ کو دوسری زمین یا مکان سے بدل لیویں تو یہ بھی جائز ہے؛ اور مناسب ہے۔ اس شرط سے یہ نفع ہوگا کہ اگر اہل مدرسہ کو بوجہ بعد مسافت وقلت آمدنی اس کا انتظام دشوار ہو تو وہ اس کو فروخت کرکے اس کے عوض دوسرا مکان یا زمین قرب وجوار میں خرید کر وقف کرسکیں گے، اور بدون شرط واقف کے استبدال مشکل ہوگا۔ فقط

ہندو یا نصرانی کا اپنی جائداد مدرسہ کے لیے وقف کرنا

سوال: (۹۵۳) ایک غیر مسلم ہندو یا نصرانی اپنی جائداد غیر منقولہ کسی اسلامی تعلیم گاہ کے لیے، جس میں دینیات اور دیگر علوم منطق وفلسفہ، ریاضی وفارسی کی تعلیم ہوتی ہے وقف کرنا چاہتا ہے، آیا غیر مسلم کا وقف ایسی اسلامی تعلیم گاہ کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وقف شرعاً جائز نہیں تو کیا اور کوئی طریقہ ایسا نکل سکتا ہے جو شرعاً معتبر ہو؛ ہبہ یا وصیت وغیرہ؟ (۲۶۵/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: غیر مسلم کے وقف کی صحت کے لیے یہ شرط ہے کہ جس امر خیر کے لیے وقف کیا جائے، وہ اہل اسلام اور غیر مسلم کے اعتقاد میں موجب ثواب وقربت ہو، پس تعلیم گاہ ومدارس علوم دینیہ اہل اسلام

کے اعتقاد میں تو قربت ہیں، لیکن غیر مسلم کے اعتقاد میں وہ قربت نہیں ہیں، اس لیے غیر مسلم کا وقف ایسے امور کے لیے صحیح نہ ہوگا، اور ہبہ اور وصیت ایسے امور خیر کے لیے کرنا بھی وقف کے حکم میں ہے، لہٰذا وہ بھی صحیح نہیں ہے(۱) شامی میں ہے: في البحر وغيره: إن شرط وقف الذمي أن يكون قربةً عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ (۲) وفيه أيضًا: يثبت الوقف بالضرورة وصورته أن يوصى بغلة هذه الدار للمساكين أبدًا أو لفلان وبعده للمساكين أبدًا فإن الدار تصير وقفًا بالضرورة. والوجه أنها كقوله إذا مت فقد وقفت داري على كذا أي فهو من المعلق بالموت وسيأتي الكلام عليه وأنه كوصية من الثلث وذكر في البحر منها لو قال: اشتروا من غلة داري هذه كل أشهر بعشرة دراهم خبزا، وفرقوه على المساكين صارت الدار وقفًا الخ (۳)

صدقۂ فطر و دیگر صدقات واجبہ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال: (۹۵۴) مدرسے کی عمارت میں صدقۂ فطر کا روپیہ لگانا جائز ہے یا اس کے لیے دوسرا چندہ کیا جائے؟ بعض لوگ یہی چاہتے ہیں (۱۸۶۸/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: فطرہ کا روپیہ تعمیر مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ فطرہ وغیرہ صدقات واجبہ میں ''تملیک فقیر'' ضروری ہے، اور تعمیر میں صرف کرنے سے تملیک نہیں ہوسکتی، لہٰذا مدرسے کی تعمیر کے لیے علیحدہ چندہ کیا جائے، جیسا کہ بعض حضرات کی یہی رائے ہے، اور یہی صحیح ہے، اور صدقۂ فطر کا روپیہ طلبائے مدارس اسلامیہ کے اخراجات میں صرف کرنا چاہیے۔ فقط

---

(۱) اس مسئلے پر فتوی نمبر: (۸۰۱) سے پہلے نوٹ لکھا گیا ہے اس کو دیکھ لیں، یہ وقف غیر مسلم کے ذاتی اعتقاد میں قربت ہوسکتا ہے، اسی لیے وہ وقف کر رہا ہے، ہاں اس کے مذہب کی رو سے قربت نہیں ہوسکتا، مگر فقہاء نے منقولات میں ذاتی اعتقاد کا اعتبار کیا ہے، پس غیر منقولات میں بھی اسی کا اعتبار کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ایسے وقف کو بھی درست قرار دیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۲) الشامی ۶/۴۱۰ كتاب الوقف شرائط الوقف.

(۳) الشامی ۶/۴۰۹ كتاب الوقف مطلبٌ: قد يثبت الوقف بالضرورة.

زکوۃ کا روپیہ مدرسے کی تعمیر میں لگانا

سوال: (۹۵۵) ایک مسجد کے پیچھے زمین پڑی ہوئی تھی، لوگوں نے چندہ جمع کر کے زمین مذکور مسجد کے لیے خرید لی کہ یہاں مکان بنا کر پیش امام بٹھائیں گے یا کرایہ مسجد کے کار آمد ہوگا، بعدہٗ اس جگہ میں مدرسہ اسلامی کی تجویز ٹھہری، چنانچہ چندہ ہوا اس میں لوگوں نے زکوۃ بھی دی؛ یہ زکوۃ ادا ہوئی یا دوبارہ دینی پڑے گی؟ اب بوجہ کمیٔ چندہ کے مدرسہ بھی نہ بن سکا اور نہ امید ہے، لہٰذا مدرسہ مذکورہ کا سامان یا اس کا کرایہ مسجد میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۱۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زکوۃ کا روپیہ تعمیر مدرسہ میں لگانا جائز نہ تھا، وہ زکوۃ ادا نہیں ہوئی پھر دینی چاہیے، اور سامان مدرسہ کا اہل چندہ سے دریافت کر کے مسجد کے کام میں آسکتا ہے، اور چونکہ وہ زمین دراصل مسجد کے لیے ہی خریدی گئی تھی اس لیے اس کا کرایہ مسجد میں لگانا درست ہے۔ فقط

مسجد یا مدرسے کی زمین اجارے پر دینا

سوال: (۹۵۶) مالک اراضی نے اگر کسی مسجد یا مدرسہ کے متعلق کچھ زمین وقف کردی، اب متولی اس زمین موقوفہ کو سالانہ اجرت یا کسی معین چیز پر کسی شخص کو دے دے تو جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۵/۴۴/۱۷۶-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس زمین کو مسجد کے منافع کے لیے اجارہ پر دینا جائز ہے جو کچھ حاصل ہو اس کو مسجد پر صرف کیا جاوے۔ فقط

مسجد کے احاطے میں بنے مدرسے کی عمارت کو کرائے پر دینا

سوال: (۹۵۷) ایک شخص نے ایک مسجد کے احاطے میں جو زمین خالی پڑی تھی، اس خالی زمین میں مدرسہ بنایا؛ اب یہ مدرسہ چند سال سے خالی ہے، کوئی پڑھتا بھی نہیں ہے، متولی مسجد کا ارادہ ہے کہ اس کو کرائے پر دے کر کرایہ مسجد میں صرف کرے، اور اس سامان کا دوسرے مدرسے میں لے جانا بھی درست ہے یا نہیں؟ (۷۷۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بانی مدرسہ نے اگر عمارت کو مسجد کے لیے وقف کردیا ہے، تو اس کی آمدنی کرایہ، مسجد

میں صرف کرنا چاہیے، اور اگر وقف نہ کیا تھا تو بانی کو اختیار ہے کہ اس سامان کو دوسرے مدرسہ میں لے جاوے یا اپنے صرف میں لاوے۔

مسجد و مدرسہ کی رقم تجارت میں لگانا

سوال: (۹۵۸) تعمیر مسجد نو کے واسطے جو روپیہ جمع ہے، اس کو مہتمم تجارت میں لگا سکتا ہے یا نہ؟ یا اگر مدرسے کا روپیہ ہو تو اس میں بھی یہ تصرف تجارت بہ شرط ذمہ داری رأس المال کرسکتا ہے یا نہ؟

(۴۵۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ اموال وقف میں اس قسم کے تصرفات کی اجازت مطلقاً نہیں، خاص خاص صورتوں میں اور مصلحت کے ماتحت اس کی گنجائش نکل آتی ہے، جس قدر تصرفات مصلحت وقف اور اس کی حفاظت کی صورتیں ہوسکتی ہیں، متولی وقف کو اس کی اجازت ہے، اور جن صورتوں میں ضیاع مال وقف یا خطرۂ ضیاع ہے تو پھر اجازت نہیں؛ غرض کہ اس باب میں سب سے اہم جز و مصالح وقف اور حفاظت مال اوقاف ہے۔

پس صورت مسئولہ میں مہتمم مدرسہ یا مسجد تصرفات مذکورہ بہ شرط ذمہ داری رأس المال و بہ شرط أصلح للوقف و أحرز للوقف واخذ عند الحاجة کرسکتا ہے۔ قال في الخلاصة نقلاً عن مجموع النوازل: و أما إقراض ما فضل من الوقف قال في وصايا النوازل رجوت أن يكون ذلك واسعًا إذا كان ذلك أحرز للغلة من إمساكه الخ (۱) (خلاصة الفتاوى فصل في المسجد و أوقافه) يسع للمتولي إقراض ما فضل من غلة الوقف لو أحرز (۲) (جامع الفصولين) وفيه أيضًا: وذكر أن القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه فلا بأس به (۲) (جامع الفصولين لابن قاضي سماوْنة في تصرف القاضي والمتولي وغيرهما) وفي

(۱) خلاصة الفتاوىٰ مع مجموعة الفتاوى ۴۲۱/۴ كتاب الوقف – الفصل الرابع في المسجد و أوقافه و مسائله. مطبوعة نول كشور لكنؤ.

(۲) جامع الفصولين ۱۴/۲ الفصل السابع والعشرون في تصرفات الأب والوصي والقاضي والمتولي الخ. مطبوعة كبرى ميريه، بولاق، مصر.

الأشباه: وهل يجوز للمتولي أن يشتري متاعًا بأكثر من قيمته أو يبيعه و يصرفه على العمارة، ويكون الربح على الوقف. الجواب: نعم كما حرره ابن وهبان (۱)(الأشباه والنظائر كتاب الوقف)

شدید ضرورت کے وقت مدرسے کی زمین فروخت کرنا

سوال: (۹۵۹) کسی شخص نے زمین مزروعہ کسی اسلامیہ مدرسہ کو بطور وقف دی ہو تو مہتمم مدرسہ کسی ضرورت شدیدہ کے باعث اس کو فروخت کر کے، اس کی قیمت مدرسہ کے کسی کام میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہبہ کی صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۵/۱۳۲۷ھ)

الجواب: زمین مزروعہ ہو یا غیر مزروعہ، جب کہ مدرسہ کے لیے وقف کی گئی ہو، اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اگر چہ ضرورت شدیدہ ہو کما فی الدر المختار: اَلْوَقْفُ لاَ يُمْلَكُ وَلاَ يُمَلَّكُ (الدر المختار مع الشامی ۶/۴۲۱ کتاب الوقف)

مدرسے کے بوسیدہ اور بے موقع مکان کو بیچ کر مدرسے کی ضروریات کے لیے دوسرا مکان خریدنا

سوال: (۹۶۰) مدرسہ دارالعلوم سہارنپور کا ایک مکان بوسیدہ اور بے موقع ہے، کرائے وغیرہ پر نہیں دیا جاتا، اور مدرسے میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ اس کی مرمت بہ خوبی کر سکے، اس لیے اراکین مدرسہ اور متولی چاہتے ہیں کہ اس کو فروخت کر کے کسی اچھے موقع پر کہ جو اس سے بہتر اور اعلیٰ ہو خرید لیا جاوے، اور اس کی آمدنی سے مدرسے کی ضرورت پوری کی جائیں؛ ایسی صورت میں متولی مال وقف کا تبادلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۴۴۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وأما الاستبدال بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي (درر) وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية وكون البدل عقارًا والمستبدل قاضي الجنّة (۲)

---

(۱) الأشباه والنظائر ص:۲۷۴ الفن الثاني ـ كتاب الوقف.

(۲) عالم باعمل قاضی کو قَاضِيُ الْجَنَّة درج ذیل حدیث کی وجہ سے کہا جاتا ہے: عن ابن بريدة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: القضاة ثلاثة: واحد في الجنة و اثنان في النار، فأما الذي في الجنة فرجل عرف الحق فقضى به ورجل عرف الحق فجار في الحكم فهو في النار =

المفسر بذی العلم والعمل ، وفی النهر: أن المستبدل قاضی الجنة فالنفس به مطمئنة فلا یخشی ضیاعه ولو با الدراهم والدنانیر الخ (۱) پس بہ ضرورت مذکورہ مکان مذکورہ موقوفہ کوفروخت کرکے، دوسرا مکان بہتر خرید نا درست ہے، اوراس میں ہر طرح پوری احتیاط کی جاوے، اور مدرسہ کے منافع کا خیال رکھا جاوے۔فقط

ایک مدرسہ کے نام موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے مدرسے میں صرف کرنا

سوال: (۹۶۱) ایک شخص چیچک کی بیماری میں قریب المرگ ہوگیا تھا، اس نے دوتین معتبر عالم کے روبرو وصیت کی کہ ہماری زمینوں میں سے فلاں فلاں پچاس بیگہ زمین مدرسہ فلاح المسلمین کے نام وقف ہے، اورزمین موقوفہ بستی کے قریب ہے، اور مدرسہ فلاح المسلمین چھ کوس کے فاصلے پر ہے، لہٰذا ہم لوگوں نے مشورہ کرکے بستی میں ایک مدرسہ قائم کیا اورزمین موقوفہ سے مدرسہ کو چلاتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۴۹۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: کتب فقہ شامی وغیرہ میں تصریح ہے مراعاة غرض الواقفین واجبة (الشامی ۶/۵۲۱ کتاب الوقف) اورنیز تصریح ہے شرط الواقف، کنص الشارع (الشامی ۶/۵۰۸ کتاب الوقف) پس تاوقتیکہ مدرسہ فلاح المسلمین قائم اور باقی ہے، اس وقت تک آمدنی زمین موقوفہ کو دوسرے مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے، پس دوسرے مدرسہ میں آمدنی مذکورہ کو صرف کرنے والے؛ خلاف شرط

= ورجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار (سنن أبی داوٗد ص: ۵۰۳ کتاب القضاء، بابٌ فی القاضی یخطئ) وهکذا فی مشکاة المصابیح (ص: ۳۲۴ کتاب الإمارة والقضاء، باب العمل في القضاء والخوف منه ، الفصل الثانی)

درمختار کی اردوشرح غایة الأوطار میں ہے: قاضیٔ عالم باعمل کو"قاضیٔ جنت" کہا بہ موجب اس حدیث مرفوع کے جو حاکم نے بریدہ سے روایت کی کہ دو قاضی نار(جہنم) میں ہیں اور ایک قاضی جنت میں، جس قاضی نے حق کو دریافت کیا پھراسی پر حکم کیا سووہ جنت میں ہے، اور جس قاضی نے حق کو دریافت کیا پھر ظلم کیا دانستہ یا حکم کیا بغیر علم کے، تو وہ دونوں نار(جہنم) میں ہیں۔(غایة الأوطار ۲/۵۷۶ مطبع منشی نول کشور، کانپور)

(۱) الدرمع الشامی ۶/۴۵۸ کتاب الوقف ــ مطلبٌ فی شروط الاستبدال .

واقف کرنے کی وجہ سے عاصی وآثم ہیں؛ کیونکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کہ شرط واقف کو باطل کریں۔

سوال: (۹۶۲) میری ایک پھوپھی نے اپنی جائداد میں سے ایک جزو وقف کردیا تھا، اور حسب رائے خود مصارف خیر میں خرچ کرتی تھیں لیکن نہ وقف نامہ تحریر کیا تھا نہ مصارف کی فہرست تحریر تھی؛ وفات سے قریب مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میرے بعد تم وقف نامہ لکھ دینا اور مصارف تجویز کردینا، میں اور مرحومہ کی ایک حقیقی ہمشیرہ اور ایک علاتی ہمشیرہ وارث تھے جن کے نام مرحومہ کے بعد وراثۃً سرکاری کاغذات میں درج ہوئے، اندراج نام کے بعد میں نے اور مرحومہ کی علاتی ہمشیرہ نے بقدر اپنے حصص کے وقف نامہ لکھ دیا، اور مصارف یہ تجویز کیے کہ فی روپیہ دس آنہ فلاں فلاں مدارس اسلامی کو ملے گا، اور چھ آنہ فی روپیہ متولی حسب رائے خود خرچ کرے گا، بعدہ مرحومہ کی حقیقی ہمشیرہ نے اپنے حصہ کا وقف نامہ لکھا، اور میرے مشورے سے یہ مصرف تجویز کیا کہ ''بچھرایوں'' میں اسلامی مدرسہ قائم کیا جائے؛ چنانچہ مدرسہ قائم ہوگیا لیکن اس جزو کی آمدنی مدرسہ کے لیے کافی نہیں؛ آیا شرعًا (یہ) جائز ہوگا یا نہیں کہ میں نے جو دس آنہ فی روپیہ بیرونی اسلامی مدارس کو دیا جانا تجویز کیا تھا، وہ ''بچھرایوں'' کے ہی اسلامی مدرسہ کی طرف رجوع کردوں؟ (۱۶۷۴/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ تبدیل اور تغییر جائز نہیں ہے۔ شامی میں اسعاف سے منقول ہے: **ولا یجوز له أن یفعل إلا ما شرط وقت العقد**(۱) **وفیه أیضًا: 'یس له إعطاء الغلة لغیر من عینه لخروج الوقف عن ملکه بالتسجیل** (۱) **وفیه أیضًا: وفی فتاوی الشیخ قاسم وما کان من شرطٍ معتبرٍ فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره الخ** (۱)

سوال: (۹۶۳) ایک شخص نے ایک مدرسے کے لیے جائداد وقف کی، لیکن آمدنی اس کی دوسرے مدرسے میں دیتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۳۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جس مدرسے کے لیے وقف کیا ہے اس کی آمدنی اسی مدرسے میں صرف کرنی چاہیے، جب تک وہ مدرسہ جاری ہے اس وقت تک دوسرے مدرسے میں صرف کرنا اس آمدنی کا جائز نہیں ہے۔ فقط

---

(۱) الشامی ۶/۵۳۷ کتاب الوقف . مطلبٌ: لا یجوز الرجوع عن الشروط .

ایک مدرسے کی موقوفہ جائداد کی آمدنی دوسرے مدرسے میں منتقل کرنا

سوال: (۹۶۴) زید نے اپنی جائداد وقف کی، اور اس میں سے آمدنی کا ایک حصہ ایک دینی مدرسے کے لیے جو ایک خاص مسجد یا خاص شہر میں واقع تھا مقرر کیا، اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ اس مدرسے کے کارکنان، مدرسے کی آمدنی کو ٹھیک طور سے خرچ نہیں کرتے، اس میں اسراف یا خیانت کرتے ہیں؛ تو ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہے کہ خود واقف یا متولی اس حصہ آمدنی کو دینی تعلیم ہی کے لیے کسی دوسرے مدرسے میں منتقل کر دے؟ بینوا وتوجروا (۱۳۴۲/۱۲۷۲ھ)

الجواب: شرائط واقف اگرچہ معتبر ہوتی ہیں۔ شرط الواقف کنص الشارع (الشامی ۶/ ۵۰۸ کتاب الوقف) لیکن بہ صورت مذکورہ آمدنی مذکورہ کو دوسرے مدرسہ دینیہ میں منتقل کرنا جائز ہے۔ فقط

ایک مدرسے کے ملبے سے دوسرے مدرسے کی تعمیر ومرمت کرنا

سوال: (۹۶۵) قوم نے ایک عمارت بغرض تعلیم علم دین تیار کی، اور اس میں مدرسہ اسلامیہ جاری کیا، جو عرصہ تک جاری رہ کر مسلمانوں کے باہمی نزاع سے بند ہوگیا، اور اس کی عمارت قابل مرمت ہوگئی، اب مسلمانوں کا ایک گروہ مدرسہ مذکور کی عمارت کو منہدم کر کے، اسی ملبے سے دوسرے مقام پر مدرسے کے لیے عمارت بنانا چاہتا ہے، دوسرا گروہ اسی سابق عمارت کی مرمت کرانے اور مدرسہ جاری کرنے پر مصر ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۳/۱۵۸۴ھ)

الجواب: اس مکان مدرسہ کی مرمت کر کے اسی میں مدرسہ جاری کرنا چاہیے، کیونکہ درمختار وغیرہ میں یہ تصریح ہے کہ ایک وقف کے سامان اور ملبے کو جب تک اس کی درستی اور آبادی ہو سکے، دوسرے وقف میں لگانا اور منتقل کرنا درست نہیں ہے۔ فقط

واقف کی غرض پوری کرنے کے لیے دوسرے مدرسے میں وقف کی آمدنی صرف کرنا

سوال: (۹۶۶) زید اور بکر نے اپنی کچھ جائداد اپنی بستی کے ایک مدرسے میں بایں شرط وقف کی

کہ مدرسے کی تعلیمی حالت جب تک درست رہے، اس وقت تک وقف کی آمدنی سے اس کی امداد کی جائے، اگر خدانخواستہ مدرسے کی حالت خراب ہو یا مدرسہ بالکل ہی نہ رہے تو فلاں جگہ کے مدرسہ عربیہ میں وقف کی آمدنی دی جائے؛ چونکہ بستی کے مدرسے کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور زید انتقال کر چکا ہے، بکر زندہ ہے؛ آیا بکر واقف اور متولی اپنے اختیار سے اپنی بستی میں کوئی اور مکتب کھول کر عمدہ انتظام کر کے، زید واقف کی منشائے دلی کو پورا کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ (۱۹۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: غرض واقف کا پورا کرنا ضروری ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے: مراعاة غرض الواقفين واجبة (الشامی ۶/۵۲۱ کتاب الوقف) پس جب کہ مدرسہ مذکورہ کی حالت درست نہ رہے، اور تعلیم عربی اس میں نہ ہو تو پھر تبدیل اس کی درست ہے؛ یعنی دوسرے مدرسے میں صرف کرنا آمدنی مذکورہ کا درست ہے۔ فقط

مدرسے کی زمین میں قبرستان بنانا

سوال: (۹۶۷) چندہ کے روپے سے مدرسہ کے لیے زمین خریدی تھی، اب بستی کے لوگوں کو یک قبرستان کی ضرورت ہے، مذکورہ زمین کی قیمت ادا کر کے یا اس کے بدلے میں اور زمین دے کر س کو قبرستان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۵۵/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جو زمین مصالح مدرسہ کے لیے خریدی گئی تھی، وہ مدرسہ پر وقف ہوگئی؛ اب اس کا ستبدال یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ استبدال وقف کے لیے چند شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پہلا وقف معطل ہو چکا ہو، اور اس سے انتفاع نہ ہوسکتا ہو؛ پس صورت مسئولہ میں موقوفہ زمین جب کہ بدستور قابل انتفاع ہے تو اب اس کو خرید کر یا بدل کر قبرستان بنانا جائز نہیں؛ قبرستان کے لیے دوسری زمین خریدی جائے۔ درمختار میں ہے: وأما الاستبدال ولو للمساكين بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي درر. وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية الخ (۱) (ونقل العلامة الشامي عبارة البحر وفصّله فليراجع. درمختار مع الشامي ۳/۳۸۸) وأيضًا في البحر: ومن المشايخ من لم يُجَوِّزْ بَيْعَه تَعَطَّل أولم يتعطّل وكذا لم يُجَوِّزْ الاستبدالَ بالوقف وهكذا فتوى

(۱) الدر مع الشامی ۶/۴۵۸ كتاب الوقف – مطلبٌ في شروط الاستبدال.

شمس الأئمة السرخسي الخ وذكر محمد في السير الكبير مسئلة تدل على عدم جواز الاستبدال بالوقف الخ (۱) (البحر الرائق ۵/۲۲۳)

مٹی کا تیل جو مدرسے میں دیا گیا ہے اس کو مسجد کے صحن میں جلانا

سوال: (۹۶۸) اگر کسی نے مدرسے میں مٹی کا تیل دیا؛ تو وہ تیل مسجد کے صحن میں جلانا جائز ہے یا نہ؟ (۸۳۰/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر وہ تیل مثلاً مدرسہ کی ضرورت سے زیادہ ہو؛ تو مسجد کے صحن میں جو کہ مسجد سے خارج ہو اس تیل کا جلانا درست ہے۔

ایک مدرسے میں تعلیم قرآن کے لیے جو جائداد وقف کی گئی ہے اس کی آمدنی دوسرے مدرسے میں صرف کرنا

سوال: (۹۶۹) میرے والد نے اپنا ترکہ "ثلث جائداد" ایک مدرسے میں بمد درس تعلیم قرآن مجید وصیت وقف کیا، اور ایک کاغذ سادہ لکھا دیا اور مجھ کو متولی بنایا، اور کہا کہ اس کو باضابطہ لکھا کر رجسٹری کرا دینا، اب چوں کہ جس مدرسہ میں وقف کی وصیت کی ہے، وہاں عقائد باطلہ پیدا ہو گئے ہیں، اور انگریزی وغیرہ پڑھائی جاتی ہے؛ ایسی صورت میں اگر دوسرے مدرسے میں آمدنی صرف کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۱۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس مدرسے میں جس مد کے لیے آپ کے والد نے جائداد کا حصہ وقف کیا ہے، آمدنیٔ وقف صرف ہونی چاہیے (یعنی) بمد حفظ و تعلیم قرآن صرف کرتے رہیں، اگر یہ مد وہاں نہ رہے تو پھر جس جگہ تعلیم قرآن کا سلسلہ ہو وہاں صرف کیا جائے، لیکن جب تک اس مدرسے میں تعلیم قرآن کا درجہ موجود ہے اس وقت تک وہاں صرف کرنا چاہیے۔

ایک مدرسے کے لیے وقف کی ہوئی کتابیں دوسرے مدرسے میں دینا

سوال: (۹۷۰) زید نے قبل از انتقال اپنے اقرباء کو وصیت کی کہ میرا کتب خانہ میرے بعد اگر کوئی

(۱) البحر الرائق ۵/۲۴۵ کتاب الوقف ــ في بحث الاستبدال .

شخص اہل خاندان سے اس قابل ہو کہ اس کو استعمال کر سکے تو اس کے پاس رہے، ورنہ فلاں شہر کے مدرسہ اسلامیہ میں بھیج دیا جائے؛ چونکہ متوفی کی وفات کے وقت کوئی مدرسہ اسلامیہ متوفی کے سکونتی شہر میں نہ تھا جس میں وہ کتب خانہ دے دیا جاتا، اور متوفی نے بھی بباعث عدم موجودگی مدرسہ واہل علم اپنے شہر کے، دوسرے شہر کے مدرسہ میں دینا مناسب سمجھا تھا، اور متوفی کے خاندان میں بھی اب تک کوئی مستحق کتب خانہ مذکورہ کا نہیں ہے؛ البتہ اب متوفی کے شہر میں مدرسہ اسلامیہ — جس میں تعلیم علوم دینیہ جاری ہے — قائم ہوا ہے، اور اس میں کتب دینیہ کی سخت ضرورت ہے؛ اس صورت میں متوفی مذکور کے ورثہ کو مدرسہ متذکرہ میں شرعاً کتب خانہ مذکورہ کے دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ (۳۲۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جس مدرسہ کو واقف نے متعین کیا ہے اسی میں کتب داخل کی جائیں۔ کما صرح به الفقهاء: أن شرط الواقف كنص الشارع (۱) وفي الشامي عن القنية: سَبَّل مصحفًا في مسجد بعينه للقراءة ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من غير أهل تلك المحلة للقراءة الخ (۲)

واقف اپنی وقف کردہ کتابوں کو نہ خرید سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے

سوال: (۹۷۱) زید نے چند کتابیں ایک اسلامی مدرسہ میں وقف کیں، تقریباً ایک سال ہو گیا، مگر وہ کتابیں اس وقت تک مدرسہ کے کسی کام میں نہیں آئیں، اب خود واقف کو ان کتابوں کی ضرورت ہے تو کیا وہ مدرسے سے قیمۃً ان کتابوں کو خرید سکتا ہے؟ یا کسی ایسی کتاب سے جس کی مدرسہ میں ضرورت ہو، مبادلہ کر سکتا ہے؟ (۶۸۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زید واقف اب ان کتابوں کو خرید نہیں سکتا، اور نہ مبادلہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں ہے: اَلْوَقْفُ لَا يُمْلَكُ وَلَا يُمَلَّكُ (الدر المختار مع الشامی ۶/۴۲۱ کتاب الوقف) فقط

مدرسہ دوسری جگہ چلا جائے تو مدرس نے چندہ سے جو کتابیں خریدی ہیں وہ کس کی ہوں گی؟

سوال: (۹۷۲) مدرسہ اشرفیہ ایک مسجد میں واقع ہے، اگر مدرسہ موصوفہ کسی وجہ سے دوسری جگہ

---

(۱) الدر المختار والشامی ۶/۵۰۸ کتاب الوقف — مطلبٌ في قولهم شرط الواقف كنص الشارع.
(۲) الشامی ۶/۴۳۶-۴۳۷ کتاب الوقف — مطلبٌ متى ذكر للوقف مصرفًا ……

چلا جائے تو جو کتابیں مدرس نے چندہ سے خریدی ہیں وہ مدرس کو ملیں گی یا مہتمم کو؟ (۱۰۳۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جو کتابیں مدرسے کے لیے خریدی گئی ہیں یا اس مدرسہ پر وقف ہوئی ہیں، وہ اسی مدرسے کی ہیں: جہاں وہ مدرسہ قائم ہوگا وہیں کتابیں رہیں گی۔ فقط

وفات شدہ شخص کی کتابوں کو وقف کرنا

سوال: (۹۷۳) زید مرحوم کے پاس کچھ کتب دینیات تھیں، کسی عربی مدرسے میں بھیجنا چاہتا تھا، اپنے اس ارادے کو اپنی حیات میں پورا نہ کرسکا، اب کسی مدرسے میں وہ کتب وقف کی جاویں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۴۱۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ امر باختیار ورثاء کے ہے، اگر ورثہ بالغین کسی مدرسے میں ان کتب کو وقف کرنا چاہیں تو بہ قدر اپنے حصص کے وقف کرسکتے ہیں۔ فقط

طلبہ کا مدرسے کی کتابوں کو ضائع کردینا

سوال: (۹۷۴) ایک مہتمم مدرسہ یا متولی وقف دینیہ، کسی طالب علم یا اور کسی شخص کو حسب شرائط عاریۃً وقفی کتابیں ــــ جو اسی غرض سے وقف کی گئی ہیں ــــ دیتا ہے، اور عاریۃً لینے والے طالب علم وغیرہ ان کتابوں کو استعمال کرتے کرتے بے کار کردیں یا لے کر چلے جائیں، تو مہتمم اور متولی کس طریق سے بری ہوسکتے ہیں؟ یعنی مؤاخذہ اخروی سے۔ (۹۴۵/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اس صورت میں جب کہ مہتمم اور متولی نے نگرانی وحفاظت کتب میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور موافق شرط واقف طلبہ کو عاریۃً دیتا ہے جو کہ اس کو دینا چاہیے؛ تو اگر اس حالت میں وہ کتابیں دریدہ ہوکر بے کار ہوجائیں یا کوئی طالب علم لے کر چلا جائے تو مہتمم اور متولی پر اس کا معاوضہ اور ضمان اور مؤاخذہ اخروی کچھ نہیں ہے۔ فقط

مدرسے کا حساب وکتاب صاف نہ رکھنے والے کو معزول کرنا

سوال: (۹۷۵) ایک نو وارد مولوی صاحب نے یہاں آکر قیام کیا، اور ایک مکتب میں ــــ جو

حافظ رجب کے امام باڑے میں تھا وہاں ـــــ آمد ورفت شروع کی، اور مسلمانوں سے تعلیم کے متعلق کہا، اتفاق رائے قرار پاکر ایک مکان کرائے پر لے کر مدرسہ جاری کیا، اور کام چندہ سے شروع ہوا، اور عمارت مدرسہ کی دومنزلہ چندہ سے تیار ہوئی، نیچے نو (۹) دکانیں نکالیں، مدرسہ تیار ہونے کے چند روز بعد دو ہزار پانچ سو روپے میں بلا مشورۂ قوم مولانا صاحب نے مدرسہ کو رہن کردیا، جس کے متعلق مولانا صاحب سے حساب مانگا گیا، انہوں نے حساب نہیں بتلایا، خلاصہ یہ کہ چندہ کرکے مدرسہ کو چھڑایا گیا، کسی وجہ سے مولانا صاحب نے سکونت اندور کی ترک کردی، ان کے پیچھے ان کا لڑکا کرایہ دکانوں کا وصول کرتا رہا، مولانا صاحب کا منشا یہ ہے کہ کل آمدنی میں لوں اور حساب نہ دوں؛ ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ جو مدرسہ مسلمانوں نے چندہ سے بنایا ہے اس کو مولانا صاحب غصب کرنا چاہتے ہیں؛ کیا مدرسہ ان کی ملکیت مانا جاسکتا ہے؟ اب مولانا صاحب ایک عرصہ کے بعد تشریف لائے ہیں، ان سے آمد وخرچ کا حساب مانگا گیا، مگر وہ حساب دینا نہیں چاہتے؛ ایسی صورت میں مولانا صاحب کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۱۲۹/۱۳۴۵ھ)

الجواب: مدرسہ مذکورہ ان مولوی صاحب کی ملک نہیں ہے، اور ان کو رہن کرنا بھی جائز نہ تھا، اور جب کہ وہ حساب کتاب باقاعدہ آمد وصرف کا نہیں دیتے، اور آئندہ کو بھی صفائی حساب کتاب کی رکھنا نہیں چاہتے، تو ان کو بالکل مداخلت مدرسہ میں نہ دی جاوے اور ان کو معزول کیا جاوے، اور دوسرے معلم متدین مقرر کیے جاویں؛ خائن کا معزول کرنا ضروری ہے اور مدرسے کا نظام باقاعدہ مقرر کیا جاوے، اور مولوی صاحب موصوف کے مشورے کو قبول نہ کیا جاوے؛ کیونکہ حساب آمد وصرف کا رکھنا ضروری ہے۔ فقط

ڈاڑھی کاٹنے والے کو مدرسے کا منتظم بنانا

سوال: (۹۷۶) زید ہمیشہ ڈاڑھی کترواتا ہے، مسلمانوں نے اس کو اسلامی مدرسے کا منتظم بنا رکھا ہے، زید نے اپنے وعظ میں بیان کیا کہ جس شخص کے جنازے کی نماز چالیس آدمی پڑھیں وہ بلا شک جنت میں داخل کیا جاتا ہے؛ کیونکہ ہر چالیس آدمیوں کی جماعت میں ایک آدمی ولی اللہ یا غوث ضرور ہوتا ہے۔ جو شخص ڈاڑھی ایک انچ اور مونچھیں بڑی رکھے اس کو مدرسے کا منتظم بنانا شرعاً جائز ہے یا

نہیں؟ (۴۶-۴۶/۱۳۴۷ھ)

الجواب: یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کے جنازے کی نماز چالیس آدمی مسلمان خالص پڑھیں اس کی مغفرت ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا؛ مگر یہ امر کہ ہر چالیس آدمیوں کی جماعت میں ایک ولی اللہ یا غوث ضرور ہوتا ہے ضروری نہیں ہے، اور ثابت نہیں ہے؛ اور اس حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ وہ حدیث شریف یہ ہے: فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلاً لا يشركون بالله شيئاً إلا شفعهم الله فيه، رواه مسلم (۱) اور شخص مذکور فاسق ہے، اس کو منتظم مدرسہ نہ بنایا جائے۔ فقط

مہتمم کو مدرسہ کی حق تلفی کرنا جائز نہیں

سوال: (۹۷۷) زید نے اپنے مکان مشترکہ کا نصف حصہ مدرسہ میں ہبہ ووقف کر دیا ہے؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر مدرسہ کے ممبران اور مہتمم نے کسی قسم کے دباؤ یا رورعایت سے اس مکان کا نصف حصہ عمرو کو —— جو دوسرا شریک ہے —— کم قیمت پر دے دیا، اور مدرسہ کی حق تلفی ہوئی تو یہ لوگ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ کیونکہ عمر کی یہ کوشش ہے کہ کسی صورت سے یہ حصہ کم قیمت میں آجائے۔ (۶۰۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: مشترک حصے کا وقف صحیح مذہب کے موافق جائز ہے؛ پس ممبران و مہتمم مدرسہ کو چاہیے کہ مدرسہ کے حصہ کو علیحدہ کرالیں؛ کیونکہ وہ نصف حصہ جو زید نے مدرسہ میں دیا ہے وہ وقف ہو گیا، اور وقف کی بیع وشراء اور کوئی تصرف مالکانہ اس میں کسی کا درست نہیں ہے۔ كما في الدر المختار: الوقف

(۱) عن كريب مولى ابن عباس عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهما أنه مات ابن له بقديد أو بعسفان فقال: يا كريب! انظر ما اجتمع له من الناس، قال: فخرجت فإذا ناس قد اجتمعوا له فأخبرته فقال. تقول: هم أربعون قال: نعم قال: أخرجوه فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما من رجل مسلم يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلاً لا يشركون بالله شيئاً إلا شفّعهم الله فيه (الصحيح لمسلم ۱/ ۳۰۸ كتاب الجنائز، فصل في قبول شفاعة الأربعين الموحّدين في من صلّوا عليه، وهكذا في مشكاة المصابيح ص:۱۴۵ كتاب الجنائز – باب المشي بالجنازة والصلوة عليها)

لَا یُمْلَكُ وَلَا یُمَلَّكُ (۲/۳۲۱کتاب الوقف) اور ممبران مدرسہ کو یہ جائز نہیں ہے کہ اس مکان کو فروخت کریں، اور اگر اس ضرورت سے فروخت کریں کہ تقسیم ہونے کے بعد اس سے کچھ آمدنی مدرسہ کو نہ ہوگی، اور وہ بے کار پڑا رہے گا، یا دوسرا شریک قبضہ کر لے گا، تو پھر فروخت کرنا درست ہے؛ لیکن (کم) قیمت کو فروخت نہ کریں، اور مدرسہ کی حق تلفی کسی کی رعایت سے نہ کریں، ورنہ ان پر مؤاخذہ ہوگا۔ فقط

مہتمم کا مدرسے کی کوٹھری کسی کو دے دینا

سوال: (۹۷۸) اگر مہتمم مدرسہ نے زید کو کوٹھری مدرسہ جو طلبہ کے لیے مخصوص تھی بوجہ فارغ ہونے کے دیدی تو زید اس کی تلافی کس طرح کرے؟ یعنی کرایہ واجبہ ادا کر دینے سے تلافی ہو جائے گی یا نہیں؟ اور مہتمم مدرسہ یا زید خود اس کرائے کو کس مد مدرسہ میں صرف کرے تو زیادہ مناسب ہو؟

(۱۳۳۷/۲۷۰۲ھ)

الجواب: اب اس کی تلافی اسی طرح ہے کہ زید سے اس کوٹھری کو خالی کرا لیا جائے، اور جو کچھ کوتاہی ہوئی اس سے توبہ کی جائے اور اگر زید بقدر کرائے کے مدرسہ میں داخل کر دے تو یہ اچھا ہے اور احتیاط ہے، اس مقدار کو صرف طلبہ میں خرچ کیا جائے۔ فقط

ایک عورت اپنا مکان مسجد کو دینا چاہتی تھی مگر مدرسے کو دے دیا تو اس کا حق دار کون ہے؟

سوال: (۹۷۹) مسماۃ مریم کو ایک مکان والد کے ترکہ سے ملا، اور مریم نے کئی آدمیوں سے یہ کہا کہ میں اپنا مکان مسجد کو دیتی ہوں، تم مسجد والے اس کا باقاعدہ کاغذ لکھالو، انہوں نے کہا کہ ہم مکان مسجد کے لیے لے لیں گے۔ دو چار روز کے بعد شوہر مریم نے مہتمم مدرسے سے کہا کہ میری بیوی اپنا مکان مدرسے کو دیتی ہے تم لکھوالو، مہتمم مدرسہ نے کہا کہ جس وقت مسماۃ آئے گی ہم لکھوالیں گے، بالآخر کارکنان مدرسہ نے کوشش کر کے مسماۃ مریم سے اس کا مکان مدرسے کے لیے لکھوالیا، اور مسماۃ کا انگوٹھا معہ دستخط گواہان کے دستاویز پر لگوالیا؛ اب اہالیان مسجد و کارکنان مدرسہ میں یہ تنازع پیدا ہوا کہ مسجد کا

حق ہے یا مدرسے کا؟ ایسی صورت میں منتظمان مسجد کو مدرسہ کا حق ساقط کردینا، اور مکان مسجد کے لیے واپس لے لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: وہ مکان مدرسے پر وقف ہوگیا اس کی آمدنی مدرسے میں ہی صرف ہونی چاہیے، متولیان مسجد کا حق مدرسہ کو اس سے ساقط کرنا جائز نہیں ہے۔(۱)

مساجد اور مدارس موقوفہ کسی کی ملک نہیں

سوال: (۹۸۰) مساجد و مدارس موقوفہ میں تملیک ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی کوئی اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہ؟ اگر کوئی جبراً تملیک کا دعوی کرے تو کیا حکم ہے؟ (۱۹۰۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال فی الدرالمختار: وجعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالإجماع وكذا لولم يشترط لأحد فالولاية له عندالثاني وهو ظاهر المذهب نهرإلخ (۲) وفيه أيضًا: وما دام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف لايجعل المتولى من الأجانب الخ (۳) وفيه: الباني للمسجد أولى من القوم بنصب الإمام والمؤذن فى المختار إلا إذا عيّن القومُ أصلحَ ممن عيّنه الباني الخ قوله الباني أولى وكذا أولاده وعشيرته أولى من غيرهم (۴) (شامی ۳/۴۱۴) وفى الدرالمختار: فإذاتم ولزم لا يُملَكُ وَلا يُمَلَّكُ (الدرمع الرد ۶/۴۲۱ كتاب الوقف) ان عبارات سے یہ امر واضح ہوا کہ وقف کسی کی ملک نہیں رہتا؛ پس مساجد اور مدارس موقوفہ کسی کی ملک نہیں ہیں۔

مدرسے کے مکان کو خالی کرانا ضروری ہے

سوال: (۹۸۱) ایک مکان موقوفہ میں اگر کوئی شخص سکونت کرلے، اور اس میں مدرسہ اسلامیہ قائم کرنے کا ارادہ ہو؛ تو اس شخص سے مکان خالی کرانا ضروری ہے یا نہ؟ (۱۹۹۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مکان مذکور اس سے خالی کرالینا ضروری ہے جب کہ وہ مدرسے کے لیے وقف ہے؛ تو

(۱) اور مریم کا جو مسجد کو دینے کا ارادہ تھا اس کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔ سعید احمد پالن پوری

(۲) الدرالمختار ۶/۴۵۱، ۴۵۲ كتاب الوقف ـ مطلبٌ فى اشتراط الواقف الولاية لنفسه.

(۳) الدر مع الرد ۶/۴۹۹ كتاب الوقف ـ مطلبٌ لا يجعل الناظر من غير أهل الوقف.

(۴) الدر والشامى ۶/۵۰۵ كتاب الوقف ـ قبل مطلبٌ فى الوقف المنقطع الأول.

اس میں مدرسہ ہی قائم ہونا چاہیے۔ فقط

واقف کے ورثاء مدرسے کو دی ہوئی جائداد واپس نہیں لے سکتے

سوال: (۹۸۲) اگر کوئی شخص اپنی کچھ زمین یا مکان پانچ یا چھ ہزار قیمت مقرر کر کے؛ اس شرط پر کسی اسلامی مدرسہ کو مفت دے دیوے کہ سالانہ آمدنی میں سے نصف خود رکھے، اور نصف مدارس کو بھیج دیا کرے، مگر بعد کچھ مدت کے اصلی وارث یا اس کی اولاد مقرر شدہ قیمت مدرسہ کو ادا کر کے مکان یا زمین واپس لے لیوے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں جو زمین اور مکان اس شخص نے کسی مدرسہ میں اس شرط کے ساتھ دے دی کہ نصف آمدنی اس کی اسی مدرسہ میں خرچ ہو، اور نصف دیگر مدارس مجوزہ میں خرچ ہو تو وہ زمین اور مکان وقف ہوگیا، اس کے بعد واقف کے ورثہ اور اولاد اس کو واپس نہیں لے سکتے، اور اس وقف کو باطل نہیں کر سکتے؛ پس یہ صورت جائز نہیں ہے کہ واقف کی اولاد قیمت اس زمین ومکان کی دے کر اس زمین ومکان کو واپس لے لیں (۱)

جو مدرسہ مسجد میں قائم ہے اس کو اٹھانے کا حق کسی کو نہیں

سوال: (۹۸۳) ایک مسجد میں ایک مدرسہ ہے جس میں دینی تعلیم، کلام مجید وتفسیر وفقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اٹھادی جائے؛ بعد گفتگوئے بسیار کے یہ طے ہوا کہ دونوں طرف سے تحریر ہو جائے کہ منتظمان مسجد لکھ دیں کہ ہم مدرسہ نہ اٹھائیں گے جب تک مدرسہ تین شرائط پر قائم رہے گا، (ایک) یہ کہ سات آٹھ برس کے لڑکے نہ داخل ہوں، (دوسرے) مدرسہ میں تعلیم ہندی، ناگری، انگریزی غیر مذہب کی تعلیم داخل نہ ہو، (تیسرے) مدرسہ مسجد کی کسی چیز پر قبضہ نہ کرے، مہتمم مدرسہ نے اس کو منظور کر لیا اور تحریر لکھ دی، بکر کہتا ہے کہ اس قسم کی تحریر کا کسی کو حق نہیں ہے؟ (۲۲۷۸/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) فإذا تم ولزم لا يُملَك ولا يُملَّكُ ولا يعار ولا يرهن. قوله: لا يُملك أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يُملَّكُ أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه (الشامي ۶/۴۲۱ قبل مطلب: في شرط واقف الكتب أن لا تعار إلا برهن)

الجواب: جو مدرسہ مسجد میں قائم ہے اس کو اٹھانے کا حق کسی کو نہیں ہے؛ البتہ جو امور مسجد میں جائز نہیں ہیں ان کو اگر تحریر میں لایا جائے اور منتظمین مدرسہ سے ان کا اقرار کرایا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے؛ اور جو امور جائز ہیں ان سے روکنے کا کسی کو کچھ حق نہیں ہے۔ فقط

مدرسے کے لیے گورنمنٹ سے امداد لینا

سوال: (۹۸۴) موضع ''پنچ لاسہ'' جامع مسجد میں تقریباً عرصہ بیس سال سے مدرسہ حفظ القرآن ہے، اور چند ماہ سے متولی مدرسہ نے گورنمنٹ سے مبلغ پانچ روپے امداد لے لی ہے اردو پڑھانے کے لیے، اور جماعت بندی درجہ چہارم تک ہوگئی ہے، امداد لینے میں اکثر لوگ خلاف ہیں، لہٰذا امداد لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۹۹/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر اس کی ضرورت تھی تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ امداد گورنمنٹ سے نہ لی جائے تاکہ حفظ قرآن وتعلیم قرآن ودینیات میں کچھ حرج واقع نہ ہو۔ فقط

سوال: (۹۸۵) ایک اسلامی عربی مدرسہ ہے اس کے اندر مختلف جگہوں سے امدادیں آتی ہیں، چنانچہ کچھ سرکاری امداد بھی ہے، اور دوسری امدادیں سرکاری امداد پر موقوف ہیں؛ اس وجہ سے سرکاری امداد لینا کیسا ہے؟ (۲۰۵۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بہ ضرورت مذکور بہ حالت موجودہ امداد لینا شرعاً جائز ہے۔ فقط

مدارس میں ہجری وقمری تاریخ کو جاری کرنا

سوال: (۹۸۶) مدرسے میں انگریزی تواریخ سے کاروبار (معاملات) کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۲۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اچھا یہی ہے کہ مسلمان حتی الوسع سنہ ہجری اور چاند کے حساب کو مدارس اسلامیہ میں جاری رکھیں۔

کسی سے زمین خرید کر مدرسہ بنانا

سوال: (۹۸۷) ایک مکان بہت عرصے سے گن چنوں (رنڈیوں) کے قبضہ میں چلا آتا ہے، یہ

معلوم نہیں کہ یہ زمینِ مکان ان کے پاس کس طرح آئی، آیا بطور خرید، یا انعام ریاست۔

اس وقت اس مکان کی دو مستورات مالک ہیں: ایک مسماۃ اللہ دی، دوسری مسماۃ عمری۔ مسماۃ اللہ دی نے عرصہ پانچ سال سے نکاح کرلیا ہے، اس وقت تک نکاح میں ہے؛ مسماۃ عمری پیشہ کرتی ہے، اب یہ دونوں مستورات اپنے اپنے حصہ کو بیع کرنا چاہتی ہیں؛ چونکہ یہ زمین لب سڑک ہے اور مسجد کے قریب ہے اور مسلمانوں کے محلوں میں ہے، اس لیے مسلمانان شہر اس زمین کو خرید کر اس میں مدرسہ اسلامیہ بنانا چاہتے ہیں؛ یہ زمین مدرسہ کے لیے بہت ہی موزوں ومناسب ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ اس زمین مذکور کا دونوں مستورات سے خرید کرنا، اور اس کی جگہ مدرسہ بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۵۸۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جائز ہے۔ فقط

قبرستان کے احکام

قبرستان کا وقف ہونا ضروری نہیں

سوال: (۹۸۸) قبرستان کلیۃً وقف ہوتے ہیں یا کہ ملک بھی ہو سکتے ہیں؟ (۳۷۹/۱۳۲۱ھ)

الجواب: قبرستان کا کلیۃً وقف ہونا ضروری نہیں ہے، اگر وقف ہونے کا ثبوت ہوگا تو وہ قبرستان وقف ہوگا ورنہ مملوکہ ورثہ کا ہوگا۔

عیدگاہ اور قبرستان کے لیے مشاع کا وقف بالاتفاق ناجائز ہے

سوال: (۹۸۹) درزمینے کہ مردماں دراں مشترک اند کثیر آنہاں جائے خود را وقف کردند، واند کے ازاں برعکس آں قدم می نہند: آیا دراں بقعہ عیدگاہ کردن ومقبرہ ساختن رواہست یانہ؟ (۲۷۶۸/۱۳۴۴ھ)

الجواب: وقف مشاع مختلف فیہ است، مگر درحق مسجد ومقبرہ وغیرہ بالاتفاق عدم جواز ثابت است، پس وقف مذکور بالاتفاق ناجائز است کما فی الشامی: والخلاف فیما یقبل القسمة أما مالا یقبلها کالحمام والبئر والرحی فیجوز اتفاقًا، إلا فی المسجد والمقبرة لأن بقاء الشرکة یمنع الخلوص للّٰہ تعالیٰ (۱) (شامی مطبوعہ ہند ص: ۳۶۴) عیدگاہ ہم درحکم مسجد است، لہٰذا عیدگاہ ساختن ہم جائز نیست (۲)

ترجمہ: سوال: (۹۸۹) ایک زمین ہے جس میں چند لوگ شریک ہیں، ان میں سے اکثر نے

---

(۱) ردالمحتار ۴۱۸/۶ کتاب الوقف. مطلبٌ شروط الوقف علی قولهما.

(۲) ویزول ملکه عن المسجد والمصلی.قوله والمصلی ...... قال بعضهم:یکون مسجدًا حتی إذا مات لا یورث عنه(الدرالمختار مع الردّ ۴۲۶/۶ کتاب الوقف. قبل مطلب في أحکام المسجد)

اپنے حصے کو وقف کردیا۔ اور کچھ لوگوں نے اس کے برخلاف قدم اٹھایا۔ قابل دریافت بات یہ ہے کہ ایسی زمین میں عیدگاہ یا قبرستان بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مشاع کے وقف میں اختلاف ہے، مگر مسجد اور قبرستان (کے لیے وقفِ مشاع) کے متعلق بالاتفاق عدم جواز ثابت ہے، اس لیے وقف مذکور بالاتفاق ناجائز ہے کما في الشامی: والخلاف فیما یقبل القسمة الخ عیدگاہ بھی چوں کہ مسجد کے حکم میں ہے اس لیے عیدگاہ بنانا بھی جائز نہ ہوگا۔

تدفین کے لیے قبرستان کا وقف ہونا ضروری نہیں

سوال: (۹۹۰) ایک قطعہ زمین میونسپل بورڈ آگرہ نے اس نیت سے خرید کیا ہے کہ اس میں عامۃ المسلمین کے مردے دفن ہوا کریں، مگر وہ وقف کرکے مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں دیا ہے؛ آیا عندالشرع جب تک میونسپل بورڈ اس کو وقف کرکے مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ دے دے اس میں مردے دفن کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا (۱۲۹۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جب کہ اجازت دفن کرنے کی اس میں دے دی جاوے، دفن کرنا درست ہے، وقف کرنا ضروری نہیں ہے، اور مسلمانوں کے ہاتھ میں دینا وقف کرکے یہ بھی شرط نہیں ہے، دفن کرنا بعد اجازت خریدنے والے کے جائز ہے۔ فقط

خادمان درگاہ کے لیے وقف شاہی

سوال: (۹۹۱) اورنگ زیب بادشاہ نے دو مسمّا تان ''رابعہ اور زینب'' خادمان درگاہ سید خواجہ شمس الدین ترک شاہ ولایت صاحب پانی پتی کے نام بہ غرض دعا گوئی موضع ڈھاڈھولی پرگنہ پانی پت کی چھتر بیگہ پختہ اراضی بلفظ مدد معاش عطاء کی، جس کی آمدنی نسلاً بعد نسلٍ خاندان اور غیر خاندان مسماتان مذکورین میں بہ طریقہ رسد وراثت بموجب شرع محمدی تقسیم ہوتی رہی؛ بلکہ بعض اشخاص نے اپنے حصے کو بیع بھی کردیا، بندوبست ۱۸۸۰ء میں گورنمنٹ نے اس خیال سے کہ بیع ورہن کی حالت میں یہ زمین ضائع نہ ہوجاوے۔ اراضی مذکور کو درگاہ کے نام وقف تصور کرکے اس کی بیع اور رہن کی ممانعت کردی؛ لیکن عملاً اس کی آمدنی بدستور قدیم جملہ خادمان یا متولیان درگاہ موصوف پر شرعی طور سے جاری

ہے، اور کاغذات مال میں ہر ایک حصہ دار کے فوت ہونے پر اس کے شرعی حق داران کا نام درج کیا جاتا ہے، بہ حالت مذکورہ سوال یہ ہے کہ اراضی مدد معاش مذکور عطا کردۂ اورنگ زیب بادشاہ جس کی بیع و رہنِ گورنمنٹ نے بند کرادی ہے؛ کیا شرعاً یہ اراضی وقف کی تعریف میں آ گئی ہے؟ نیز مدد معاش اور وقف میں رسد وراثت کی بابت شرعاً کیا حکم ہے؟ **بینوا وتوجروا** (۱۱۷۳/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر بادشاہ موصوف نے ہی اس زمین کو وقف کر کے خادمان مذکورین کے لیے اس کی آمدنی مقرر فرمائی تھی تب تو ظاہر ہے کہ وہ وقف ہے، اور بیع و رہن اس کی ناجائز ہے، اور اگر بادشاہ موصوف نے اس جائداد کو ملک خادمان مذکورین کردی تھی کہ نسلاً بعد نسلٍ یہ جائداد ان کی ہے، تو اس صورت میں وہ زمین وقف نہ ہوگی، اور توریث اس میں جاری ہوگی، اور مثل تمام مملوکہ ترکہ کے اس میں عمل درآمد شرعاً ہوگا، پوری تحقیق اس کی کاغذات عطیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے کہ معطی نے کیا الفاظ اس میں تحریر فرمائے ہیں، اور کس طریق سے وہ زمین خادمان مذکورین کو دی ہے؛ کیوں کہ وقف جیسے صریح الفاظ سے ہوسکتا ہے، دلالۃ مقام وقرائن حال سے بھی ہوسکتا ہے۔

نوٹ: اور جاگیر(۱) میں مشائخ کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ تملیک رقبہ ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ تملیک خراج ہے۔ فقط محمد انور عفی اللہ عنہ

مسلمانوں کی قبروں کا احترام ضروری ہے

سوال: (۹۹۲) ...... (الف) حیدرآباد کے مشہور قدیم قبرستان جو علاوہ غیر محصور اور گذرگاہ عوام میں غیر محفوظ ہونے کے، تکیہ داروں کی عدم نگرانی میں ایسی خستہ اور خراب حالت میں ہیں کہ قبور کی شکست وریخت کی نہ مرمت کی جاتی ہے، اور نہ اسباب شکست وریخت میں ان کو محفوظ کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کی جاتی ہے؛ برخلاف اس کے ان تکیہ داروں کی لالچ کی یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ زمین کا ناجائز معاوضہ حاصل کر کے، ایک ایک قبر میں کئی کئی میتیں دفن کی جاتی ہیں؛ حالانکہ ایسا فعل احترام قبور کے بالکل خلاف، اور ایسی زمین کا معاوضہ (جو وقف ہے) **بالکل ناجائز** معلوم ہوتا ہے، اور قبور کی بے حرمتی اس حد تک ہوتی ہے کہ قبرستان میں سیندھی (۲) اور شراب کے علانیہ جلسے ہوتے ہیں، اور ایسی نجس

---

(۱) جاگیر: وہ زمین جو بادشاہ یا حکومت کی طرف سے بطور انعام دی جائے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔
(۲) سیندھی: کھجور کا رس۔

مشروبات کا سیلاب اور دیگر افعال شنیعہ کا ارتکاب وہاں ہوتا ہے؛ نظر بریں حالات اگر ان قبرستانوں کی اس طرح اصلاح کی جائے کہ ان کو محصور کر کے درست قبور کو علی حالہ قائم رکھ کر، شکستہ قبور کی مرمت ـــــ بہ لحاظ اس کے کہ پختہ قبور شرعاً جائز ہی نہیں ہیں ـــــ اس طرح کی جائے کہ ان پر ہری گھاس کا پتا لگایا جائے، اور اطراف وجوانب کی ناہموار زمین کو ہموار کر کے اس پر بھی پتا لگایا جائے، اور اقسام کے پھول کے درخت خوشبو اور آرائش کی غرض سے نصب کیے جائیں؛ تو کیا یہ شرعاً جائز اور بہتر نہ ہوگا؟

(ب) مملوکہ قبرستانوں کی زمین کا معاوضہ مالکان زمین کو ادا کر کے آئندہ کے لیے دفن سے منع کر دیا جائے تو کیا یہ فعل جائز نہ ہوگا؟ (۶۱/۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف) احترام قبور مسلمین ضروری ہے، اور جو امور مخل احترام ہیں ان کی ممانعت احادیث میں وارد ہے؛ پس جو امر سبب حفاظت قبور اور باعث احترام اموات ہو وہ شرعاً مامور بہ اور مستحب اور موجب اجر وثواب ہے۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: کسر عظم المیت ککسرہ حیًا (۱) وفی المرقاۃ: قولہ ککسرہ حیًا یعنی فی الإثم کما فی روایۃ. قال الطیبی: إشارۃ إلی أنہ لا یھان میتًا کما لا یھان حیًا. قال ابن الملک: وإلی أن المیت یتألم. قال ابن حجر: ومن لازمہ أنہ یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتھی. وقد أخرج ابن أبی شیبۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: أذی المؤمن فی موتہ کأذاہ فی حیاتہ رواہ مالک وأبوداؤد (۲) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن تجصص القبور وأن یکتب علیھا وأن یبنی علیھا وأن توطأ رواہ الترمذی (۳)

پس جو صورت سوال میں اصلاح قبرستان اور احترام اموات اور صفائی اور نظافت قبور کے متعلق درج ہے وہ جائز اور مستحب ہے۔ (مگر زیب وزینت اور تکلف قبور پر منع ہے جیسا کہ آئندہ فتوی میں آرہا ہے)

(۱) رواہ مالک وأبوداؤد وابن ماجۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا (مشکاۃ ص:۱۴۹ باب دفن المیت)
(۲) مرقاۃ شرح المشکاۃ ۷۹/۴ باب فی دفن المیت. مطبوعہ ملتان پاکستان.
(۳) الجامع للترمذی ۲۰۳/۱ باب ما جاء فی کراھیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیھا.

(ب) مملوکہ قبرستانوں کی زمین کوخرید کراور معاوضہ دے کرآئندہ کو دفن اموات اس میں نہ کرنا، اور منع کرنا درست ہے۔ جیسا کہ روایات فقہیہ سے ظاہر ہے۔ درمختار میں ہے: ویخیر المالك بین إخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابًا(۱) اور یہ ظاہر ہے کہ مالک زمین کوتصرف بیع اور ہبہ وغیرہ کرنا اپنی زمین مملوکہ میں درست ہے۔ فقط

قبرستان کے چند آداب اور سماعِ موتیٰ

سوال: (۹۹۴) قبرستان میں جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ گوبر اور پیشاب وغیرہ نجاست سے مُردوں کی روح کوتکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ قبرستان کی حفاظت ضروری ہے یا نہیں؟ قبرستان میں سے نجاست دور کرنے والے کوثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ مردے سن سکتے ہیں یا نہیں؟ (۹۸۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کتب فقہ میں یہ منقول ہے کہ جانوروں کوقبرستان میں نہ چھوڑا جاوے۔

عالمگیریہ کتاب الوقف: ص:۳۶۲ میں ہے: فلو کان فیها حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیها کذا فی البحر الرائق(۲) اورحدیث شریف میں ہے: نهى رسول الله صلى الله علیه وسلم: أن تجصص القبور وأن یکتب علیها و أن یبنى علیها وأن توطأ رواه الترمذی(۳) یعنی آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبریں پختہ کی جاویں، اوران پر کچھ لکھا جاوے، اوراس سے کہ ان کو روندا جاوے؛ یعنی ان پر چلا پھرا جاوے۔ پس جیسا کہ غایت تعظیم اور زیب وزینت اورتکلف قبور پر منع ہے، ویسا ہی ان کی توہین بھی منع ہے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے اختیار سے وہاں چوپایوں کونہ چھوڑا جائے، اوران کوراستہ نہ بنایا جاوے — کہ ان پر چلیں پھریں — بلکہ حفاظت قبرستان عمدہ امر اور مستحب ہے، اورحدیث شریف میں ہے: کسر عظم المیت ککسره

---

(۱) الدرمع الرد ۱۳۶/۳ کتاب الصلوة، مطلبٌ فی دفن المیت .

(۲) الفتاویٰ العالمغیریة ۴۷۱/۲ کتاب الوقف. الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات والحیاض والطرق والسقایات الخ .

(۳) الجامع للترمذی ۲۰۳/۱ باب ما جاء فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها .

حیا(۱) قال الطیبی: إشارة إلی أنه لا یهان میتًا کما لا یهان حیًا وقال ابن الملك: وإلی أن المیت یتألم الخ. وقد أخرج ابن أبی شیبة عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه أذی المؤمن فی موته کأذاه فی حیاته (۲)(مرقاة)

اس سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ مردے کو نجاست اور خباثت سے تکلیف پہنچتی ہے، اگرچہ خود قبر بھی بعض اوقات محل نجاستِ صدید میت (میت کی پیپ کی نجاست کی جگہ) وغیرہ ہوتی ہے، چنانچہ فقہاء نے قبرستان میں نماز مکروہ ہونے کی وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ قبور محل نجاست ہیں بایں ہمہ ہم کو حکم نظافت اور ستھرائی کا ہے؛ لہٰذا اپنے اختیار سے وہاں نجاست اور پلیدی ڈالنا مکروہ ہے، اور جب کہ نجاست ڈالنا وہاں مکروہ ہوا تو لامحالہ نجاست دور کرنے والے کو ثواب ہوگا کہ إماطة الأذی عن طریق المسلمین جب کہ موجب اجروثواب ہے تو اموات کے لیے بھی یہ حکم جاری ہوسکتا ہے، مگر یہ واضح رہے کہ حد سے زیادہ جو امر تجاوز کرتا ہے وہ ممنوع ہوجاتا ہے، جیسا کہ تعظیم قبور کا رواج ہوگیا ہے، یہاں تک کہ ان پر غلاف اور چادریں ڈالی جاتی ہیں، اور یہ امور اکثر مفضی الی الشرک ودواعی شرک ہوجاتے ہیں۔ کما هو مشاهد

اور سماع میت ثابت نہیں ہے بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ (سورۂ فاطر، آیت:۲۲) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ (سورۂ نمل، آیت:۸۰ وسورۂ روم، آیت:۵۲) وقد أجاب فی الفتح وغیره عن الحدیث الوارد فیه أی حدیث أهل قلیب بدر: وأولوا أی الفقهاء حدیث سماع قرع النعال، بأنه مخصوص بأول الوضع فی القبر (۳) فقط

(۱) رواه مالك وأبوداوٗد وابن ماجة عن عائشة رضی اللّٰه عنها (مشکاة ص:۱۴۹ باب دفن المیت)
(۲) مرقاة ۴/۷۹ باب فی دفن المیت. مطبوعة ملتان. باکستان.
(۳) فتح القدیر ۲/۶۸-۶۹ کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی الغسل. وأیضا فیه ۴/۴۶۱-۴۶۲ کتاب الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیره. المطبوعة: المکتبة النوریة الرضویة بسحر، باکستان.
سماع موتی کے مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سماع کے قائل تھے، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی تھیں۔ جو حضرات سماع کے قائل تھے =

وقف نامے کی تکمیل کا خرچ کس کے ذمے ہے؟

سوال: (۹۹۴) زینب نے ایک جائداد وقف کی، اور عمرو بکر سے کہا کہ وقف نامہ کی تکمیل باضابطہ کرادو، چنانچہ اس کی تکمیل کرادی گئی، اور جو کچھ خرچ ہوا وہ عمرو بکر نے اپنے پاس سے کردیا، مگر واقفہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ جو کچھ خرچ ہو وہ میں دوں گی، یا آمدنی وقف سے لیا جاوے گا؛ آمدنی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ زینب واقفہ نے انتقال کیا؛ پس خرچ تکمیل وقف نامہ بذمہ واقفہ ہے یا آمدنی وقف سے لیا جاوے گا؟ (۱۵۸۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس صورت میں خرچ تکمیل وقف نامہ بذمہ واقفہ ہے کہ اس نے عمرو بکر کو امر کیا ہے، اور انہوں نے موافق امر واقفہ کے خرچ کیا ہے، آمدنی وقف میں سے یہ خرچ نہ لیا جاوے گا؛ کیوں کہ کوئی تصریح واقفہ کی اس کے متعلق نہیں ہے، اور آمدنی وقف میں سے بدون شرط واقفہ کے ایسے تصرفات نہیں کرسکتے۔

موقوفہ قبرستان میں دفن کرنے سے روکنا جائز نہیں

سوال: (۹۹۵) ایک قبرستان وقف ہے، جس میں عام مسلمانوں کے مردے صدہا سال سے دفن ہوتے تھے، اب رئیس وقت جو مسلمان ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اس قبرستان میں دفن کرنے سے منع کر دیا جاوے، اس کے بعد قبریں کھدوا کر قبرستان کی زمین کو جس کام میں چاہے لاویں۔

اب سوال یہ ہے کہ قبرستان میں دفن کرنے سے منع کرنا، اور تصرف مالکانہ اس میں کرنا درست ہے

= ان کی دلیل سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۹ و ۱۷۰ تھی کہ شہداء حیات ہیں اور زندہ سنتا ہے۔ اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب لوگ مردے کو دفن کرکے لوٹتے ہیں تو مردہ لوٹنے والوں کی چپلوں کی آواز سنتا ہے (بخاری ۱/۱۷۸ کتاب الجنائز) اور جنگ بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے کفار کی لاشوں کو ایک پرانے کنویں میں ڈلوایا تھا، پھر ان سے خطاب کیا تھا (بخاری ۱/۱۸۳ کتاب الجنائز) اور قبرستان جانے پر مردوں کو سلام کرنے کا حکم ہے (ترمذی ۱/۲۰۳ أبواب الجنائز) یہ سماع موتی پر دال ہے، اور جو سماع کا انکار کرتے ہیں ان کی دلیل ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ ہے: اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے دونوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ اسماع (سنانا) ممکن نہیں اور سماع (سننا) ممکن ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

یا نہیں؟ اوران کوروکنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا (۳۰۲ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: قبرستان موقوفہ میں دفن کرنے سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے کہ غرضِ واقف اس سے فوت ہوتی ہے، اور مراعاتِ غرضِ واقفین لازم ہے: اور وقف میں تصرف مالکانہ بھی درست نہیں۔ لأن الْوَقْف لا يُمْلَكُ وَلا يُمَلَّكُ (الدرمع الرد ۶/۴۲۱ كتاب الوقف) باقی منع کرنا اور روکنا یہ موقوف ہے طاقت واستطاعت پر ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورۃ البقرۃ، آیت:۲۸۶)

سوال: (۹۹۶) ایک قبرستان میں عرصہ ۱۸ سال سے مسلمانوں کے مردے دفن ہوتے ہیں، اب عرصہ ایک سال سے ایک فریق مردہ دفن کرنے سے روکتا ہے۔ اور قبرستان مذکور ملکیت کسی کی نہیں ہے؛ بلکہ مسلمانوں کے مردے دفن کرنے لیے وقف ہے: ایسی صورت میں روکنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۰۸۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: عام قبرستان موقوفہ میں کسی مسلمان کی میت کو دفن کرنے سے روکنا کسی کو جائز نہیں ہے۔ لماعرف من كتب الفقه: أن شرط الواقفين كنص الشارع، كذا في الشامي (۱) فقط

سوال: (۹۹۷) ایک زمین کا ٹکڑا ہے، اس میں سات حصہ دار ہیں، اور وہ زمانہ سابق سے مشہور قبرستان ہے، جب کہ محلہ داروں کے قبرستان موجود نہیں تھے: اب ان کے پاس قبرستان موجود ہیں، اور حصہ داروں کی یہ رائے ہے کہ اس زمین کو کاشت کرائیں، جن لوگوں کے وہاں پر مردے دفن ہوتے تھے انہوں نے بددیانتی سے اس زمین میں جس قدر درخت کھڑے تھے سو روپیہ کو فروخت کردیے: آیا حصہ داران: زمین کو اپنے قبضہ میں لے کر کاشت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہاں پر مردے دفن ہونے دیں یا نہیں؟ (۱۰۶۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس قبرستان میں مردے دفن ہونے سے منع نہ کرنا چاہیے، اور بظاہر چونکہ وہ زمین وقف برائے قبرستان معلوم ہوتی ہے، اس لیے اس میں کوئی تصرف مالکانہ کسی کو نہ کرنا چاہیے، اور جو (درخت) فروخت ہوگئے ہیں ان کی قیمت اسی قبرستان کی درستی اور احاطہ وغیرہ میں صرف کرنی چاہیے۔ فقط

---

(۱) شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به (الدر المختار مع الشامي ۶/۵۰۸ كتاب الوقف ـ مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع)

متولی کا مردوں کو دفن کرنے سے روکنا

سوال: (۹۹۸) ایک قدیم وقف قبرستان ہے، جس کے متولی یکے بعد دیگرے ایک ہی خاندان کے ہوتے چلے آئے ہیں، اس قبرستان میں عام اموات دفن نہیں ہوتے، چند قبیلوں کے لیے مخصوص ہے، من جملہ ان قبیلوں کے جو وہاں مدفون ہیں، عمر کے قبیلہ کے اموات بھی قریب دوسو سال سے اس میں دفن ہوتے چلے آئے ہیں۔

مذکورہ قبرستان وقف ہے، اور زید اس کا متولی ہے، اور زید وعمر دونوں شافعی ہیں، فی الحال زید عداوت کی وجہ سے عمر کے قبیلے کے اموات کو دفن کرنے میں مانع ہوتا ہے، اور بہ حیثیت متولی انکار کرنے کا خود کو اختیار بتلاتا ہے، اس سے قبل عمر کے اموات کو دفن کرنے میں موجودہ متولی کے آباء واجداد جو مذکورہ قبرستان کے متولی گذرے، انہوں نے کبھی ممانعت نہ کی، نہ کوئی ایسے انکار کرنے کا حق مشتہر کیا؛ آیا زید متولی کا صورت مسئولۃ الصدر میں عمر کے اموات کو مذکورہ قبرستان میں دفن کرنے میں مانع ہونا شرعاً جائز ہے؟ اور اس طرح انکار کرنے کا حق اس کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا (۱۷۸۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: زید متولی کو عمر کے اموات کو دفن نہ ہونے دینے کا قبرستان مذکور میں اختیار نہیں ہے، جب کہ پہلے سے عمر کے اموات اس میں دفن ہوتے تھے۔ درمختار میں ہے: يسلك بمنقطع الثبوت المجهولة شرائطه و مصارفه ماكان عليه في دواوين القضاة —— وفي الشامي عن الذخيرة: سئل شيخ الإسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر ما يصرف إلى مستحقيه قال: ينظر إلى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان من أن قُوّامه كيف يعملون فيه والى من يصرفونه فيبنى على ذلك(۱) اس سے معلوم ہوا کہ پہلے متولی جیسا کرتے چلے آئے ہیں، متولی حال کو اس کے خلاف کرنا درست نہیں ہے۔ وفي الدر المختار: الوقف على ثلاثة أوجه: إما للفقراء أو للأغنياء ثم الفقراء أو يستوى فيه الفريقان كرباط وخان ومقابر وسقايات وقناطر ونحو ذلك الخ (۲) فقط

(۱) الدر والشامي ۶/۴۸۶ كتاب الوقف — مطلبٌ في حكم الوقف القديم المجهولة شرائطه ومصارفه.

(۲) الدرمع الشامي ۶/۴۷۲ كتاب الوقف — قبل فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته.

مملوکہ قبرستان میں مالک کی اجازت کے بغیر میت کو دفن کرنا

سوال: (۹۹۹)...... (الف) زید نے اپنے مردے کو بلا رضامندی بکر کے، گورستان مملوکہ بکر میں دفن کردیا؛ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

(ب) زید کے یہاں ایک موت واقع ہوئی، چنانچہ زید نے بکر کے گورستان میں دفن کرنے کی اجازت چاہی، بکر نے اجازت دفن دے دی، اس صورت میں زید کا کوئی حق گورستان مملوکہ بکر پر ہوسکتا ہے؟ یا ازخود اسی طرح زید آئندہ اپنی گور (قبر) بلا رضامندی مالک کے بنا سکتا ہے؟

(ج) زید نے جو مردہ گورستان مملوکہ بکر میں بجبر دفن کیا، اس کی تعزیر زید کی نسبت کیا ہے؟

(۲۶۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) اگر وہ گورستان خاص ملک بکر کی ہے، وقف نہیں ہے تو زید کو بلا رضامندی بکر کے اس میں کسی میت کو دفن کرنا درست نہیں ہے، اور اگر زید نے ایسا کیا تو بکر کو اختیار ہے کہ اس میت کے جنازہ کو وہاں سے نکلوادے یا زمین کو برابر کردے درمختار میں ہے: إلا لحق آدمی کأن تکون الأرض مغصوبة الخ و یخیر المالك بین إخراجه ومساواته بالأرض الخ (۱)

(ب) اس اجازت خاصہ سے ہمیشہ کے لیے زید کو کچھ حق ملکیت بکر میں حاصل نہیں ہوا کما مر۔

(ج) اور کوئی تعزیر سوائے طریق مذکور ـــــ در جواب اول ـــــ کے نہیں ہے کہ میت کو نکلوادے یا زمین کو برابر کردے۔ فقط

سوال: (۱۰۰۰) بلا اجازت مالک ومتولی قبرستان کے، اگر کوئی شخص مردہ دفن کرے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۸۳۵/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر قبرستان عامۂ مسلمین کے لیے وقف نہیں ہے بلکہ کسی خاندان کا مملوک ہے تو ایسی صورت میں غیر آدمی کو وہاں دفن کرنا ناجائز اور ارتکاب غصب ہے۔ کما فی الخلاصة: رجل حفر قبرًا فجاء آخر ودفن فی القبر لاینبش القبر ویجب قیمة حفره وهذا إذا کان فی أرض مباحة أما

---

(۱) الدر مع الرد ۳/ ۱۳۵-۱۳۶ کتاب الصلوٰۃ، مطلبٌ: فی دفن المیت۔

اذا کان فی الملک ینبش (۱) (خلاصۃ الفتاوی) اس مسئلہ سے صاف واضح ہے کہ دفن کرنے کے بعد بھی ارض مغصوب سے میت کو نکال دیا جاسکتا ہے؛ پس غاصب مذکور پر معصیت غصب لازم آجائے گی؛ لیکن اگر وہ قبرستان وقف ہے تو پھر نکالنا میت کا جائز نہیں ہے۔ اَلْوَقْفُ لایُمْلَکُ وَلا یُمَلَّکُ (الدرمع الرد ۶/ ۴۲۱ کتاب الوقف) فقط

واقف کے پوتے کا موقوفہ قبرستان میں دفن کرنے سے روکنا

سوال: (۱۰۰۱) زید نے اپنی زمین مملوکہ محلّہ والوں کو قبرستان بنانے، اور مردے دفن کرنے کے لیے دے دی، ثبوت یہ ہے کہ اہل محلّہ بہت زمانے سے اس میں اپنے مردے دفن کررہے ہیں؛ لیکن زید کا پوتا محلّہ والوں کو اس زمین میں مردے دفن کرنے سے روکتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ زمین میری ہے؛ شرعاً اس قبرستان کا کیا حکم ہے؟ محلّہ والے اس میں دفن اموات کرسکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۴۴/۱۰۵۰ھ)

الجواب: ظاہر یہ ہے کہ وہ زمین قبرستان وقف ہوگئی ہے؛ پس روکنا واقف کے پوتے یا پڑپوتے کا دفن اموات سے اس زمین میں، یا کچھ معاوضہ لینا درست نہیں ہے۔ شامی جلد ثالث کتاب الوقف میں ہے: قوله: وركنه الألفاظ الخاصة وهی ستة وعشرون لفظا علی ما بسطه فی البحر ومنها ما فی الفتح حيث قال فرع: يثبت الوقف بالضرورة وصورته: ان يوصی بغلة هذه الدار للمساكين أبدًا أو لفلان وبعده للمساكين أبدًا فإن الدار تصير وقفًا بالضرورة الخ وذكر فی البحر منها لوقال: اشتروا من غلة داری هذه كل شهر بعشرة دراهم خبزًا وفرقوه علی المساكين صارت الدار وقفًا الخ (۲) (شامی ۳/ ۳۵۹) وفی الدر المختار: الوقف علی ثلاثة أوجه: إما للفقراء أو للأغنياء ثم الفقراء أو يستوی فيه الفريقان كرباط و خان ومقابر وسقايات و قناطر و نحو ذلك الخ (۳) (۳/ ۳۹۶)

---

(۱) خلاصة الفتاوی ۴/ ۲۷۳ كتاب الغصب – الجنس الثانی، مطبوعة: نول كشور لكنؤ.

(۲) الشامی ۶/ ۳۰۹ كتاب الوقف – مطلبٌ قد يثبت الوقف بالضرورة.

(۳) الدرمع الشامی ۶/ ۴۲۳ كتاب الوقف. قبل فصلٌ يراعی شرط الواقف فی إجارته.

موقوفہ قبرستان میں دفن کا سلسلہ بند ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۰۰۲) اگر کسی شخص نے اپنی اراضی مملوکہ محدودہ کو نامزد بہ تکیہ وغیرہ کرکے، محض بغرض دفن اموات خاص وعام، سالہا سال سے وقف قطعی کردے، اور بوجہ کثرت سلسلہ دفن اموات جگہ کم ہوجانے سے اور بوجہ انتظام دفن جائے دیگر، فی الحال اس زمین موقوفہ میں سلسلہ دفن اموات موقوف ہے اور باوجودیکہ اس زمین میں ہزارہا قبور موجود ہیں، اس زمین موقوفہ کی قبور کو توڑ کر، میدان کو ہموار کراکر بنی بقال (سبزی فروشوں) کو کرائے پر بٹھا کر، اس آمدنی کو صرف بہ جیب خاص کرنا یا اخراجات مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (۷۱۸/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: شامی میں ہے: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ الخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ اگر قبور کہنہ ہوجائیں تو اس جگہ کو زراعت کے کام میں لانا وغیرہ درست ہے، اور موقوفہ زمین جو دفن اموات کے لیے وقف کی گئی ہے، اس میں اصل تو یہ ہے کہ وہاں دفن اموات ہی کیا جائے، اور جو قبور زیادہ پرانی ہوگئی ہوں، اس جگہ جدید قبر کھود کر دوسری اموات کو دفن کیا جائے، اور اس موقوفہ زمین کو اسی کام کے لیے رکھا جائے، لیکن اگر یہ سلسلہ دفن اموات کا کسی وجہ سے وہاں بند ہوجائے، اور وہ زمین بےکار پڑی ہو تو پھر اس کو زراعت کے کام میں لانا اور نفع اس کا اسی تکیہ میں اگر ضرورت ہو ورنہ دوسرے اوقاف مثل مسجد وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں، خود رکھنا اس کی آمدنی کا بلا شرط واقف کسی کو درست نہیں ہے۔

سرکار نے جو زمین مسجد کے متولی کو دی ہے اس میں دوسرے لوگوں کے مردوں کو دفن کرنے کی اجازت دینا

سوال: (۱۰۰۳) ایک مسجد شاہی تعمیر شدہ ہے جس کی ادائے خدمت کے لیے تخمیناً دس بیگہ زمین انعام بھی منجانب سرکار متولی کے نام بہ حال ہے؛ تو کیا متولی مسجد بلا اجازت سرکار جو زمین حدود مسجد (میں) ہے، اس زمین میں غیر شخصوں کے مُردوں کو اپنے اختیار سے دفن کرنے کی اجازت دے سکتا

(۱) الشامی ۳/۱۲۹ کتاب الصلوۃ – مطلبٌ فی دفن المیت.

ہے؟ اور مسجد اور حدود مسجد پر حق مالکانہ سرکار کا رہے گا یا متولی کا؟ (۱۳۵۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر سرکار نے بوجہ خدمت مسجد کے، اور امامت وغیرہ کے، وہ زمین امام کو یا متولی کو دے دی ہے، اور اس کی ملک کر دی ہے، تو اس امام یا متولی کو اختیار ہے کہ اس میں جو تصرف چاہے کرے، مُردوں کو دفن کراوے یا کچھ اور تصرف کرے؛ اور اس حالت میں مالک اس کا وہ امام و متولی ہوگا ـــــ اور اگر سرکار نے اس کی ملک نہیں کی، صرف مسجد کے اخراجات کے لیے اس زمین کو وقف کیا ہے؛ تو اس صورت میں آمدنی اس کی مسجد میں صرف ہونی چاہیے، امام یا متولی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ تصرف مالکانہ اس میں کرے یا مردوں کو دفن کراوے۔ فقط

متعین اشخاص پر وقف کی ہوئی زمین میں مردوں کو دفن کرنا اور عورت کی تولیت کا حکم

سوال: (۱۰۰۴)...... (الف) اگر کوئی قطعہ اراضی کسی خاص شخص یا قوم کی پرورش کے لیے وقف خاص ہو؛ لیکن اس میں کچھ آمدنی نہ ہو، اور اس پر صدہا برس سے عام اہل اسلام اپنے مردے دفن کرتے ہوں، اور ہنوز یہ عمل جاری ہو تو وہ اراضی وقف عام مانی جائے گی یا نہ؟ کیا اراضی موقوفہ مذکورہ کے کسی متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسلمان کو مردے دفن کرنے و مسجد و چاہ و حظیرہ بنانے سے روک دے؟

(ب) اگر دو مرد متولی کسی امر کی اجازت دے دیں، اور تیسری متولیہ عورت رضامند نہ ہو تو کیا دو مرد متولیوں کی اجازت کافی مانی جائے گی؟ کیا تیسری متولیہ کو جو اجازت میں شامل نہیں ہے، شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ قبر و مسجد و چاہ تعمیر شدہ کو تڑوا دے؟ کیا موقوفہ قبرستان میں کوئی شخص باجازت دو متولیوں کے، مردے دفن کرنے و مسجد و چاہ تعمیر کرنے کے لیے کوئی خاص حصہ مخصوص کر سکتا ہے، اور تیسری متولیہ اس کی مانع ہو سکتی ہے؟

(ج) کیا عورت کسی درگاہ یا قبرستان وغیرہ کی متولی ہو سکتی ہے؟ (۱۱۳۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف - تا - ج) کتب فقہ درمختار و شامی وغیرہ میں تصریح ہے: مراعاة غرض الواقفين واجبة (الشامی ۶/۵۲۱ کتاب الوقف) پس جب کہ وہ اراضی قبور کے لیے وقف نہیں ہے تو اس میں قبور بنانا، اور اموات کو دفن کرنا درست نہیں ہے، اور جو امر خلاف غرض واقف ہو اگرچہ سالہا سال سے رائج

ہواس کوموقوف کرنا چاہیے، اور اگر کوئی اراضی اموات کے دفن کے لیے اور قبرستان کے لیے وقف ہوتو اس میں بھی یہ احتیاط رکھنی لازم ہے کہ کسی میت کے لیے دفن کی جگہ سے زیادہ زمین نہ لی جائے، اور حظیرہ(۱) وغیرہ تعمیر نہ کیا جائے، اور عام قبرستان وقف میں کسی میت کو دفن کرنے سے نہ روکا جائے، اگر وقف عام قبرستان میں کوئی متولی کسی میت کو دفن کرنے سے روکے گا، تو وہ عاصی ہوگا؛ اور روکنا اس کا جائز نہ ہوگا؛ البتہ ہر ایک متولی بلکہ عام مسلمین حظیروں اور پختہ تعمیروں کو جن میں زمین زیادہ مشغول ہو رہی ہوتڑوا کر زمین کو خالی کرا سکتا ہے — اور ہر ایک وقف کے متولی جیسے مرد ہو سکتے ہیں عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کذا فی الشامی (۲) فقط

موقوفہ قبرستان کی کچھ جگہ قبروں کے لیے روپے لے کر دینا

سوال: (۱۰۰۵) ایک قبرستان کو کسی نے وقف کیا ہے؛ کیا متولی قبرستان کی کچھ جگہ قبروں کے لیے روپے لے کر یا بغیر روپے لیے کسی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۰۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: واقف نے جس غرض کے لیے اس کو وقف کیا ہے وہی غرض پوری کرنی چاہیے، اگر عام مسلمانوں کے قبور کے لیے اس کو وقف کیا ہے تو ہر ایک مسلمان اس میں دفن ہو سکتا ہے، کسی سے روپے لینا درست نہیں ہے، اور دفن سے کسی کو منع نہ کریں، اور کسی کو خاص قطعہ معین کر کے نہ دیں، متولی کو یہ اختیار نہیں ہے۔

پرانی قبروں پر پھلواری لگانا اور قبروں پر اُگے ہوئے درختوں کے پھل کھانا

سوال: (۱۰۰۶) مقابر میں جو قبریں ہموار ہو جاتی ہیں ان پر پھلواری لگانے میں کچھ حرج تو نہیں؟

(۱) حظیرہ: وہ چہار دیواری جو کسی قبر کے گرد بنائی جاتی ہے۔

(۲) قال في الإسعاف: ولا يُولّى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به ويستوي فيه الذكر والأنثى وكذا الأعمى والبصير (الشامي ۴۵۳/۲ كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي)

اورخوردنی اشیاء اس پر سے کھالینا کیسا ہے؟ (۱۶۵۶/۱۳۴۴ھ)

الجواب: پرانی قبور پر ایسا کرنا درست ہے، اور پھل کے کھانے میں اس وجہ سے کہ وہ درخت قبر پر ہے کچھ حرج نہیں ہے؛ البتہ اگر قبرستان وقف ہے تو اس کے پھلوں کے متعلق جو کچھ شرط واقف ہو یا تعامل ہو ویسا کرے؛ یعنی اگر فروخت کرنے کی شرط ہو تو بلا قیمت نہ کھائے، یا فقراء کے لیے وقف ہے تو غنی نہ کھائے۔ فقط

قبرستان کا احاطہ کرنے کے لیے قبرستان کی زمین کرائے پر دینا

سوال: (۱۰۰۷) ایک قبرستان قدیم میں سو سال سے دفن کی ممانعت ہے، احاطہ نہ ہونے کے سبب خنزیر وغیرہ پھرتے ہیں، اور نجس کرتے ہیں، اور کوئی مبلغ نہیں جس سے احاطہ تیار کیا جائے؛ اس لیے اس قبرستان کی زمین بہ غرض احاطہ کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۹۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جب کہ اس قبرستان میں دفن اموات کی ممانعت ہوگئی ہے، اور وہ قبرستان پرانا ہے تو فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ایسے قبرستان میں زراعت کرنا اور بناء مکان کرنا جائز ہے۔ شامی میں ہے: وقال الزیلعی: ولو بلی المیت وصار ترابًا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه والبناء علیه (۱) پس اس سے یہ نکل سکتا ہے کہ بہ غرض نفع قبرستان اس زمین کا کچھ حصہ کرائے پر دے کر، اس کی آمدنی سے احاطہ اس قبرستان کا کردیا جائے تو یہ درست ہے، اور پھر بعد تیاری احاطہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ قبرستان جس غرض کے لیے وقف ہے، یعنی دفن اموات کے لیے، تو وہ غرض حاصل ہو، اور دفن اموات کی وہاں اجازت ہو جائے، ورنہ اس کو محفوظ کرکے چھوڑ دیا جائے، شاید کسی وقت میں دفن اموات وہاں ممکن ہو، اور غرض واقف پوری ہو۔ فقط

متولی نے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کردی تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۰۰۸) ایک قبرستان قدیم ہے، اس کا متولی نااہل ہے، ایک قطعہ زمین کم قیمت پر ایک مسلمان کے ہاتھ بیع کردی، زمین مذکور میں خریدار نے عمارت تعمیر کرلی، متولی قدیم کی تولیت عدالت

(۱) الشامی ۳/۱۲۹ کتاب الصلوۃ – مطلبٌ فی دفن المیت.

سے ساقط ہوگئی، اور تعمیر کرنے والے پر ڈگری ہوگئی؛ اب وہ شخص تعمیر کرنے والا کہتا ہے کہ مجھ سے زمین موقوفہ کا معاوضہ لے لیا جاوے، لہٰذا متولی کو کیا کرنا چاہیے؟ (۹۱۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: کتبِ فقہ میں مذکور ہے: اَلْوَقْفُ لَا یُمْلَکُ وَلَا یُمَلَّکُ (الدرمع الرد ۶/ ۴۲۱ کتاب الوقف) پس اگر وہ قبرستان وقف ہے، کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہے تو فروخت کرنا اس کا ناجائز اور باطل ہے، وہ بیع نہیں ہوئی، واپس کرنا اس زمین کا اور تعمیر اٹھالینا مشتری پر لازم ہے؛ اور متولی کو معاوضہ لینا اس زمین وقف کا درست نہیں ہے۔ فقط

قبرستان سے متصل خرید کردہ زمین میں قبر نکل آئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۰۰۹) زید نے قریب قبرستان کے ایک زمین خریدی، اور چاروں طرف دیواریں بنوالیں، بعد میں ایک قبر پختہ معلوم ہوئی، نصف قبر دیوار خام کے اندر، اور نصف قبر دیوار کے باہر ہے؛ یعنی اس دیوار خام نے اس قبر مذکور کی طولاً تنصیف کردی تو قبر طولاً نصف زمین خرید شدہ پر جو واقع ہوئی ہے اس کی بیع درست ہے یا اس جگہ کو چھوڑ دے یا کیا کرے؟ (۱۱۷۲/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر وہ قبرستان وقف ہے تو اس حصۂ قبر کی بیع نہیں ہوئی، مشتری کو چاہیے کہ اس زمین کو چھوڑ دے، اور قبرستان میں داخل کردے۔ فقط

درگاہ کے خداموں کی معاش کے لیے
جو زمین وقف کی گئی ہے اس کو تقسیم کرنا

سوال: (۱۰۱۰) کسی درگاہ کی خدمتی معاش کی زمین کو زید نے اپنے دو فرزندوں میں نصفا نصف تقسیم کردی، اور فوت ہوگیا؛ آیا درگاہ کی خدمتی معاش کی زمین تقسیم کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۱۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ جو زمین وقف ہے وہ کسی کی ملک نہیں ہے، اور نہ اس کو بہ طریق ملک تقسیم کرسکتے ہیں؛ البتہ منافع اس کے حسب شرط واقف تقسیم ہوں گے۔ درمختار وغیرہ میں ہے: اَلْوَقْفُ لَا یُمْلَکُ وَلَا یُمَلَّکُ (الدرمع الرد ۶/ ۴۲۱ کتاب الوقف) یعنی وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا، اور نہ اس میں تصرف بیع وہبہ وغیرہ کا ہوسکتا ہے: البتہ حسب شرط واقف موقوف علیہم پر حسب حصہ، اس کا نفع تقسیم

ہوتا رہے گا۔ فقط

قبرستان کا روپیہ مسجد میں خرچ کرنا درست نہیں

سوال: (۱۰۱۱) قبرستان کے واسطے جو چندہ مسلمانوں نے دیا تھا، وہ مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (۹۷۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: قبرستان کا روپیہ مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

قبرستان کے اوقاف کی آمدنی سے مسجد کا فرش بنانا

سوال: (۱۰۱۲) ایک زمین قبرستان کے لیے وقف ہے، اس کا کرایہ مسجد کے فرش میں صرف ہوگیا ہے، بعد صرف ہونے کے معلوم ہوا کہ زمین وقف کا کرایہ مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہے، تو اب اس فرش مسجد کو اکھاڑا جاوے یا کیا؟ (۱۴۸۹/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: فرش اب نہ اکھاڑا جاوے، بلکہ جس قدر روپیہ زمین وقف کے کرائے کا اس میں لگا ہو، چندہ کر کے وہ روپیہ واپس دے دیا جاوے، تاکہ اس کو قبرستان کی ضروریات میں صرف کیا جاوے، پس معاوضہ دے دینا اس کا کافی ہے، اکھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قبرستان کی ناکارہ اینٹیں مسجد کے فرش میں لگانا

سوال: (۱۰۱۳) قبرستان کی اینٹیں برباد پڑی ہیں، اور لوگ اپنے کام میں لاتے ہیں، ہم ان اینٹوں کو مسجد کے فرش میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۸۷۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسی حالت میں مسجد میں لگا لینا درست ہے۔ فقط

قبرستان کی کچھ زمین مسجد کی توسیع کے لیے مسجد میں شامل کرنا

سوال: (۱۰۱۴) ایک مختصر مسجد گورستان قدیم میں واقع تھی، جس کے گرداگرد صدہا قبریں تھیں، اس مسجد کو شہید کر کے قبرستان میں سے کچھ زمین مسجد میں شامل کی ہے، اور یہ قبرستان بیس پچیس سال

سے ممنوع التدفین ہے، تاہم دو قبریں برآمد ہوئیں اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۷۸۵/۳۲-۱۳۴۳ھ)

الجواب: کتب فقہ میں یہ تصریح ہے کہ کہنہ قبور میں بناء اور زراعت درست ہے، پس وہ قبرستان قدیم اگر مملوکہ کسی کا ہے تو مالک کی اجازت سے اس میں سے کچھ زمین پس وپیش سے مسجد میں داخل کرنا درست ہے، اور اگر وقف ہے اور اب وہ وقف قبور کے کام میں بوجہ ممانعت سرکاری نہیں آ سکتا تو اس میں سے کچھ زمین مسجد کی توسیع کے لیے مسجد میں داخل کرنا جائز ہے۔ فقط

پرانی بوسیدہ قبروں کو برابر کر کے مسجد کی توسیع کرنا

سوال: (۱۰۱۵) ایک مسجد قبرستان میں واقع ہے، اور اس میں بوجہ کثرت نمازیوں کے توسیع کی ضرورت لاحق ہو تو قبروں کو برابر کر کے مسجد میں داخل کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۷۹/۳۲-۱۳۴۳ھ)

الجواب: قبرستان میں نماز پڑھنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور حدیث سے بھی یہ ثابت ہے؛ لیکن اگر سامنے قبر واقع نہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور بوسیدہ کہنہ قبور کو برابر کر دینا بھی درست ہے، پس ضرورت توسیع مسجد ہو تو قبور کو برابر کر دیا جاوے، اور مسجد میں داخل کر لیا جائے۔

سوال: (۱۰۱۶) نماز جمعہ کے لیے قبرستان والی مسجد کو عرض وطول میں وسعت دینا چاہتے ہیں، اگر ان قبروں پر تین گز اونچا یا کچھ کم وبیش بھراؤ ڈال کر شامل مسجد یا فرش کر لیں تو عندالشرع کیسا ہے؟ (۱۸۶۶/۳۳-۱۳۴۴ھ)

الجواب: کہنہ قبور کو برابر کرنا درست ہے، پس اگر بہ ضرورت توسیع مسجد قبور پر مٹی ڈال کر اونچا برابر فرش کے کر لیا جائے، اور پر نشان قبر باقی نہ رہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور نماز وہاں درست ہے۔ ولابأس بالصلوة فیها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة ...... ولا قبلته إلى قبر الخ (۱) (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مزاروں کی آمدنی سے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۰۱۷) مزاروں میں جو لوگ روپیہ دیتے ہیں اس روپے سے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) الشامی ۳۹/۲ کتاب الصلوة . مطلبٌ في إعراب كائنا ما كان .

(۱۰۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اگر کوئی جگہ مسجد کے لیے علیحدہ ہو (کیونکہ مزار پر مسجد بنانا جائز نہیں) اور روپے دینے والے راضی ہوں تو وہ روپیہ مسجد کی تعمیر میں صرف ہوسکتا ہے۔

مزار کے قریب مسجد اور کمرے بنانا

سوال: (۱۰۱۸) پہلوے مزار پر مسجد بنانا، اور مستفیضان کے لیے حجرہ تعمیر کرانا کیسا ہے؟

(۱۲۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قریب مزار کے مسجد کا ہونا، اور حجروں کا ہونا، کوئی حرج کی بات نہیں ہے؛ قبر نمازی کے سامنے نہ ہو تو قبرستان میں نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

قبرستان میں قبروں سے ہٹ کر مسجد بنانا

سوال: (۱۰۱۹) قبرستان میں قبروں سے الگ مسجد بنانا کیسا ہے؟ قبرستان شہر سے باہر جنگل میں ایسی جگہ لب سڑک واقع ہے کہ مسافرین کی آمد ورفت بہت ہے، اور کنواں بھی موجود ہے، اکثر لوگ اِدھر اُدھر سے نماز کے وقت وہاں نماز پڑھتے ہیں، اور آس پاس کے زمین دار بھی وہاں آکر نماز پڑھتے ہیں۔ کیا حکم ہے؟ (۶۶۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قبرستان میں قبروں سے علیحدہ مسجد بنانے میں کچھ حرج نہیں ہے؛ پس ضرورات مذکورہ کی وجہ سے اس جگہ مسجد بنانا اچھا ہے، اور نماز کا پورا ثواب اور جماعت کا المضاعف یعنی ستائیس گُنا ثواب ہے۔ فقط

قبرستان میں مسجد بنانے سے پہلی مسجد ویران ہوتی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۰۲۰) قبرستان میں مسجد کا تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اگر تعمیر ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ جب کہ محلّہ کی مسجد اس دوسری مسجد کی وجہ سے ویران ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۶۸۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: قبرستان میں نماز پڑھنے کا یہ حکم لکھا ہے کہ قبرستان میں اگر کوئی جگہ ایسی ہو کہ وہاں قبر

نہ ہو، اور نہ نجاست ہو، اور نہ قبلہ کی طرف کوئی قبر ہو تو اس جگہ نماز پڑھنا درست ہے۔ کمافی الشامی: ولا بأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة ...... ولا قبلته إلى قبر (۱) (شامی) پس ایسا ہی حکم قبرستان میں مسجد تعمیر کرنے کا ہے کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ درست ہے، اور جب کہ کسی محلّہ میں مسجد قدیم موجود ہے، اور کچھ ضرورت جدید مسجد کی تعمیر کی نہیں ہے کہ وہ پہلی مسجد سب اہل محلّہ کو کافی ہے، اور جدید مسجد تعمیر کرنے میں مسجد قدیم کی ویرانی متصور ہے تو ایسی حالت میں جدید مسجد نہ بنوانی چاہیے؛ لیکن اگر کسی مسلمان نے نیک نیتی سے دوسری مسجد تعمیر کرائی تو اس مسجد ثانی کو حکم مسجد ضرار کا نہ دیا جائے گا۔ کما ورد: إنما الأعمال بالنيات (۲) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (سورۂ حجرات، آیت:۱۲) فقط

جو عیدگاہ قبرستان میں بنی ہوئی ہے اس میں نماز جائز ہے

سوال: (۱۰۲۱) جو عیدگاہ قبرستان میں بنی ہوئی ہو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۴۲۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائز ہے۔ فقط

قبرستان کی زمین میں عیدگاہ بنانا

سوال: (۱۰۲۲) زمین قبرستان سے کچھ حصہ خرید کر عیدگاہ بنانا جائز ہے؟ (۸۳۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر وہ قبرستان وقف ہے تو اس کا خریدنا اور عیدگاہ بنانا درست نہیں ہے، اور اگر وقف نہیں ہے بلکہ مملوکہ ہے تو درست ہے۔

کفار کے قبرستان کے قریب مسلمانوں کا قبرستان بنانا

سوال: (۱۰۲۳) کفار کے مقبرے کے نزدیک مسلمانوں کا مقبرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۵۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: کفار کے مقبرے کے قریب مسلمانوں کا مقبرہ کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے؛ البتہ

(۱) الشامی ۳۹/۲ کتاب الصلوة – مطلبٌ في إعراب كائنًا ما كان۔

(۲) صحیح البخاری ۲/۱ باب كيف كان بدء الوحي۔

حتی الوسع ان کے مقبرے کے قرب سے بچنا بہتر ہے؛ لیکن بہ ضرورت کچھ ممانعت نہیں ہے۔

مندر کے قریب قبرستان بنانا

سوال: (۱۰۲۴) ایک جگہ جس کے متصل ہنود کا مسافر سرائے اور ایک بت خانہ ہے؛ ایسی جگہ مسلمانوں کو قبرستان بنانا کیسا ہے؟ (۱۰۷۱/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حسب ضرورت ایسی جگہ قبرستان بنانا کچھ ممنوع نہیں ہے، اور کوئی حکم ممانعت کا نظر سے نہیں گذرا۔ فقط

مملوکہ قبرستان میں مکان بنانا

سوال: (۱۰۲۵) مرور زمانہ کے بعد اپنے مملوکہ مقبوضہ قبرستان میں زراعت وغیرہ کرنا، اور مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۲۹/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار ترابًا (زيلعى) قوله كما جاز زرعه أى القبر وكذا يجوز دفن غيره عليه الخ (۱) (شامی ۱/۶۰۲) پس معلوم ہوا کہ قبور کے پرانا ہونے کے بعد اور میت کے مٹی ہوجانے کے بعد، اس زمین مملوکہ کو کام میں لانا، اور وہاں مکان بنانا، اور اس میں زراعت کرنا وغیرہ سب امور درست ہیں۔

موقوفہ قبرستان میں مکان بنانا

سوال: (۱۰۲۶) ایک قبرستان میں مسجد واقع ہے، قبور کے نشانات نمایاں ہیں، اور معلوم ہے کہ یہاں پندرہ بیس سال سے پہلے اموات دفن کیے گئے ہیں؛ ایسی قبور کو پاٹ کران پر مکانات ودکانات تعمیر کرنا، اور کرائے پر دے کر اس کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۶۴/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: وہ قبرستان جو موقوفہ ہے اس میں اس طرح کے تصرفات جائز نہیں، وہ دائمی طور پر اسی لیے ہے کہ اس میں اموات دفن کیے جائیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وسئل هو أيضًا عن المقبرة في

---

(۱) الدر والشامی ۳/ ۱۳۶ کتاب الصلوة – مطلبٌ في دفن الميت.

القری إذا اندرست ولم یبق فیها أثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها و استغلالها قال: لا ولها حکم المقبرة انتهی (۱) پس اس تعمیر سے جو کچھ آمدنی ہے وہ بھی مسجد میں صرف نہیں کی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قبرستان کی زمین میں مدرسہ قائم کرنا

سوال: (۱۰۲۷) زید بہت بڑے میدان پر اپنا قبضہ بتلاتا ہے، کسی کو اس میں مکان نہیں بنانے دیتا، کہتا ہے کہ یہ تکیہ ہے، اس جگہ قبریں پوشیدہ ہیں؛ حالانکہ وہاں آثار قبور معلوم نہیں ہوتے، اور وہاں اموات دفن نہیں ہوتیں: ایسی جگہ میں سرکاری اجازت سے مکان بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ زید کے پاس ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے؟ (۱۶۸۱/۳۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ پرانے قبرستان میں مکان بنانا، اور زراعت کرنا درست ہے؛ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قبرستان وقف ہے مردوں کے دفن کرنے کے لیے، تو پھر اس میں کوئی تصرف درست نہیں ہے، اور اگر سرکار وہاں مردے دفن نہ ہونے دے تو اس میدان موقوفہ میں کوئی مدرسہ وغیرہ بنادیا جائے جو رفاہ عام کے لیے ہو۔ فقط

سوال: (۱۰۲۸) ایک قبرستان بوجہ میونسپل حدود کے اندر ہونے کے، قانوناً بند کردیا ہے پچاس ساٹھ سال سے کوئی روک نہیں، مویشی چرتے اور بول و براز کرتے ہیں، اس میں مدرسہ تعمیر کرنا تجویز ہوا ہے؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور جن قبور کے نشانات موجود ہیں، ان کی مرمت کرانا اور محفوظ کردینا چاہیے یا نہیں؟ (۱۲۸۴/۳۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اصل یہ ہے کہ وقف جس کام کے لیے وقف کیا گیا ہو، وہی کام اس میں کیا جائے؛ پس جو قبرستان دفن اموات کے لیے وقف کیا گیا ہو اس میں اموات کو ہی دفن کرنا چاہیے۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع (الشامی ۶/۵۰۸ کتاب الوقف) مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ (الشامی ۶/۵۲۱ کتاب الوقف) لیکن جب کہ گورنمنٹ کی طرف سے قانوناً اس زمین میں

(۱) الفتاوی العالمغیریة ۲/۴۷۰ کتاب الوقف - الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات والحیاض والطرق والسقایات إلخ.

دفن اموات کو بند کردیا گیا ہے تو چونکہ یہ بھی درمختار میں تصریح ہے کہ کہنہ قبرستان میں مکان بنانا اور زراعت کرنا درست ہے، اور یہ بھی روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ ضرورت ایک وقف کو دوسرے وقف کے کام میں لانا جائز ہے: لہٰذا اس زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا درست ہے، اور قبور جو کہنہ ہیں اور ان کے نشانات پختہ موجود ہیں تو ان کو برابر کردینا بھی درست ہے۔ شامی میں ہے: **ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیه الخ**(۱) فقط

سوال: (۱۰۲۹) ایک گورستان ہے جس میں پچیس تیس برس سے مردے دفن نہیں ہوتے ہیں؛ ایک صاحب اس میں مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی قبر پر مکان نہیں بنانے دیں گے، اور مخالفین میں سے ایک شخص مفت اس سے اچھی زمین دینے کو تیار ہے: (اس صورت میں) قبرستان میں مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۳ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ تو فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبور کہنہ میں زراعت کرنا، اور مکان بنانا درست ہے؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ جواز اسی وقت ہے کہ وہ گورستان وقف نہ ہو بلکہ کسی کی ملک خاص ہو، اور مالک اجازت دیوے، اور اگر وہ گورستان وقف ہے یا مملوکہ ہے اور مالکین اجازت بناء وغیرہ نہیں دیتے تو پھر درست نہیں ہے، اس صورت میں دوسری زمین میں مدرسہ بنانا چاہیے۔ فقط

سوال: (۱۰۳۰) قبرستان کہنہ کے اندر مدرسہ عربیہ پختہ بنانا، اور مقبرہ کی منہدم دیواروں پر مکان دومنزلہ اور اس کے اندر پاخانہ تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۹۷۲ھ)

الجواب: کتب فقہ میں یہ لکھا ہے پرانی قبور میں زراعت کرنا اور مکان بنانا درست ہے؛ پس اگر وہ قبرستان وقف نہیں ہے بلکہ مملوکہ کسی شخص کا ہے، اور پرانا قبرستان ہے تو مالک اس میں مکان و مدرسہ وغیرہ جو چاہے بنواسکتا ہے، اور تصرف کرسکتا ہے اور اگر وقف ہے تو پھر یہ تصرفات مذکورہ اس میں کسی کو درست نہیں ہیں۔ فقط

موقوفہ قبرستان میں سڑک بنانا

سوال: (۱۰۳۱) سڑک ''جرنیلی'' کے ایک گوشہ میں قبرستان ہے، اور گوشہ کے آخر میں جامع مسجد؛

(۱) **الشامی** ۱۲۹/۳ کتاب الصلوۃ، مطلب فی دفن المیت.

بوجہ تنگی سڑک کے، سرکار انگریزی قبرستان کی جگہ کا معاوضہ دیتی ہے، اور چاہتی ہے کہ قبرستان کی جگہ کو توڑ کر سڑک میں ملایا جائے تاکہ سڑک کی تنگی اور تکلیف جاتی رہے؛ آیا شریعت میں معاوضہ لے کر اس جگہ کو سڑک میں داخل کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ نشان قبروں کا موجود ہے مدلل بیان فرماویں؟ (۲۲۲۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس قدر تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قبور پرانی ہوں، اور ہڈیاں بوسیدہ ہوگئی ہوں تو اس میں زراعت کرنا، اور مکان بنانا درست ہے۔ درمختار میں ہے: كما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلى وصار ترابا (زیلعی) اور شامی میں ہے: ولو بلى الميت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه (۱) لیکن اگر وہ قبرستان وقف ہے تو وقف کا مبادلہ اور ابطال وقف جائز نہیں ہے۔ كما في الدر المختار: اَلْوَقْفُ لا يُمْلَكُ وَلا يُمَلَّكُ (الدرمع الرد ۴۲۱/۲ كتاب الوقف) پس ظاہر یہ ہے کہ وہ قبرستان موقوفہ ہے، لہٰذا اس کو سڑک میں داخل کرنا، اور اس کا معاوضہ لینا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی خاص شخص کی وہ ملک ہو تو پھر اس کی رضامندی سے یہ درست ہے۔ فقط

سوال: (۱۰۳۲) پرانی قبریں جن کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہتا اگر اس پر سڑک وغیرہ بنائی جائے کچھ حرج تو نہیں؟ (۵۳۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: پرانی قبروں پر بناء اور زراعت کو فقہاء نے جائز لکھا ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ سڑک بنانا بھی درست ہے، لیکن جو قبرستان وقف ہیں ان میں ایسا تصرف درست نہیں ہے۔ فقط

پرانے قبرستان میں کھیتی کرنا

سوال: (۱۰۳۳) ایک زمین ہمیشہ سے قبرستان ہے اس میں کھیتی کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۲۳۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر وہ زمین اس شخص کی مملوکہ ہے، اور قبریں بہت پرانی ہیں، تو کتابوں میں لکھا ہے کہ اس میں کھیتی کرنا درست ہے اور اگر وہ قبرستان وقف ہے تو اس میں ایسا تصرف کرنا درست نہیں ہے۔

سوال: (۱۰۳۴) زید کی اجازت سے اس کی زمین میں غریب مردے دفن ہوئے تھے، جن کی قبر کے نشان اس وقت موجود نہیں ہیں، زمین وقف نہیں ہے؛ بلکہ ''شئ ورثۂ'' زید کو ملی ہے؛ اب اس زمین

(۱) الدر والشامی ۱۳۹/۳ كتاب الصلوة، مطلبٌ في دفن الميت.

کو بونا جوتنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۰۴ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ پرانے مملوکہ قبرستان میں زراعت کرنا، اور اس میں مکان بنانا درست ہے۔

قبرستان کے درخت اور پھلوں کا حکم

سوال: (۱۰۳۵)...... (الف) عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت لگائے تو اس کا پھل یا لکڑی اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اور عام مسلمانوں کو اس میں تصرف درست ہے یا نہیں؟

(ب) ان درختوں کی قیمت سے مسجد کی مرمت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۴۶۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) اپنے صرف میں نہیں لاسکتا، اور عام مسلمانوں اور خود درخت لگانے والے کو اس میں تصرف درست نہیں ہے۔

(ب) خاص قبرستان میں ہی صرف کیا جاوے مسجد کی مرمت وغیرہ اس سے درست نہیں ہے۔

سوال: (۱۰۳۶) مقبرے میں جو اشجار ہوتے ہیں ــــ مملوکہ ہوں یا غیر مملوکہ ــــ مالک ان کو تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر مثمر ہوں تو ان کا ثمر استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ (۴۲/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مقبرہ مملوکہ غیر موقوفہ میں جو اشجار ہیں مالک کے ہیں، اور مقبرہ موقوفہ میں جو اشجار ہیں وہ مملوکہ نہیں ہیں، ان کو تصرف میں لانا کسی کو درست نہیں ہے، اور نہ ان کے ثمار بلاشرط واقف کوئی اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔

قبرستان کی پیداوار کا حکم

سوال: (۱۰۳۷) در قبرستان چیزے کہ پیدا باشد از اں نفع گرفتن چگونہ است؟ (۱۶۶۹/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: قبرستان اگر وقف است بلاشرط واقف نفع گرفتن از منافع آں درست نیست، آنچہ شرط واقف است براں عمل باید کرد یا بصورت عدم علم بشرائط واقف بر ضروریات قبرستان یا برائے نفع عام صرف باید کرد۔

ترجمہ: سوال: (۱۰۳۷) قبرستان میں جو چیز پیدا ہو اس سے نفع اٹھانا کیسا ہے؟

الجواب: اگر قبرستان وقف ہے تو واقف کی شرط کے بغیر اس سے نفع اٹھانا درست نہیں ہے، واقف نے جو شرط لگائی ہے اس پر عمل کرنا چاہیے؛ اور واقف کی شرائط کا علم نہ ہونے کی صورت میں قبرستان کی ضروریات یا رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔

قبرستان کے پھول، ترکاریاں اور میوے وغیرہ کا حکم

سوال: (۱۰۳۸)...... (الف) قبرستان کی موگری کے پھول مفت لوگوں کو بٹوانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) قبرستان کی ہری گھاس اور پھول میوے کو فروخت کر کے مساجد کے اخراجات میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ج) قبرستان کی ترکاریاں اور انار جامن وغیرہ میوہ جات کو مؤذن و پیش امام متولی وغیرہ بلا قیمت صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۴۹۶ھ)

الجواب: (الف) اگر وہ پھول فروخت ہو سکتے ہیں، اور فروخت ہونے کے قابل ہیں تو فروخت کر کے ان کی قیمت اسی قبرستان میں صرف ہونی چاہیے، اور اگر عادۃً وہ پھول فروخت نہیں ہوتے، اور ہمیشہ سے ویسے ہی تقسیم ہوتے ہیں تو اب بھی مفت تقسیم کرنا درست ہے؛ اور بہتر واحوط یہ ہے کہ جب شرط واقف معلوم نہیں ہے تو ان کو فروخت کر کے قیمت قبرستان پر صرف کی جائے اور اگر شرط واقف معلوم ہے تو اس کے موافق عمل کیا جائے

(ب) قبرستان کی ہری گھاس کو فروخت نہ کرنا چاہیے، اور میوہ وغیرہ قیمتی اشیاء کو جو کہ قابل فروخت ہیں، فروخت کر کے ان کی قیمت اسی قبرستان میں خرچ کرنی چاہیے، مسجد میں صرف نہ کرنی چاہیے۔

(ج) ان اشیاء کی قیمت اسی قبرستان میں صرف کی جائے، امام و مؤذن وغیرہ کو مفت کام میں لانا درست نہیں ہے۔ فقط

مملوکہ قبرستان کے درختوں سے فائدہ اٹھانا

سوال: (۱۰۳۹) زید نے ایک قطعہ اراضی مملوکہ بغرض گور غریباں افتادہ چھوڑ دیا، اس اراضی میں جو درخت زمین دار موصوف کے نصب کردہ ہیں وہ ان سے نفع اٹھانے کا مستحق شرعاً ہے یا نہیں؟

(۱۴۸۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ان درختوں کا مالک زمین دار مذکور ہے، اوران سے نفع اٹھا سکتا ہے؛ کیونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس زمین کو وقف نہیں کیا۔

قبرستان میں کسی شخص نے درخت لگا لیے تو وہ کس کی ملک ہیں؟

سوال: (۱۰۴۰) ایک موضع ہے جس میں قبرستان واقع ہے، اس قبرستان کے اندر ایک اسامی نے درخت لگا لیے ہیں، اور درخت لگانے والے کا اس قبرستان میں کوئی حق نہیں، نہ اس کو زمین دار نے اجازت دی ہے، اور نہ اس اسامی مذکور کے اس قبرستان میں مردے دفن ہوتے ہیں؛ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ درختان مذکور اس اسامی کو جس نے بغیر اجازت درخت لگائے ہیں، ان کا لینا درست ہے یا نہیں؟ (۵۹/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر وہ قبرستان وقف ہے تو وہ درخت بھی وقف ہو گئے، کسی کو ان کا کاٹنا، اور لینا درست نہیں ہے؛ بلکہ اگر ان درختوں کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے تو ان کو فروخت کر کے جو قیمت وصول ہو اس کو قبرستان میں ہی صرف کرنا چاہیے —— اور اگر وہ قبرستان وقف نہیں ہے، بلکہ مملوکہ زمین داران ہے (تو) جس نے وہ درخت بلا اجازت نصب کیے، وہ ان کو کاٹ لیوے، یا مالک زمین ان درختوں کی قیمت نصب کرنے والے کو دے کر درختوں کو اپنی ملک رکھے، بہر حال اس اسامی کو جس نے ان درختوں کو نصب کیا ہے، اور مالک زمین بھی نہیں ہے، کچھ حق درختوں کے کاٹنے کا نہیں ہے؛ بلکہ حالت موقوفہ میں کوئی بھی نہیں کاٹ سکتا ہے، اور اگر ملک ہے تو یا غاصب کو درختوں کی قیمت دو یا اس کو ان درختوں کے کاٹنے کا حکم کردو۔ فقط

قبروں پر سائے کی غرض سے درخت لگانا

سوال: (۱۰۴۱) قبروں پر درخت لگانا بہ غرض رہائی عذاب وسایہ دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ (۲۱۵۳/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درخت لگانا درست ہے لیکن موقوفہ قبرستان میں ایسا تصرف کرنا بلا اجازت و بلا شرط

واقف درست نہیں ہے۔ فقط

قبرستان میں پھل دار درخت لگانا

سوال: (۱۰۴۲) قبرستان میں کوئی پھل دار درخت لگانا درست ہے یا نہیں؟ یعنی کوئی زمین مقبرہ کے لیے وقف کی گئی، اور لوگ اس میں دفن بھی کرتے ہیں مگر ایک شخص نے قبر کی ایک جانب درخت اس نیت سے لگایا کہ اس درخت کا پھل عام لوگ کھائیں؟ (۳۹۲/۴۲-۱۳۴۷ھ)

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ جو زمین جس کام کے لیے وقف ہوتی ہے اس کو اس کام میں لانا چاہیے؛ پس جو زمین قبرستان بنائی گئی، اور عام مسلمانوں کے دفن کے لیے وقف کی گئی، اس میں اس طرح درخت لگانا کہ قبروں کی جگہ مشغول ہو جائے درست نہیں ہے؛ البتہ اگر واقف کی طرف سے اس کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً ہو تو جائز ہے، اور جس صورت میں کہ ایک ایسے کنارہ پر درخت لگایا جائے کہ اس سے قبروں کی زمین میں تنگی نہ ہو تو یہ درست ہے، اور جس صورت میں درست ہے اس صورت میں اس کا پھل عام لوگ کھا سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے: غرس فی المسجد أشجارًا تثمر إن غرس للسبیل فلکل مسلم الأکل الخ (۱)

قبرستان میں لگائے ہوئے باغ کی آمدنی کو کہاں صرف کیا جائے؟

سوال: (۱۰۴۳) ہمارا ایک قومی قبرستان ہے، جس میں سوائے ہماری قوم کے کوئی دوسرا مردے دفن نہیں کر سکتا؛ اس میں ہم لوگوں نے باغ لگا دیا، اس کی آمدنی سے ہم کوئی قومی کام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ہم اس کی آمدنی سے دیگ وغیرہ خرید کر سکتے ہیں یا نہیں جو ہر غریب وامیر کے کام میں آئے؟

(۹۲۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر باغ اسی نیت سے لگایا ہو کہ اس کی آمدنی کو ایسے رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جائے تو یہ صورت جو سوال میں درج ہے جائز ہے۔

---

(۱) الدر مع الشامی ۶/۵۰۷ کتاب الوقف – مطلبٌ استأجر دارًا فیها أشجارٌ.

سوال: (۱۰۴۴) ایک قبرستان بزرگوں سے چلا آتا ہے، اس میں ایک باغ لگادیا ہے، اس کی آمدنی کو برادری اپنے تصرف میں لاسکتی ہے یا نہیں؟ وہ قبرستان وقف ہے۔ (۱۳۴۴/۹۳۶ھ)

الجواب: یہ سوال کسی نے پہلے بھی بھیجا تھا اس کا جواب یہ لکھا گیا ہے کہ اگر باغ لگانے والوں نے اس نیت سے باغ لگایا ہو کہ اس کی آمدنی رفاہ عام کے کاموں میں مثل خرید نے دیگوں کے صرف کی جائے گی تو یہ جائز ہے نیز اگر اور کوئی مصرف اس آمدنی کا نہ ہو تب بھی ایسے رفاہ عام کے کاموں میں اس آمدنی کا لگانا درست ہے۔ فقط

سوال: (۱۰۴۵) کچھ دنوں سے ایک قوم کے چند مسلمانوں نے ایک گورستان (جس کو گور غریباں سمجھنا چاہیے) مسمار کراتے ہوئے، اس میں ایک باغ کی بنیاد ڈالی، اور اب جو آمدنی اس باغ سے حاصل ہوئی اس کو قومی مصرف میں لگانا چاہتے ہیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ تم موجودہ روپے کو اس قبرستان وقفی کے مصارف میں اولاً صرف کرو؛ یعنی جو قبریں منہدم ہوگئی ہیں ان کو درست کرادو؛ اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۴/۹۸۹ھ)

الجواب: پہلے اس کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ خاص ایک قوم کا گورستان ہے، اور اس میں اسی قوم نے باغ لگایا ہے، تو آیا اس کی آمدنی سے دیگ وغیرہ خرید کر وقف کر سکتے ہیں جو امیر وغریب سب کے کام آئیں؟ تو اس کے متعلق یہاں سے ایسا مضمون غالباً لکھا گیا تھا کہ اگر اس رقم آمدنی کی قبرستان میں کچھ ضرورت نہیں ہے اور باغ لگانے والوں نے اسی نیت سے باغ لگایا ہو کہ اس کی آمدنی سے ایسا کام رفاہ عام کا کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس رقم کے ضائع ہونے سے یہ بہتر ہے کہ ایسے کام میں صرف ہو۔ اور کتب فقہ میں لکھا ہے کہ پرانی قبور میں زراعت اور بناء کرنا درست ہے اور قبور کا پختہ کرانا مکروہ وممنوع ہے لہٰذا مرمت کرنا بھی ممنوع ہے اس میں وہ آمدنی صرف نہ کی جائے۔ فقط

قبرستان کے زائد بانسوں کو دوسرے کار خیر میں صرف کرنا

سوال: (۱۰۴۶) ایک قبرستان میں بہت بانس موجود ہیں؛ اب ان بانسوں کو فروخت کر کے کسی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: ان بانسوں کا فروخت کرنا بہ غرض امور خیر کے جائز ہے؛ بلکہ اگر غریب اموات کی تجہیز وتکفین وغیرہ میں صرف کیا جائے تو یہ بہتر ہے: کیونکہ بے کار چھوڑنے میں (جس کا انجام ضائع ہونا ہے) کچھ فائدہ نہیں۔ کماورد: وکرہ لکم قیل وقال وإضاعة المال (الحديث)(۱) فقط

قبرستان کے زائد درخت بیچ کر دوسرے کارِ خیر میں صرف کرنا

سوال: (۱۰۴۷) تقسیم دیہہ کے وقت قبرستان مسلمانوں کے حصہ میں لگائے گئے تھے اور چوانہ ہائے (مرگھٹ، شمشان گھاٹ) ہندوؤں کے حصہ میں لگے تھے ــــ قبرستان کی لکڑی قبروں کے پاٹنے میں آرہی ہے، لیکن قبرستان میں درخت اس کثرت سے پیدا ہوگئے ہیں کہ اس مصرف سے فاضل ہیں؛ ان فاضل درختوں کو فروخت کر کے کسی کار خیر میں مرمت یا تعمیر مسجد وحجرہ وغیرہ، یا مرمت چاہ وچوپال، یا اور کسی کام میں لا سکتے ہیں یا نہ؟ اور ان امور میں مقدم ومؤخر کون ہے؟ (۱۳۴۲/۳۲-۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسلمانان دیہہ کی رضامندی سے وہ درخت فاضل قبرستان کے فروخت کر کے دوسرے مصارف خیر میں مثل مسجد ومسافر خانہ وغیرہ میں ان کی قیمت صرف کرنا درست ہے، اور تقدم وتاخران مصارف میں کچھ نہیں، جس چیز کی ضرورت ہو اور جس پر سب شرکاء یعنی مسلمانان دیہہ کا اتفاق ہو اس میں صرف کیا جائے، پھر اس کے بعد جس دوسرے کام کو ضروری سمجھا جائے اس کو کیا جائے۔

جس زمین میں پرانی قبریں تھیں اس کو وقف کرنا درست ہے

سوال: (۱۰۴۸) ایک زمین میں پرانی قبریں تھیں، اب اس میں کاشت ہوتی ہے، اس میں نماز عیدین پڑھنا، اور اس کو وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۱۴۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس زمین میں عیدین وغیرہ درست ہے، اور وقف کرنا اس کو درست ہے۔ (یعنی جب

(۱) عن المغيرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات، ومنعًا وهات، ووأد البنات؛ وكره لكم قيل وقال، وكثرةَ السؤال، وإضاعةَ المال (الجامع الصحيح للبخارى ۸۸۴/۲ كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر)

اس کا کوئی مالک ہو اور وہ وقف کرے یا سرکاری زمین ہو اور حکومت وقف کرے تو وقف درست ہے۔ سعید احمد پالن پوری)

مزارات کو شہید کر کے نفع حاصل کرنا درست نہیں

سوال: (۱۰۴۹) مزارات ولی اللہ یا قبور مسلمانان کو شہید کر کے حاکم وقت یا اور کوئی شخص اس زمین سے منفعت اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۶۷۳ھ)

الجواب: اوقاف سے ایسا انتفاع درست نہیں ہے۔ فقط

قبرستان سے متصل غصب کردہ زمین کا حکم

سوال: (۱۰۵۰) ایک شخص متولی قبرستان ہے، اس نے قبرستان کے قریب کی زمین اپنے قبضہ میں لے کر فروخت کردی، مسلمانوں کی ایک پارٹی متولی مذکور سے قبرستان کی تولیت لینا چاہتی ہے، اور اس اراضی غصب شدہ کو بھی قبرستان مذکورہ بالا میں شامل کرنا چاہتی ہے؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۸۳۷ھ)

الجواب: اس میں اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ وہ زمین جو قرب قبرستان ہے کس کی ہے؟ اگر کوئی مالک معلوم ہو تو وہ غاصب سے لے سکتا ہے؛ اور اگر یہ تحقیق ہو جاوے کہ وہ زمین بھی وقف ہے، اور قبرستان مذکورہ کا ہی ٹکڑا ہے تو پارٹی مذکور کو اس زمین کو غاصب اور مشتری کے قبضہ سے نکال کر داخل قبرستان کرنا چاہیے۔ فقط

قبرستان کی زمین کو غاصب کے قبضہ سے نکالنے کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے

سوال: (۱۰۵۱) ایک ہندو نے غاصبانہ طریقے پر ایک قبرستان کو بازار کی شکل میں منتقل کر دیا، جس پر عدالتی کارروائی مسلمانوں نے شروع کردی ہے؛ یہ لوگ ماجور ہوں گے یا نہ؟ (۱۳۴۱/۱۷۶۶ھ)

الجواب: مسلمانوں کے ذمہ اس میں جد و جہد کرنا ضروری ہے اور اس میں اجر و ثواب ہے۔

سوال: (۱۰۵۲) ایک بزرگ کے مزار کے متعلق زمین وقف ہے، وہ اہل ہنود کے قبضہ میں ہے؛ اس کے نکالنے کے لیے کوشش کریں یا نہیں؟ (۱۳۴۴/۹۰۸ھ)

الجواب: جو زمین متعلقہ مزار امور خیر کے لیے وقف ہے، اور کفار نے اس پر قبضہ کرلیا ہے، اس کے نکالنے میں مسلمانوں کو کوشش کرنا ضروری ہے، اور جو لوگ اس میں مخالف ہوں وہ فاسق وفاجر ہیں۔

آدابِ مساجد

مسجد میں داہنا قدم پہلے رکھنے کی جگہ مسجد شرعی ہے

سوال: (۱) ایک مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک باہر عام راستہ پر، دوسرا چند قدم اندر اس کے بعد فرش مسجد، اب بسم اللہ کے ساتھ جو داہنا قدم پہلے رکھے اس سے کون سا دروازہ مراد ہے؟ آیا صحن فرش مراد ہے؟ (۸۵۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: صحن مسجد یعنی فرش پر جب داخل ہو اس وقت بسم اللہ کے ساتھ داہنا قدم اندر رکھے۔

خارش زدہ شخص کا مسجد میں آنا

سوال: (۲) کسی شخص کے خارش ہو رہی ہے، اس کو مسجد میں آنا جائز ہے یا نہ؟ (۸۲٦/۳۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درست ہے؛ لیکن اگر گندھک وغیرہ کوئی ایسی دوا ملی ہو جس کی بدبو سے پاس والوں کو تکلیف ہو تو بہتر ہے کہ مسجد میں نہ جائے جب تک اس بدبو کو دور نہ کرے۔

برص اور جذام کے مریض کو مسجد میں آنے سے روکنا

سوال: (۳) یہاں کے مسلمانوں نے ایک شخص مجذوم کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا ہے، کیا حکم ہے؟ (۱٦۱۹/۳۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ برص اور جذام کے مرض والے کو علیحدہ رہنا چاہیے، مسجد میں بھی جمعہ و جماعت کے لیے نہ آئیں، گھر پر نماز پڑھیں، لوگوں سے علیحدہ رہیں والمجذوم والأبرص أولی

بالإلحاق الخ (۱) (شامی) فقط

سوال: (۴) قصاب اور جس شخص کو جذام اور برص کی بیماری ہو، ان کو مسجد میں آنے سے روک سکتے ہیں یا نہ؟ (۲۲۵۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: شامی میں ہے: وكذا القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق. وقال سحنون: لا أرى الجمعة عليهما الخ (۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جذامی اور برص والے کو مسجد میں آنے سے روک سکتے ہیں، اور ان کو خود بھی علیحدہ رہنا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، پس ایسے لوگوں کو جن کو جذام یا برص ہو خود مسجد سے علیحدہ رہنا چاہیے، اور اپنے مکان پر نماز پڑھ لینی چاہیے تاکہ دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور تنفر نہ ہو۔ (اور قصاب وغیرہ کے کپڑوں سے بدبو آتی ہو تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ سعید احمد پالن پوری) فقط

شرابی کو مسجد سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۵) زید بہ حالت نشہ شراب پیے ہوئے عیدگاہ میں آیا، اور مصلیوں نے اس کی بدبو سے متنفر ہو کر اس کو علیحدہ ہونے کے لیے کہا، جس پر اس نے سخت وسست کہنا شروع کیا، بناءً علیہ مصلیوں نے اس کو مسجد سے نکال دیا، پس اب زید نے ایک نالش عدالت فوجداری میں بہ ضمن ''ازالہ حیثیت عرفی'' پیش کی ہے؛ پس یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۶۳/۳۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: قال في الدر المختار: وأكل نحو ثوم ويمنع منه وكذا كل مؤذٍ ولو بلسانه الخ وفي الشامي: ويلحق بمانص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولاً أو غيره (۳) إلى آخر ما فصل وحقق. اس عبارت اور اس کی مثال سے معلوم ہوا کہ زید کو بہ حالت موجودہ مسجد سے نکالنا ضروری ہے، اور مصلیان کا یہ فعل جائز اور موافق شریعت کے ہے اس فعل کی وجہ سے مصلیان مستحق سزا نہیں ہو سکتے۔ فقط واللہ اعلم

---

(۱) الشامي ۳۷۸/۲ كتاب الصلوة – مطلبٌ في الغرس في المسجد.

(۲) الشامي ۳۷۸/۲ كتاب الصلوة، مطلبٌ في الغرس في المسجد.

(۳) الدر والشامي ۳۷۷/۲ كتاب الصلوة – مطلبٌ في الغرس في المسجد.

کسی قوم کو مسجد کی اشیاء استعمال کرنے سے روکنا

سوال: (۶) ایک قوم جونکھیار یوں کی ہے جو کہ پشت ہائے پشت سے مسلمان ہیں، ان کا پیشہ زیادہ تر خیاطی، اور گاہے گاہے جونک لگانا اور شادی وغیرہ میں طبلہ شہنائی بجانا ہے، یہ لوگ پابند صوم وصلاۃ ہیں، اور کوئی عیب ان میں نہیں ہے، یہاں کے مسلمان ان سے پرہیز رکھتے ہیں، اور مسجد میں وضو کرنے اور مسجد کے برتنوں کو استعمال کرنے سے روکتے ہیں یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ (۸۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ان مسلمان قوموں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو شرعاً اجازت ہے کہ وہ مسجد میں وضو کریں، اور لوٹا وڈول مسجد کا استعمال کریں، اور مسجد میں نماز جماعت سے پڑھیں، ان کو مسجد میں وضو وغیرہ سے روکنا خلاف حکم خدا تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کے ہے، اور یہ بھی من وجہ وعید ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۱۴) میں داخل کرتا ہے کیونکہ لوازمات نماز سے روکنا بھی مثل نماز سے روکنے کے ہے اور ظلم صریح ہے۔ فقط

جنبی کا غسل کے لیے مسجد کے فرش کو راستہ بنانا

سوال: (۷)...... (الف) جنبی کو بہ حالت جنابت مسجد میں داخل ہونا جائز ہے یا نہ؟ کیوں کہ بعض مساجد میں غسل خانے اس طرح بنے ہوتے ہیں کہ فرش مسجد پر ہوکر جانا پڑتا ہے؟

(ب) غسل خانے میں چوں کہ برہنہ پا جاتے ہیں تو بوقت غسل وغیرہ پاؤں گیلے ہوتے ہیں تو پاؤں ناپاک ہوتے ہیں یا نہ؟ اور پھر ان ہی گیلے پاؤں کو فرش مسجد پر رکھ دیتے ہیں تو فرش بھی ناپاک ہوا یا نہ؟ (۲۳۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) جنبی کے لیے بہ حالت جنابت مسجد میں داخل ہونا، اور مسجد کے فرش پر گذرنا جائز نہیں، الا یہ کہ غسل خانے اس طریق سے بنے ہوئے ہوں کہ بغیر فرش پر گذرے کسی طرح بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا تو پھر اس ضرورت شدیدہ کی وجہ سے جائز ہے قال فی الدر المختار: ویحرم بالحدث الأکبر دخول مسجد ...... ولو للعبور خلافًا للشافعي إلا لضرورة حیث لا یمکنه غیره الخ (۱) فقط

(۱) الدر المختار مع الشامی ۲۷۹/۱-۲۸۰ کتاب الطهارة۔ مطلب: یوم عرفة أفضل من یوم الجمعة۔

(ب) ماء مستعمل صحیح مذہب کے موافق طاہر ہے، اور جونجاست دھوئی گئی وہ جگہ بھی پانی بہنے سے پاک ہوگئی، پس غسل خانوں میں ایسے پانی کا ہونا موجب نجاست نہیں، اور جب کہ یہ پانی ناپاک نہیں تو پاؤں کے ناپاک ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ باہر آکر پیروں پر دوبارہ پانی بہاوے۔ پختہ غسل خانوں میں تو خصوصیت کے ساتھ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔قال في الدر المختار: فلا يؤخر قدميه ولو في مجمع الماء لما أن المعتمد طهارة الماء المستعمل على أنه لا يوصف بالاستعمال إلا بعد انفصاله عن كل البدن الخ (۱) فقط

غیر مسلم بھی مسجد میں آسکتا ہے

سوال: (۸) ایک شخص مشرک یا از یہود و نصاریٰ ایک مسجد میں نماز کے وقت عاجزانہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے، زید اس کو منع کرتا ہے، بکر زید کے خلاف ہے، جب شخص مذکور سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا کیا مذہب ہے؟ تو وہ شخص اپنا کوئی مذہب نہیں بتاتا، صرف یہ کہتا ہے کہ میں تو عاشق اللہ ہوں، تم لوگ مجھے کیوں منع کرتے ہو؟ کسی دوسرے مقام پر عمر نے اس سے دریافت کیا تو اس نے اپنے آپ کو مسلمان بتایا، زید اپنے بیان کے ثبوت میں آیت کریمہ ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ الآية ﴾ پیش کرتا ہے، بکر اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ آیت تو صرف مسجد حرام کے لیے ہے، اس پر زید، بکر پر کفر کا فتوی دیتا ہے، آیا شخص مذکور یا دوسرا کوئی مشرک مسجد میں داخل ہوسکتا ہے؟ اور جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ زید کا بکر پر فتوی کفر کا دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ (۱۴۶۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار کتاب الحظر والإباحة میں ہے: وجاز دخول الذمي مسجدًا مطلقًا وكرهه مالك مطلقًا وكرهه محمد والشافعي وأحمد في المسجد الحرام الخ (۲) اس روایت سے معلوم ہوا کہ ذمی اور غیر مسلم بھی مسجد میں آسکتا ہے، اور جس شخص کا ذکر سوال میں ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس پر بدگمانی کرکے یا اس کا حال معلوم نہ ہونے سے اس کو کافر نہ کہا جائے گا، اور اس کو مسجد میں آنے اور شریک جماعت ہونے سے نہ روکا جائے گا، بلکہ شامی میں لکھا ہے:

(۱) الدر المختار مع الشامي ۲۶۲/۱-۲۶۳ كتاب الطهارة، مطلبٌ: سنن الغسل
(۲) الدر المختار مع الشامي ۴۷۲/۹ كتاب الحظر والإباحة. فصلٌ في البيع

اعلم أن الإسلام يكون بالفعل أيضا كالصلاة بجماعة أو الإقرار بها أو الأذان في بعض المساجد الخ (۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا جماعت سے نماز پڑھنا دلیل ہے اس کے مسلمان ہونے کی، اور آیت کریمہ ﴿إنما المشركون نجس الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۲۸) کی تفسیر میں بہت تفصیل ہے، اور مسجد حرام کے قریب نہ ہونے سے کیا مراد ہے، اس میں بھی بہت تفصیل ہے، آیت مذکورہ سے مطلقاً عدم جواز دخول مسجد میں استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، پس زید کا عمر کو کافر کہنا اور بلا تحقیق حال فتوی کفر کا دینا صحیح نہیں ہے۔ فقط

ہندوؤں کو مسجد میں لے جانا اور تقریر کرانا

سوال: (۹) مسجد میں اہل ہنود کو لیجانا اور ان سے لیکچر دلانا اور وہاں ان کا لیکچر سننا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۲۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وجاز دخول الذمي مسجدًا مطلقًا (۲) اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا مسجد میں داخل ہونا درست ہے، اور تقریر کرنا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ وہ مسلمانوں کی اعانت میں ہو، اور خلافت حقہ اسلامیہ کی تائید میں ہو جیسا کہ اکثر ہنود ایسا کر رہے ہیں، اور یہ امداد غیبی ہے جو اللہ تعالیٰ کفار کے ذریعہ سے مسلمانوں کو پہنچا رہا ہے، حدیث شریف میں ہے: إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر (۳) پس جیسا کہ رجل فاجر سے تائید دین کی ہوسکتی ہے کافر سے بھی ہوسکتی ہے۔ فقط

(۱) الشامي ۲/ ۲۷۸ كتاب الجهاد . مطلبٌ : الإسلام يكون بالفعل كالصلاة بجماعةٍ .

(۲) الدر المختار مع رد المحتار ۹/ ۴۷۲ كتاب الحظر والإباحة – فصلٌ في البيع .

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: شهدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: لرجل ممن معه يدعي الإسلام هذا من أهل النار فلما حضر القتال قاتل الرجل من أشد القتال فكثرت به الجراح فأثبتته فجاء رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! أرأيت الذي تحدث أنه من أهل النار قد قاتل في سبيل الله من أشد القتال فكثرت به الجراح؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أما أنه من أهل النار فكاد بعض المسلمين يرتاب، فبيناهم على ذلك إذ وجد الرجل ألم الجراح فأهوى بيده إلى كنانته فانتزع منها سهما فانتحر به فاشتد رجال من المسلمين إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا: يا رسول الله! صدق الله حديثك قد انتحر فلان فقتل نفسه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: =

غیر مسلم کا مسجد میں آنا اور وعظ سننا

سوال: (۱۰)......(الف) غیر مسلم مثل یہود، نصاریٰ، پادری وغیرہ مساجد کے اندر داخل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

(ب) غیر مسلم مساجد کے اندر مسلمانوں کے مواعظ ونصائح سننے کی غرض سے آسکتے ہیں یا نہیں؟
(۳۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف ـ ب) کفار کا مسجد میں آنا اور مواعظ ونصائح سننا درست ہے۔ فقط

مسجد میں یہود ونصاریٰ کا داخل ہونا ـــــ اور طلباء کو انعامات تقسیم کرنا

سوال: (۱۱)......(الف) مسجد میں یہود ونصاریٰ کا داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) مسجد میں طلبہ علم دین کو انعام تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ج) متولی مسجد؛ مسجد میں مسلمانوں کو وعظ، میلاد، تقسیمِ انعام سے روک سکتا ہے یا نہیں؟

(د) متولی مسجد سے امور مذکورہ بالا میں اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ (۵۵۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) کتبِ حنفیہ میں یہ مذکور ہے: وجاز دخول الذمی مسجدًا مطلقًا، وكرهه مالك مطلقًا، وكرهه محمد والشافعي وأحمد في المسجد الحرام الخ (۱) (درمختار) پس معلوم ہوا کہ عند الحنفیہ یہود ونصاریٰ کا مسجد میں جانا درست ہے۔

(ب) درست ہے۔ (ج) وعظ وغیرہ مسجد میں درست ہے ـــ مجلس میلاد شریف اگر بدعات سے خالی ہے تو جائز ہے ورنہ ممنوع ہے۔

(د) جو امور شرعًا درست ہیں، ان میں متولی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط

= يا بلال! قم فأذِّنْ لايدخل الجنة إلا مؤمن. فإن (وفي نسخة: وَ إنّ) الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر (الجامع الصحيح للبخاري ۹۷۷/۲ كتاب القدر – بابٌ: العملُ بالخواتيم)

(۱) الدر المختار مع الشامي ۴۷۲/۹ كتاب الحظر والإباحة – فصلٌ في البيع

مسلمان بھنگی کو مسجد میں آنے سے روکنا اور اس کی کمائی کا حکم

سوال: (۱۲) ایک خاکروب مسلمان ہو گیا اور پیشہ صفائی پاخانہ کمانے کے لیے کرتا ہے، وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آئے تو اس کو مسجد میں آنے سے روکا جائے یا نہ؟ اور اس کی کمائی کی دعوت کھانا یا مسجد میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ حدیث کسب الحجام خبیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسب بھنگی کا بھی خباثت سے خالی نہیں ہے۔ (۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کو مسجد میں آنے سے روکنا درست نہیں ہے، اور روکنے والا ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ الآية﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۱۴) کے حکم میں داخل ہے: اور اس کی کمائی میں سے دعوت کھانا اور تعمیر مسجد میں صرف کرنا درست ہے، اور استدلال عدم جواز کا حدیث کسب الحجام خبیث سے صحیح نہیں ہے کہ وہ منسوخ یا مؤول ہے۔ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم فأعطی الحجام أجرہ (الحدیث ...... رواہ البخاری ومسلم)(۱) اگر اجرت حجام ناجائز ہوتی تو خود رسول ﷺ کیوں عطا فرماتے؟ اور ظاہر ہے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ سے اب تک عرب وغیرہ میں برابر یہ پیشہ جاری اور معمول بہ ہے، اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، اور اس کی اجرت کو حرام یا خبیث نہیں سمجھا؛ یہ بات دوسری ہے کہ بعض پیشے؛ دنی اور رذیل ہوتے ہیں مگر اس سے حرمت اور خباثت اجرت لازم نہیں آتی۔

غیر مقلدین کو حنفیوں کی مسجد میں آنے سے روکنا

سوال: (۱۳) غیر مقلدین سے محبت رکھنا اور ان کو اپنی مسجد میں آنے دینا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے لوگ اکثر مسجد میں آکر دین کے معاملہ میں واہی تباہی بکتے ہیں؛ اور فتنہ وفساد کرتے ہیں؛ اب کیا حکم ہے؟ (۱۸۹۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: کوئی غیر مقلد اگر حنفیہ کی مسجد میں آکر نماز پڑھے تو اس کو روکا نہ جائے؛ لیکن اس کی باتیں

---

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم فأعطی الحجام أجرہ واستعط متفق علیہ (مشکاۃ ص:۲۵۸ باب الإجارۃ)

غیر مقلدی کی جو حنفیہ کے خلاف ہیں، وہ نہ مانی جائیں، اس کے نماز پڑھنے سے کسی حنفی کی نماز میں کچھ خلل نہیں آتا؛ البتہ فساد کرنے سے روکا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کے کنویں سے ہندو اور مسلمان پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۱۴) جو کنواں اندرونِ حدودِ مسجد واقع ہے، اس میں سے عام طور پر ہندو، مسلمان پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں؟ بنانے والا روک سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے غسل خانے میں ہر شخص نمازی و بے نمازی غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۹۰۴ھ)

الجواب: اس چاہ مسجد سے سب پانی بھر سکتے ہیں، اور کنواں بنانے والے کو کچھ حق روکنے کا نہیں ہے، اور غسل خانہ میں سب استنجاء وطہارت وغسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ فقط

جو غیر مسلم ننگے پاؤں پھرتا ہے اور ستر بھی کھلا ہوا ہے اس کا مسجد میں داخل ہونا

سوال: (۱۵) ایک شخص کافر جو کہ ننگے پیروں پھرتا ہے، اور ستر بھی کھلا ہوا ہے وہ مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۷۹۵ھ)

الجواب: مسجد میں داخل ہونا کافر کا اگرچہ عندالحنفیہ درست ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: وجاز دخول الذمی مسجدًا مطلقًا...... وکرهه محمد والشافعی وأحمد فی المسجد الحرام الخ (۱) لیکن کشف عورت کے ساتھ داخل ہونا کافر کا مسجد میں درست نہیں ہے، اس کی اس کو اجازت نہ دی جائے۔ فقط

شیعہ کو ہماری مسجد میں داخل ہونے سے روکنا

سوال: (۱۶) شیعہ ہماری مساجد میں محفل میلاد میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں جھگڑا ہو رہا ہے کہ لاٹھیوں کا پہرا ہے کہ سوائے سنیوں کے اور کوئی مسجد میں نہ جائے؟ (۱۳۴۲/۱۷ھ)

(۱) الدر المختار مع الشامی ۴۷۲/۹ کتاب الحظر والإباحة . فصلٌ فی البیع .

الجواب: جھگڑا اور لڑائی کرنا تو اچھا نہیں ہے، البتہ حکمت اور نرمی کے ساتھ ایسا انتظام کیا جائے کہ سنیوں کی مساجد میں اہل شیعہ نہ آئیں؛ کیونکہ اس فرقہ سے بالکل علیحدگی مناسب ہے، اور ربط وارتباط رکھنا ان کے ساتھ سنیوں کو جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جب وہ ہمارے اکابر دین صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کو برا کہتے ہیں، اور سب وشتم کرتے ہیں بلکہ ان کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے تو ہماری غیرت اسلامی کا یہ مقتضا نہیں ہے کہ ہم ان کے ساتھ اتحاد وارتباط رکھیں الحیاء شعبة من الإیمان حدیث شریف میں ہے(۱)

پس یہ سخت بے حیائی کی بات ہے کہ جو لوگ ہمارے اکابر اور آنحضرت ﷺ کے جانشینوں اور اسلام کے پھیلانے والوں کے ساتھ ایسا اعتقاد رکھیں کہ وہ معاذ اللہ دشمن دین ہیں اور مسلمان نہ تھے، اور منافق وکافر تھے وغیرہ وغیرہ، پھر ان لوگوں کے ساتھ ہم خوش ہوکر ملیں، اور ان کو اپنے ساتھ کھانے پینے میں شریک کریں یا ان سے نکاح ورشتہ کا تعلق رکھیں۔ حدیث شریف میں ایسے فرقوں کے بارے میں یہ وارد ہے کہ ان کے ساتھ ہوکر نہ بیٹھو، اور ان سے مناکحت کا تعلق نہ رکھو(۲) اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ وہ لوگ ملعون ہیں (۳) اور اللہ تعالیٰ ان کو مسخ کرکے بندر اور سور بنادے تو تعجب نہیں (۴) اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو مسخ کردیا ہے، پس ان سے ہر طرح سے علیحدگی اور پرہیز کرنا لازم ہے۔ فقط

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإيمان بضع وسبعون شعبة فأفضلها قول لا إله إلا الله، و أدناها إماطة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان. متفق عليه (مشكاة المصابيح ص: ۱۲ كتاب الإيمان)

(۲) وعن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتجالسوا أهل القدر ولا تفاتحوهم (أبو داوٗد ص: ۶۴۹ كتاب السنة، باب في ذراري المشركين)

(۳) عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسبوا أصحابي، لعن الله من سبّ أصحابي (المعجم الأوسط للبطراني ۳/۳۳۶ باب العين، من اسمه عبدالرحمان بن الحسين الصابوني رقم الحديث: ۴۷۷۱ المطبوعة: دار الفكر، عمان – الأردن)

(۴) عن نافع أن رجلا أتى ابن عمر رضي الله عنهما فقال: إن فلانًا يقرأ عليك السّلام. فقال: إنه بلغني أنه قد أحدث، فإن كان قد أحدث فلا تقرئه مني السلام. فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يكون في أمتي أو في هذه الأمة خسف ومسخ أو قذف في أهل القدر. =

مؤذی شخص کو مسجد میں آنے سے روکنا

سوال: (۱۷) دو تین شخص ایک مسجد میں نماز کے لیے آتے ہیں، اور فتنہ وفساد اور نااتفاقی کراتے ہیں، کیا ایسے فسادی لوگوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (د ۲۲۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: جو شخص واقعی شریر اور مؤذی ہو اس کو اہل مسجد، مسجد سے روک سکتے ہیں بہ شرطیکہ اس میں کوئی فتنہ فساد نہ ہو۔ فقط

غیر آباد مسجد کی خدمت کا ثواب

سوال: (۱۸) شاہ محمد دیوانؒ کے روضہ کے پاس آپ ہی کی بنائی ہوئی مسجد منگلور پیر سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے جو شکستہ ہوگئی تھی، اور دیواریں بھی کسی قدر منہدم ہوگئی تھیں، مگر اب اس کی مرمت کردی گئی ہے، لیکن اس میں منبر نہیں بنایا گیا اس مسجد میں اذان ہوتی ہے نہ جماعت؛ البتہ زیارت کرنے والوں میں سے کبھی کوئی نماز پڑھ لیا کرتا ہے؛ پس اب اس پر مسجد کا حکم لگایا جاسکتا ہے اور اس کی تعظیم آباد مسجد جیسی کرنی چاہیے یا نہیں؟ جو ثواب آباد مساجد کی خدمت جاروب کشی وغیرہ کرنے میں ہے وہی ثواب اس مسجد کی خدمت میں بھی حاصل ہوگا یا نہیں؟ (۲۵۹۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس مسجد کو حکم مسجد کا ہے اور تعظیم مساجد کی سی کرنی چاہیے، اور جو ثواب دیگر مساجد کی خدمت میں ہے اس کی خدمت میں بھی ہے۔

مسجد کی تعمیر مسلمان معمار سے کرانا بہتر ہے یا ہندو سے؟

سوال: (۱۹) مسجد کی تعمیر کے واسطے ہندو و مسلمان معماران دونوں برابر ہیں یا فرق ہے؟ عمر کہتا

= رواه الترمذي وأبو دوٗد وابن ماجة وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب (مشكوٰة المصابيح ص: ۲۳ كتاب الإيمان ــ باب الإيمان بالقدر)

وعن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم قال: القدرية مجوس هذه الأمة، إن مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلا تشهدوهم (أبو داوٗد ص: ۶۴۴ كتاب السنة، باب في القدر)

ہے کہ اگر معمار مسلمان نمازی ہوں تو وہ ہندو سے بہتر ہیں۔ زید کہتا ہے کہ ہندو، مسلم سب برابر ہیں، بلکہ ہندو بہتر ہیں، کیا تعمیر مسجد اہل ہنود سے بھی کرا سکتے ہیں؟ اور زید کے یہ اقوال کہاں تک صحیح ہیں کہ ہندو بہتر ہے؟ (۱۳۵۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ہندو معماروں اور مزدوروں سے بھی مسجد کی تعمیر وغیرہ کا کام کرانا جائز ہے، چنانچہ اکثر ہنود سے تعمیر مساجد کرائی جاتی ہے، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں سے خصوصاً مسلمانان پابند صوم وصلاۃ سے تعمیر مسجد کا کام کرانا بہتر اور افضل ہے، خصوصاً جب کہ مسلمانان کار تعمیر سے پورے واقف ہوں، اور کام زیادہ اور اچھا کریں، عمر نے جو کچھ نصیحت ان سے کی وہ صحیح ہے، زید نے اس پر جو کلمات کہے وہ بے موقع اور ناجائز ہیں، زید کی یہ زیادتی ہے، اور زید اس گفتگو اور فعل میں خطاء پر ہے اور عاصی وفاسق ہوگیا؛ اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ یہ کلمات اس کے کہ ہندو مسلمانوں میں کچھ فرق نہیں بلکہ ہنود بہتر ہیں، اسی طرح بعض اور کلمات اس کے بعض اعتبار سے کفر کے کلمے ہیں، لیکن چوں کہ تاویل ممکن ہے اس لیے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاوے گا، بہر حال زید کے فاسق ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ فقط

سودخوار مسجد کی خدمت کرسکتا ہے

سوال: (۲۰) ایک شخص مسجد کا کام کرتا ہے اور وہ سود لیتا ہے تو اس سے مسجد کا کام لیا جاوے یا نہ؟ (۱۳۴۱/۴۶۸ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ وہ شخص مسجد کا کام کرے، مسجد کی خدمت کار ثواب ہے؛ اس سے اس کو کیوں محروم کیا جاوے۔ فقط

قدیم مسجد کو مزین کرنے کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: (۲۱) ذبرو گڑھ میں ایک مسجد قدیم تھی جس کو مقامی لوگوں نے مرمت کیا، اور منقش ومزین بھی کیا، اور اندر کچھ پھول پتے بھی بنائے؛ زید نے یہ حکم دیا کہ اس میں نماز درست نہیں ہے تاوقتیکہ پھول پتے نہ مٹا دیے جائیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں فساد لڑائی مقدمہ بازی شروع ہوگئی، جب زید کے معتقدین مقدمہ ہار گئے تب انھوں نے ایک دوسری مسجد جدید تعمیر کرانی شروع کی، معلوم ہونے پر

کچھ لوگوں نے یہ منت سماجت ان سے کی کہ آپ لوگ جدید مسجد نہ بنائیں؛ بلکہ مسجد قدیم کو جس طرح چاہیں اپنے انتظام میں رکھ کر مثل سابق نماز ادا کیجیے، اور پھول پتے خلاف شرع ہیں تو بشرط ثبوت مٹا دیجیے مگر کسی نے کچھ سماعت نہ کی اور مسجد جدید بنالی، اور اس میں نماز جمعہ وعیدین و پنج گانہ بھی ادا کرنے لگے، اب تعمیر کنندگان پر شرعاً کیا جرم عائد ہوگا؟ اور یہ مسجد جدید مسجد ضرار کے حکم میں داخل ہوگی یا نہیں؟ اور جو شخص عالم ہو کر شریعت میں رخنہ اندازی کرے، اور جماعت مسلمین کو متفرق کرے اور لوگوں کو مسائل؛ خلاف شرع بتلاوے اس کی امامت وغیرہ درست ہے یا نہیں؟ (۲۷۹۷/۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسجد کے منقش کرنے کو خصوصاً جدارِ جانبِ قبلہ ومحرابِ مسجد میں نقش ونگار کو اگرچہ فقہاءؒ نے اچھا نہیں سمجھا جیسا کہ عبارت کتب فقہ سے ظاہر ہے؛ لیکن یہ امر ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس مسجد میں نماز نہ ہونے کا فتویٰ دیا جائے، اور اس کو حرام کہا جائے اور یہ سختی وغلطی اور جہالت فتویٰ دینے والے کی ہوگی، درمختار میں ہے: ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره لأنه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصًا في جدار القبلة قاله الحلبي الخ (۱) پس ظاہر ہے کہ محض اس وجہ سے کہ اس مسجد کو منقش ومزین کیا گیا، اس مسجد میں نماز پڑھنے کو حرام کہا جائے، اور اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا جائے اور جھگڑا وفساد کرایا جائے، اور پھر دوسری مسجد بلا ضرورت بنوائی جائے کہ جس کی وجہ سے پہلی مسجد کو نقصان پہنچے اور تفریق بین المسلمین ہو، کسی طرح جائز نہیں ہے، اور زید اس فعل میں صریح خطاء پر ہے۔

تفسیر احمدی وغیرہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شہر میں دو مسجدیں اس طریق سے نہ بنائی جائیں کہ ایک دوسرے کے لیے موجب ضرر ہو؛ اور احادیث میں بغرض فخر ومباہات مسجد بنانے کو علامات قیامت میں سے فرمایا گیا ہے، اور اس کو امر قبیح ومنکر سمجھا گیا ہے۔ وعن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أشراط الساعة أن يتباهى الناس في المساجد (۲) قال صاحب المدارك وقيل كل مسجد بني مباهاةً أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله تعالى أو بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار، وهذا لفظه أخذ

(۱) الشامي ۲/۳۷۳ كتاب الصلوة – مطلبٌ: كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره.

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۶۹ كتاب الصلوة، باب المساجد و مواضع الصلوة.

ذلك عن الكشاف، وقال صاحب الكشاف: وعن عطاء لما فتح الله الأمصار على عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه هذا لفظه، فالعجب من المشائخ المتعصبين فى زماننا يبنون فى كل ناحية مساجد طلبًا للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً لآبائهم، ولم يتأملوا ما فى هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء فعالهم الخ(۱)(تفسیر احمدی)

پس حدیث موصوف اور روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فخر ومباہات اور ضد ونفسانیت سے مسجد بنانا موجب اجر وثواب نہیں بلکہ موجب وبال ونکال ہے اور جو ثواب بناء مسجد کا بہ حکم من بنى لله مسجدًا بنى الله له بيتًا فى الجنة (۲) وارد ہے، وہ اس کو حاصل نہ ہوگا؛ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی مسلمان کی بناء کردہ مسجد کو اس گمان پر کہ بانی نے اس کو بر بناء مخالفت وضد ونفسانیت وفخر ومباہات بنایا ہے اس کو منہدم کردیا جائے اور مسجد ضرار کے ساتھ اس کو ملحق کر کے حکم انہدام والقاء قاذورات (یعنی کوڑا کرکٹ ڈالنے)وغیرہ کا کیا جائے جو کہ اصل مسجد ضرار کا حکم تھا؛ کیونکہ اس مسجد کا کفرًا وضرارًا و تفريقًا بين المؤمنين بنانا نص قطعی سے ثابت ہوگیا، اور یہ امر کسی مسلمان کی نسبت متیقن نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس قسم کے ظنون سے مسلمانوں کی طرف اجتناب کا حکم فرمایا گیا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾(سورۂ حجرات، آیت:۱۲) وقال عليه الصلاة والسلام: إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ مانوى (الحدیث)(۳) اور کسی کی نیت کا حال دوسروں کو پوری طرح معلوم نہیں ہوسکتا کما ورد: هلا شققت عن قلبه (۴) الغرض اس بارے میں موافق فرمان

(۱) التفسيرات الأحمدية ص:۴۷۸- پارہ:۱۱، آیت:۱۰۸۔

(۲) عن عثمان رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بنى لله مسجدًا بنى الله له بيتًا فى الجنة(مشكاة المصابيح ص:۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوة)

(۳) صحيح البخارى ۲/۱ باب كيف كان بدء الوحى.

(۴) عن أسامة بن زيد رضى الله عنه قال: بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أناس من جهينة فأتيت على رجل منهم فذهبت أطعنه فقال: لا اله إلا الله فطعنته فقتلته فجئت إلى النبى صلى الله عليه وسلم فأخبرته فقال: أقتلته وقد شهد أن لا إله إلاّ الله قلت يا رسول الله! إنما فعل ذلك تعوذا قال: فهلا شققت عن قلبه متفق عليه(مشكاة ص:۲۹۹ كتاب القصاص الفصل الأوّل)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر کہا جائے گا کہ کوئی مسلمان اضرار وتفریق کی غرض سے مسجد نہ بنائے، اور فخرو مباہات کی نیت سے نہ بنائے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ مستحق اجر نہ ہوگا؛ بلکہ ماخوذ ومعذب ہوگا، باقی یہ حکم کرنا کسی خاص مسجد پر صحیح نہ ہوگا کہ یہ مسجد فخر ومباہات اور اغراض فاسدہ کی بناء پر بنائی گئی ہے، اور یہ ''مسجد ضرار'' ہے اور واجب انہدام ہے؛ کیونکہ جیسا کہ بانی مسجد کو یہ حکم ہے کہ وہ فخر ومباہات واضرار و تفریق بین المؤمنین کی غرض سے مسجد نہ بنائے، اسی طرح دوسروں کو کسی مسلمان پر بدظنی وغیرہ کو بھی منع فرمایا ہے: إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث (۱) اور جو شخص باوجود عالم ہونے کے ضد اور نفسانیت سے مسلمانوں کی تفریق کا باعث ہو، اور مسائل غلط بیان کرے اور اس پر اصرار کرے وہ عاصی وخاطی ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے۔

مسجد میں نقش ونگار کرنا

سوال: (۲۲) مسجد میں نقش ونگار بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اپنے مال حلال سے سوائے محراب کے نقش ونگار کرسکتا ہے۔ کما فی الدر المختار: ولابأس بنقشه خلامحرابه بجصٍ وماء ذهب لو بما له الحلال الخ(۲) فقط

مساجد کو مختلف رنگوں سے رنگنا

سوال: (۲۳) مساجد کو مختلف رنگوں سے رنگنا جائز ہے یا نہ؟ اور رنگوں میں اسپرٹ ضرور ہوتا ہے، اور (اس میں) نماز بھی ہوجاتی ہے یا نہ؟ (۳۹۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولابأس بنقشه خلا محرابه الخ بجص وماء ذهب لو بماله الحلال الخ (۲) یعنی مسجد کی محراب کے سوا بلکہ قبلہ کی دیوار کے سوا مسجد میں سونے اور چونا وغیرہ کا کام بنانا درست ہے، اگر اپنے مال حلال سے ہو پھر کہا: ویکره التکلف بد قائق النقوش ونحوها خصوصًا فی

---

(۱) عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث (جامع الترمذی ۲/۱۹ باب ماجاء فی ظن السوء)

(۲) الدر المختار مع الشامی ۲/۳۷۳ کتاب الصلوة. مطلبٌ کلمة لابأس دلیلٌ علی أن المستحب غیره.

جدار القبلة (۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ نقش ونگار مکلّف مسجد میں کرنا مکروہ ہے، خصوصاً قبلہ کی دیوار پر؛ پس جب کہ مطلقاً نقش ونگار مکروہ ہے تو پھر جب کہ اسپرٹ کا شبہ ہو جو کہ نجس ہے تو بہ درجہ اولیٰ مکروہ ہوگا، اس سے احتراز کرنا لازم ہے، اور نماز ہو جاتی ہے۔ فقط

حرمین شریفین، مسجد اقصیٰ اور مزارات کے نقشے مسجد میں لٹکانا

سوال: (۲۴) نقشہ حرمین شریفین ونقشہ مسجد اقصیٰ ومقابر اہل بیت مسجد میں رکھنے جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۱۸۷ھ)

الجواب: جدار قبلہ کی طرف اس قسم کے نقشے وغیرہ چسپاں کرنا اور لٹکانا اچھا نہیں ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے؛ کیونکہ اس سے نماز پڑھنے والے کا خیال اس طرف چلا جائے تو بعید نہیں ہے جو موجب عدم خشوع وخضوع ہے، اور نماز میں خشوع وخضوع ضروری ہے درمختار میں ہے: **ولابأس بنقشه خلامحرابه فإنه يكره (أي تنزيهًا) لأنه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصًا في جدار القبلة، قاله الحلبي ...... وظاهره أن المراد بالمحراب جدار القبلة فليحفظ** (۲)

مسجد کی دیواروں پر آیات قرآنیہ اور کلمہ شریف لکھ کر لٹکانا

سوال: (۲۵) مسجد کے اندر قبلہ کی طرف دیوار میں یا چاروں طرف سنہرے حرفوں سے قرآن مجید کی آیتیں لکھ کر لگا دینا یا مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے فوٹو لٹکانا یا مسجد کے صحن میں تمبا کو سگریٹ پینا کیسا ہے؟ (۱۳۳۷/۱۸۲۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **لابأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره لأنه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصًا في جدار القبلة ...... بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لامن مال الوقف فإنه حرام الخ** (۳) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) الدرالمختار مع الشامی ۲/۳۷۳ کتاب الصلوة ــ مطلبٌ: كلمة لابأس دليلٌ على أن المستحب غيره.

(۳) الدر مع الشامی ۲/۳۷۳ کتاب الصلوة ــ مطلبٌ كلمة لا بأس الخ.

مال حلال سے مسجد میں سوائے جدار قبلہ کے نقش ونگار کرانا چاہے تو جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے اور جدار قبلہ میں نقوش وغیرہ کرانے سے مصلی کو مشغولی ہوتی ہے، اور خشوع میں خلل واقع ہوتا ہے؛ پس جدار قبلہ میں نہ کرنا چاہیے، اور مال وقف سے کرانا حرام ہے، اور مسجد میں سگریٹ یا تمبا کو پینا درست نہیں ہے؛ بہر حال مسجد میں ایسے تکلفات کرنا جس سے خشوع وخضوع میں خلل آئے مناسب نہیں ہے؛ لیکن نماز ہو جاتی ہے۔ فقط

سوال: (۲۶)...... (الف) مسجد کی دیواروں پر کلمہ شریف، آیات قرآنیہ وغیرہ لکھ کر لٹکانا کیسا ہے؟

(ب) کلمہ وغیرہ قبلہ رخ مسجد میں دیوار پر ہوں تو اس کے سامنے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲۲۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) قال في فتح القدير: تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران الخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت مکروہ ہے۔

(ب) نماز ہو جاتی ہے مگر ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

مسجد میں کتبہ لگانا

سوال: (۲۷) مسجد میں کوئی کتبہ یا تاریخ وغیرہ کندہ کراکے لگانے میں کچھ حرج تو نہیں ہے؟ کتبہ وسیع لفظ ہے کس کس امر کی اجازت ہے؟ (۱۳۳۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: کتبہ جس میں قرآن پاک وحدیث نہ ہو اس کا و نیز تاریخ وغیرہ کا کندہ کرادینا جائز ہے، اور جس میں آیت وغیرہ ہو اس کا کندہ کرانا جائز نہیں ہے۔ شامی میں ہے: **ولاينبغي الكتابة على جدرانه** أي خوفًا من أن تسقط وتوطأ، بحر عن النهاية (۲) فقط

سوال: (۲۸) ایک مسجد ۸۲ برس کی تعمیر شدہ ہے، اب ایک شخص اس میں پتھر کندہ کراکر بہ غرض دل آزاری غریب بھائیوں کی لگاتا ہے کہ یہ مسجد میرے باپ کی بنوائی ہوئی ہے؛ یہ فعل اس کا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۴۶-۱۳۴۷ھ)

(۱) فتح القدير ۱/۱۵۰ كتاب الطهارات باب الحيض والاستحاضة.

(۲) الشامي ۲/۳۷۹ كتاب الصلوة – مطلبٌ فيمن سبقت يده إلى مباح.

الجواب: اگر یہ مسجد واقعی اس کے آباء و اجداد کی تعمیر کردہ ہے، یا شرکت تعمیر میں ہے تو اس مضمون کا کتبہ نصب کرانے میں جس میں واقعیت کا اظہار ہے، کوئی مضائقہ نہیں ؛ بانی مسجد کے نام کا کتبہ کندہ کرانا عمل متعارف ہے؛ اس میں عوام الناس کو آزردہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ فقط

سوال: (۲۹) تعمیر کنندہ نے اپنا نام مسجد کے بیچ کے دروازہ پر لکھوایا ہے اس سے کچھ حرج تو نہیں؟ (۸۰۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: تعمیر کنندہ کا نام لکھوا دینے سے اس کے مسجد ہونے میں کچھ خلل نہیں آتا۔

مسجد کی دیواروں پر ''یاغوث اعظم دست گیر'' لکھنا

سوال: (۳۰) بکر مسجد کی دیواروں میں ''یاغوث اعظم دست گیر'' لکھتا ہے یہ درست ہے یا نہ؟ (۲۲۶۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درست نہیں ہے۔(۱) فقط

مسجد کی دیوار پر یااللہ یامحمد لکھا ہو تو کیا کریں؟

سوال: (۳۱) مسجد کی محراب میں یااللہ یامحمد لکھا ہوا تھا، عمر نے اس کو چھٹوا کر مٹی کو علیحدہ احتیاط سے رکھوادی، اس صورت میں کچھ گناہ تو نہ ہوگا؟ (۱۶۲۳/۱۳۴۱ھ)

الجواب: صرف لفظ ''یا'' کو یامحمد میں سے چھیل دینا کافی ہے، اور بجائے اس (یا) کے صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا جاوے تاکہ ثواب درود شریف کے لکھنے اور پڑھنے کا حاصل ہو۔

متولی سابق کو معزول کرنے کی وجہ لکھ کر مسجد میں چسپاں کرنا

سوال: (۳۲) ایک مسجد بوجہ بوسیدہ ہونے کے ازسرنو تعمیر کی گئی، اور اس کی مغربی دیوار پر ایک

---

(۱) غوث: فریادرس، اعظم: سب سے بڑے، غوثِ اعظم: سب سے بڑے فریادرس اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے علاوہ کوئی غوث اعظم نہیں ہوسکتا، اسی طرح دست گیر: ہاتھ پکڑنے والا یعنی بے کسوں کا سہارا بننے والا بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، اس لیے یہ لکھنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ کی شان سے جاہل غوث اعظم دست گیر سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو مراد لیتے ہیں۔ سعید احمد پالن پوری

پتھر لگایا جس پر عبارت منسلکہ جس میں حالات مسجد اور خیانت کی وجہ سے معزول کرنا متولی سابق کو اور تعمیر کرانے والے کا یعنی کمیٹی کے سکریٹری کا نام وغیرہ لکھا ہوا ہے۔

زید کہتا ہے کہ بہ چند وجوہ یہ عبارت چسپاں کرانا مغربی دیوار پر درست نہیں ہے، درمختار میں ہے: ولابأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره لأنه يلهي المصلي الخ (۱) اوراس میں متولی سابق کی خیانت لکھی ہے جن کو اس لقب سے یہاں ہر شخص جانتا ہے، اور جب دنیا سے رحلت کریں گے تو ان کی برائی ہمیشہ کے لیے کندہ رہے گی، اور لوگ برائی سے ان کو یاد کریں گے، اور یہ حدیث شریف میں منع ہے؛ اور ایسے موقع پر کسی کا نام ہونا شہرت اور ریا سے خالی نہیں اور یہ غیر مستحسن ہے جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے؛ اور ایک خاص ایسے شخص کا نام ہونے سے اس کا اور اس کے خاندان کا استحقاق ثابت ہوتا ہے، اور آئندہ یہ مسجد کی آمدنی کے حق میں مضر ہوگا۔

بکر کہتا ہے کہ یہ پتھر چسپاں کرنا درست ہے، اور نماز میں وہاں نظر لے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور نام کندہ کرانا دعا کے واسطے ہے اور اس خیال سے کہ کسی منتظم ذمہ دار کے نام ہونے کی ضرورت ہے؛ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟ (۹۰۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: زید کا قول اس بارے میں صحیح اور صواب ہے، اور آداب مسجد کے مناسب ہے، اور حصول اخلاص کے لیے مفید ہے جو کہ مأمور بہ ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (سورۂ بینہ، آیت: ۵) فقط

مسجد میں لڑکوں کو قرآن اور دینیات کی تعلیم دینا

سوال: (۳۳) صغیر سن بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا کیسا ہے؟ (۲۲۳۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس میں کچھ تفصیل اور اختلاف ہے۔ شامی میں تاتر خانیہ سے منقول ہے: جلس معلم أو ورّاق في المسجد فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلّا لضرورة، وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لابأس به لكن استدل في القنية بقوله عليه الصلاة والسلام جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم (۲) —— انتهى ما في الشامي —— أقول أي فالإحتياط في

(۱) الدر مع الشامی ۳۷۳/۲ کتاب الصلوة، مطلبٌ كلمة لابأس دليلٌ على أن المستحب غيره.
(۲) الشامی ۵۲۷/۹ كتاب الحظر والإباحة: في آخر فصلٌ في البيع.

المنع إلا لضرورة (۱) فقط

سوال: (۳۴) لڑکوں کو مسجد میں پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: شامی میں خلاصہ سے نقل کیا ہے: **تعلیم الصبیان فی المسجد لابأس به** (۲) اور بعض دوسرے کتابوں میں مکروہ لکھا ہے، پس اولیٰ اجتناب کرنا ہے، **إلا بضرورة** فقط

سوال: (۳۵)...... (الف) مسجد میں بچوں کو قرآن شریف پڑھانا کیسا ہے؟

(ب) اور مسافر کو مسجد میں سونا کیسا ہے؟ (۲۳۹۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف) مسجد میں بچوں کے تعلیم دینے میں تفصیل ہے، بعض کتابوں میں اس کو مکروہ لکھا ہے، اور گناہ کہا ہے اور بعض کتابوں میں جواز لکھا ہے: **قوله ومن علّم الأطفال فيه الخ الذی فی القنية: أنه يأثم ولا يلزم منه الفسق ...... وفی الخلاصة: تعليم الصبيان فی المسجد لابأس به الخ** (۲) بہر حال مسجد سے علیحدہ رکھنا بہتر ہے، خصوصاً نمازوں کے اوقات میں جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہونے کا خوف ہو (۳)

(ب) اور مسافر کو مسجد میں سونا درست ہے۔

مسجد میں منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھنے کا حکم

سوال: (۳۶) مسجد کے اندر چار پائی ڈال کر سونا، اور روٹی پان وغیرہ کھانا، اور کتاب منطق

(۱) معلم یا کاتب اگر مسجد میں بیٹھ کر اجرت پر تعلیم دیتا ہے یا کتابت کرتا ہے تو مکروہ ہے، مگر مجبوری میں جائز ہے، اور ''خلاصہ'' میں ہے کہ بچوں کو مسجد میں تعلیم دینے میں حرج نہیں ہے، لیکن ''قنیہ'' میں (عدم جواز پر) آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ ''اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ'' —— شامی کی بات پوری ہوئی —— میں (حضرت مفتی صاحب) کہتا ہوں کہ احتیاط منع کرنے میں ہے، مگر مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔

(۲) الدر مع الشامی ۵۲۶/۹، ۵۲۷ کتاب الحظر والإباحة. فی آخر فصلٌ فی البیع.

(۳) اور اب جب کہ تعلیم قرآن پر جواز اجارہ کا فتویٰ ہوگیا ہے: کراہیت کی یہ وجہ تو باقی نہیں رہی کہ مسجد میں کوئی بھی ایسا دینی کام کرنا مکروہ ہے جس پر اجرت لی جائے البتہ ناسمجھ بچے جو مسجد کا احترام ملحوظ نہ رکھ سکتے ہوں ان کو مسجد سے دور رکھنے کا جو حکم حدیث میں آیا ہے: وہ وجہ باقی ہے اور نمازیوں کے سکون کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

فلسفہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مٹی کا تیل جلانا کیسا ہے؟ (۴۰۷/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار میں لکھا ہے کہ مسجد میں کھانا اور سونا بلاضرورت اچھا نہیں ہے، مگر معتکف کے لیے بلاکراہت جائز ہے، اور شامی میں نقل کیا ہے کہ اہل صفہ مسجد میں سوتے تھے، اور باتیں کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے، اور کلام مباح بھی جائز ہے، مگر بلاضرورت بہتر نہیں ہے، اور کتاب ادب و منطق وفلسفہ وغیرہ کا دیکھنا اور پڑھنا بھی درست ہے (۱) قال في المصفی: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعًا؛ لأن أهل الصفة كانوا يلازمون المسجد وكانوا ينامون ويتحدثون الخ (۲) (شامی) فقط

مسجد میں اُجرت لے کر درس دینا

سوال: (۳۷) ماقولكم: في من يعلم القرآن والأحاديث والفقه والصرف والنحو وغيرها من الفنون بالأجرة قاعدًا في المسجد؛ هل هو جائز في المسجد شرعًا أم لا؟ فإن جاز فما الدليل عليه؟ وإني قد سمعت من الأساتذة الكبار أنهم كانوا يفتون بعدم جوازه. (۱۶۹۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال في الدر المختار: ومسجد أستاذه لدرسه أو لسماع الأخبار أفضل إتفاقًا (۳) وفيه بعده: وجعل المسجدين واحدًا وعكسه لصلاة لا لدرس أو ذكر الخ لأنه ما بني لذلك وإن جاز فيه الخ (۴) وفيه من كتاب القضاء: ويقضي في المسجد ويختار مسجدًا في وسط البلد تيسيرًا للناس ويستدبر القبلة كخطيب ومدرس (۵)

فهذه الروايات بإطلاقها تدل على الجواز، سواء كان الدرس بأجر، أو بغير أجر، وفي الوهبانية: ومن علّم الأطفالَ فيه ويُوْزَر الذي في القنية: أنه يأثم ولا يلزم منه الفسق ولم ينقل

(۱) کیونکہ مدارس عربیہ میں یہ علوم: علوم دینیہ کی خاطر پڑھائے جاتے ہیں، پس وہ بھی حکما علوم شرعیہ ہیں۔ ۱۲ سعید احمد
(۲) الشامی ۲/ ۳۷۸ کتاب الصلوة ـ مطلبٌ في الغرس في المسجد.
(۳) الدر مع الرد ۲/ ۳۷۴ كتاب الصلاة، مطلبٌ: في أفضل المساجد.
(۴) الدر والرد ۲/ ۳۷۹ كتاب الصلاة، مطلب: فيمن سبقت يده إلى مباح.
(۵) الدر مع الرد ۸/ ۴۵ كتاب القضاء، قبل مطلب في أجرة المحضر

عن أحد القول به ويمكن أنه بناه على أنه بالإصرار عليه يفسق. أفاده الشارح قلت: بل في التتارخانية عن العيون جلس معلم أو ورّاق في المسجد فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلّالضرورة، وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لابأس به (۱) فالحاصل أن الجواز هو الراجح خصوصًا في موضع الضرورة. فقط

ترجمہ: سوال: (۳۷) کیا فرماتے ہیں آپ حضرات ایسے شخص کے بارے میں جو اجرت لے کر مسجد میں قرآن، احادیث، فقہ، صرف ونحو وغیرہ فنون کی تعلیم دیتا ہے، کیا یہ کام مسجد میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ میں اساتذۂ کبار سے سن چکا ہوں کہ وہ اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

الجواب: درمختار میں ہے: ومسجد أستاذه لدرسه الخ. وفيه بعده: وجعل المسجدين الخ. وفيه من كتاب القضاء: ويقضي في المسجد الخ یہ روایات اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے جواز پر دلالت کرتی ہیں خواہ درس اجرت لے کر ہو یا بغیر اجرت کے، اور وھبانیہ میں ہے: ومن علّم الأطفال فيه الخ. حاصل یہ کہ جواز ہی راجح ہے خصوصاً ضرورت کی جگہ میں (۲) فقط

گانے بجانے کی تعلیم کے لیے مسجد کا مکان عیسائی کو کرائے پر دینا

سوال: (۳۸) ایک مکان مسجد پر وقف ہے، اس کو دو شخص کرائے پر مانگتے ہیں، ایک مسلمان جو دس روپے کرایہ دیتا ہے، اور دوسرا عیسائی جو چودہ روپے کرایہ دیتا ہے، مگر یہ عیسائی اس میں گانے بجانے کی تعلیم دے گا تو مکان کس کو کرائے پر دیا جائے (۱۳۴۱/۲۷۰۱ھ)

الجواب: وہ مکان مسلمان کو کرائے پر دینا چاہیے؛ کیونکہ جب معلوم ہے کہ عیسائی اس مکان جد میں گانے بجانے کی تعلیم دے گا تو یہ اعانت علی المعصیت ہے اس لیے جائز نہیں۔

(۱) الدر والرد ۹/۵۲۶-۵۲۷ فی آخر الحظر والإباحة.

(۲) اس مسئلہ میں کچھ اختلاف اس زمانہ میں تھا جب طاعات مقصودہ پر اجارہ کے بطلان کا فتویٰ تھا، مگر اب جب کہ متأخرین نے جواز کا فتویٰ دیدیا تو اب جواز میں کچھ شبہ باقی نہیں رہا۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

مسجد میں اشعار پڑھنا

سوال: (۳۹) اشعار یا وہ نعتیں جس میں خدا اور خدا کے رسول کی تعریف ہو مسجد میں پڑھنا جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۵۱۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر مضمون صحیح ہو تو نفس اشعار مسجد میں پڑھنا ممنوع نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ دوسری خرابیاں جمع ہوں مثلاً ہر قسم کا مجمع مسجد میں ہو، یا راگ اور غنا کی صورت پیدا ہو جیسا کہ دستور ہے کہ آواز ملا کر پڑھتے ہیں، اور اکثر لوگ خلاف شرع شریک ہوتے ہیں، اس قسم کے امور کی شرکت سے وہ فعل ناجائز ہو جاتا ہے ـــــ اور درحقیقت مبتدعین اپنی بدعات مروجہ کے جاری رکھنے کو ایسے سوالات دریافت کیا کرتے ہیں کہ جس سے جواز کا فتویٰ مل جائے، یہ امر نہایت مذموم ہے۔

الحاصل اس قسم کی مجالس اور اشعار خوانی سے مطلقاً احتراز کرنا چاہیے؛ مسجد میں پکار کر ذکر کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں کہ نمازیوں کی نماز میں خلل ہوگا، علاوہ بریں مسجد جائے قرار اور سکون ہے، اور ایسی مجالس میں اس قسم کا شور ہوتا ہے جو خلاف ادب مسجد ہے، اور بچے اور خلاف شرع لوگ جمع ہوتے ہیں، مسجد میں ایسا مجمع کرنا ٹھیک نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو مسجدوں سے علیحدہ رکھو۔

بہر حال اس سے احتراز لازم ہے، اور شبہۂ بدعت سے بھی بچنا ضروری ہے۔

سوال: (۴۰) مسجد میں کسی مذہبی جلسے میں ایسی نظم جس میں قوم کی حالت دکھلائی گئی ہو، اور رسول اللہ ﷺ کے دربار میں التجا ہو یا مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات ہو، بآواز بلند بلا کسی لہجہ کے پڑھنا ناجائز ہے یا جائز؟ (۸۰۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر اس نظم کے الفاظ خلاف شرع نہ ہوں، اور کسی حکم شریعت کا خلاف لازم نہ آتا ہو تو اس نظم کا مسجد اور غیر مسجد میں پڑھنا درست ہے۔ فقط

سوال: (۴۱) ...... (الف) اندرون مسجد غزلیات وغیرہ ـــــ خواہ وہ قومیہ ہوں یا نعتیہ ـــــ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) خرید و فروخت اندرون مسجد جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۰۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف) نظم اور اشعار کی نسبت سے وارد ہے کہ حسنہ حسن وقبیحہ قبیح (۱) کہ اس میں جو کلام اچھا ہے وہ اچھا ہے، اور جو برا ہے وہ برا ہے، اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی ہجو کے اشعار منبر پر بیٹھ کر پڑھے ہیں؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان اشعار میں کوئی کذب وغیرہ امور خلاف شرع نہ ہوں۔

(ب) سوائے معتکف کے اوروں کے لیے یہ فعل مسجد میں اچھا نہیں ہے مکروہ ہے، اور اگر کوئی خاص ضرورت شرعی داعی ہو تو اس کے موافق حکم ہوگا۔

سوال: (۴۲) جامع مسجد جدید سہارنپور میں ہر نماز جمعہ کے بعد تین چار نظم خواں مل کر بلند آواز سے نظمیں جن میں خلافتی اور سیاسی نیز مصائب اسیران جیل وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے پڑھتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: تائید اسلام وخلافت اسلامیہ وغیرہ ومظالم کفار ومصائب اسیران ملت کے اظہار میں جو نظمیں پڑھی جاتی ہیں، اور جوش اسلامی پیدا کرتی ہیں، اس قسم کے اشعار اور نظم کا پڑھنا شریعت میں ثابت اور جائز ہے، اور مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہجوئے کفار اور تائید اسلام و مسلمین میں بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعار پڑھنا احادیث سے ثابت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے لیے دعا فرمانا اور خوش ہونا بھی احادیث میں وارد ہے، اور ان کے لیے منبر رکھوانا مسجد نبوی میں ثابت ہے، پس جو نظمیں اس قسم کی ہوں اور ان سے کفار کی ہجو اور ان کے مظالم کا اظہار اور کلمہ حق کا اعلان ہوتا ہو، اور جوش اسلامی ان سے پیدا ہوتا ہو، ان کے جواز میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ اور اکثر اشعار متعلق خلافت آج کل ایسے ہیں کہ ان میں امور مذکورہ بالا ہوتے ہیں اور ضرورت وقتیہ کے لحاظ سے ان کی ضرورت اور تاکید اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اخلاص اور حسن نیت عطا فرمائے تو یہ امر اگر موجب اجر وثواب ہوجائے تو حق تعالیٰ کی رحمت سے بعید نہ ہوگا۔ فقط

سوال: (۴۳) مسجد میں یا مجالس مواعظ میں ایسے اشعار کہ جن میں ثناء، اللہ تعالیٰ کی؛ یا نعت،

---

(۱) عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت: ذکر عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الشعر فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ھو کلام فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح رواہ الدارقطنی وروی الشافعی عن عروة مرسلاً (المشکاة، ص: ۴۱۰ کتاب الآداب- باب البیان والشعر)

نبی کریم ﷺ کی ہو؛ یا تعریف مجازی معشوق کی ہو، جس سے تاویل کے ساتھ حقیقت تصور کرنا ممکن ہو، خوش الحانی اور راگ سے پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۷ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسجد میں ایسے اشعار کا پڑھنا بلا راگ اور غنا کے جائز ہے کہ جن میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی حمد وثناء ہو یا نعت نبی کریم ﷺ کی ہو، اور فحش اشعار کا راگ سے پڑھنا بالخصوص مسجد میں جائز نہیں ہے۔ فقط

مسجد میں تقسیم انعام کا جلسہ کرنا

سوال: (۴۴) باوجود مکان مدرسہ موجود ہونے کے جلسۂ انعام کہ جس میں ہندو لوگ بھی شامل ہوں، مسجد میں کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس سے حرمت مسجد میں تو کچھ فرق نہیں آتا؟ (۲۱۴۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسجد میں اس قسم کے جلسے کرنا درست نہیں ہے، اور جب کہ مدرسے کا مکان موجود ہے تو اس میں جلسہ کرنا چاہیے، اس قسم کے جلسوں سے چونکہ حرمت مسجد میں خلل عظیم واقع ہوتا ہے، لہٰذا مساجد کو ان سے بالکل پاک صاف رکھنا چاہیے، اور اگر ضرورت ہو تو دوسرے مکانات میں ایسے جلسے جائز طور پر کیے جائیں۔

مسجد میں دینی علوم کا درس دینا اور دیگر دینی کام کرنا

سوال: (۴۵) ایک واعظ نے وعظ میں یہ بیان کیا کہ مسجد میں سوائے نماز اور ذکر اللہ کے کوئی جلسہ کسی قسم کا کرنا درست نہیں ہے، نہ وعظ اور نہ درس قرآن وحدیث؛ اس پر ایک شخص نے بالمشافہہ (روبرو) دریافت کیا کہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تمام قضایا دینی اور دنیوی فیصل ہوتے تھے، اور زمانۂ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں بھی مسجد میں ہی طے ہوتے تھے تو مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ یہ تاریخی باتیں قابل لحاظ نہیں، حدیث وقرآن سے ثابت نہیں، بُنِیَ **المساجد لذکر اللّٰہ تعالیٰ**.

اس میں پوچھنا یہ ہے کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اور ذکر اللہ میں کس قسم کے اذکار شامل ہیں؟ اور مسجد نبوی میں کس قسم کے جلسے ہوتے تھے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں کس قسم کے؟ (۲۶۰۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: فی فتح القدیر: ولنا ما فی الصحیحین من حدیث اللعان من حدیث سہل بن سعد وفیہ فتلاعنا فی المسجد وعن کعب بن مالک أنہ تقاضی ابن أبی حدرد دینا کان لہ علیہ فی المسجد فارتفعت أصواتہما حتی سمعہا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی بیتہ، فخرج إلیہما حتی کشف سجف حجرتہ، فنادی یا کعب! فقال: لبیک یا رسول اللّٰہ! فأشار بیدہ أن ضع الشطر من دینک، قال کعب: قد فعلت یا رسول اللّٰہ! قال: قم فاقضہ اھ (۱) وفیہ عن البخاری: لاعن عمرؓ عند منبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وأسند الإمام أبوبکر الرازی إلی الحسن أنہ رأی عثمان قضی فی المسجد اھ (۲) ان روایات سے معلوم ہوا کہ قضائے خصومات بھی مسجد نبوی میں خود عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں ہوتا تھا، پس معلوم ہوا کہ ذکر اللہ عام ہے تمام دینی کاموں کو، پس وعظ اور درس قرآن وحدیث وغیرہ سب مساجد میں درست ہیں؛ البتہ یہ شرط ہے کہ یہ کام اجرت پر نہ ہوں، ورنہ مسجد میں ہونا بہ تصریح فقہاء مکروہ ہے۔

کتبہ: (حضرت مولانا) اشرف علی، یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

الجواب: از مفتی عنایت الٰہی صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

اگرچہ یہ جواب حضرت مولانا اشرف علی صاحب کا کافی ہے، مگر چونکہ مستفتی صاحب نے سند دوسری طلب کی ہے؛ لہٰذا عرض کرتا ہوں حضور سرور کائنات ﷺ نے نکاح کرنے کو مساجد میں ارشاد فرمایا ہے، اور اس میں دف بجانے کو (مسجد سے باہر) (۳) حکم دیا ہے جس کے واسطے اجتماع اور کسی قسم کا شور ضرور ہوگا۔ فقہاء علیہم الرحمہ نے اس کو مستحب لکھا ہے۔ عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف رواہ الترمذی وقال: ھذا حدیث غریب (۴) (مشکوۃ: ص:۲۶۲ مطبوعۃ انصاری)

وعن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لایحلف أحد عند

(۱) فتح القدیر ۶/۳۶۹ کتاب أدب القاضی، قبل فصل فی الحبس۔
(۲) فتح القدیر ۶/۳۷۰ کتاب أدب القاضی، قبل فصلٌ فی الحبس۔
(۳) یہ جملہ فتاوی کے قدیم رجسٹر میں بین القوسین ہے۔
(۴) مشکاۃ المصابیح ص:۲۷۲ کتاب النکاح ۔ باب إعلان النکاح۔

منبری ھذا علی یمین آثمۃ ولو علی سواک أخضر إلاّ تبوّأ مقعدہ من النار أو وجبت لہ النار رواہ مالک و أبو داوٗد وابن ماجۃ (۱) (مشکوٰۃ، ص:۳۲۰)

صاحب لمعات شارح مشکوٰۃ تحریر فرماتے ہیں: قیل: کانت عادتھم فی زمن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم التخاصم فی المسجد عند المنبر فیقع الحلف عندہ فلذلک خص المنبر بالذکر (۲)

درمختار میں ہے: ویقضی فی المسجد ویختار مسجدًا فی وسط البلد تیسیرًا للناس ویستدبر القبلۃ کخطیب ومدرس (۳) (شامی ۴/۳۱۰)

ویکرہ الإعطاء مطلقًا وقیل: إن تخطی ...... ورفع صوت بذکر إلاّ للمتفقھۃ ...... والکلام المباح وقیدہ فی الظھیریۃ بأن یجلس لأجلہ ...... ولو مشتغلاً بقراءۃ أو درس (۴) (درمختار)

قال فی الشامي (فی ص:۴۴۵) قال فی المصفی: الجلوس فی المسجد للحدیث مأذون شرعًا لأن أھل الصفۃ کانوا یلازمون المسجد وکانوا ینامون ویتحدثون (۵)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ قضایا دینی ودنیوی کا فیصلہ کرنا اور وعظ اور درس علم دین کا خواہ وہ قرآن شریف ہو یا حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ جو علوم دین ہیں سب کا درس دینا مسجد میں جائز اور درست ہے، اور حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ سب امور مساجد میں ہوتے تھے، پس ان کو تاریخی باتیں کہنا غلط محض ہے، پس یہ امور ذکر میں شامل ہیں۔

مسجد میں خلافت کا جلسہ کرنے سے منع کرنا

سوال: (۴۶) متولیٔ جامع مسجد نے جامع مسجد میں خلافت کا جلسہ کرنے سے انکار کیا تو اس مسجد میں نماز صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۳۸ھ)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح ص:۳۲۸ کتاب الإمارۃ والقضاء. باب الأقضیۃ والشھادات.

(۲) حاشیۃ مشکاۃ المصابیح بحوالۂ لمعات ــ رقم الحاشیۃ:۳ــ ص: ۳۲۸ کتاب الإمارۃ والقضاء ــ باب الأقضیۃ والشھادات .

(۳) الدر المختار مع الشامی ۸/۴۵ کتاب القضاء ــ مطلبٌ فی أجرۃ المحضر .

(۴) الدر المختار مع الشامی ۲/۳۷۵-۳۷۹ کتاب الصلوٰۃ. مطلبٌ فی إنشاد الشعر.

(۵) الشامی ۲/۳۷۸ کتاب الصلوۃ . بعد مطلبٌ فی الغرس فی المسجد .

الجواب: اس متولی کو جامع مسجد میں جلسہ کرنے کو منع نہ کرنا چاہیے، اور جب کہ وہ ایسے خیالات رکھتا ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو معزول کردیں اور اس کو متولی نہ رکھیں، اور جلسۂ خلافت جامع مسجد میں کریں کہ یہ اسلامی کام ہے اور نماز اس جامع مسجد میں ہر حال میں درست ہے۔

مسجد اور نماز کے چند آداب

سوال: (۴۷) ...... (الف) مسجد میں مٹی کا تیل جلانا کیسا ہے؟

(ب) حالت نماز میں دوسرے سے پنکھا کروانا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) بجلی کی روشنی کا استعمال جائز ہے یا نہ؟

(د) مسجد میں ضرورت سے زائد روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۶۹/۳۲-۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مکروہ تحریمی ہے۔ قال فی الدر المختار: وأكل نحو ثوم و يمنع منه الخ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أو غيره الخ (۱) (شامی)

(ب) حالت نماز میں کہ سراسر محل خشوع وخضوع ہے، دوسرے شخص سے پنکھا کرانا اور خدمت لینا خلاف ادب ہے، اور برقی پنکھا لگانا درست ہے کہ وہ مثل روشندان وغیرہ کے ہے کہ اس میں سے ہوا آیا کرتی ہے استخدام نہیں ہے، باقی مسجد میں اگر دستی پنکھا لٹکایا جائے (۲) اور حالت نماز میں نہ کرایا جائے تو کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا، حالتِ نماز میں پنکھا کھنچوانا منافی آداب صلوۃ کے ہے ورنہ ویسے نماز میں اس سے کچھ خلل اور کراہت نہیں ہے۔

(ج) بجلی کی روشنی مسجد میں جائز ہے۔

(د) مسجد میں روشنی وغیرہ ضرورت سے زائد کرنا رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں ناجائز ہے۔

---

(۱) الدر والشامی ۳۷۷/۲، ۳۷۸ کتاب الصلوۃ . مطلبٌ فی الغرس فی المسجد .

(۲) پہلے مسجد میں اور گھر کے بڑے کمرے میں چھت میں بہت بڑا پنکھا لٹکایا جاتا تھا اور کمرے سے یا باہر سے رسّی سے ایک شخص اس کو کھینچتا تھا، جس سے پوری مسجد میں اور پورے کمرے میں ہوا پہنچتی تھی، اب اس کا رواج ختم ہوگیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ الآية﴾ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:۲۷) وقال النبي صلى الله عليه وسلم: يوشك أن يأتي على الناس زمان لايبقى من الإسلام إلّااسمه ولايبقى من القرآن إلّارسمه، مساجدهم عامرة وهي خراب من الهدى، الحديث (۱) قال في الشامي: وقيل: يكره لقوله عليه السلام: إن من أشراط الساعة أن تزين المساجد الخ (۲)

سوال: (۴۸)......(الف) مسجد میں خطوط لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) مسجد میں امور اسلامی کے مشورے کرنا اور چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) مسجد میں میلاد کرنا اور شیرینی کے لالچ میں ننگے پاؤں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(د) مسجد میں قہقہہ مار کر ہنسنا اور دنیاوی بات کرنا کیسا ہے؟

(ھ) مسجد میں مسافر کوکئی روز رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(و) مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا کیسا ہے؟ (۲۰۹۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) جائز ہے۔ (ب) جائز ہے۔ (ج) یہ اچھا نہیں ہے۔

(د) اچھا نہیں ہے اور آداب مسجد کے خلاف ہے۔

(ھ) ضرورۃ مسافر کے لیے جائز ہے، بغیر ضرورت کے مسجد میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔

(و) جائز ہے بہ شرطیکہ وہ سائل تخطی رقاب نہ کرتا ہو۔

مسجد میں خلاف شرع باتیں کرنا

سوال: (۴۹) جس مسجد میں اہل حدیث اور حنفی دونوں نماز پڑھتے ہوں، لیکن عوام بے لگام کی طرح پانچوں وقت مسجد میں باتیں کرنے کے عادی ہوں؛ نہ وضو میں، نہ اذان میں خاموش بیٹھتے ہوں،

---

(۱) عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوشك أن يأتي على الناس ...... زمان علماؤهم أشر من تحت أديم السماء، من عندهم يمدح الفتنة (شعب الإيمان للبيهقي ۲/۳۱۱ رقم الحديث:۱۹۰۸ الثامن عشر من شعب الإيمان وهو باب في نشر العلم)

(۲) الشامي ۲/۳۷۳ كتاب الصلوة ـ مطلبٌ: كلمة لابأس دليلٌ على أن المستحب غيره.

تکبیر تحریمہ اور صف بندی کے وقت بھی کلام ترک نہ کرتے ہوں، ہر قسم کا شکوہ شکایت، لغویات، غیبت، مذاق وغیرہ نہایت آزادی و بے باکی سے کرتے ہوں، ایک دوسرے کو گالی گلوچ سے یاد کرتے ہوں، سلام پھیرتے ہی شور وشر شروع کردیتے ہوں، گاہے گاہے جوش طبع میں آکر کشتی بھی لڑ بیٹھتے ہوں؛ تو ایسے نمازیوں اور ان کی نمازوں اور بے حرمتیٔ مسجد کا شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ (۱۳۴۲/۵۵۴ھ)

الجواب: مسجد دنیا کے کاموں کے لیے نہیں بنائی گئی، اور حدیث شریف میں ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا؛ یعنی خلاف شریعت باتیں کرنا، اور کلام قبیح و منکر کے ساتھ تکلم کرنا، نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے، اور ضائع کرتا ہے جیسا کہ چوپایہ گھاس کو کھالیتا ہے۔ وَفِي الْمَدَارِكِ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ المراد بالحديث: الحديث المنكر كما جاء: الحديث في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش انتهى فقد أفاد أن المنع خاص بالمنكر من القول أما المباح فلا. قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعًا لأن أهل الصفة كانوا يلازمون المسجد وكانوا ينامون ويتحدثون ولهذا لايحل لأحد منعه الخ (۱) (شامی)

حاصل یہ ہے کہ مسجد میں کلام فحش، گالی دینا اور غیبت کرنا حرام ہے کہ یہ امور غیر مسجد میں بھی حرام ہیں اور مسجد میں شور کرنا اور لغو باتیں بلاضرورت کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے، اور نیکیوں کو برباد کرتا ہے، اس سے سخت احتراز کرنا چاہیے، مشکوۃ شریف میں بیہقی سے ایک روایت منقول ہے: يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجد هم في أمر دنياهم فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة (۲) یعنی لوگوں پر ایسا وقت آوے گا کہ ان کی دنیاوی باتیں اور قصے جھگڑے مسجدوں میں ہوں گے، سو ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھو کہ اللہ کو ان کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ فقط

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا

سوال: (۵۰) مسجد میں باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس بات کا کرنا جائز ہے؟ اور باتیں

---

(۱) الشامی ۲/۳۷۸ کتاب الصلوۃ. مطلبٌ في الغرس في المسجد.

(۲) عن الحسن مرسلاً قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتي على الناس زمان ...... رواه البيهقي في شعب الإيمان (المشكاة، ص: ۷۱ کتاب الصلاة ـ باب المساجد ومواضع الصلوة)

کرنے والے کے حق میں جو وعید حدیث شریف وکتب فقہ میں وارد ہے بیان فرمادیں۔ (۲۰۱۱-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ردالمحتار یعنی شامی میں ہے: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد وإن كان الأولى أن يشغل بذكر الله تعالى كذا في التمرتاشي هندية. وقال البيرى مانصه: وفي المدارك: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ المراد بالحديث: الحديث المنكر كماجاء: الحديث في المسجد يأكل الحسنات كماتأكل البهيمة الحشيش انتهى فقد أفاد أن المنع خاص بالمنكر من القول. أما المباح فلا.قال في المصفى: الجلوس في المسجد للحديث مأذون شرعًا لأن أهل الصفة كانوا يلازمون المسجد وكانوا ينامون ويتحدثون، ولهذا لايحل لأحد منعه كذا في الجامع البرهاني (۱) اس عبارت سے واضح ہے کہ مسجد میں مطلقاً دنیا کی باتیں کرنا منع نہیں ہیں؛ بلکہ بری باتیں منع ہیں، جیسے کسی کی غیبت کرنا یا کسی کو فحش کہنا وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۵۱) مسجد کے اندر بیٹھ کر سوائے ذکر خدا اور رسول؛ دنیوی معاملات کا ذکر کرنا کیسا ہے؟ (۴۹۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مسجد میں بلاضرورت دنیا کی نکمی باتیں کرنا مکروہ ہے کما ورد: الحديث في المسجد يأكل الحسنات كماتأكل البهيمة الحشيش (۱) وفيه أيضًا: عن المدارك المراد بالحديث، الحديث المنكر الخ (۱) فقط

جو شخص آداب مسجد کا خیال نہیں رکھتا اس کا مسجد میں سونا کیسا ہے؟

سوال: (۵۲) ایک شخص عرصۂ دراز سے مسجد میں سوتا ہے؛ حالانکہ اس کا مکان موجود ہے اور مسجد میں گوز بھی (یعنی ریح خارج) کرتا ہے اور سوتے وقت ران بھی کھل جاتی ہے؛ اس کو مسجد میں سونا درست ہے یا نہیں؟ (۱۰۰۶/۴۶-۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسے شخص کو بلا کسی عذر کے مسجد میں سونا اچھا نہیں ہے۔ فقط

(۱) الشامی ۳۷۸/۲ کتاب الصلوۃ ـ مطلبٌ فی الغرس فی المسجد.

فجر کی جماعت پانے کے خیال سے مسجد میں سونا

سوال: (۵۳) کوئی شخص اس خیال سے کہ اگر گھر میں پڑا رہوں گا تو جماعت فجر کی نہ ملے گی، صبح کو سویرے سے مسجد میں آ کر لیٹ جائے تو درست ہے یا نہیں؟ (۶۵۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جائز ہے۔ فقط

غیر معتکف کے لیے مسجد میں کھانا پینا مکروہِ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

سوال: (۵۴) مسجد میں غیر معتکف کے لیے اکل وشرب جو خلاف اولیٰ کر کے حضرت نے تحریر فرمایا ہے، کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ مکروہ تحریمی نہیں ہے؟ (۲۶۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہی مطلب ہے کہ مسجد میں کھانا پینا مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ بلکہ بلاضرورت اچھا نہیں ہے باب الاعتکاف میں شامی نے اس کی اباحت ابن کمال وغیرہ سے نقل کی ہے، اور بعض مواقع میں اس کو مکروہ لکھا ہے؛ پس معلوم ہوا کہ مراد کراہت تنزیہی ہے؛ یعنی بلاضرورت اچھا نہیں ہے اور مسافر کے لیے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا

سوال: (۵۵) مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا مسافر کے لیے درست ہے یا ہر شخص کو۔ اور ضرورت کے وقت جائز ہے یا مطلقاً؟ (۲۰۷۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: معتکف کو مسجد میں سونا چار پائی بچھا کر یا بدون چار پائی کے درست ہے، اور غیر معتکف کو بلاضرورت مسجد میں چار پائی بچھا کر یا بلا چار پائی کے سونا اچھا نہیں ہے، احتراز اس سے بہتر ہے اگرچہ گناہ بھی نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں مذکور ہے: لأن أهل الصفة كانوا يلازمون المسجد وكانوا ينامون ويتحدثون ولهذا لايحل لأحد منعه كذا في الجامع البرهاني الخ (۱) اور درمختار میں ہے کہ

---

(۱) الشامی ۳۷۸/۲ کتاب الصلوۃ – مطلبٌ فی الغرس فی المسجد.

معتکف اور مسافر کے سوا اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے،(۱) اور مراد اس سے مکروہ تنزیہی ہے؛ یعنی خلاف اولیٰ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اچھا نہیں ہے اور شامی میں ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں کھانے یا سونے کا ارادہ کرے تو بہتر ہے کہ بہ نیت اعتکاف مسجد میں داخل ہو جائے؛ کیونکہ اعتکاف نفل، تھوڑی دیر کا بھی درست ہے، اور جب کہ وہ اعتکاف کی نیت کر لے گا تو اس کو مسجد میں کھانا اور سونا بلا کراہت درست ہوگا۔ وإذا أراد ذلك ينبغي أن ينوي الاعتكاف فيدخل فيذكر الله تعالىٰ بقدر مانوى أويصلي ثم يفعل ماشاء الخ (۲) فقط

سوال: (۵٦) اگر معلم کی رہائش کا مکان نہ ہو تو وہ مسجد میں چار پائی پر بیٹھے اور سوئے یا نہیں؟ (۴۷۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: سو سکتا ہے اور بیٹھ سکتا ہے۔

سوال: (۵۷) مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا جائز ہے یا نہیں؟ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ مسجد میں چار پائی ڈال کر بیٹھنا گویا محمد رسول اللہ ﷺ کے سینے پر اپنے پاؤں رکھنا ہے، اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۷/۱۳۳۳-۳۲ھ)

الجواب: مسجد میں جن لوگوں کو یا جس حالت میں سونا درست ہے جیسا کہ معتکف وغیرہ تو اس کو چار پائی بچھا کر اس پر سونا بھی درست ہے، یہ جو کچھ دربارۂ چار پائی مشہور ہے غلط ہے، اور افتراء ہے، اور وعید من کذب عليَّ متعمدا الحديث (۳) کا مورد بناتا ہے۔

مسجد کے صحن میں چار پائی بچھا کر آرام کرنا

سوال: (۵۸) مسجد کے صحن میں چار پائی بچھا کر بوقت ضرورت آرام کرنا کیسا ہے؟ (۲۴/۱۳۴۱ھ)

(۱) ويكره الإعطاء مطلقًا ..... وأكل و نوم إلا لمعتكف وغريب (الدر المختار مع الرد ۲/ ۳۷۷ كتاب الصلاة ــ مطلبٌ في الغرس في المسجد)

(۲) و يُكره النوم والأكل في المسجد لغير المعتكف وإذا أراد ذلك ينبغي الخ (الشامي ۳/۳۹۱ كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار (جامع السنن للترمذي ۲/۱۲۳، أبواب تفسير القرآن، باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه)

الجواب: مسجد میں سونا ضرورۃً جائز ہے، اور اگر چارپائی بچھانے کی ضرورت ہو تو فرش مسجد پر چارپائی بچھا کر اس پر سونا بھی درست ہے۔ فقط

مسجد میں غسل کرنا اور آگ جلانا

سوال: (۵۹) مسجد میں روشنی کے واسطے مٹی کے تیل کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بغرض تبرید یا تسخین (یعنی ٹھنڈک یا گرمی حاصل کرنے کے لیے) مسجد میں غسل کرنا یا آگ جلانا کیسا ہے؟
(۳۴۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مٹی کا تیل مسجد میں جلانا مکروہ ہے — اور مسجد میں غسل کرنا بھی اچھا نہیں ہے؛ یعنی مکروہ ہے — اور آگ جلانا اگر تسخین مسجد کے لیے ہے تو ظاہر ہے کہ کچھ حرج نہیں اور اگر اپنی راحت کے لیے ہے تو اچھا نہیں ہے۔

مسجد کے غسل خانے میں غسل کرنا

سوال: (۶۰) مسجد کا صدر دروازہ ایک ہے اور اس کے اندر ایک طرف غسل خانہ ہے کسی کو حاجت نہانے کی ہو تو وہ وہاں نہا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۷۶۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: وہ وہاں غسل کر سکتا ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ وہ غسل خانہ اور دروازہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

بے نمازی کا مسجد کا گرم پانی استعمال کرنا

سوال: (۶۱) بے نمازی کو مسجد کے گرم پانی سے منہ ہاتھ دھونا غسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲۰۸۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جو پانی صرف نمازیوں کے لیے گرم کرایا جائے اس سے بے نمازیوں کو غسل وغیرہ کرنا، اور منہ ہاتھ دھونا جائز نہیں ہے، ان کو منع کیا جا سکتا ہے۔ فقط

بے نمازی کا مسجد میں ہاتھ منہ دھونا اور استنجاء کرنا

سوال: (۶۲) جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا مسجد میں غسل کرنا، منہ ہاتھ دھونا، استنجاء کرنا جائز ہے

یانہیں؟ اور جس برتن سے وہ استنجاء وغیرہ کرے وہ پاک ہے یانہیں؟ (۱۳۴۲/۴۹۷ھ)

الجواب: مسجد کے غسل خانے میں اس کا غسل اور استنجاء کرنا جائز ہے اور وہ برتن پاک ہے اس میں کچھ شبہ نہ کیا جائے۔

غسل خانے میں ننگے پیر جا کر مسجد میں آنا

سوال: (۶۳) غسل خانے میں ننگے پیر جاتے ہیں اور پھر فرش پر آتے ہیں؛ یہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۱۲۱ھ)

الجواب: غسل خانے میں نالی سے اوپر کا فرش جب کہ غلیظ (ناپاک) نہیں ہے تو ننگے پیر وہاں سے آ کر فرش مسجد میں آنا درست ہے۔ فقط

بارش میں مسجد کے در اور محراب میں بیٹھ کر وضو کرنا

سوال: (۶۴) بارش میں مسجد کے در اور محراب میں بیٹھ کر وضو کرنا جائز ہے یانہیں؟ (۱۳۴۳/۲۱۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے، اور اگر ضرورت ہو تو کوئی برتن رکھ کر اس میں وضو کرے یا جو جگہ فرش کے اندر ایسی بنی ہوئی ہو کہ وہاں وضو کی جاتی ہے (وہاں وضو کرے) چنانچہ عبارت درمختار کی یہ ہے: ومن منهياته التوضؤ بفضل ماء المرأة وفي موضع نجس ...... أوفي المسجد إلا في إناء أو في موضع أعد لذلك الخ(۱) فقط

مسجد میں حجامت بنوانا اچھا نہیں

سوال: (۶۵) مسجد میں مُصلّے پر بیٹھ کر حجامت بنوانا جائز ہے یانہیں؟ (۱۸۲۲ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: مُصلّے پر حجامت بنوانا اچھا نہیں ہے۔

مسجد میں شکار کھیلنا اور بندوق چلانا

سوال: (۶۶) مساجد میں شکار کھیلنا (اور) بندوق چلانا کیسا ہے؟ (۹۰۵ ۱۳۴۲ھ)

(۱) الدر مع الشامی ۱/۲۳۳-۲۳۴ کتاب الطهارة - مطلبٌ في الإسراف في الوضوء.

الجواب: یہ فعل آداب مسجد کے خلاف ہے، مسجد میں ایسا فعل نہ کرنا چاہیے؛ کیونکہ مساجد ذکر اللہ اور نماز وغیرہ عبادات کے لیے ہیں کما ورد فی الأحادیث(۱) فقط

مسجد کے فرش پر غلّہ سُکھانا

سوال: (۶۷) مسجد کے فرش پر غلہ سکھانا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۶۷۴ھ)

الجواب: یہ امر آداب مسجد کے خلاف ہے، اس لیے بلا کسی ضرورت اور عذر کے ایسا نہ کیا جائے، اگر چہ اس میں تلویث مسجد نہیں ہے، لیکن مساجد ذکر اللہ اور نماز کے لیے ہیں، ان میں کوئی ذاتی کام کرنا اچھا نہیں ہے، اگر چہ اس میں کچھ گناہ نہیں ہے۔

تھوکنے کے لیے مٹی کا لوٹا مسجد میں رکھنا

سوال: (۶۸) مٹی کے لوٹے میں مٹی ڈال کر مسجد میں رکھنا، اور بہ وقت ضرورت اس میں تھوکنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۹۰۷ھ)

الجواب: بہ ضرورت مذکورہ مسجد میں تھوکنے کے لیے لوٹا رکھنا، اور بوقت ضرورت اس میں تھوکنا درست ہے۔فقط

مسجد میں کرسی وغیرہ لے جانا خلاف ادب ہے

سوال: (۶۹) مسجد میں میز کرسی لے جانا منع ہے یا نہ؟ (۱۳۴۰/۱۳۱۳ھ)

الجواب: مسجد جائے عبادت ہے وہاں میز اور کرسی لے جانا خلاف ادب ہے۔فقط

مسجد یا مدرسے میں نقارہ بجانا

سوال: (۷۰) مسجد یا مدرسے میں نقارہ بجانا کیسا ہے؟ اور بجانے والا کیسا ہے؟ گنہگار ہے یا

(۱) عن أنس بن مالك رضي الله عنه .... ثم إن رسول الله صلّى الله عليه وسلم دعاه، فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن (الصحيح لمسلم ۱/۱۳۸ كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات إذا حصلت في المسجد الخ)

نہیں؟(۱۳۳۳-۳۲/۲۲۲ھ)

الجواب: نقارہ وغیرہ بجانا بالعموم ہر جگہ حرام و ناجائز ہے اور بجانے والے فعل حرام کے مرتکب ہیں؛ اور خصوصاً مسجد یا مدرسہ میں یا قریب مسجد کے نقارہ بجانا بہت ہی برا ہے، اور بجانے والے سخت فاسق و عاصی اور مبتدع ہیں، ان کو توبہ کرنی چاہیے، اگر وہ ایسا کریں تو ان سے تعلقات ترک کردیے جاویں، اور اگر اعلان افطار وسحر کے لیے رمضان المبارک میں خارج از مسجد بجایا جاوے تو جائز ہے قیاسًا علی طبل الغزاۃ(۱) فقط

جائے نماز کو کپڑے سے صاف کرنا

سوال: (۷۱) اگر کوئی باہر سے مسجد کے فرش پر لاٹھی پھینک دے جو نمازیان کو ناگوار ہو، اور جائے نماز کو کپڑے سے صاف کرے حالاں کہ وہ بھی نمازیوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے؛ جائز ہے یا نہیں؟ اور خلاف ادب مسجد ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو روک سکتے ہیں یا نہیں؟(۱۳۳۳-۳۲/۱۵۲ھ)

الجواب: باہر سے مسجد میں لاٹھی پھینکنا، اگر اس سے ایذاء کا اندیشہ ہے یا نمازیوں کو تشویش و ناگواری ہو تو اس کو اس فعل سے روک دینا چاہیے کہ خلاف ادب مسجد ہے، اور ایذاء وغیرہ کا بھی اندیشہ ہے، اور جائے نماز کو صاف کرنا کپڑے وغیرہ سے کارِثواب ہے، اس پر اعتراض کرنا فضول ہے۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم

پاخانے سے بھری ہوئی بالٹی مسجد کے احاطے سے لے کر جانا

سوال: (۷۲) حجرہ سے مسجد کے احاطہ میں ہو کر پاخانہ کی بالٹی لے جانا کیسا ہے؟(۲۲۳۵/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ اچھا نہیں ہے، اور بہ ضرورت جواز کی حد میں داخل ہے۔

مسجد یا مسجد کے کمرے میں حقہ پینا

سوال: (۷۳) صحن مسجد یا حجرۂ مسجد میں حقہ پینا جس سے تمام مسجد میں بدبو آتی ہو جائز ہے یا

---

۱) وقد جوّزوا ضرب الدف للتسحير ، وأما طبل الغزاة فجائز (العرف الشذي على جامع ترمذی ۱/۲۰۸ أبواب النكاح ، باب ماجاء في إعلان النكاح)

نہیں؟ اور باوجود اس فعل کے اگر اس کو منع کیا جاتا ہے تو آمادۂ فساد ہوجاتا ہے، اور اس فعل پر مصر ہے؛ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۵۲۹ھ)

الجواب: یہ فعل اس کا مکروہ ہے؛ مسجد کے صحن اور حجرہ میں حقہ پینا جس سے مسجد میں بدبو آئے مکروہ ہے؛ اور نماز اس کے پیچھے اگرچہ ہوجاتی ہے؛ لیکن اس کو ایک فعل مکروہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: (۷۴) حقہ پینا حجرۂ متصل مسجد میں کہ اس حجرہ کے سامنے لڑکے قرآن شریف پڑھتے ہیں درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۱۷ھ)

الجواب: حقہ پینا اگرچہ جائز ومباح ہے؛ لیکن بلاضرورت اچھا نہیں ہے، اور مسجد کے قریب اور جس جگہ قرآن شریف پڑھایا جائے اور بھی برا ہے۔ فقط

مسجد میں سگریٹ پینا

سوال: (۷۵) مسجد میں بیٹھ کر سگریٹ پینا کیسا ہے؟ اور خارج مسجد میں سگریٹ پینے کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۵/۶۷۶ھ)

الجواب: سگریٹ پینا خارج عن المسجد بھی مکروہ اور مسجد میں زیادہ تر مکروہ ومذموم ہے۔

حقہ پی کر یا کچی پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں جانا

سوال: (۷۶) کچی پیاز یا لہسن کھا کر اور تمبا کو پی کر بغیر کلی اور بغیر دور کیے بدبو کے مسجد میں جانا مکروہ ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۶۸۳ھ)

الجواب: کچی پیاز یا لہسن کھانا بلاکراہت جائز ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم باتفاق روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے: كُلْ، فإني أناجي من لا تناجي (۱) اور مسلم میں ہے کہ فرمایا: أيها النّاس

(۱) عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: وفي رواية حرملة زعم - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أكل ثومًا أو بصلاً فليعتزلنا أو ليعتزل مسجدنا وليقعد في بيته وأنه أتي بقِدْرٍ فيه خضرات من بقول فوجد لها ريحًا فسأل: فأخبر بما فيها من البقول فقال: قربوها إلى بعض أصحابه فلما راه كَرِهَ أكلَها قال: كُلْ فإني أناجي من لا تناجي (الصحيح لمسلم ۱/۲۰۹ كتاب المساجد، باب نهي من أكل ثومًا أو بصلاً إلخ)

إنه ليس لي تحريم ما أحل الله لي ولكنها شجرة أكره ريحها (۱) ہاں اس کو کھا کر یا حقہ پی کر بدون ازالۂ بدبو کے مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے کہ احادیث صحیحہ میں لہسن یا پیاز کھا کر مسجد میں حاضر ہونے سے نہی وارد ہے؛ چنانچہ مسلم میں ہے: من أكل البصل والثوم والكراث فلايقربن مسجدنا فإن الملئكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم (۲) اور فقہ حنفی میں بھی پیاز اور لہسن یا کوئی اور بدبودار شئ کے ساتھ مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے؛ چنانچہ درمختار میں ہے: وأكل نحو ثوم ويمنع منه وكذا كل مؤذ (۳) اور کبیری میں ہے یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة (۴) اور اسی پر قیاس کر کے حضرات علماء رحمہم اللہ نے علاوہ مسجد کے مجالس ذکر میں بھی بدبودار شئ کو لے جانا مکروہ تحریمی قرار دیا ہے؛ چنانچہ نووی شرح مسلم میں نقل کرتے ہیں: قال القاضي: وقاس العلماء على هذا مجامع الصلوة غير المسجد كمصلى العيد والجنائز ونحوها من مجامع العبادات وكذا مجامع العلم والذكر والولائم ونحوها ولايلتحق بها الأسواق ونحوها (۵) الحاصل کچی پیاز اور لہسن کھانا بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ اس کو کھا کر یا حقہ پی کر بلا ازالۂ رائحہ کریہہ کے مسجد یا مجلس ذکر میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔

غیر معتکف کا مسجد میں پان کھانا

سوال: (۷۷) غیر معتکف وغیر مسافر شرعی کو مسجد میں پان کھانا کیسا ہے؟ بعض کھانے کو اگر غذاء کے طور پر ہو تو منہی عنہ کہتے ہیں والا نہ؛ یہ فرق کیسا ہے؟ (۱۳۳۷/۳۷۱ھ)

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: لم نَعْدُ أن فتحت خيبر فوقعنا أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك البقلة الثوم ـــــ إلى أن قال ـــــ فقال: أيها الناس إنه ليس لي تحريم ما أحل الله لي لكنها شجرة أكره ريحها. الحديث (الصحيح لمسلم ۱/۲۰۹)

(۲) عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أكل من هذه البقلة الثوم وقال مرةً: من أكل البصل. الحديث (الصحيح لمسلم ۱/۲۰۹)

(۳) الدر مع الشامي ۲/۳۷۷ كتاب الصلوة – مطلبٌ في الغرس في المسجد.

(۴) شرح المنية المعروف بالكبيري ص:۵۲۶ فصل في أحكام المسجد.

(۵) شرح المسلم للنووي على هامش الصحيح لمسلم ۱/۲۰۹ باب نهي من أكل ثومًا أو بصلاً. إلخ

الجواب: پان کھانا مسجد میں غیر معتکف کے لیے غیر اولی ہے، مثل اکل طعام کے بلا ضرورت، اور فرق کرنا بعض کا بہ حیثیت غذا ہونے اور نہ ہونے کے صحیح نہیں ہے۔ فقط

مسجد میں نمازی کے آگے جوتا رکھنا

سوال: (۷۸) مسجد میں نمازی کے آگے جوتا کھلا رکھنا کیسا ہے؟ اور کپڑے میں لپیٹ کر رکھنا کیسا ہے؟ (۱۲۱، ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ اچھا ہے کہ جوتے کو کپڑے وغیرہ میں چھپا کر رکھیں کھلا ہوا جوتا سامنے رکھنا اچھا نہیں ہے، مجبوری ہو تو خیر۔

جوتا پہن کر مسجد میں جانا

سوال: (۷۹) ایک شخص کہتا ہے کہ اگر خشک جوتا پہن کر مسجد کے فرش پر گذر جاوے تو جائز ہے؟ (۳/۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ اچھا نہیں ہے کہ جو جوتا مسجد سے باہر استعمال میں ہو اس کو پہن کر مسجد میں جاویں، البتہ اگر مسجد کے لیے کوئی علیحدہ پاک وصاف جوتا وغیرہ ہو تو اس کو پہن کر جانا درست ہے۔

بہ غرض حفاظت مسجد میں جوتا رکھنا

سوال: (۸۰) مسجد میں اکثر نمازی جوتا سجدہ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، اور جوتے سب قسم کے ہوتے ہیں، اور اکثر جوتوں کو نجاست لگ جاتی ہے، بعض آدمی تو جوتے کو جھاڑ کر رکھتے ہیں اور بعض اس کا خیال نہیں کرتے؟ (۱۳۴۳/۸۸۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اپنے جوتے اور موزے کو دیکھ لے کہ نجاست تو لگی ہوئی نہیں ہے، اس کے بعد جوتے کو مسجد میں لے جا سکتا ہے، اور جوتا اگر پاک ہے تو اس کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، بلکہ مخالفت یہود کی وجہ سے اس کو بہتر قرار دیا ہے عبارت یہ ہے: **وینبغی لداخله تعاهد نعله وخفه وصلاته فیهما أفضل** (۱) اور علامہ شامی نے اس پر ایک حدیث

(۱) الدر المختار والشامی ۲/۳۷۱ کتاب الصلوۃ . مطلبٌ فی أحکام المسجد.

نقل کی ہے: صلوا فی نعالکم و لاتشبهوا بالیهود رواه الطبرانی (۱) یعنی جوتوں میں نماز پڑھو، اور یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو، اور غرض یہ ہے کہ جب جوتا اور موزہ پاک ہوتو اس میں نماز پڑھو، اور پھر شامی نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ جوتا پہنے ہوئے مسجد میں جانا بے ادبی ہے ولعل ذلك محمل ما فی عمدة المفتی من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب الخ (۱) بہر حال یہ بحث تو جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی تھی باقی یہ کہ چوری وغیرہ کے خوف سے جیسا کہ عادت نمازیوں کی ہے کہ جوتا اٹھا کر مسجد میں لے جا کر رکھتے ہیں تو یہ جائز ہے اور حدیث شریف میں ہے: إذا صلّی أحدکم فلایضع نعلیه عن یمینه ولا عن یساره فتکون عن یمین غیره إلا أن لایکون عن یساره أحد ولیضعهما ما بین رجلیه (۲) اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے نکال کر بائیں طرف رکھے، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جوتا رکھنا خصوصاً بہ غرض حفاظت درست ہے، لیکن اگر سامنے رکھے تو رومال وغیرہ کپڑا ان پر ڈال دے یہ بہتر ہے۔ فقط

سوال: (۸۱) بڑے شہروں میں اکثر مساجد میں سے جوتے چوری ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے نمازی جوتے اپنے پاس رکھتے ہیں، دائیں بائیں دیواروں کے برابر فرش پر رکھ دیتے ہیں، اور جونمازی اگلی جماعت میں ہوتے ہیں وہ جوتے اپنے سامنے رکھتے ہیں اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۸۸۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسجد میں جوتے جھاڑ کر رکھنا بلا کراہت درست ہے، لیکن ایک طرف کو چھپا کر کپڑے وغیرہ سے رکھنا بہتر ہے، اور اگر چوری وغیرہ کے خوف سے اپنے سامنے رکھے تو یہ بھی درست ہے، لیکن اس کو کپڑے وغیرہ سے چھپا دینا اچھا ہے، بہر حال اس پر کچھ اعتراض کرنے کا موقع نہیں ہے جیسا کہ دوسرے سوال کے جواب میں مفصل لکھا گیا ہے۔ (۳) فقط

چمڑے کے پاتابے پہن کر مسجد میں داخل ہونا

سوال: (۸۲) چمڑے کے پاتابے جو محض بہ نیت تحفظ قدم عن آفات خارجیہ صرف بوقت ورود

(۱) الشامی ۳۷۲/۲ کتاب الصلوٰة۔ مطلبٌ فی أحکام المسجد۔

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إذا صلّی أحدکم فلا یضع نعلیه الحدیث(سنن أبی داؤد ۱/۹۲ کتاب الصلاة - باب المصلّی إذا خلع نعلیه أین یضعهما)

(۳) دیکھئے اس سے پہلے والا سوال وجواب۔

مسجد استعمال میں آئیں اور عندالورود علی المصلی (مصلّے پر پہنچنے کے وقت) علیحدہ کردیے جائیں، جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۷۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: استعمال ان پاک پا تابوں کا مسجد میں درست ہے۔ فقط

مسجد کے برابر والے کمرے میں امام کا بیوی کے ساتھ رہنا

سوال: (۸۳) امام مسجد، مسجد کے برابر داہنی طرف مکان میں مع بیوی رہتا ہے، اور دروازہ اس کا مشرق کی طرف ہے، امام مسجد کو اس مکان میں رہنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور سونا اور باتیں کرنا کیسا ہے؟ (۹۱/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جگہِ مذکور میں امام اور اس کی مستورات کو سونا درست ہے، اور رہنا اور باتیں کرنا درست ہے۔

بیوی بچوں کو مسجد میں رکھنا اور مسجد کے اندر کھانا پکانا

سوال: (۸۴) اگر کوئی شخص مسجد کو اپنا گھر سمجھ کر اپنے بیوی بچوں کو رکھے، اور مسجد کے اندر ہی کھائے پکائے، تمبا کو، گانجا پئے، عورت کو اپنے ہمراہ لے کر ایک بستر پر سوئے، ان امور سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کی شرعًا کیا سزا ہونی چاہیے؟ (۲۳۰/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: بے شک ان امور سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے مسجد میں ایسے افعال نہ کرنے چاہئیں، اور ایسے شخص کو مسجد سے نکال دینا چاہیے، اور اس کو تعزیر وتنبیہ کرنی چاہیے۔

امام مسجد کا مسجد کے حجروں میں گائے بکری باندھنا

سوال: (۸۵) مسجد کے نیچے جو حجرے ابتداء سے بنے ہوئے ہوتے ہیں، امام مسجد اس میں گائے بکری باندھے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۴۰۶/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: ان حجروں میں گائے بکری وغیرہ باندھنا جائز نہیں ہے، اور باندھنے والا خاطی ہے، یہ فعل خطا اور معصیت ہے، اس کو ترک کردینا چاہیے، کیونکہ آداب مسجد کے بھی یہ خلاف ہے، اور ایسا تصرف مسجد کے حجروں میں درست بھی نہیں ہے۔ فقط

مسجد میں سوال کرنا

سوال: (۸۶) مسجد کے اندر سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۲۰۳۰ھ)

الجواب: فقہاء نے مسجد میں سوال کرنے کو مطلقاً ناجائز لکھا ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ سائل مسجد کو کچھ نہ دیا جاوے۔(۱) فقط

سوال: (۸۷) ایک فقیر نے مسجد میں آکر گیارہ گنڈے اور پانچ کپڑے کا سوال کیا، اس پر مسجد کے جاروب کش نے نمازیوں کو روک دیا کہ اس فقیر کا سوال پورا کر کے جانا ورنہ تم کو دہائی ہے شرع محمدی کی۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ پنچایت میں سے مبلغ ۳ روپے دے کر اس کا سوال پورا کردو، یہ کہہ کر چلا گیا، اس پر قوم کے لوگوں نے یہ الزام لگا کر کہ اس نے خدا اور رسول کی دہائی نہ مانی، سو یہ شخص اسلام سے خارج ہے، اب اس کو مسجد میں نہ آنے دینا چاہیے وغیرہ وغیرہ، پس بہ صورت مذکورہ ایسے شخص کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ایک مسلمان نمازی کو خارج اسلام کہہ کر ذلیل کیا، کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۳/۲۲۰۴ھ)

الجواب: مسجد میں اس قسم کا سوال ممنوع ہے، پس جس شخص نے یہ کہا کہ پنچایت میں سے اس کو کچھ دلوا دینا، اس نے یہ کام اچھا کیا کہ مسجد میں اس کے سوال کو پورا کرنے سے روکا، یہ کام اس کا موافق شریعت کے ہے، ایسے فقیروں کو تو کسی وقت بھی نہ دینا چاہیے، چہ جائیکہ مسجد میں دیا جائے، لہٰذا اس شخص کو خارج از اسلام سمجھنا، اور اس کو مسجد سے نکالنا وغیرہ وغیرہ سخت گناہ ہے، جنہوں نے ایسا مشورہ کیا وہ گنہ گار ہوئے ان کو چاہیے کہ توبہ کریں، اور ایسے فقیروں کو مسجد میں سوال کرنے سے منع کریں، اور ایسے فقیروں کو مسجد میں کچھ نہ دیں تاکہ وہ آئندہ مسجد میں سوال نہ کریں۔ فقط

سوال: (۸۸) من يسئل في المسجد سواء كان سؤاله على القرآن أو على غيره مما يتعلق بحوائج البشر هل هو جائز له أم لا؟ قال بعضهم: يجوز السؤال في المسجد لأمر لابد منه كذا قال الشامي. وقال بعضهم: لايجوز السؤال والإعطاء في المسجد مطلقًا كذا قال ابن الحاج في المدخل (۱۳۳۵/۱۳۱۴ھ)

(۱) ويحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء (الدر المختار مع الرد ۲/۳۷۵ كتاب الصلاة - قبيل مطلبٌ في إنشاء الشعر)

الجواب: یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم یتخطّ رقاب الناس فی المختار، کما فی الاختیار ومتن مواهب الرحمن (درمختار) قوله إلاّ إذا لم یتخطّ أي ولم یمر بین یدي المصلین قال في الاختیار: فإن کان یمرّ بین یدي المصلین ویتخطی رقاب الناس یکرہ لأنه إعانة علی أذی الناس حتی قیل: هٰذَا فَلْسٌ لاَ یُکَفِّرُهُ سَبْعُوْنَ فَلْسًا (۱)

ترجمہ: سوال: (۸۸) جو مسجد میں سوال کرتا ہے: خواہ اس کا سوال قرآن کے لیے ہو یعنی اسلامی مدرسہ کے لیے ہو یا اس کے علاوہ کسی ایسے کام کے لیے ہو جس کا تعلق انسانی ضروریات سے ہو تو کیا یہ سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعضوں کا کہنا ہے کہ کسی نہایت ضروری کام کے لیے مسجد میں سوال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ شامی میں ہے، اور بعضوں نے کہا کہ مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا کسی بھی طرح جائز نہیں؛ جیسا کہ ''مدخل'' میں ابن الحاج نے تحریر فرمایا ہے؟

الجواب: مسجد میں سوال کرنے والے کو دینا مکروہ ہے لیکن اگر وہ لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے نہ گذرتا ہو تو مختار قول میں اس کو دینا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ اختیار اور متن مواہب الرحمٰن میں ہے (درمختار) ماتن کا قول: لیکن اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے یعنی نمازیوں کے سامنے سے نہ گذرے، اختیار میں ہے: پس اگر وہ نمازیوں کے سامنے سے گذرے اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگے تو (دینا) مکروہ ہے، کیونکہ یہ لوگوں کی ایذا رسانی میں مدد کرنا ہے۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے یہ ایسا پیسہ ہے جس کا تدارک ستر پیسے نہیں کر سکتے، یعنی یہ ایسا گناہ ہے جو ستر گناہوں پر بھاری ہے۔ (یہ شامی کی عبارت ہے)

مسجد میں مانگنے والے کو دینا

سوال: (۸۹) مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا کیسا ہے؟ (۶۳۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں لکھا ہے: ویحرم فیه السؤال ویکرہ الإعطاء الخ (۲) ترجمہ: اور حرام ہے مسجد میں سوال کرنا اور مکروہ ہے اس کو دینا، اور شامی میں ہے اگر لوگوں کی گردنوں پر پھلانگتا پھرے تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ فقط

(۱) الدر المختار والشامی ۹/۵۱۱ کتاب الحظر والإباحة۔ فصلٌ فی البیع۔
(۲) الدر المختار مع الشامی ۲/۳۷۵ کتاب الصلوة۔ مطلبٌ فی أفضل المساجد۔

مسجد کی مرمت کے لیے مسجد میں سوال کرنا

سوال: (۹۰) مسجد کی مرمت وغیرہ کے لیے مسجد میں سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۶۲۱ھ)

الجواب: بہ ضرورت درست ہے۔ فقط

مسجد میں اسلامی مسائل پر بحث کرنا —— اور لاوارث کی تجہیز وتکفین کے لیے چندہ کرنا

سوال: (۹۱) مسجد میں اسلامی معاملہ پر بحث ومباحثہ کرنا یا جلسہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہاں پر چند علماء نے فتوی عدم جواز کا دیا ہے، نیز لاوارث اموات کی تجہیز وتکفین وغیرہ کے لیے چندہ مسجد میں کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۹۱۷ھ)

الجواب: مسجد میں مسائل شرعیہ کی تحقیق اور بحث ومباحثہ کرنا درست ہے، اور اسلامی کام کے لیے جلسہ کرنا بھی درست ہے، یہ امور احادیث سے ثابت ہیں، اور فقہاءؒ نے بھی اس کی ممانعت نہیں فرمائی، اور یتیموں ولاوارثوں کی تجہیز وتکفین وغیرہ کے لیے مسلمانوں سے مسجد میں چندہ لینا بھی درست ہے۔ فقط

مسجد میں قیمتی فرش بچھانا اور منبر پر غلاف چڑھانا

سوال: (۹۲) مساجد میں فرش مکلّف بچھانا اور منبر پر غلاف ڈالنا کیسا ہے؟ (۱۳۴۳-۳۲/۱۸۶۸ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

بیت اللہ شریف پر غلاف ڈالنے اور انبیاء کے جسموں کا حکم

سوال: (۹۳) بیت اللہ شریف پر غلاف ڈالنا بدعت ہے یا نہیں؟ اور انبیاء کا جسم مٹی کھاتی ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: بیت اللہ شریف پر غلاف ڈالنا سلف کے زمانہ سے برابر ثابت ہے، یہ بدعت نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: إن اللّٰه حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فَنَبِيُّ اللّٰه حَيٌّ

یوزق (۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ بے شبہ اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا زمین پر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو کھاوے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں۔

صبح کی اذان کے بعد مسجد میں چراغ جلاکر قرآن یاد کرنا

سوال: (۹۴) صبح کی اذان کے بعد مسجد میں چراغ جلانا اور قرآن شریف یاد کرنا، اور وقت پر اسی روشنیِ چراغ میں جماعت کرنا جب کہ پردے پڑے رہتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۶۵۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: بعد اذان صبح کے مسجد میں چراغ جلانا اندھیرے کی وجہ سے، اور قرآن شریف پڑھنا، ممنوع نہیں ہے؛ اور پردوں کی وجہ سے چونکہ اندر اندھیرا ہوتا ہے اگر چہ نماز صبح کی بھی اس حالت میں پڑھی جائے کہ چراغ روشن رہے کچھ حرج نہیں ہے؛ البتہ امام صاحبؒ کے مذہب میں صبح کی نماز میں اسفار یعنی خوب چاندنا کرنا افضل اور بہتر ہے جیسا کہ حدیث شریف: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر (۲) سے مستفاد ہے؛ اس لیے صبح کی نماز میں جلدی نہ کی جائے، باہر چاندنا خوب ہوجانا بہتر ہے، اور مسجد کے اندر اگر پردوں کی وجہ سے اندھیرا رہے، اور اس وجہ سے چراغ کی روشنی میں نماز پڑھی جائے تو اس میں کچھ ممانعت اور کراہت نہیں ہے۔ فقط

مسجد کا تیل قرآن پڑھنے کے واسطے جلانا

سوال: (۹۵) مسجد کا تیل مسجد کے حجروں میں قرآن شریف پڑھنے کے واسطے جلانا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۲۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أكثروا الصلوة عليّ يوم الجمعة فإنه مشهودٌ تشهده الملائكة وإن أحدًا لن يصلي علي إلا عرضت علي صلوته حتى يفرغ منها قال: قلت: وبعد الموت قال وبعد الموت إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبيُّ الله حيٌّ يرزق (سنن ابن ماجة ص:۱۱۸ كتاب الصلاة – آخر أبواب ما جاء في الجنائز)

(۲) عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر (جامع الترمذي ۱/ ۴۰ أبواب الصلاة – باب ماجاء في الإسفار بالفجر)

الجواب: نہ جلانا چاہیے، اور شبہ سے بھی بچنا چاہیے۔

مصلیوں کے جانے کے بعد مسجد کی روشنی گل کر دینا

سوال: (۹۶) چراغ مسجد بعد نماز عشاء، مصلیوں کے رخصت ہونے کے بعد گل کر دینا مناسب ہے یا جلنے دیا جائے؟ (۱۳۳۹/۵۱۸ھ)

الجواب: چراغ مسجد بعد فراغت از نماز عشاء اور بعد رخصت ہونے نمازیوں کے گل کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط

مسجد میں لالٹین جلانا

سوال: (۹۷) مٹی کے تیل کا لیمپ مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۶۷ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: علت؛ کراہت کی بدبو ہے، اگر بدبو نہ ہو تو جائز ہے؛ کیونکہ علت اس میں نجاست نہیں ہے۔ فقط

سوال: (۹۸) ایک شخص مسجد میں رات کو سوتا ہے، اپنی ضرورت کے واسطے ایک لالٹین کراسن کے تیل کی مسجد میں رکھ لیتا ہے، اور ضرورت کے وقت شب کو جلا کر باہر رفع ضرورت کے واسطے لے جاتا ہے ایسی حالت میں کوئی گناہ تو نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۱۳ھ)

الجواب: ایسی حالت ضرورت میں امید ہے کہ وہ گناہ سے محفوظ رہے، تاہم احتیاط بہتر ہے کہ اس لالیٹن کو جس میں مٹی کا تیل بدبودار ہے مسجد سے باہر رکھے۔

مسجد میں موم بتی جلانا بلا کراہت درست ہے

سوال: (۹۹) مسجد میں موم بتی جلانا عند الشرع کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ موم بتی مشکوک اشیاء سے بنتی ہے، اس لیے اس کا مسجد میں جلانا درست نہیں ہے، بکر اس کا خلاف کرتا ہے اس میں محاکمہ فرمائیے؟ (۱۳۴۳/۲۲۲۶ھ)

الجواب: اس بارے میں بکر کا قول صحیح ہے موم بتی مسجد میں جلانا بلا کراہت درست ہے۔ فقط

ہندو کی دی ہوئی موم بتی مسجد میں جلانا

سوال: (۱۰۰) اگر کوئی ہندو مرمت مسجد کے لیے چندہ دے یا مسجد میں موم بتی تیل وغیرہ جلانے کے واسطے دے تو وہ چندہ اور تیل وغیرہ مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہ؟ (۳۶۴ ۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ہندو اگر مسجد میں تیل یا موم بتی جلانے کو دے تو اس کا مسجد میں جلانا درست ہے، اسی طرح اگر وہ روپیہ مرمت مسجد کے لیے دیوے تو اس کو مرمت مسجد میں صرف کرنا درست ہے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ جو چندہ وہ کافر مسجد میں دیتا ہے، قربت سمجھ کر دیتا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہ قربت ہے وهو الشرط في وقف الكافر كما في ردالمحتار: إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم(۱)

مسجد کی صفائی کے لیے درختوں کو کاٹنا

سوال: (۱۰۱) مسجد کے صحن کو مشرق کی طرف بڑھایا جائے، اور جو حصہ بڑھایا گیا ہے اس میں درخت ہوں تو درخت کا کاٹنا صحن مسجد کو فراخ، ہوادار اور جانوروں کی بیٹ سے صاف رکھنے کی نیت سے اور نہ کاٹنا سائے کی نیت سے دونوں امر درست ہیں یا نہیں؟ اور ان دونوں میں بہتر کون سا ہے؟ (۱۶۲۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: مسجد کو بیٹ وغیرہ سے صاف رکھنا زیادہ اہم ہے اس لیے کاٹنے کو ترجیح ہوگی۔ فقط

ہر پندرہ منٹ پر بجنے والی گھڑیاں مسجد میں رکھنا

سوال: (۱۰۲) مسجد میں ایسی گھڑی رکھنی جائز ہے یا نہ جو کہ پاؤ اور آدھا، پونا وغیرہ بجاتی ہے؟ (۴۹۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جس طرح عام گھڑیاں بجنے والی مساجد میں رکھنی جائز ہیں، اسی طرح گھڑی مذکور جو پاؤ اور آدھا اور پونا بجاتی ہے وہ بھی مسجد میں رکھنا جائز ہے۔ فقط

(۱) الشامي ۶/ ۴۱۰ كتاب الوقف. شرائط الوقف.

مسجد میں گھڑی لگانا درست ہے

سوال: (۱۰۳) بڑی گھڑی جدید خرید کر مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ ابر وغیرہ میں از حد ضرورت ہوتی ہے، ٹائم مقررہ پر نماز ادا کر سکتے ہیں (۱۲۲۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: موجودہ حالات میں بڑی گھڑی خرید کر مسجد میں لگانا درست ہے۔ فقط

نمازی کا سامانِ تجارت مسجد میں رکھنا درست ہے

سوال: (۱۰۴) زید تجارت بطور گشت کے کرتا ہے تو نماز کے وقت سامان تجارت تا ادائے نماز مسجد میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بکر نے جواز کی صورت بتلائی تو عمر نے اس کی تغلیط کی اور عدم جواز میں یہ عبارت ہدایہ کی پیش کی: **ولابأس بأن يبيع ويبتاع في المسجد من غير أن يحضر السلعة لأنه قد يحتاج إلى ذلك بأن لايجد من يقوم بحاجته إلا أنهم قالوا: يكره إحضار السلعة للبيع والشراء لأن المسجد محرَزٌ عن حقوق العباد وفيه شغله بها ويكره لغير المعتكف البيع والشراء فيه لقوله عليه السلام: جنبوا مساجدكم صبيانكم إلى أن قال: وبيعكم وشراءكم(۱)** (ص:۲۱۰) تو بکر نے کہا کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کو سامان تجارت مسجد میں رکھنا ناجائز ہے، اور اس کے غیر کے لیے بھی ناجائز اس سے معلوم نہیں ہوتا، اس کا کیا جواب ہے؟ (۳۱۷۳/ ۴۲-۱۳۳۷ھ)

الجواب: ہدایہ کی عبارت میں تصریح ہے کہ اگر بیع وشراء مسجد میں ہو بحالت اعتکاف تو مسجد میں مبیع کا لے جانا مکروہ ہے، اور جب کہ بیع وشراء نہ ہو بلکہ نمازی نماز پڑھنے تک اپنا سامان تجارت مسجد میں اپنے پاس رکھے تو یہ شرعاً بلا کراہت جائز ہے، عبارت ہدایہ سے کراہت اس کی ثابت نہیں ہوتی پس قول بکر کا صحیح ہے۔ فقط

مسجد کے احاطے میں بیت الخلاء بنانے اور کتا پالنے کا حکم

سوال: (۱۰۵) احاطہ مسجد کے اندر پاخانہ بنالینا یا کتا پالنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۴/ ۱۳۳۷ھ)

(۱) الهداية ۱/ ۲۳۰-۲۳۱ كتاب الصوم ـ آخر باب الاعتكاف.

الجواب: احاطۂ مسجد کے اندر یا باہر غسل خانے کے ساتھ اگر ضرورت کے لیے پاخانہ بھی بنالیا جائے تو حرام نہیں ہے؛ لیکن خاص مسجد سے علیحدہ ہونا چاہیے، اور اس کو صاف رکھنے کا بھی اہتمام رہے کہ نمازیوں کو بدبو سے ایذاء نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ مسجد کے احاطے سے باہر پاخانہ ہو: کیونکہ حدیث شریف میں زیادہ قریب مسجد سے پاخانہ بنانے کو منع فرمایا ہے(۱) پس اگر پاخانہ زیادہ قریب نماز پڑھنے کی جگہ سے نہ ہو اور اس ضرورت سے کہ احاطے سے باہر کوئی جگہ پاخانہ بنانے کی نہیں ہے تو احاطے کے اندر بھی درست ہے، مگر صفائی وغیرہ کا اہتمام رہے اور کتے کا پالنا اور رکھنا بلاضرورت حفاظت وغیرہ کے اچھا نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے: من اقتنى كلبًا إلا كلب ماشية أو ضارٍ نقص من عمله كل يوم قيراطان (۲) یعنی جس نے پالا کتا سوائے کتا حفاظت جانوران وغیرہ کے یا شکار کے تو اس کے عمل میں سے ہر دن دو قیراط ثواب کم ہوگا۔

سوال: (۱۰۶) مسجد کے حلقہ کے اندر پاخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ وضو کی جگہ سے تیرہ ہاتھ فاصلہ پر ہے۔ (۱۳۳۴-۳۳/۱۴۰۷ھ)

الجواب: اگر ضرورت ہے تو درست ہے، مگر اس کو صاف رکھا جائے، اور بہتر ہے کہ مسجد سے زیادہ فاصلے سے پاخانہ بنوایا جائے۔ بہ ضرورت شدیدہ درست ہے۔ فقط

مسجد میں ہوا خارج کرنا

سوال: (۱۰۷) زید کہتا ہے کہ مسجد میں اگر کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو اس کو فرشتے دہن (منہ)

---

(۱) مسجد سے زیادہ قریب پاخانہ بنانے کی ممانعت غالبا حضرت مفتی صاحب نے درج ذیل روایت سے اخذ فرمائی ہے:

عن جابر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تأذّى مما يتأذّى منه الإنس (الصحيح لمسلم ۲۰۹/۱ كتاب المساجد، باب: نهى من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها مماله رائحة كريهة عن حضور المسجد حتى تذهب ذلك الريح وإخراجه من المسجد)

(۲) عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اقتنى كلبًا الحديث (البخارى ۸۲۴/۲ كتاب الذبائح والصيد والتسمية -باب من اقتنى كلبًا إلخ)

میں لے کر مسجد سے باہر جاتے ہیں: یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۱۶۷۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زید جو کچھ کہتا ہے یہ کہیں ثابت نہیں ہے، فقہاء نے اس میں یہ تفصیل کی ہے، شامی میں ہے: وكذا لايخرج فيه الريح من الدبر كما في الأشباه واختلف فيه السلف فقيل: لابأس وقيل: يخرج إذا احتاج إليه وهو الأصح الخ (۱) فقط

مسجد کے دروازے کی دیوار کو ہاتھ لگا کر سینہ پر رکھنا

سوال: (۱۰۸) زید جب مسجد میں آتا ہے تو مسجد کے دروازے کی دیوار کو ہاتھ لگا کر اپنے سینے پر لگا لیتا ہے، اور اس کو تعظیم مسجد تصور کرتا ہے: یہ فعل کیسا ہے؟ (۱۷۲۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس قسم کی تعظیم شریعت میں ثابت نہیں ہے، اور اپنی طرف سے اس قسم کی تعظیم کو ایجاد واختراع کرنا احداث فی الدین ہے؛ لہٰذا درست نہیں ہے۔

بہ ذریعہ قطب نما سمتِ قبلہ متعین کرنا

سوال: (۱۰۹) تعمیر مسجد کے وقت بہ ذریعہ قطب نما جو لائن قائم ہووے؛ کیا اس پر بھی صحت سمت قبلہ کے لیے لائن کو شرقاً غرباً یا کسی طرح پس و پیش کرنا (یعنی آگے، پیچھے کرنا) ضروری ہے اگر ہے تو کس طرح؟ (۲۵۸۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ہندوستان میں اکثر بلاد میں قطب نما سے ہی رخ مساجد کا صحیح کیا جاتا ہے، اور قطب تارہ سے بھی شب کو رخ دیکھتے ہیں؛ پس اسی کے موافق رخ مسجد کا کر دینا چاہیے، اور کچھ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) فقط

---

(۱) ترجمہ: اور اسی طرح مسجد میں دُبر سے ہوا خارج نہ کرے، جیسا کہ الأشباه میں ہے، اور اسلاف نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب ضرورت ہو تو ہوا خارج کرے، اور یہی اصح ہے (الشامی ۳۷۱/۲ كتاب الصلوة- مطلبٌ في أحكام المسجد)

(۲) مگر اب قبلہ نما ایجاد ہو گئے ہیں، پس ان سے مسجد کا رخ صحیح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ سعید احمد پالن پوری

ہندو مسجد کے قریب ڈھول، باجا بجائیں تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۱۱۰) ہندو نرسنگھ پور مؤرخہ ۸/ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو کالی کا ڈولہ مع مزامیر و باجا مسجد کے محاذی میں نکالنے پر آمادہ ہوئے، مسلمان خبر پا کر حاکم ضلع سے ملتجی ہوئے، اس پر حکم دیا کہ شارع (سڑک) پر کسی کو باجا بند کرنے کا مجاز نہیں، مسلمان ہنوز اس کے روکنے پر آمادہ ہیں؛ دوسرے روز پھر یہی کیفیت رہی، حکام ضلع آئے، مسجد کے روبرو باجا بند کر دیا گیا پھر حاکم ضلع نے کہا کہ مسجد کے سامنے باجا بجانے میں حرج کیا ہے؟ صرف نماز کے وقت میں بند کر دینا کافی ہے، مسلمانوں نے جواب دیا کہ حرمت مسجد کی وجہ سے ہم مانع ہیں؛ لہٰذا کسی وقت باجا بجایا نہ جائے، پھر بعد گفتگو یہی کہا کہ اس میں مسجد کی حرمت کچھ بھی نہیں مگر اس وقت ہم باجا بند کرتے ہیں بعد میں حکم دیں گے، اور جو کچھ ثبوت حرمت مسجد کے بارے میں ہے کتب اسلامیہ سے نکال کر پیش کریں، پھر دوسرے روز بعد گفتگو یہ حکم لکھ دیا کہ صرف اوقات نماز میں صبح پانچ بجے سے چھ بجے تک اور دیگر نمازوں میں آدھا آدھا گھنٹہ باجا بند کر دیا جائے، اور غیر وقت میں برابر بجتا جائے، یہ حکم سن کر مسلمان افسردہ دل ہو رہے ہیں، لہٰذا استفتاء کی ضرورت ہوئی۔

(الف) کیا بوجوہات مذکورہ بالا اس قبیح فعل کو مسجد کے روبرو کسی وقت میں بھی انجام دینے میں مزاحمت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ ہے؟

(ب) محض اس کی مزاحمت میں اگر کاش کسی نے سر دیا تو شہید ہے یا شقی یا محض مسلمان مرا؟

(۲۰۹۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسلمانوں کو اس موقع پر بہت تحمل سے کام لینا چاہیے، اور جاہلانہ جوش سے کام نہ لیں، شارع عام میں یا سڑک پر اگر دیگر اقوام باجا بجاتے جائیں تو مسلمانوں کی طرف اس میں کوئی بے حرمتی نسبت نہیں کی جا سکتی؛ البتہ نمازوں کے وقت میں مسجد کے قریب باجا بجنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے، سو اس کو خود حکام نے ہی رفع کر دیا کہ نمازوں کے اوقات میں باجا بجانے کو روک دیا، مسلمان اسی حکم پر اکتفا کریں، اور کوئی شور شغب خلاف حکم نہ کریں، مسجد کی بے حرمتی اس وقت ہے جب کہ مسجد میں کوئی برا فعل ہو اس کو خوب سمجھ لیا جائے، اور بے سمجھی سے کام نہ لیا جائے نمازوں کے اوقات جب کہ اس لہو لعب و شور شغب سے محفوظ رہیں، پس مسلمانوں کو اس پر خوش ہونا چاہیے، اور بہ اطمینان نماز مسجد میں ادا

کرنی چاہیے، دیگر اوقات کے وہ ذمہ دار نہیں ہیں، اور نہ مسلمانوں پر ہنود کے باجا بجانے سے کوئی مؤاخذہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تراویح کے لیے محلے کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانا

سوال: (۱۱۱) رمضان شریف میں ایک مسجد میں تراویح میں قرآن شریف ختم ہوتا ہے تو اور محلّہ والے لوگ اگر اپنی اپنی مساجد کو چھوڑ کر اسی مسجد میں قرآن شریف کے سننے کے لیے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۸۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اہل محلّہ پر مسجد محلّہ کا زیادہ استحقاق ہے، ان پر ضروری ہے کہ اپنی ہی مسجدوں کو آباد کریں، محلّہ کی مسجدوں کو چھوڑ کر دوسری مساجد میں جانا کسی طرح مناسب نہیں، اول تو اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ اپنی اپنی مساجد میں ختم قرآن کا انتظام کیا جائے، اگر یہ میسر نہیں تو پھر چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ نماز تراویح ادا کریں، درمختار میں ہے: **والجماعة فيها سنة على الكفاية في الأصح فلو تركها أهل مسجد أثموا. وفي الشامي وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول. واستظهر "ط" الثاني ويظهر لي الثالث لقول المنية حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة و أساؤا..... وقال: حتى لو أقاموها جماعة في بيوتهم ولم تقم في المسجد أثم الكل** (۱) (شامی، ۱/۲۳-۴۷۲) الحاصل محض قرآن شریف نہ ہونے کی وجہ سے مسجدوں کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں وہ بھی مسجد ہے

سوال: (۱۱۲) جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں اور نماز پانچوں وقت برابر جماعت سے ہوتی ہو اور جمعہ بھی ہوتا ہو وہ مسجد ہے یا بجائے مسجد کے سرائے ہے؟ جو شخص اس قسم کے سائل ظاہر کرے جس سے لوگوں کے اعتقاد میں فرق آئے ایسے شخص کے حق میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲۱۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: امام ومؤذن مقرر نہ ہونے سے مسجد، حکم مسجد سے خارج نہیں ہوتی، یہ اس ناواقف

(۱) الدر المختار والشامي ۴۳۱/۲ كتاب الصلوة، مبحث صلوة التراويح

شخص کی جہالت ہے اور نادانی ہے کہ مسجد کو سرائے سے تعبیر کرتا ہے، اور مسائل خلاف اعتقاد اہل سنت والجماعت ظاہر کرنا فسق و بدعت ہے؛ ایسے شخص کی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیے، اور اس سے اختلاط وارتباط نہ کرنا چاہیے۔

شراب خانے کے قریب مسجد بنانے اوراس کی امداد کرنے کا حکم

سوال: (۱۱۳)......(الف) مئے خانہ کے قریب مسجد بنانا کیسا ہے؟

(ب) مسجد مذکورہ کے لیے امداد کرنا کیسا ہے؟(۲۳۳۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اگر مسجد کی وہاں ضرورت ہے تو مسجد بنانا چاہیے، اور مئے خانہ کے اٹھوانے کی فکر اور سعی (کرنی) چاہیے؛ نیز اگر مسجد وہاں بن گئی تو وہ مسجد ہوگئی، مئے خانہ وغیرہ نجاسات کو وہاں سے حتی الوسع اٹھوانا چاہیے؛ اور بہ مجبوری مسلمانان معذور ہیں۔

(ب) جب کہ وہ مسجد ہوگئی تو اس کی امداد کارِ ثواب ہے۔

مسجد میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا

سوال: (۱۱۴) مسجد میں نمازی نماز پڑھتے ہوں وہاں ایک شخص بہ آواز بلند قرآن شریف پڑھے، یہ کیسا ہے؟(۲۷۷۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: بہتر یہ ہے کہ وہ شخص قرآن شریف آہستہ پڑھے یا دوسری جگہ جا کر پڑھے۔ فقط

آدابِ قرآن شریف

کرسی یا چارپائی پر بیٹھ کر قرآن شریف کی تعلیم دینا جب کہ قرآن شریف نیچے ہو

سوال:(۱) ایک معلم کرسی پر بیٹھ کر بچوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیتا ہے اور بچے قرآن شریف لے کر نیچے بیٹھتے ہیں؛ اس میں کیا حکم ہے؟ آیا یہ بے ادبی قرآن شریف کی ہے یا نہیں؟ (۱۶۰۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: بے شک یہ امر ادب کے خلاف ہے، بہتر یہ ہے کہ معلم اونچے پر نہ بیٹھے لیکن وہ گنہگار نہیں ہے؛ کیونکہ خلاف ادب کرنے سے گناہ نہیں ہوتا بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔ فقط

سوال:(۲) ایک شخص نے قاعدۂ بغدادی اور قرآن شریف کسی سے نہیں پڑھا ہے، اور نہ استعداد و ملکہ استخراج صحت الفاظ قرآن؛ پھر بھی وہ بچوں کو قرآن شریف پڑھاتا ہے، اور خود اور یار دوستوں کو چارپائی و کرسی پر بٹھاتا ہے، اور قرآن شریف نیچے ہوتا ہے؟ (۱۸۳۲/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر وہ شخص جس نے قاعدۂ بغدادی اور قرآن شریف کسی سے نہیں پڑھا؛ لیکن قرآن شریف کو صحیح پڑھتا ہے اور پڑھنے کی طاقت ہے تو وہ بچوں کو قرآن شریف پڑھا سکتا ہے، اور اگر خود قرآن شریف صحیح نہیں پڑھ سکتا تو پڑھانا بھی ناجائز ہے۔ اور نیچے قرآن شریف رکھنا اور کرسی و چارپائی پر خود بیٹھنا اور دوسروں کو بٹھانا خلاف ادب ہے، ایسا نہ کرنا چاہیے۔

قرآن شریف کی تلاوت سننے کا حکم

سوال:(۳) زید معہ دو تین ہمراہیوں کے ایک کمرے میں رہتا ہے، اور زید حسب عادت روزانہ

بعد نماز فجر نصف ساعت تک تلاوت کلام مجید کرتا ہے متوسط آواز کے ساتھ، زید کے ساتھی جو اس کمرے میں رہتے ہیں آپس میں بات کر سکتے ہیں جس وقت کہ زید قراءت کررہا ہے یا نہیں؟ (۸۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سننا قراءت قرآن شریف کا فرض کفایہ ہے، اور قاری کو چاہیے کہ ایسے موقع پر جہاں لوگ باتوں میں مشغول ہوں جہر سے قرآن شریف نہ پڑھے (۱) پس صورت مسئولہ میں قاری کو مناسب ہے کہ جہر نہ کرے، اور اگر جہر کرے گا تو دوسرے ہمراہیوں کو سننا ضروری ہے، باتوں میں مشغول نہ ہوں (۲)

فونوگراف سے قرآن شریف سننے کا حکم

سوال: (۴) فونوگراف کے ذریعہ سے مضامین نعتیہ اور قرآن شریف سننا جائز ہے یا نہ؟ (۳۸۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ ایک باجا ہے اس میں کچھ سننا درست نہیں ہے: قال فی الدر المختار: ودلت المسئلة أن الملاهی کلها حرام الخ قال ابن مسعود رضی اللّٰه عنه: صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات الخ (درمختار) قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ (الآیة)﴾ جاء فی التفسیر أن المراد الغناء (۳) (شامی) فقط

سوال: (۵) فونوگراف کے ریکاڈوں میں قرآن شریف سننا درست ہے یا نہیں؟ (۸۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درست نہیں کیونکہ یہ لہو ولعب ہے۔ اور قرآن شریف کا اُس میں لانا اور سننا سوئے

---

(۱) قال في الشامي: وفي شرح المنية: والأصل أن الاستماع للقرآن فرض كفاية، لأنه لإقامة حقه بأن يكون ملتفتا إليه غير مضيع. وذلك يحصل بانصات البعض؛ كما فی ردالسلام حين كان لرعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل إلا أنه يجب على القارئ احترامه بأن لا يقرأه فی الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأ فيها كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعًا للحرج (ردالمحتار ۲/۲۳۷-۲۳۸ كتاب الصلاة ـ مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية)

(۲) ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴)

(۳) الدر المختار والشامی ۹/۴۲۴ كتاب الحظر والإباحة ـ قبل فصلٌ فی اللبس.

ادبی ہے ساتھ قرآن شریف کے۔

مکروہ اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا

سوال: (۶) خواندن قرآن مجید در کدام اوقات مکروہ است؟ میگویند چنانچہ نماز گذاردن در سہ اوقات معلومہ مکروہ است قرآن شریف خواندن ہم مکروہ است؟ (۱۲۰۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال فی ردالمحتار ناقلاً عن القنية: الصلوة على النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء والتسبيح أفضل من قراءة القرآن فی الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها الخ (۱) (۲۷۲/۵ آخر الحظر والإباحة) وفي الدرالمختار: وتستحب القراءة عند الطلوع أو الغروب قال الشامي: فالظاهر أنهما قولان (۱)

ترجمہ: سوال: (۶) کن اوقات میں قرآن کی تلاوت کرنا مکروہ ہے؟ کہتے ہیں کہ جس طرح تین معلوم اوقات میں (یعنی طلوع، غروب اور استواء کے وقت) نماز پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح قرآن شریف کی تلاوت بھی مکروہ ہے؟

الجواب: علامہ شامی نے ردالمحتار میں قنیۃ سے نقل کیا ہے کہ جن اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ان اوقات میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا، دعا کرنا اور تسبیح پڑھنا قرآن شریف کی تلاوت سے افضل ہے، اور درمختار میں ہے کہ طلوع یا غروب کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کرنا مستحب ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ واضح بات یہ ہے کہ (مکروہ اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں) دو قول ہیں۔

سوال: (۷) کلام پاک کی تلاوت وقت طلوع وغروب آفتاب جائز ہے یا نہیں؟ اور زوال (یعنی استواء) کے وقت تلاوت کرنا کیسا ہے؟ (۱۳۲۲/۲۷۰۸ھ)

الجواب: تلاوت کلام اللہ شریف بوقت طلوع وغروب آفتاب و بوقت زوال (یعنی استواء) آفتاب درست ہے، اس میں کچھ خلاف نہیں ہے، اور اگر آیت سجدہ کی تلاوت ان اوقات میں کی جائے تو سجدۂ تلاوت ان اوقات میں مکروہ تنزیہی ہے، دوسرے وقت سجدہ کرے۔

---

(۱) الشامی ۵۲۰/۹ کتاب الحظر والإباحة – فصلٌ فی البیع

سوال: (۸) صبح کی نماز کے بعد سے آفتاب نکلنے تک قرآن شریف کی تلاوت کرنا درست ہے یا نہ؟ (۱۴۳/۱۳۴۴ھ)

الجواب: تلاوت قرآن مجید کسی بھی وقت میں منع نہیں ہے ہر وقت جائز ہے، مگر بعض اوقات میں خلاف اولیٰ ہے، ان ہی میں سے یہ وقت بھی ہے؛ اچھا یہ ہے کہ اس وقت ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے، اور طلوع آفتاب کے بعد تلاوت قرآن مجید کرے، صحابہ کرام وسلف صالحین سے اسی طرح منقول ہے درمختار میں ہے: ذکر اللہ من طلوع الفجر إلی طلوع الشمس أولی من قراء ۃ القرآن (۱) اور شامی نے قنیۃ سے نقل کیا ہے: الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء والتسبیح أفضل من قراء ۃ القرآن فی الأوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها (۱) فقط

سوال: (۹) ...... (الف) زید کہتا ہے کہ تلاوت قرآن شریف کی سورج نکلنے سے پہلے پہلے ہونی چاہیے، بعد سورج نکلنے کے نہ ہونی چاہیے یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

(ب) تلاوت قرآن شریف کے کون کون وقت ہیں؟ (۲۶۸۲/۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف و ب) یہ بیان زید کا صحیح نہیں ہے تلاوت قرآن شریف ہر وقت درست ہے، البتہ درمختار میں اس قدر لکھا ہے کہ طلوع فجر کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر اللہ وتسبیح وتہلیل اور درود شریف پڑھنا افضل ہے قراءت قرآن سے لیکن قراءت قرآن بھی منع نہیں ہے، اور شامی میں یہ ہے: الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء والتسبیح أفضل من قراء ۃ القرآن فی الأوقات التی نهی عن الصلاۃ فیها (۱) یعنی جن اوقات طلوع وغروب وزوال (یعنی استواء) کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، ان اوقات میں بہتر یہ ہے کہ درود شریف وتسبیح وغیرہ پڑھے۔ لیکن اگر قرآن شریف بھی پڑھے تو ممنوع نہیں ہے صرف بہتر اور غیر بہتر کا فرق ہے۔ فقط

راگ اور خوش الحانی میں کیا فرق ہے؟

سوال: (۱۰) راگ میں قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے؟ کیا خوش الحانی راگ میں داخل ہے؟ راگ اور خوش الحانی میں کیا فرق ہے؟ (۹۵۶/۳۶-۱۳۳۷ھ)

(۱) الدر والرد ۹/۵۲۰ کتاب الحظر والإباحة . فصل فی البیع .

الجواب: راگ میں قرآن شریف پڑھنا ناجائز ہے، چنانچہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے وعن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اقرء وا القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل العشق ولحون أهل الكتابين وسيجئ بعدي أقوام يرجّعون بالقرآن ترجيع الغناء والنوح لايجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شأنهم رواه البيهقي في شعب الإيمان (۱) اور غناء میں ترجیع اور تردید صوت ہوتی ہے جیسے آ آ آ آ آ الخ بخلاف خوش الحانی کے، کہ اس میں مد وغیرہ حسب قواعد تجوید ہوتا ہے، اور خوش الحانی راگ میں داخل نہیں ہے۔

قرآن کریم کوراگ سے پڑھنا

سوال: (۱۱) اگر کوئی شخص کلام اللہ کو اثنائے وعظ میں مثل اشعار کے گائے، اور آیتوں کو پڑھتے ہوئے ہاتھ کو اس طور سے حرکت دے جیسے گانے والے دیتے ہیں، اور اختتام آیت پر ہاتھ کو اس طور سے چھاتی پر رکھے جیسا کہ گانے والے رکھتے ہیں؛ وہ شخص گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اور حدیث من لم يتغن بالقرآن کے کیا معنی ہیں؟ (۲۲۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قرآن شریف کو بطریق راگ کے پڑھنا جیسا کہ سوال میں درج ہے حرام ہے، اور حدیث من لم يتغن بالقرآن (۲) کے معنی یہ ہیں کہ قرآن شریف کو حسن صوت سے پڑھنا چاہیے، اور بعض نے کہا ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ ''غناء'' حاصل ہونا چاہیے اور مستغنی ہوجانا چاہیے، راگ میں پڑھنا اس سے مراد نہیں ہے۔

سوال: (۱۲)......(الف) مسجد میں سونا کیسا ہے؟

(ب) قرآن شریف کوراگ میں پڑھنا کیسا ہے؟ (۳۰۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) مسجد میں سونا مسافر و معتکف کے لیے درست ہے، اور دوسروں کے لیے مکروہ

---

(۱) المشکاۃ، ص:۱۹۱ كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث.

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ليس منّا من لم يتغن بالقرآن رواه البخاري (مشکاۃ ص:۱۹۰ كتاب فضائل القرآن ـ بابٌ، الفصل الأوّل)

ہے۔ کذا فی الدر المختار (۱) اور شامی میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں سونا چاہے تو اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں جائے اور جس قدر رہو سکے ذکر اللہ کر کے یا نماز پڑھ کر پھر سووے (۲)

(ب) راگ میں قرآن شریف پڑھنا ممنوع ہے، احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عورت کا، دیوار کی آڑ میں قرآن کریم زور سے پڑھنا

سوال: (۱۳) ایک مکان میں دیوار درمیان میں ہو تو عورت آواز سے قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۹۵۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: پڑھ سکتی ہے کچھ حرج نہیں ہے لیکن اگر خوف فتنہ ہو تو آہستہ پڑھے۔

چند آدمیوں کا ایک جگہ جمع ہو کر بلند آواز سے تلاوت کرنا

سوال: (۱۴) چند آدمی بیٹھ کر بلند آواز سے قرآن شریف پڑھیں تو کیسا ہے؟ (۵۳۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ہمارے فقہائے حنفیہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ قرآن شریف کا سننا خارج نماز بھی ضروری ہے (۳) یعنی چپ رہنا اور سننا چاہیے، کما قال اللہ تعالی: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) فی الدر المختار: یجب الاستماع للقراءة مطلقًا لأن العبرة لعموم اللفظ الخ (۴) لیکن بچوں کا پڑھنا ایک جگہ یاد کرنے کے لیے بوجہ ضرورت کے ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور بڑے آدمیوں کو اس طرح اکٹھے ہو کر آواز سے پڑھنا نہ چاہیے جیسا کہ ختم وغیرہ میں دستور ہے؛ بلکہ ایسے مواقع میں آہستہ پڑھنا چاہیے۔ فقط

سوال: (۱۵) چند آدمی جمع ہو کر بہ آواز بلند تلاوت قرآن شریف کی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۳۰۵/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) وَیُکرہ الإعطاء مطلقًا ـــــ و أکل ونوم إلا لمعتکف وغریب (الدر المختار مع الشامی ۲/ ۳۷۷ کتاب الصلاة ـ مطلب فی الغرس فی المسجد)

(۲) و إذا أراد ذلك ینبغی أن ینوی الاعتکاف، فیدخل ویذکر اللّٰه تعالی بقدر ما نوی، أو یصلّی ثم یفعل ما شاء (الشامی ۲/ ۳۷۷ کتاب الصلاة)

(۳) ضروری ہے یعنی مستحب ہے جیسا کہ اگلے دو فتووں میں آرہا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۴) الدر المختار مع الرد ۲/ ۲۳۷ کتاب الصلوة. فروع فی القراءة خارجَ الصلوة.

الجواب: شرح منیہ کبیری میں ہے: یکرہ للقوم أن یقرأوا القرآن جملةً لتضمنها ترك الاستماع والإنصات وقیل: لابأس به . الکل فی القنیة(۱) یعنی بہت سے لوگوں کا اکٹھا قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے کہ یہ امر ترک استماع وانصات کو متضمن ہے، اور بعض نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہے، یہ سب قنیہ میں ہے، پس معلوم ہوا کہ احوط ترک ہے۔

سوال: (۱۶) اگر چند لوگ بہ آواز بلند ایک یا مختلف مکانوں میں قرآن مجید یاد کرتے یا تلاوت کرتے ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) کا کیا محمل ہوگا؟ (۵۹۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جب کہ آواز دوسرے کی قراءت کی آئے تو سننا چاہیے؛ ایسی حالت میں پڑھنا بہ جہر ممنوع ہے۔

قرآن شریف جہرًا پڑھنے سے قاری کب گنہگار ہوتا ہے؟

سوال: (۱۷) قرآن شریف جہرًا پڑھنے سے جہاں لوگ اپنے کاموں میں نہیں سن سکتے، قاری گنہگار ہوگا یا نہیں؟ (۹۵۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسی جگہ جہرًا پڑھنا نہ چاہیے: کیونکہ ایسی جگہ جہرًا پڑھنے سے قاری گنہگار ہوتا ہے (۲)

جب لوگ نماز وغیرہ میں مشغول ہوں تو قرآن آہستہ پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۸) زید کہتا ہے کہ جب نمازی نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد میں جمع ہوں، اور نماز، وظیفہ میں مشغول ہوں تو بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا نہیں چاہیے؛ یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۲۴۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: زید کا قول صحیح ہے، ایسے وقت میں کہ نمازی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے جمع

(۱) شرح منیة المصلی المعروف بالحلبی الکبیری ص:۴۲۸ کتاب الصلوة ـ قبل سجدة التلاوة.

(۲) إلّا أنه یجب علی القارئ احترامه بأن لایقرأه فی الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فیها کان هو المضیع لحرمته ، فیکون الإثم علیه دون أهل الاشتغال دفعًا للحرج (ردالمحتار ۲/ ۲۳۸ کتاب الصلاة ـ مطلب الاستماع للقرآن فرضُ کفایةٍ)

ہو رہے ہیں؛ اور کوئی سنت پڑھتا ہے، کوئی وظیفہ پڑھتا ہے؛ بلند آواز سے قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیے، آہستہ پڑھنا چاہیے(۱)

حفظ کرنے والے لڑکے بلا وضو قرآن کو ہاتھ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۱۹)......(الف) مسجد کا موقوفہ تیل قرآن شریف کی تلاوت کے لیے ہر شخص جلا سکتا ہے یا نہیں؟ خواہ مسجد میں یا مسجد کے حجرہ میں جلائے؟

(ب) جو بالغ لڑکے حالتِ طالب علمی میں قرآن شریف حفظ یا ناظرہ کرنے میں رات دن محنت کرتے ہیں، اور ہر وقت باوضو رہنا محال ہے بلا وضو قرآن شریف کو ہاتھ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۴۲۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) مسجد میں اس چراغ سے تلاوت کر سکتا ہے حجرہ میں نہیں۔

(ب) نابالغ لڑکے ہاتھ لگا سکتے ہیں(۲) اور بالغوں کے لیے اجازت نہیں ہے، وہ کپڑا وغیرہ کے ذریعہ سے ہاتھ لگائیں۔

قرآن شریف کو بے وضو چھونا حرام ہے

سوال: (۲۰) کلام مجید کو بے وضو چھونا منع ہے یا حرام؟ (۱۱۷۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حرام ہے۔ کما فی الدر المختار: ویحرم به أی بالأكبر وبالأصغر مس مصحف الخ (۳)

---

(۱) لایقرأ جهرًا عند المشتغلین بالأعمال (الفتاوی الهندية ۳۱۶/۵ كتاب الكراهية ــ الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن الخ)

(۲) ولایکره مسّ صبیّ لمصحف ولوح ولابأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة، إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر (قوله للضرورة) لأن في تكليف الصبيان وأمرهم بالوضوء حرجًا بهم، وفي تأخيره إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن (الدر مع الرد ۲۸۳/۱ كتاب الطهارة ــ مطلبٌ يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء)

(۳) الدر المختار مع الشامي ۲۸۲/۱ كتاب الطهارة ــ مطلبٌ: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء.

جس کا وضو نہ رہتا ہو وہ قرآن شریف ہاتھ میں لے کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱) ایک شخص بالغ قرآن شریف حفظ کرنا چاہتا ہے، اور وضو اس کو چند گھنٹہ نہیں رہتا؛ کیا اس کو اجازت ہے کہ ایک دفعہ وضو کر کے قرآن شریف کو ہاتھ میں لے کر پڑھتا رہے، پھر وضو رہے یا نہ رہے؛ ایسے شخص کو بے وضو پڑھنا اور ہاتھ لگانا قرآن شریف کو درست ہے؟ (۱۴۰۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بلا وضو قرآن شریف کو ہاتھ لگانا درست نہیں ہے، رومال وغیرہ کپڑے سے پکڑنا اور ہاتھ لگانا درست ہے، اور پڑھنا قرآن شریف کا بے وضو بھی جائز ہے؛ پس اس شخص کو چاہیے کہ کپڑے یا لکڑی وغیرہ سے ورق الٹتا رہے اور پڑھتا اور یاد کرتا رہے (۱)

بے وضو قرآن شریف پڑھنا

سوال: (۲۲) جو شخص تندرست ہو اس کو بلا وضو قرآن شریف ناظرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۱۰۳-۱۳۳۵ھ)

الجواب: قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے، اور کپڑے وغیرہ سے ورق بدلتا رہے تو ناظرہ بھی قرآن شریف پڑھ سکتا ہے، اور حفظ پڑھنا اس کو بلا تردد جائز ہے، غرض یہ کہ ہاتھ لگانا بے وضو قرآن شریف کو ناجائز ہے، پڑھنا ممنوع نہیں ہے (۱)

بے وضو کتب تفسیر کا مطالعہ کرنا

سوال: (۲۳) بے وضو تفسیر کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟ (۲۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

(۱) و یحرم به أي بالأكبر وبالأصغر مسُّ مصحف...... إلاّ بغلاف متجاف غير مشرز أو بِصُرّة، به يفتى (الدر مع الرد ۱/۲۸۲ كتاب الطهارة ـ مطلب: يطق الدعاء على ما يشمل الثناء) ـ وفي الهندية: المحدث إذا كان يقرأ القرآن بتقليب الأوراق بقلم أو سكين لا بأس به (الهندية: ۳۱۷/۵ كتاب الكراهية ـ الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن الخ)

الجواب: بے وضو کتب تفسیر کو ہاتھ لگانا جائز ہے، مگر اچھا نہیں ہے۔ (۱)

جس ریکارڈ میں قرآن ہو اس کو بے وضو ہاتھ لگانا

سوال: (۲۴) ریکارڈ کو جس میں آیت قرآن شریف کی بھری ہوئی ہے، بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۹/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جائز ہے۔ فقط

بلا عذر تیمم کر کے قرآن شریف پڑھنا

سوال: (۲۵) بہ حالت صحت تیمم سے قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۹۵/د ۱۳۴۱ھ)

الجواب: تندرستی کی حالت میں بصورت عدم وجود شرائط تیمم کے تیمم کرنا بالکل ہیچ ہے، کما فی المنیة: فلو تیمم المحدث للنوم أو لدخول المسجد مع قدرته علی الماء فهو لغو (۲) (شامی، ۱/۲۵۱) (یعنی شرائطِ تیمم نہ پائے جانے کی صورت میں جنبی تیمم کر کے نہ قرآن شریف پڑھ سکتا ہے نہ اس کو ہاتھ لگا سکتا ہے، اور محدث زبانی پڑھ سکتا ہے، مگر قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ از مرتب)

بلا وضو قرآن کریم کو ہاتھ لگانا

سوال: (۲۶) مسلمان بلا وضو ہو اور جنبی نہ ہو تو قرآن شریف کو ہاتھ لگانے پر کس درجے کا گناہ ہے؟ (۵۷۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: قرآن شریف کو ہاتھ لگانا بلا کسی حائل کپڑے وغیرہ کے جنبی اور بے وضو دونوں کو منع

(۱) قال فی الدر المختار: والتفسیر کمصحف لا الکتب الشرعیة فإنه رخّص مسّها بالید لا التفسیر۔ وفی الشامی: ظاهره حرمة المسّ کما هو مقتضی التشبیه، وفیه نظر، إذ لا نصّ فیه بخلاف المصحف، فالمناسب التعبیر بالکراهة کما عبّر غیره ...... ومشی فی الفتح علی الکراهة فقال: قالوا: یکره مس کتب التفسیر والفقه والسنن لأنها لا تخلو عن آیات القرآن (الدر والرد ۱/۲۸٦ کتاب الطهارة – مطلبٌ: یطلق الدعاء علی ما یشمل الثناء)

(۲) الشامی ۱/۳٦۴ کتاب الطهارة. باب التیمم.

ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (سورۂ واقعہ، آیت ۷۹) یعنی قرآن شریف کو وہی لوگ چھو سکتے ہیں جو باوضو ہوں اور غسل کی حاجت ان کو نہ ہو، الغرض اس حکم میں دونوں برابر ہیں۔

حیض کی حالت میں قرآن شریف پڑھنا اور پڑھانا

سوال: (۲۷) زنے بالغہ قرآن شریف راسبقاً می خواند پس اوور ایام حیض اگر سبق ترک کند ضرر عظیم می رسد و باعث محرومی پس چہ کند در ایام حیض بخواند یا نہ؟ (۱۳۳۱/۱۹۶۴ھ)

ترجمہ: سوال: (۲۷) ایک بالغہ عورت قرآن شریف سبق کے طور پر پڑھتی ہے، مگر وہ حیض کے دنوں میں سبق چھوڑ دے تو بڑا نقصان ہوتا ہے اور باعث محرومی ہے، لہٰذا وہ عورت کیا کرے پڑھے یا نہ؟

الجواب: لأنه جوّز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة الخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتعلم کی صورت میں حائضہ الگ الگ ایک ایک کلمہ پڑھا سکتی ہے اور پڑھ سکتی ہے (۲)

جنابت کی حالت میں قرآن کریم کی تعلیم دینا

سوال: (۲۸) کیا کوئی مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن شریف کی تلاوت کرسکتا ہے؟ اگر کرسکتا ہے تو کتنی آیت تک؟ (۲۰۵۳/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جنابت کی حالت میں تلاوت قرآن حرام ہے، لیکن ایک آیت سے کم پڑھنا جائز ہے (۳)

---

(۱) الشامي ۱/ ۲۸۱ كتاب الطهارة، في آخر مطلبٌ: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة.

(۲) لیکن تعلیم کی صورت میں تو الفاظ کی تقطیع ممکن ہے، تعلم کی صورت میں یہ بات ناممکن ہے، پس حائضہ زمانۂ حیض میں حفظ وناظرہ نہ پڑھے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۳) جنابت کی حالت میں ایک آیت سے کم پڑھنے میں اختلاف ہے، لیکن عدم جواز کا قول راجح درمختار ہے جیسا کہ غایۃ الأوطار شرح اردو درمختار میں ہے: اور کمتر از آیت بھی قرآن ہے تو اس کی بھی قراءت ممنوع ٹھہری پوری آیت کے مانند (غاية الأوطار ۱/ ۸۷ كتاب الطهارة تحت قوله ولو دون آية على المختار) درمختار اور شامی میں ہے:

ويحرم به تلاوة قرآن ولو دون آية على المختار بقصده (الدرالمختار) وفي الشامي قوله: (على المختار) أي من قولين مصححين، ثانيهما أنه لا يحرم ما دون آية ورجحه ابن الهمام. =

یا معلم کو ایک ایک کلمہ پڑھانا بھی جائز ہے۔ درمختار میں ہے: ویحرم بہ تلاوۃ قرآن ...... بقصدہ فلو قصد الدعاء أو الثناء أو افتتاح أمر أو التعليم ولقن كلمة كلمة حل فى الأصح (۱)

قرآن شریف کھلا رکھ کر باتیں کرنا

سوال: (۲۹) زید قرآن پڑھ رہا ہے، قرآن شریف کھلا چھوڑ کر کسی سے بات چیت کرنا اور قرآن شریف کی توقیر نہ کرنا کیسا ہے؟ (۴۰۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: یہ امر خلاف آداب قرآن شریف ہے۔ لہذا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

پان کھا کر قرآن کی تلاوت کرنا

سوال: (۳۰) پان یا دیگر اشیاء کھاتے ہوئے آیت قرآنیہ پڑھ سکتا ہے یا نہ؟ (۱۲۲۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: پڑھ سکتا ہے۔

حقہ پیتے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت کرنا

سوال: (۳۱) حقہ پیتے ہوئے تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۰۲۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: حقہ پینا شرعاً مباح ہے البتہ خلاف اولیٰ ہے، اور یہ امر کہ حقہ پیتا رہے اور اسی حالت میں تلاوت قرآن شریف بھی کرتا رہے یہ اچھا نہیں ہے، آداب تلاوت کے یہ امر خلاف ہے، اگر چہ ثواب تلاوت کا اس حالت میں بھی ملے گا۔ فقط

= بأنه لايعد قارئا بما دون آية فى حق جواز الصلاة فكذا هنا. واعترضه فى البحر تبعًا للحلية بأن الأحاديث لم تفصل بين القليل والكثير والتعليل في مقابلة النص مردود اهـ. والأول قول الكرخي رحمه الله والثانى قول الطحاوى رحمه الله.

أقول: ومحله إذا لم تكن طويلة، فلو كانت طويلة كان بعضها كآية. لأنها تعدل ثلاث آيات (الدر والرد ۲۸۱/۱ كتاب الطهارة، قبيل مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء)

(۱) الدر المختار مع الشامي ۲۸۱/۱ كتاب الطهارة. قبيل مطلب: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء.

لیٹے لیٹے قرآن شریف کی تلاوت کرنا

سوال: (۳۲) تندرست آدمی قرآن شریف کی تلاوت لیٹے لیٹے کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۶۰۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: کر سکتا ہے۔(۱)

ایک گز اونچے وضو خانے کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرنا

سوال: (۳۳) ایک شخص مسجد میں نماز پڑھ کر قرآن شریف رحل پر رکھ کر ہاتھ میں لے کر تلاوت کرتا ہے اور مصلیان بہ غرض وضو مسجد کی دیوار پر جو ایک گز اونچی ہے بیٹھتے ہیں؛ ایسی حالت میں کوئی گناہ تو نہیں؟ (۱۱۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: کچھ گناہ نہیں ہے۔

جہاں قرآن شریف کا درس ہو رہا ہے
اس کی بالائی منزل پر چڑھنا جائز ہے

سوال: (۳۴) ...... (الف) مسجد کے جنوب وشمال ہر دو طرف دو منزلہ درس گاہیں واقع ہیں، اور درمیان میں صرف صحن مسجد جو تقریباً دس گز ہوگا واقع ہے، اور دونوں طرف کی درس گاہیں ایسی ہیں کہ اگر جنوب کی درس گاہ کے دو منزلہ پر چڑھا جائے تو شمال کے نیچے کی درس گاہ میں طلبہ قرآن شریف پڑھتے ہوئے بہ خوبی معلوم ہوتے ہیں، اور جس جانب کے دو منزلہ پر چڑھا جاتا ہے اس کے نیچے بھی قرآن شریف کا درس ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ان پر چڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اور اگر صحن مسجد میں قرآن شریف کا درس ہو رہا ہو یا تلاوت ہو رہی ہو تو ایسی حالت میں مسجد کے کسی اطراف میں کسی ایسے دو منزلہ پر چڑھنا کہ جہاں سے صحن مسجد میں قرآن شریف پڑھتا ہوا شخص معلوم ہوتا ہو جائز ہے یا نہیں؟ (۸۱۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) ایسی حالت میں اوپر کے درجے پر چڑھنا اور پڑھنا پڑھانا بھی درست ہے۔

---

(۱) لابأس بالقراءة مضطجعًا (الفتاوی الهندية: ۳۱۶/۵ كتاب الكراهية ـ الباب الرابع في الصلاة الخ)

(ب) دوسری صورت بھی درست ہے۔

میت سے نیچے قرآن شریف رکھ کر پڑھنا

سوال: (۳۵) میت چارپائی پر ہو؛ ایسی حالت میں نیچے قرآن شریف رکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟
(۳۱۲۸/۳۶-۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ بے ادبی ہے ایسا نہ کرنا چاہیے۔

قرآن شریف کی تعلیم نیچے ہو رہی ہو تو اوپر کے حصے میں نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۳۶)......(الف) اگر قرآن مجید نیچے رکھ کر پڑھا جائے اور لوگ اس سے اونچی چیز پر بیٹھے لیٹے ہوں بلا حائل کے، تو یہ کس قدر فصل و بعد یا کن مقامات پر جائز ہے؟

(ب) مسجد سے خارج لیکن اس کی ضروریات کے لیے صحن مسجد کے نیچے ایک دالان ہے جس میں کواڑ وغیرہ کچھ نہیں، اگر اس دالان میں لڑکوں کو معلم؛ قرآن نیچے دالان میں رکھا کر پڑھائے تو اس صورت میں نمازیوں وغیرہ کے جو کہ صحن مسجد میں اونچے ہونے اور قرآن کے ان کے متصل ہی بلا حائل نیچے ہونے سے قرآن مجید کی بے ادبی ہوگی؟ اور نا جائز ہوگا یا نہیں؟ (۳۲۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: آداب قرآن شریف سے یہ ہے کہ اس کو اونچی جگہ پر رکھا جائے؛ لیکن بہ ضرورت اگر نیچے کے مکان میں تعلیم ہو اور اوپر نمازی نماز پڑھیں تو اس میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: ویکرہ وضع المصحف تحت رأسه إلا للحفظ الخ (۱) تو جب کہ حفاظت قرآن شریف کی وجہ سے اس کو سر کے نیچے رکھنا بھی درست ہے تو بہ ضرورت جو صورتیں سوال میں درج ہیں وہ بھی درست ہیں اس میں شریعت سے تنگی نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (سورۂ حج، آیت: ۷۸) اور حدیث شریف میں ہے: الدّین یسرٌ (۲) پس ضرورت کے وقت یہ امور توہین نہیں ہیں۔ فقط

(۱) الدر مع الشامی ۱/۲۸۷ کتاب الطهارة ، مطلبٌ: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء .

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الدين يسرٌ لن يشاد الدين أحدٌ إلا غلبه فسددوا و قاربوا وأبشروا واستعينوا بالغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشيءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ (الجامع الصحيح للبخاري ۱/۱۰ كتاب الإيمان ، بابٌ: الدين يسرٌ)

سوال: (۳۷) جب کہ ایک شخص کلام اللہ ایک مکان میں تلاوت کررہا ہو، اور دوسرا شخص اس مکان کے علاوہ کسی اور مرتفع مکان میں تالی (یعنی تلاوت کرنے والے) کے سامنے بیٹھا ہوتو کلام پاک کی بے ادبی ہوگی؟ یا مکان کے اختلاف کی وجہ سے شرعاً اجازت ہے؟ (۵۹۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (سورۂ حج، آیت: ۷۸) پس جب کہ حرج شرعاً مرتفع ہے تو دوسرے مکان میں ہونے کی وجہ سے سوئے ادبی نہ ہوگی۔

جس گھر میں قرآن ہو اس کی بالائی منزل پر بیت الخلاء بنانا

سوال: (۳۸) دو منزلہ مکان جس کے نیچے کے حصے میں قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے یا علوم دینیہ حدیث وفقہ کی تعلیم ہوتی ہے، اور کتب شرعیہ قرآن شریف وغیرہ رکھے ہوئے ہیں تو ایسے اوپر کے حصے پر رہنا اور بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۷۷۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس میں کوئی حرج نہیں؛ علت کراہت محاذات اور سامنے ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ علت نہیں پائی جاتی وہ تو دونوں مکان علیحدہ علیحدہ ہیں البحر الرائق میں ہے: وقالوا: يكره أن يمد رجليه في النوم وغيره إلى القبلة أو المصحف أو كتب الفقه إلا أن تكون على مكان مرتفع عن المحاذات (۱) (۳۶/۵) وفي الدر المختار: يجوز قربان المرأة في بيت فيه مصحف مستور (۲) (درمختار مع الشامی ۱/۱۲۰)

ملْ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا حکم

سوال: (۳۹) بروز جمعرات روزہ رکھ کر بعد نماز فجر قرآن شریف پڑھے اور لفظ: مل بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم پڑھے تو کیسا ہے؟ (۱۱۴۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ لفظ مل بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم ناجائز ہے۔

(۱) البحر الرائق ۵۹/۲ کتاب الصلوۃ ۔ فصلٌ في استقبال القبلة بالفرج الخ ۔

(۲) الدر المختار مع الشامی ۲۸۸/۱ کتاب الصلوۃ ۔ مطلبٌ: يطلق الدعاء على مايشمل الثناء ۔

شبینہ کا حکم

سوال: (۴۰) شبینہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۳۲۱ھ)

الجواب: شبینہ میں کچھ حرج نہیں ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ حفاظ جلدی نہ پڑھیں؛ ایسی جلدی کرنا کہ جس میں حروف سمجھ میں نہ آئیں ممنوع ہے بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہوتا ہے۔

سوال: (۴۱) اور شبینہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۳۶۱ھ)

الجواب: شبینہ اگر قرآن شریف کو صحیح اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ ہو تو عمدہ ہے لیکن جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے اکثر سبب معاصی کا ہوتا ہے ترک کرنا چاہیے۔ فقط

بطور تفاخر ایک رات میں قرآن ختم کرنا

سوال: (۴۲) ایک رات میں قرآن شریف ختم کرنا اور آپس میں فخر کرنا کہ کس کو زیادہ یاد ہے، اگر کسی کو کم یاد ہو تو اس پر ہنسنا وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۱۷۶۴ھ)

الجواب: شبینۂ مذکورہ جس میں تفاخر مقصود ہو اور قرآن شریف کے سنانے سے غرض حصول دنیا ہو، اور مفاسد مذکورہ فی السؤال کو مشتمل ہو، شرعاً کسی طرح درست نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (سورۂ بیّنہ، آیت:۵) وقال فی ردالمحتار: و قال العینی فی شرح الهداية: و یمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان الخ (۱)

چند حافظوں کا ایک رات میں قرآن ختم کرنا

سوال: (۴۳) ایک شب میں چند حفاظ کا قرآن شریف شبینہ میں ختم کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۳۵۴ھ)

الجواب: قرآن شریف کو ایسے جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں اور مخارج سے ادا نہ ہوں، ناجائز ہے؛ پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہوگی تو وہ بھی ناجائز ہے۔ کما فی الدر المختار: ویجتنب

(۱) الشامی ۶۶/۹ کتاب الإجارة، مطلبٌ: تحریر مهم فی عدم جواز الاستئجار علی التلاوة الخ.

المنکرات هَذْرَمَة (سُرْعَة) القراءة الخ (۱)

قرآن شریف ختم کر کے اوّل سے شروع کرنا

سوال: (۴۴) ختم قرآن میں چند آیات مختلفہ پڑھی جاتی ہیں؛ یہ جائز ہے کہ نہیں؟ (۱۵۲۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس کا کچھ بھی ثبوت نہیں ہے صرف اس قدر وارد ہے کہ قرآن شریف ختم کر کے اول سے شروع کردیوے، اس کو ''حال مرتحل'' کہتے ہیں یہ حدیث سے ثابت ہے (۲)

قرآن شریف ختم کر کے نمک یا پانی پر دم کرنا اور ناپاک جگہ میں ذکر وتلاوت کرنا

سوال: (۴۵)...... (الف) جب بندہ معمولاً قرآن ختم کرتا ہے تو گھر والے نمک یا پانی دم کرواتے ہیں اور تبرکاً پیتے ہیں؛ کیا یہ شرعاً درست ہے؟

(ب) زید کہتا ہے کہ کلام الٰہی یا درود شریف یا ذکر پڑھ کر فوراً آگ پر پھونک نہ ماری جائے، اپنے پر یا کسی دوسرے آدمی پر پھونکا جائے؛ کیا یہ خیال زید کا شرعاً درست ہے؟

(ج) زید کا مکان تنگ اور صحن بھی چھوٹا سا ہے وہاں گائے بھی بندھتی ہے، زید بعض دفعہ گوبر وغیرہ صاف کرا کر اور بعض دفعہ بلا صاف کرائے ذکر اور قرآن پڑھتا ہے تو جائز ہے یا نہیں؟

(د) اگر ذکرِ جہر سے سونے والوں کو کچھ تکلیف نہ ہو تو ذکر جہر کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ (ب) یہ خیال زید کا غلط ہے۔

(ج) جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پاک وصاف جگہ میں ذکر وتلاوت کرے۔

(د) جب کہ کسی کی نیند میں کچھ خلل نہیں آتا تو ذکر جہر بلا کراہت درست ہے۔

---

(۱) الدر مع الشامی ۴۳۵/۲ کتاب الصلوة . مبحثُ صلوة التراویح .

(۲) عن ابن عباس رضی الله عنه قال : قال رجل: یا رسول الله ! أی العمل أحب إلی الله ، قال: الحالّ المرتحل (ترمذی ۱۲۳/۲ أبواب القراءة — باب بلا ترجمة) وعلی هامشه : قوله : الحالّ المرتحل فسّره بالخاتم المفتتح ، وهو من یختم القرآن بتلاوته ثم یفتتح التلاوة من أوّله اهـ .

قرآن کریم کی تلاوت کا ایک نامناسب طریقہ

سوال: (۴۶) ختم قرآن شریف کے وقت دو حافظ ایک ایک آیتِ کریمہ کو باری باری سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھتے ہیں، جب ایک حافظ خاموش ہوتا ہے تو دوسرا اس سے آگے سے پڑھنا شروع کرتا ہے، اور خاموش ہونے والا آہستہ آہستہ دل میں پڑھتا جاتا ہے یہ طریق شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۴۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حکم یہی ہے کہ جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) ترجمہ: اور جب پڑھا جائے قرآن پس اس کو سنو اور چپ رہو، لہٰذا یہ صورت کہ دوسرا ان آیتوں کو آہستہ پڑھتا رہے درست نہیں ہے (۱) اور اس طریق سے کہ ایک حافظ چند آیتیں پڑھے اور دوسرا اس کے آگے سے، اس کا التزام بھی اچھا نہیں ہے۔

خطبۂ جمعہ سے پہلے تلاوت قرآن بند کرانے کے لیے تالی بجانا

سوال: (۴۷) حیدرآباد دکن کے ایک ویران محلّہ میں جہاں محض جہلاء کی آبادی ہے، وہاں ایک مسجد بھی واقع ہے اس مسجد میں ہر جمعہ کو قبل نماز جمعہ قرآن شریف کا ختم ہوتا ہے، اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ خطبہ کا وقت قریب ہو جانے کی وجہ سے نمازیوں سے پارہ واپس لینے کے لیے یہاں پر ایک اصطلاح نکالی گئی ہے کہ ایک یا دو اصحاب تالی بجا دیتے ہیں جس سے لوگ تلاوت قرآن بند کر کے پارہ واپس کر دیتے ہیں، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ طریقہ اسلام کا نہیں ہے مسجد میں تالی بجانا نہیں چاہیے؛ بلکہ ایک شخص اٹھ کر سب کے ہاتھ سے پارہ لے لے یا کہہ دے کہ پارہ واپس کر دو؛ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۶۴۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس میں یہ صورت مناسب ہے کہ بجائے تالی بجانے کے کوئی شخص خود اٹھ کر پارہ واپس لے لے، اور کہہ دے کہ پارہ واپس کر دو، کیونکہ تالی بجانا مسجد میں مناسب نہیں ہے، اور آنحضرت

(۱) کیونکہ یہ استماع وانصات کے منافی ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

ﷺ نے تالی بجانے کی اجازت مردوں کو اس حالت میں بھی نہیں دی کہ امام سے کچھ سہو ہو جائے، اس حالت میں بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تسبیح کے ساتھ امام کو متنبہ کرو، تالی کے ساتھ نہ کرو، چنانچہ فرمایا: التسبیح للرجال والتصفیق للنساء أو کما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم (۱)

ایصالِ ثواب کے لیے ختم قرآن میں معاوضہ کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہیے

سوال: (۴۸) زید نے اپنے دس ملاقاتیوں کو کہہ دیا کہ بعد نماز فجر ختم قرآن میں شریک ہوں، اور ناشتہ بھی کریں، اس میں دو اشخاص نے مخالفت کی، اور کہا کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور بدعت ہے؛ زید یہ بھی کہتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن بلا تعیین وقت ومقام ہوتا ہے؛ اس مسئلے میں کیا حکم شرعی ہے؟ (۲۱۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ختم قرآن شریف یا کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرانا امر مستحسن ہے؛ لیکن اس میں قیود اور پابندی دن اور تاریخ کی نہ ہونی چاہیے، دوسرے یہ کہ اس کا معاوضہ کھانا وغیرہ کچھ نہ ہونا چاہیے؛ بلکہ جیسا مدرسہ ہذا میں بلا تعیین یوم ووقت طلبہ لوجہ اللہ قرآن شریف وکلمہ طیبہ پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرتے ہیں، اسی طریق سے ہونا چاہیے، اس میں پڑھنے والوں کو ناشتہ وطعام وشیرینی وغیرہ کچھ نہیں دیا جاتا؛ پس اگر ایسا اجتماع لوجہ اللہ ہو سکے تو فبہا؛ ورنہ پھر بہتر یہ ہے کہ جو کچھ خود ہو سکے پڑھ کر ثواب پہنچا دیا جائے، یا خاص اپنے احباب جو بلا معاوضہ ناشتہ وغیرہ، قرآن شریف وغیرہ کسی وقت پڑھ کر ثواب میت کو پہنچا دیں ان سے پڑھوایا جائے، اجتماع کی کچھ ضرورت نہیں ہے؛ الغرض اس میں شائبہ بھی معاوضہ کا نہ ہونا چاہیے ورنہ پھر ثواب حاصل نہ ہوگا۔ فقط

دل سے تلاوت کرنے پر ثواب میں کمی ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۴۹) ایک ضعیف القلب کو کلام مجید زبانی پڑھنے میں قلب پر گرانی ہوتی ہے، ایسا شخص اگر دل سے تلاوت کرے تو ثواب میں کمی ہوگی یا نہ؟ (۸۷/۴۶-۱۳۴۷ھ)

---

(۱) عن سهل بن سعد رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء (البخاري ۱/۱۶۰ كتاب الصلاة - بابٌ: التصفيق للنساء)

الجواب: تلاوت قرآن شریف وہی ہے جو زبان سے ہو خواہ جہراً ہو یا سرّا، اگر جہراً میں دشواری ہو تو سرّا تلاوت کی جائے، تلاوت کا مطلب یہی ہے کہ زبانی تلاوت ہو، باقی ثواب دل کی تلاوت سے بھی ہے۔ فقط

لوگوں کو باتوں سے روکنے کے لیے ذکر وتلاوت میں مشغول کرنا

سوال: (۵۰) اگر کوئی شخص قبل جمعہ کے اس خیال سے کہ لوگ باتیں نہ کریں لوگوں سے کلام اللہ پڑھواتا ہے اور جو قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا، اس سے تسبیح پڑھواتا ہے اس میں کچھ حرج سنتیں پڑھنے میں نہیں ہوتا ہے؛ کیا حکم شرعی ہے؟ (۱۶۵۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی حالت میں قرآن شریف وتسبیح جو کچھ پڑھیں آہستہ پڑھیں تاکہ مصلیوں کو تشویش نہ ہو۔ فقط

سود خوار کے قرآن میں تلاوت کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۵۱) ایک سود خوار مرگیا، اس کے وراثوں نے اس کا قرآن شریف دوسرے شخص کو دیدیا، اس میں تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس قرآن شریف میں تلاوت کرنا درست ہے۔ فقط

چوری کے قرآن اور کتابوں میں پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۲) ایک شخص دور دراز سے چوری کرکے چند کتب اور چند قرآن شریف لایا، اگر وہ سارق کسی مولوی ملاّ کو قرآن اور کتاب دیدے تو اس کو لےکر تلاوت کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۵۴۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر مولوی ملاّ کو حال معلوم نہ ہو تو اس کو اس میں تلاوت کرنا درست ہے، اور تلاوت کا ثواب حاصل ہوگا، اور اگر معلوم ہو تو اس میں تلاوت نہ کرے اور لیوے بھی نہیں، اگر لے لیا ہو واپس کردے، اور یہ کہہ دے کہ تمہارے ذمے یہ واجب ہے کہ اول تو جس کا ہے اس پر واپس کردو یا معاف

کراؤ، اور اگر یہ امر متعذر ہو تو مالک کی طرف سے فقراء کو دیدو۔ فقط

استاذ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن سنانے کا حکم

سوال: (۵۳) بعض جگہ دستور ہے کہ قرآن مجید حفظ کرنے والے طلبہ دست بستہ استاذ کے سامنے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن شریف سناتے ہیں؛ کیا شرعاً دست بستہ سامنے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا اور سنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا کیسا ہے؟ (۱۰۶۱/۳۴-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے، دست بستہ کھڑا ہونا نماز میں ہے، اور کسی کے سامنے دست بستہ کھڑے نہ ہونا چاہیے، اور قرآن شریف سنانے میں بھی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑے نہ ہوں، لڑکوں کو ایسے ہی ہدایت ہونی چاہیے؛ استاذ کو چاہیے کہ لڑکوں سے کہہ دے کہ دست بستہ کھڑے نہ ہوا کریں تاکہ ان کو عادت ہو کہ سوائے نماز کے اور کسی کے آگے دست بستہ کھڑے نہ ہوں۔ فقط

دیوان حافظ اور قرآن شریف سے فال لینا کیسا ہے؟

سوال: (۵۴) ''دیوان حافظ'' اور ''قرآن شریف'' سے فال لینا کیسا ہے؟ بعض لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ دیوان حافظ کی فال صحیح ہے، فال دیکھنا اور اس پر اعتقاد رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ (۱۲۶۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: کلمہ حسنہ سے فال لینا حدیثوں میں آیا ہے؛ لیکن اس کا حاصل صرف اسی قدر ہے کہ کوئی اچھا کلمہ سن کر یا دیکھ کر اپنے مقصد کے متعلق کوئی اچھا گمان کرے مثلاً لفظ نجاح یا رباح یا حسن وغیرہ سن کر یا دیکھ کر یہ حسن ظن کرے کہ ان شاء اللہ میرا مقصد پورا ہوگا یا نفع ہوگا یا مآل اچھا ہوگا، اس قسم کی فالِ حسن قرآن شریف اور دیوان حافظ وغیرہ سے لینا بھی درست ہے؛ لیکن یہ کوئی حکم من اللہ نہیں ہے کہ اس کا یقین کرے، یا اس کو اللہ کا حکم سمجھے بلکہ محض اپنی تسلی خاطر ہے، اس سے زیادہ اس میں اعتداء (تجاوز) کرنا اور اس کو حکم الٰہی سمجھنا یہ محض افتراء اور اعتداء حدود اللہ ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۹)

جس کمرہ میں قرآنی آیات چسپاں ہیں اس میں ہم بستری کرنا

سوال: (۵۵) جس کمرے میں چند قطعات چسپاں ہیں جن میں آیت کریمہ وکلمہ شریف مرقوم ہیں اس کمرے میں اپنی منکوحہ سے ہم بستر ہوسکتا ہے یا ان قطعات کو الگ کرلیا جائے؟ (۲۵۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قال فی الدر المختار: لابأس بالجماع فی بیت فیه مصحف للبلوی الخ (۱) شامی میں ہے: وقیده فی القنیة بکونه مستورًا وإن حمل مافیها علی الأولویّة زال التنافی (۱) حاصل یہ ہے کہ جس کوٹھری میں قران شریف ہے اس میں اپنی زوجہ سے جماع درست ہے، لیکن بہتر و اولیٰ یہ ہے کہ قرآن شریف، غلاف میں مستور ہو، پس جب کہ قرآن شریف کے بارے میں یہ حکم ہے تو کلمہ طیبہ میں بدرجہ اولی یہ حکم ہے یعنی جائز ہے، مگر اولیٰ یہ ہے کہ ان پر کپڑا ڈال دیا جائے۔ فقط

قرآن شریف کی آیات اخباروں میں چھاپنا

سوال: (۵۶) آیات قرآنی کی بےادبی اور تحقیر کا خیال کرتے ہوئے درج اخبار کرنا جائز ہے؟ جب کہ غرض صرف آیت کا ترجمہ درج کرنے سے اور پارہ ورکوع کا حوالہ دینے سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ (۱۵۵۳/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: یہ اشکال صرف اخبارات تک ہی محدود نہیں کتابوں اور رسائل وغیرہ میں بھی یہی اشکال ہوتا ہے، پس صرف تحریر آیات میں تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ ایسے کاغذات کو حتی الامکان تحقیر سے بچانا چاہیے، بالقصد ان کی تحقیر جائز نہیں؛ بہرحال ابتلاء عام کے وقت باب جواز میں وسعت بھی ہے۔ فقط

سوال: (۵۷) آج کل اخباروں اور اشتہاروں میں اکثر دیکھا جاتا ہے کہ قرآن مجید وفرقان حمید کی آیات، مضامین کے عنوانات اور اثنا تحریرات میں لکھی ہوتی ہیں، اور اس سے زیادہ ظلم یہ کہ اکثر قرآن مجید کے نمونے اخباروں کے صفحوں پر چھاپ دیتے ہیں، اور وہ اخبار پامال ہوتے ہیں، اولہٰذا اخبار نویسوں کو معلوم ہے تو اخبار نویسوں پر شرعًا کوئی الزام اور مؤاخذہ ہے یا نہیں؟ (۲۷۹۲/۱۳۴۱ھ)

(۱) الدر مع الشامی ۵۱۹/۹ کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع۔

الجواب: یہ ادب اور احتیاط دیکھنے والوں کے ذمے زیادہ لازم ہے کیونکہ اخبار شائع کرنے والے اور طبع کرنے والے یہ نہیں کہہ دیتے کہ حفاظت وادب نہ کرنا، لیکن بوجہ عرف و عادت کے علم ہونے کے اخبار والوں کو بھی اگر گناہ میں شرکت ہوتو بعید نہیں ہے، مگر وہ فی الجملہ مجبور بھی ہوتے ہیں، اور حدیث شریف میں: إنما الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى (الحديث)(۱) فقط

سوال: (۵۸) آج کل اشتہارات اور اخبارات اور ناولوں کی کتب اور واہیات سے واہیات قصہ کہانی کی کتابوں میں عموماً آیات کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ تحریر ہوتی ہیں اور یہ ہر کس و ناکس ہندو مسلمان پاک اور ناپاک اچھے برے کے ہاتھوں میں جاتی ہیں، کتب کی احتیاط تو کسی قدر متصور بھی ہے، لیکن اخبارات واشتہارات کی حالت ناگفتہ بہ ہے؛ اس بارے میں کیا حکم شریعت کا ہے؟ (۱۳۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: احترام آیات قرآنیہ، سورتوں، اور اسمائے حق تعالیٰ وانبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا ضروری ہے جس مسلمان کے ہاتھ میں ایسا کاغذ واخبار یا کتاب آئے اس کو چاہیے کہ اس کی بے حرمتی نہ کرے؛ اس سے زیادہ اور کوئی کیا انتظام کر سکتا ہے۔

غیر مسلم قرآن پاک کو ہاتھ لگائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۵۹) جب کہ قرآن شریف کتاب مطہر ہے اور اس کا مس کرنا با طہارت ہونے کے سوا بحکم قرآنی ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (سورۂ واقعہ، آیت: ۷۹) حرام ہے اور کافر بہ حکم خداوند تعالیٰ نجس ہیں ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۲۸) پھر یہ کتاب مطہر ایسے قوم کے پریس میں طبع ہونا یا دکانوں پر بیع وفروخت ہونا ہتک حرمت ہے یا نہیں؟ اور مسلمان اس وجہ سے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۲۳ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ مخاطب اس حکم کے اہل ایمان واسلام ہیں جیسا کہ کتب اصول وفقہ میں ہے کہ کفار مخاطب فروع کے نہیں ہیں، ایمان لانے کے بعد آدمی اس امر کا مکلف ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ بجالاوے، البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمان اپنے اختیار سے کفار سے مس مصحف نہ کراویں، لیکن جب کہ اہل

(۱) صحيح البخاري ۲/۱ باب كيف كان بدء الوحي.

اسلام کے اختیار سے یہ امر باہر ہے تو اہل اسلام اس وجہ سے عاصی نہ ہوں گے کہ کفار نے مس مصحف وغیرہ کیا، بے شک بہ صورت اختیار فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ کفار کو مس مصحف نہ کرنے دیں، درمختار میں ہے: ویمنع النصرانی من مسّه وجوّزه محمدٌ إذا اغتسل الخ (قوله ویمنع النصرانی) فی بعض النسخ: الکافر، وفی الخانیة: الحربی أو الذمی (۱) فقط

جس کاغذ میں آیات واحادیث کے ترجمے ہوں اس کا حکم

سوال: (۶۰) جس کاغذ میں قرآن شریف اور حدیث شریف کا اردو ترجمہ ہو ایسے کاغذ کو کسی رسالے یا اخبار کے اوپر لپیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۰۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسے امور سے احتراز رکھنا چاہیے، یعنی دینیات کے اوراق کو ایسے کاموں میں نہ لانا چاہیے۔ فقط

جس کاغذ پر آیت قرآنی لکھی ہوئی ہو اس کو جیب میں رکھ کر قضائے حاجت کرنا

سوال: (۶۱) تعویذ موم جامہ کیا ہوا پاخانہ میں ساتھ لے جانا کیسا ہے؟ اور جیب میں اگر کوئی کاغذ ہو جس پر آیت قرآنی لکھی ہوئی ہو؛ اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۵۵۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: پاخانہ پیشاب کے وقت تعویذ اور آیت قرآنیہ کو کھول کر علیحدہ رکھ دینا چاہیے اور اگر یاد نہ رہے تو مؤاخذہ نہیں ہے۔

سوال: (۶۲) اگر جیب میں پنج سورہ یا کوئی سپارے کی آیت ہو اور کسی موقع پر پیشاب کرنے لگیں تو گناہ تو نہیں؟ (۱۹۰۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بوقت پیشاب پاخانہ کے اس پنج سورہ وغیرہ کو جیب سے نکال کر رکھ دینا چاہیے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ حاجت ضروری کے وقت اپنی انگشتری جس پر محمد

(۱) الدر المختار والشامی ۱/ ۲۸۷ کتاب الطهارة. مطلبٌ: یطلق الدعاء علی مایشمل الثناء.

رسول اللہ منقوش تھا نکال کر رکھ دیتے تھے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قضائے حاجت کے وقت کسی آیت کا خیال آجائے تو کیا کرے؟

سوال: (۶۳) اگر پاخانہ میں بیٹھے ہوئے کسی آیت قرآنیہ کا دھیان بندھ جائے اور روکے سے نہ رکے تو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۹۴۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دھیان بندھ جانے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور نہ اس خیال کے روکنے کی ضرورت ہے مگر زبان سے نہ پڑھے۔

قبرستان میں قرآن پاک دیکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۶۴) قبرستان میں کلام مجید حفظ یا ناظرہ پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ (۱۱۹۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: قبرستان میں کلام اللہ حفظ یا ناظرہ پڑھنا جائز ہے۔ فقط

بہ غرض تعظیم ومحبت قرآن کو پیشانی یا سر پر رکھنا

سوال: (۶۵) قرآن شریف کو پیشانی پر رکھنا، یا سر پر رکھنا، بوجہ تعظیم یا محبت کے جائز ہے یا نہیں؟ روی عن عمر رضی اللّٰہ عنه أنه کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبله ...... وکان عثمان رضی اللّٰہ عنه یقبل المصحف ویمسحه علی وجهه (۲) (درمختار) یہ دلیل جواز کی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۰۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ دلیل پیشانی پر رکھنے کے جواز واستحباب کی بھی ہوسکتی ہے۔ فقط

قرآن مجید پر کوئی چیز رکھنا

سوال: (۶۶) کلام مجید کے اوپر ایک رکابی تانبے کی وزنی پاؤ سیر جس میں دودھ کی کھیر ہے رکھ

(۱) عن أنس رضی اللّٰہ عنه قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا دخل الخلاء وضع خاتمه (سنن أبی داوٗد ۱/۴ کتاب الطهارة – باب الخاتم یکون فیه ذکر اللّٰہ تعالٰی یدخل به الخلاء)

(۲) الدر المختار مع الشامی ۴۲۹/۹ کتاب الحظر والإباحة – قبل فصلٌ فی البیع.

سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۷۰۸ھ)

الجواب: ایسا کرنا نہ چاہیے۔ فقط

قرآن شریف کو یاد کر کے بھول جانا

سوال: (۶۷) جو شخص قرآن شریف پڑھ کر اس کو چھوڑ دے، جب اس کو کہا جاوے تو یہ جواب دے کہ مجھے دنیاوی کاروبار سے فرصت نہیں ملتی، اور آیت کریمہ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ الآیة﴾ (سورۂ طٰہٰ، آیت: ۱۲۴) کے حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے کہ سب سے بڑا گناہ قرآن شریف کی آیت کو یاد کر کے بھلا دینا ہے، ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۳/۷۹۷ھ)

الجواب: قرآن شریف پڑھ کر اور یاد کر کے بھول جانا سخت گناہ ہے(۱) اور جو عبارت حاشیہ کی نقل کی ہے وہ صحیح ہے۔ فقط

بوسیدہ قرآن اور کتابوں کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۶۸) قرآن شریف اور حدیث وفقہ وغیرہ کی بوسیدہ کتابوں کو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۳۴۰/۸۶۲ھ)

الجواب: ان کو پاک کپڑوں میں لپیٹ کر کے محفوظ جگہ دفن کر دینا چاہیے یا اور جو کچھ طریقہ حفاظت کا مناسب ہو وہ کیا جاوے۔ فقط

سوال: (۶۹) بوسیدہ قرآن کو جلا دیا جائے؟ یا مٹی میں دفن کر دیا جائے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۴/۲۲۷۴-۳۲/۱۳۳۳ھ)

الجواب: قرآن شریف بوسیدہ کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا چاہیے، جب تک اس پر حروف باقی ہیں جلانا نہیں چاہیے۔ قال فی الدر المختار: المصحف إذا صار بحال لایقرء فیه

---

(۱) لیکن یہ وعید اس وقت ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ إذا حفظ الإنسان القرآن، ثم نسیه، فإنه یأثم وتفسیر النسیان: أن لا یمکنه القراءة من المصحف (الفتاوی العالمغیریة: ۵/۳۱۷ کتاب الکراهیة ــ الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح الخ)

يدفن كالمسلم الخ وفي الشامي: وأما غيره من الكتب فسيأتي في الحظر والإباحة أنه يمحى عنها اسم الله تعالى وملائكته ورسله ويحرق الباقي الخ (۱) (شامی)

سوال: (۷۰) قرآن شریف اگر کہنہ اور بوسیدہ ہوجائے اور لائق تلاوت نہ رہے تو اس کو کیا کریں؟ (۲۲۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: المصحف إذا صار بحال لا يقرء فيه يدفن كالمسلم قوله يدفن أي يجعل في خرقة طاهرة ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ وفي الذخيرة: وينبغي أن يلحد له الخ (۱) (شامی) اس کا حاصل یہ ہے کہ جب قرآن شریف ایسا ہوجائے کہ قابل تلاوت کے نہ رہے تو اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر ایک لحد کھود کر اس میں دفن کیا جائے جیسے مسلمان کو دفن کیا جاتا ہے اور اگر لحد نہ ہو شق ہو تو اس پر لکڑیاں رکھ کر مٹی ڈالی جائے۔

بوسیدہ قرآن شریف کو جلانا بے ادبی ہے

سوال: (۷۱) اگر قرآن شریف بوسیدہ کو دفن نہ کیا جائے، بلکہ جلا کر اس کی راکھ پاک جگہ میں دفن کردی جائے، کیا حرج ہے؟ کیونکہ دفن کرنے سے شاید دوبارہ کسی وقت باہر نکل آوے، اور پھر بے ادبی ہو۔ (۱۳۳۱/۱۱۱۱ھ)

الجواب: کتب فقہ میں قرآن شریف بوسیدہ کو دفن کرنے کی ہی تاکید فرمائی ہے، اور جلانے کو سوء ادبی قرار دیا ہے، اور بعض صحابہ سے جو جلانا منقول ہوا ہے، اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ پہلے ان اوراق کو دھوکر پھر صاف کاغذوں کو جلایا گیا ہے، بہر حال دفن کرنا محفوظ جگہ میں کپڑا لپیٹ کر اور لحد کی صورت بنا کر افضل ہے۔

قرآن شریف کی آیات پر مشتمل خطوط کا حکم

سوال: (۷۲) ایک عرصے سے اکثر احباب کے پاس ایسے خطوط آتے ہیں جن میں آیات قرآنی لکھی ہوتی ہیں اور کاتب یہ ہدایت کرتا ہے کہ ایسے گیارہ خطوط اپنے دوستوں وغیرہ کے نام تحریر

(۱) الدر والشامی ۱/ ۲۸۷ کتاب الطهارة – مطلبٌ: يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء.

کرو، کوئی خوش خبری سننے میں آئے گی، ورنہ سخت مصیبت کا شکار ہوگے، اور کاتب اپنا پتہ وغیرہ تحریر نہیں کرتا؛ اس کی ہدایت پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟(۱۵۶۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس کی ہدایت پر شرعاً عمل کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جائز بھی نہیں ہے، اس کو چاک کر کے پاک جگہ دفن کر دیا جائے بوجہ آیات قرآنیہ کے۔ فقط

آدابِ قبرستان

بوسیدہ قبر کی مرمت کرنا

سوال: (۱)...... (الف) قبر اگر کہنہ شود مرمت او باید کرد یا نہ؟ در بعض کتب منع نوشتہ اند۔

(ب) در خزانۃ الفقہ مذکور است: إذا انهدم القبر لايجوز إحداثه فى المرة الثانية لأن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن إحداث القبر فى المرة الثانية فإن فعل ذلك فالميت مسئول ثانيا جواب المنكر والنكير این روایت ثابت وصحیح است یا نہ؟ (۲۳۴۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) مرمت قبر بایں معنی کہ اگر اکثر قبر قریب بہ معدوم گردد و نشان آں از تراب قائم دارند جائز است لأنه إعلام أنه قبر وقد ثبت الإعلام بوضع الحجر (۱)

(ب) وروایت مذکورہ ثابت نیست۔

ترجمہ: سوال: (۱)...... (الف) اگر قبر پرانی ہوجائے تو دوبارہ اس کی مرمت کرنی چاہیے یا

---

(۱) عن كثير بن زيد المدني عن المطلب قال: لما مات عثمان بن مظعون رضى الله عنه أخرج بجنازته فدفن، فأمر النبي صلى الله عليه وسلم رجلا أن يأتيه بحجر، فلم يستطع حمله. فقام إليها رسول الله صلى الله عليه وسلم وحسر عن ذراعيه، قال كثير: قال المطلب: قال الذي يخبرني ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين حسر عنهما، ثم حملها فوضعها عند رأسه قال: أتعلم بها قبر أخي و أدفن إليه من مات من أهلي (سنن أبي داوٗد ج ۲ ص ۴۵۷ كتاب الجنائز – باب في جمع الموتى في قبر والقبر يعلم)

وعن جعفر بن محمد عن أبيه مرسلاً أن النبى صلى الله عليه وسلم حثى على الميت ثلاث حثيات بيديه جميعًا وأنه رشّ على قبر ابنه إبراهيم و وضع عليه حصباء رواه في شرح السنة (مشكاة المصابيح ص: ۱۴۸ كتاب الجنائز – باب دفن الميت)

نہیں؟ بعض کتابوں میں اسے ممنوع لکھا ہے۔

(ب) خزانۃ الفقہ میں ہے کہ قبر جب منہدم ہوجائے تو دوبارہ نئے سرے سے اس کی مرمت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو دوسری مرتبہ نئے سرے سے بنانے سے منع فرمایا ہے: پس اگر کوئی ایسا کرے گا تو میت کو منکر نکیر کے جوابات دوبارہ دینے پڑیں گے —— یہ روایت ثابت وصحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: (الف) قبر کی مرمت کے اگر یہ معنی ہیں کہ قبر کا اکثر حصہ مٹنے کے قریب ہوگیا ہے اور اس کا نشان مٹی سے قائم رکھنا ہے تو جائز ہے اس لیے کہ یہ قبر ہونے کی نشانی بنانا ہے اور پتھر رکھ کر نشانی بنانا حدیث سے ثابت ہے۔

(ب) اور سوال میں ذکر کردہ روایت ثابت نہیں ہے۔

بغرض استمداد قبروں پر پھول چڑھانا

سوال: (۲) قبور پر پھول چڑھانا واسطے اولاد یا اور کسی مطلب کے درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۲۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قبور پر پھول چڑھانا بہ غرض استمداد وطلب حاجات جائز نہیں ہے، بدعت اور حرام ہے۔

قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنا ان کو پختہ بنانا اور قبرستان میں جوتے پہن کر جانا

سوال: (۳) ...... (الف) قبور پر پھول، سبز پتے درخت کے چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) قبرستان میں جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں جوتا پہن کر جانا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) قبر کو چونا سے پختہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۰۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اس میں اختلاف ہے اور احوط ترک ہے (۱)

(ب) اچھا نہیں ہے۔

(ج) یہ مکروہ ہے کما فی الدالمختار: ولایجصص للنهی عنه الخ. وفی الشامی: لما

---

(۱) اختلاف پھول پتے رکھنے میں ہے، چڑھانا تو حرام ہے کیونکہ وہ عبادت ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

روی جابر نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن تجصیص القبور وأن یکتب علیها وأن یبنی علیها رواه مسلم(۱)(شامی ۱/۶۰۱)

قبرستان میں جوتے پہن کر جانا اور بیٹھنا کیسا ہے؟

سوال: (۴) قبرستان میں جوتا پہن کر جانا اور بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۷۴/۳۲-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قبور پر چلنا پھرنا اور بیٹھنا بلا جوتا بھی مکروہ ہے، اور قبرستان میں وہ جگہ جہاں نشانِ قبر نہیں، اس پر چلنا جوتا پہن کر بھی درست ہے۔

روضۂ مطہرہ کی زیارت

سوال: (۵) ایک شخص کہتا ہے کہ ازروئے حدیث سوائے تین مسجدوں بیت اللہ شریف، مسجد نبوی، بیت المقدس کے کسی اور جگہ دور دراز سے سفر کر کے قصداً بہ نیت زیارت جانا منع ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کے روضۂ مطہرہ کی قصداً سفر کر کے زیارت کو جانا منع ہے؛ کیا وہ شخص ازروئے حدیث صادق ہے یا کاذب؟ (۹۷۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زیارت قبر شریف رسول اللہ ﷺ کی باجماع امت مستحبات ومؤکدات میں سے ہے؛ بلکہ بعض علماء اس کے وجوب کے اور بعض قریب وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔ درمختار میں ہے: وزیارة قبره صلی اللّٰہ علیه وسلم مندوبة بل قیل: واجبة لمن له سعة(۲) اور شامی میں ہے: قوله مندوبة أی باجماع المسلمین کما فی اللباب الخ قوله بل قیل واجبة ذکره فی شرح اللباب وقال: کما بینته فی الدرة المضیة فی الزیارة المصطفویة (۲) والأحادیث فی ذلك

---

(۱) الدر والشامی ۱۳۴/۳-۱۳۵ کتاب الصلوة، مطلبٌ فی دفن المیت.

وفی الحدیث: عن جابر رضی اللّٰہ عنه قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أن یجصص القبر وأن یقعد علیه وأن یبنی علیه (الجامع الصحیح لمسلم ۳۱۲/۱ کتاب الجنائز - فصلٌ فی النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها)

(۲) الدر المختار والشامی ۴۸/۴ کتاب الحج - مطلبٌ فی تفضیل قبره المکرم صلّی اللّٰہ علیه وسلّم.

كثيرة وفضائلها شهيرة (۱) فقط

زیارت قبور کا طریقہ

سوال: (۶) زیارت قبور منع ہے، یا درست؟ (۱۸۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زیارت قبور درست ہے، مگر موافق طریق سنت کے سلام کرے اور دعائے ماثور پڑھے، اور کچھ سورتیں قرآن شریف کی پڑھ کر ثواب پہنچانا چاہے تو ثواب پہنچائے، اور کوئی کام خلاف شریعت وہاں نہ کرے۔ فقط

کسی ولی یا رشتہ دار کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا

سوال: (۷) کسی ولی یا اپنے رشتے دار کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کر سکتے ہیں؟ (۲۲۶/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: شامی میں ہے: قوله و بزيارة القبور أى لابأس بها بل تندب الخ قلت: استفيد منه ندب الزيارة وإن بعد محلها الخ (۲) (شامی ص: ۱/ ۶۰۴) اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور کے لیے دور جانا بھی درست ہے۔ فقط

عورتوں کا مزارات پر جانا

سوال: (۸) مستورات کو اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: عورتوں کو مزارات اولیاء اللہ وغیرہم پر جانا جائز نہیں ہے كما فى شرح المنية :

(۱) عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من زار قبرى وجبت له شفاعتى. أخرجه الدار قطنى ـ وعن حاطب رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من زار نى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى، ومن مات بأحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة. رواه الدار قطنى وغيره (إعلاء السنن: ۱۰/ ۵۴۲-۵۴۶ أبواب الزيارة النبوية ـ باب زيارة قبر النبى صلى الله عليه وسلم قبل الحج أو بعده ـ دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) الشامى ۳/ ۱۴۰ كتاب الصلوة ـ مطلبٌ فى زيارة القبور.

ويستحب زيارة القبور للرجال وتكره للنساء لما قد مناه الخ) وفيه قبيله: وأن يكون في زماننا للتحريم لما في خروجهن من الفساد و في كفاية الشعبي: سئل القاضي عن جواز خروج النساء الى المقابر فقال: لا يسئل عن الجواز والفساد في مثل هذا وإنما يسئل عن مقدار ما يلحقها من اللعن فيه ؛ واعلم أنها كلما قصدت الخروج كانت في لعنة الله و ملائكته و إذا خرجت تَحُفُّها (وفي نسخة لَحِقَهَا) الشياطين من كل جانب وإذا أتت القبور يلعنها روح الميت وإذا رجعت كانت في لعنة الله ذكره في التتار خانية الخ (۲) فقط

مزار کی صفائی کے لیے عورت کو مقرر کرنا

سوال :(۹) بندہ بطور جاروب کش ایک بزرگ کے مزار پر ہے، مزار کے قریب مسلمانوں کی قبریں ہیں؛ مسلمانوں کی قبروں کو مسمار کر کے، اور زمین کو ہموار کر کے اس کو ایک انجن کے ذریعہ سے چکی چلانے کے واسطے کرائے پر دیا؛ کیا یہ فعل اس کا جائز ہے؟ کیا بزرگوں کے مزار پر عورت کو جاروب کش مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۹۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: پرانی قبور کو برابر کرنا، اور اس میں تعمیر وزراعت کرنے، فقہاء نے جائز لکھا ہے؛ لیکن موقوفہ قبرستان میں ایسا کرنا کہ قبور کو برابر کر کے اس زمین کو کرائے پر دینا درست نہیں ہے، اور عورت کو مزار پر جاروب کش مقرر کرنا درست نہیں ہے۔ فقط

عورت کا قبرستان میں جانے کا اور کتبہ لگانے کا حکم

سوال: (۱۰)...... (الف) عورت کا قبرستان میں جانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

(ب) قبر خام پر چہار دیواری پختہ بنوا کر سرہانے پتھر نصب کر کے تاریخ وغیرہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) اس میں اختلاف ہے اور راجح عدم جواز ہے؛ لیکن اگر کوئی قبر راستے پر ہو تو

---

(۱) شرح منية المصلي المعروف بالكبيري ص:۵۲۴ فصل في الجنائز، مسائل متفرقة من الجنائز.

(۲) شرح منية المصلي ص:۵۱۲ فصل في الجنائز.

اس پر فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔

(ب) قبر کی چہار دیواری پختہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، لیکن کوئی پتھر وغیرہ بہ غرض علامت ونشان رکھنا جائز ہے، اور اس پر لکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے کما فی حدیث جابر رضی اللہ عنہ: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وأن یکتب علیھا وأن یبنی علیھا رواہ مسلم (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی چھت کا پانی قبرستان میں اتارنا

سوال: (۱۱) ایک مسجد ایک قبرستان کے کنارے پر واقع ہے، اس کا پرنالہ پختہ جو مسجد کی چھت کا پانی دیوار کے ساتھ پھیلتا ہوا بغیر دھار کے نیچے گراتا ہے قبرستان کے کونے پر ایسی جگہ لگانا جائز ہے جہاں ظاہر میں کوئی قبر کا نشان بھی موجود نہ ہو، اور وہ پانی بغیر مزاحمت قبر کے قبرستان سے باہر ہو جائے۔ صورت مسئولہ میں مسجد کا پرنالہ اتارنا جائز ہے یا نہیں؟ لوگ اس کو برا اور گناہ سمجھتے ہیں۔ (۲۹۸۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: مسجد کی چھت کا پانی قبرستان میں حسب تفصیل سوال اتارنا درست ہے اور گناہ سمجھنا اس کو صحیح نہیں ہے یہ خیال لوگوں کا غلط ہے۔ فقط

قبور کے پاس پیشاب وغیرہ کرنے سے بکریوں کو روکنا

سوال: (۱۲) متولی کے مکان کے متصل ایک بزرگ کا مزار ہے، متولی کی بکریاں اس مزار کے چبوترے پر بیٹھتی ہیں اور پیشاب و مینگنی کرتی ہیں، اور جو شخص اس سے منع کرتا ہے تو متولی لڑنے کو تیار ہوتا ہے اور کہتا ہے: لڑکے مسجد میں پڑھتے اور گوز (ریح خارج) کرتے ہیں، اس کا بندوبست کرو اور مدرس کو نکال دو؛ اس کے کہنے سے مدرس کو مسجد سے نکالنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۰۰۶/ ۴۷-۱۳۴۶ھ)

الجواب: قبور کے پاس بکریوں کو پیشاب وغیرہ کرنے سے روکنا چاہیے، اور شخص مذکور کے کہنے سے مدرس وامام مذکور کو مسجد میں سے نکالنا درست نہیں ہے۔

۞۞۞

(۱) شرح منیة المصلی ص:۵۱۶ کتاب الجنائز . قبل باب أحکام الشهید .

کتاب البیوع

خرید وفروخت کا بیان

تجارت کے معنی

سوال: (۱) تجارت کے معنی کیا ہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۸۰۶ھ)

الجواب: تجارت کے معنی بیع وشراء کے ہیں، تاجر وہ ہے جو بیع وشراء دونوں کرے التاجر: الذی یبیع ویشتری الخ وَقَدْ تَجَر (یَتْجُرُ) تَجْرًا وَتِجَارَةً الخ (۱) (قاموس) تجارت کے جو معنی لغوی ہیں وہی شرعی ہیں۔

بیع تعاطی کے معنی

سوال: (۲) میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ آم وغیرہ کے باغ ٹھیکے پر دے دیے جاتے ہیں؛ ظاہر ہے کہ معدوم شئ کی بیع ہے جو باطل ہے، مگر آپ نے بیع تعاطی قرار دے کر جائز لکھا تھا؛ بیع تعاطی کو میں نہیں سمجھتا۔ (۱۳۳۸/۲۲۱۲ھ)

الجواب: بیع تعاطی اس کو کہتے ہیں کہ زبان سے کچھ نہ کہا جائے، بائع قیمت لے کر رکھ لے، اور مشتری وہ شئ مبیعہ لے لے؛ لیکن بیع باطل اور فاسد میں بیع تعاطی اس وقت ہو سکتی ہے کہ پہلی بیع کو

---

(۱) القاموس المحیط للشیخ محمدبن یعقوب الفیروزابادی الشیرازی ۱/۲۷۶ فصل التاء- باب الراء

چھوڑ دے۔ اور تفصیل اس کی شروع جلد رابع شامی (۱) میں ہے۔

زبانی ایجاب وقبول سے بھی بیع منعقد ہوجاتی ہے

سوال: (۳) احقر ایک مکان میں عرصہ تیس سال سے کرائے پر رہتا ہے، مالک مکان نے ایک سال ہوا مکان میرے ہاتھ زبانی فروخت کردیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ تم رجسٹری کا معائنہ کرلو، میں آکر اس کی رجسٹری کرادوں گا، احقر نے جواب میں کہا کہ میں مکان لے چکا، جس وقت رجسٹری کرادوگے روپیہ رجسٹری میں دے دوں گا، اب اس نے ایک سال بعد کرایہ اور مکان خالی کرانے کی نالش کردی، یہ اس کا نالش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۰۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: زبانی ایجاب وقبول سے شرعًا بیع منعقد ہوجاتی ہے، پس اس صورت میں بیع قطعی ہوگئی، بائع کو قیمت جو بوقت بیع مقرر ہوئی ہو لینا چاہیے، کرائے کی نالش اور مکان خالی کرانے کی نالش کرنا بائع کی طرف سے شرعًا جائز نہیں ہے۔ فقط

بیع: ایجاب وقبول سے پوری ہوجاتی ہے

سوال: (۴) محمد اسحاق صوبیدار نے اپنا آدھا حصہ ایک مکان کا بعوض سات سو روپے کو مولانا و مرشدنا مولوی محمد ابراہیم صاحب کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے، ایجاب وقبول ہوچکا ہے، اور پھر سات سو روپے محمد اسحاق نے مولانا موصوف کو ہبہ وبخشش کردیا ہے؛ اب کیا یہ بیع درست ہوگئی؟ (۱۲۵۲/ ۱۳۳۱ھ)

الجواب: رکن بیع صرف ایجاب وقبول ہے؛ یعنی بیع ایجاب وقبول سے پوری ہوجاتی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: أما القول فالإيجاب والقبول وهما ركنه —— إلى أن قال —— و حكمه ثبوت الملك الخ (۲) پس معلوم ہوا کہ بیع ایجاب وقبول سے تام ہوجاتی ہے، ثمن کا اس وقت دینا کل یا

(۱) صورته أن يتفقا على الثمن، ثم يأخذ المشتري المتاع، ويذهب برضا صاحبه من غير دفع الثمن أو يدفع المشترى الثمن للبائع ثم يذهب من غير تسليم المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح، حتى لو امتنع أحدهما بعده أجبره القاضي ...... وبعد السطر: والتعاطي إنما يكون بيعًا إذا لم يكن بناء على بيع فاسد أو باطل سابق الخ (الشامی ۷/۲۰-۲۱ قبيل مطلب: البيع بالتعاطي وأيضًا في مطلب: البيع بالتعاطي)

(۲) الدر المختار مع الشامی ۷/۱۰-۱۲ فی بداية كتاب البيوع.

بعض کا شرط نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ بیع مؤجل یعنی بیع إلى أجل معين میں فی الحال کچھ ثمن بھی نہیں دیا جاتا، اور بیع پوری ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر بائع بعد ایجاب وقبول کے ثمن معین کو جوکہ مبادلہ میں قرار پایا ہے کلا یا بعضا معاف کردے اور ساقط کردے تو وہ ثمن معاف ہوجاتا ہے اور مشتری بری الذمہ ہوجاتا ہے، اور وہ مالک مبیع کا ہو چکا، اس میں کچھ تفاوت نہ ہوگا۔ فقط

وعدے سے بیع تام نہیں ہوتی

سوال: (۵) زید، عمر کا باہمی یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تم کو مال راب دس روپے من کے حساب سے دے دیں گے، تو اس کا اس وقت کا وعدہ جب کہ نیشکر (گنا) کا پودا کھیت میں موجود ہے درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو پھر مال تیار ہونے پر زید کو اطلاع دینا کہ تیرا ہمارا یہ وعدہ تھا تو اس کو رکھتا ہے یا نہیں؟ یا کچھ دوبارہ وقت تیاری مال پر کہنے کی ضرورت نہیں۔ (۹۲۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس وعدے سے کوئی معاملہ اور بیع وشراء نہیں ہوئی، پھر معاملہ کرنا چاہیے، اور لین دین کرنا چاہیے، اور اگر مالک مال موافق وعدہ سابق کے اسی حساب سے اس کو مال دے اور یہ قیمت دیدے، تو اب عقد ہوجائے گا اور بیع صحیح ہوگی۔

ثمن کا مجہول ہونا صحت بیع کے لیے مانع ہے

سوال: (۶) زید کو اپنے بھائی کے ترکہ میں سے کچھ مال ملا، ہنوز باقاعدہ دخل نہ ملا تھا کہ اس نے عمر کے ہاتھ بیع کیا، اور یہ قرار پایا کہ بیس روپے ماہوار ہمیشہ دیتا رہوں گا اور بیس بیگہ اراضی کی واپسی کی شرط بھی لکھی ہے؛ یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ زید کا انتقال ہوگیا ہے اور (اس نے) دو دختر ایک برادرزادہ (کو چھوڑا ہے) (۹۲/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زید نے جو معاملہ بیع کا عمر سے کیا یہ شرعاً اس طریق سے صحیح نہیں ہے کہ اس میں ثمن بھی مجہول ہے کیونکہ بیس روپے ماہوار ہمیشہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک زید زندہ ہے بیس روپے ماہوار دیے جائیں گے، پس کل مقدار ثمن مجہول ہوئی یہ امر مانع عن صحت البیع ہے، الغرض یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے، اور یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، اب وہ ترکہ زید کا اس کی ہر دو دختر اور برادرزادہ کا ہے وہ از سرِ نو بیع کریں اور قیمت معین کرکے لیں اور جس قدر زمین رکھنی ہو رکھ لیں۔

سوال: (۷) اس طرف یہ دستور ہے کہ نیشکر کو بہ نرخ ''شاہ نگر'' فروخت کرتے ہیں؛ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۳/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نرخ مجہول رہتا ہے، اور نرخ مجہول پر بیع وشراء ناجائز اور فاسد ہے۔

مبہم قیمت پر بیع کرنا درست نہیں

سوال: (۸) ایک چیز مختلف اشخاص کے ہاتھ مختلف قیمت پر فروخت کی گئی، اب زید خریدار بن کر آیا اور یہ کہا کہ یہ چیز جس قیمت میں اور کو دی ہے اسی قیمت میں مجھ کو دے دو، مگر زید سے کہہ دیا گیا کہ چوں کہ یہ چیز مختلف قیمتوں پر فروخت ہوئی ہے اس لیے ہم کوئی تعیین نہیں کر سکتے، زید نے کہا کہ یہ چیز فلاں شخص نے بھی تو خریدی ہے، پس زید کے ساتھ اسی شخص کا حوالہ دے کر بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۱۱/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: قیمت بتلا دینی چاہیے مبہم حوالہ نہ کرنا چاہیے مثلاً یہ صاف کہہ دیا جائے کہ فلاں شخص نے جس قیمت کو خریدی ہے وہ اس قدر ہے اسی قیمت کو تم لے لو۔

بیع میں ثمن اور مبیع دونوں اُدھار ہوں تو بیع منعقد نہیں ہوگی

سوال: (۹)...... (الف) مثلاً زید دہ خروار گندم نوع وجنس فلاں وغیرہ تعین ضروری بوعدہ پانزدہ روز از عمری فروشد بایں طور کہ بیع الحال شد، لکن بوقت وعدہ مذکورہ معینہ مشتری ثمن معینہ عقد را ادا نمودہ گندم مبیعہ را قبض می نماید؛ یعنی فی الحال فقط بیع بہ الفاظ می کند؛ وتعین ضروری؛ ثمن ومبیع ووقت ومکان ووقتِ قبض ثمن ووقتِ قبض مبیع می نماید، امافی الحال مشتری نہ ثمن ادامی نماید ونہ بائع مبیع را تسلیم می کند، بوقت حلول اجل مشتری ثمن معہودہ دادہ مبیع را قبض می کند؛ آیا ایں صورت شرعًا جائز است یا نہ؟ وایں وعدۂ بیع است یا بیع؟ اگر بیع است پس بوقت ادائے ثمن بر بائع قبض ثمن وتسلیم مبیع واجب خواہد بود، واگر وعدۂ بیع است پس ایں ہر دو قضاء واجب نخواہند شد یا چہ طور؟ واگر وعدہ است در زر ونقرہ ہم جائز خواہد بود یا نہ؟

(ب) درصورت مذکورہ مبیع نزد بائع موجود می باشد واحیانًا موجود نمی باشد، بلکہ بوقت حلول اجل

از بازار خریدہ تسلیم می نماید پس ہر دو صورت جائز است یا نہ؟

(ج) در بعض اوقات زید آں دہ خروار گندم را بر بکر حوالت می کند مثلاً زید دہ خروار گندم معینہ را از بکر بصورت مذکورۂ اُولی بہ ہماں وعدہ می خرد وچوں وقت حلول اجل موعودۂ عمری رسد زید بر بکر حوالت می کند، ومی گوید کہ گندم خود از بکر از جانب من وصول بکن وخود ثمن گندم را بہ بکر ادا کن، واو را می گوید کہ گندم من بعمر تسلیم بکن، پس بکر آں ثمن را وصول نمودہ گندم بعمر تسلیم می کند۔

(د) در بعض صور تہا عمر دہ خروار گندم بخالد می فروشد حسب وعدۂ سابقہ بایں نیت کہ آں دہ خروار کہ از زید خریدہ ام بوقت حلول اجل وعدہ از آنجا تسلیم نمودہ بہ خالد خواہم داد ـــــ اما در وقت بیع تعیین آں گندم نمی نماید تا کہ اعتراض بیع قبل القبض لازم نیاید؟ (۹۴۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف، ب) بحکم نهى عن بيع الكالى بالكالى (۱) ایں بیع منہی عنہ است ومنعقد نہ شد وصیغۂ وعدہ کہ ''بعد پانزدہ روز بیع خواہم کرد'' ہم نیست لہٰذا کالعدم است۔

(ج) حکمش ہم از ماقبل ظاہر شد کہ بیع منعقد نہ شدہ است، ونہ الغاء آں ضروری است، من بعد اگر بہ تحقق شرائط بیع خواہند کرد وایجاب وقبول خواہند کرد بیع منعقد خواہد شد دریں وقت بیع نہ شدہ است۔

(د) حکمش کالمذکور است الغرض بصورتیکہ مبیع وثمن ہر دو نسیئہ باشند بیع منعقد نہ خواہد شد۔ فقط

ترجمہ: **سوال:** (۹)...... (الف) مثلاً: زید، دس ڈھیر گیہوں نوع وجنس وغیرہ ضروری اُمور متعین کر کے پندرہ روز کے وعدے پر عمر کے ہاتھ اس طرح فروخت کرتا ہے کہ سردست بیع تو ہو جاتی ہے لیکن مشتری وعدۂ مذکورہ کے وقت (یعنی پندرہ دن پورے ہونے پر) طے شدہ ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کرتا ہے، یعنی فی الحال صرف لفظی بیع کرتا ہے، اور ضروری امور یعنی ثمن، مبیع، وقت، مکان اور ثمن ومبیع پر قبضہ کرنے کا وقت متعین کرتا ہے، مگر فی الحال نہ مشتری ثمن ادا کرتا ہے اور نہ بائع مشتری کو مبیع حوالے کرتا ہے، وقتِ موعود آنے پر مشتری طے شدہ ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کرتا ہے، آیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اور یہ وعدۂ بیع ہے یا بیع؟ اگر بیع ہے تو ثمن کی ادائیگی کے وقت بائع پر ثمن وصول کر کے مبیع دینا واجب ہوگا؟ اور وعدۂ بیع ہے تو یہ دونوں امر بائع پر واجب نہیں ہوں گے یا کیا حکم ہے؟ نیز اگر یہ وعدۂ

(۱) عن ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الكالى بالكالى رواه الدار قطنى (مشكاة، ص: ۲۴۸ كتاب البيوع ـ باب المنهى عنها من البيوع)

بیع ہے تو سونا اور چاندی میں بھی جائز ہوگا یا نہیں؟

(ب) صورت مذکورہ میں کبھی تو مبیع بائع کے پاس موجود ہوتی ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتی ؛ بلکہ وقت آنے پر بازار سے خرید کر مشتری کے حوالے کرتا ہے؛ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟

(ج) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ زید ان دس ڈھیر گیہوں کا ذمہ بکر کے حوالے کر دیتا ہے، مثلاً: زید؛ دس ڈھیر گیہوں مذکورہ بالا طریقے پر متعین کر کے اسی طرح وعدے پر بکر سے خریدتا ہے، جب عمر سے کیے ہوئے وعدے کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو زید گیہوں کا ذمہ بکر کے حوالے کر دیتا ہے، اور عمر سے کہتا ہے کہ تم اپنا گیہوں میری جانب سے بکر کے پاس سے حاصل کرلو اور گیہوں کی قیمت بھی اسی کو ادا کر دو۔ اور ادھر بکر سے کہتا ہے کہ تم گیہوں (بجائے میرے) عمر کے حوالے کر دو! چنانچہ بکر قیمت وصول کر کے عمر کو گیہوں دے دیتا ہے۔

(د) کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ عمر سابقہ وعدے پر دس ڈھیر گیہوں اس نیت سے خالد کو فروخت کرتا ہے کہ جب گیہوں ادا کرنے کا وقت آئے گا تو زید سے لے کر خالد کو دیدوں گا؛ البتہ خالد سے بیع کرتے وقت اس گیہوں کو متعین نہیں کرتا، تاکہ بیع قبل القبض کا اعتراض لازم نہ آئے (ان صورتوں کا کیا حکم ہے؟)

الجواب: (الف، ب) حدیث نھی عن بیع الکالی بالکالی کی وجہ سے ایسی بیع کرنا ممنوع ہے، اور ایسی بیع منعقد نہیں ہوتی، نیز اس میں وعدے کے الفاظکہ ''پندرہ روز کے بعد بیع کروں گا'' بھی نہیں ہیں، لہذا یہ بیع کالعدم ہے۔

(ج) اس کا حکم بھی پہلے جواب سے ظاہر ہوگیا کہ نہ تو بیع منعقد ہوئی ہے اور نہ اس کا ختم کرنا ضروری ہے؛ ہاں بعد میں اگر وجود شرائط بیع کے ساتھ بیع کریں گے اور (دوبارہ) ایجاب وقبول کریں گے تو بیع منعقد ہو جائے گی، اس وقت بیع منعقد نہیں ہوئی۔

(د) اس کا حکم بھی مذکور کے مانند ہے۔ الحاصل جس صورت میں بیع اور ثمن دونوں اُدھار ہوں گے بیع منعقد نہیں ہوگی۔

نرخ طے کرنے سے بیع تام نہیں ہوتی

سوال: (۱۰) زید سے عمر کوئی چیز خریدتا ہے، نرخ طے ہوگیا؛ چوں کہ عمر باہر کا رہنے والا ہے، اس

لیے زید نے اس کو اُدھار نہیں دیا، اور یہ بات قرار پائی کہ جس جنس کا نرخ طے ہوگیا ہے وہ خالد کے پاس امانتاً رکھ دی جائے۔ اگر عمر نے آٹھ دن کے اندر روپیہ ادا کردیا تو وہ جنس اس کو دیدی جائے گی ورنہ زید واپس کرلے گا، چنانچہ جنس خالد کے پاس رکھ دی گئی اور عمر اپنے شہر چلا گیا، دو تین ہی روز کے بعد خالد نے جنس مذکور فروخت کرنا شروع کردی، اب زید کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ وہ اپنی جنس کو واپس لے لے اور عمر کے ہاتھ فروخت نہ کرے؛ کیوں کہ اس کی جانب سے بدعہدی ہوئی؟ (۱۲۱۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف نرخ طے ہوا تھا بیع نہ ہوئی تھی کیونکہ ایجاب وقبول بیع کا اور تبادلہ عوضین کا بتراضی طرفین ابھی نہیں ہوا تھا، لہٰذا تصرف کرنا خالد کا بلا اجازت زید کے ناجائز ہوا، زید کو حق ہے کہ وہ اپنی کل جنس امانتی واپس لے لے اور عمر کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔

غیر تیار شدہ مال کی خرید وفروخت

سوال: (۱۱) جاپان وولایت وغیرہ ممالکِ غیر سے مال منگانے کی حالت میں اکثر بڑے تاجروں کو تیار مال نہیں ملتا، اس لیے وہ یہ کرتے ہیں کہ مطلوبہ مال کا نمونہ بتا کر کئی مہینے پہلے وہیں کے سکّے سے نرخ طے کرکے فرمائش روانہ کردیتے ہیں مثلاً رنگونی تاجر کو جاپان سے مال منگانا ہے تو وہ مثلاً آج ۱۶/نومبر سنہ ۲۴ء کو ایک لاکھ نیگ —— جاپانی چاندی کے سکّے —— کا مال، ۲ جنوری سنہ ۲۵ء میں بھیجنے کا معاملہ طے کرے گا، پھر مال رنگون پہنچ جانے پر رنگونی تاجر کو ایک لاکھ نیگ ادا کردینا لازم ہوگا، پھر چونکہ رنگون میں انگریزی روپے کا چلن ہے نیگ یہاں نہیں چلتا ہے اس لیے رنگونی تاجر کسی بینک کو جس کا تعلق جاپان سے ہے ایک لاکھ نیگ کے بدلہ میں انگریزی روپیہ دے دیتا ہے اس نیگ کا نرخ اکثر اوقات گھٹتا بڑھتا رہتا ہے مثلاً کسی وقت ایک سو بیس روپے کے سو نیگ ہوتے ہیں تو دوسرے وقت ایک سو تیس روپے فیصدی کا نرخ ہوجاتا ہے؛ اس صورت میں معاملہ مذکورہ سب اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۸۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: شریعت میں معدوم کی بیع نہیں ہوتی لہٰذا جب تک مال مطلوب موجود نہ ہوگا معاملہ خرید وفروخت کا اس میں صحیح نہ ہوگا؛ البتہ یہ معاملہ جو اس وقت قبل تیار ہونے مال کے ہوگا ایک وعدہ اور معاہدہ سمجھا جائے گا کہ جس وقت مال تیار ہوجائے گا ہم اس نرخ سے اس کو خریدیں گے باقی ایجاب و

قبول بیع کا، اور بیع تام اسی وقت ہوگی جس وقت مال تیار ہو جائے گا، اور موجود ہو جائے گا، اور بوقت قبضہ مشتری وادائے ثمن بطریق تعاطی بیع ہو جائے گی، اور نیک جو کہ چاندی کا سکہ ہے اس کو روپیہ سے مبادلہ کرنے میں وہی حکم ہوگا جو کہ چاندی کو چاندی سے مبادلہ کرنے میں ہے یعنی تقابض عوضین اور مساوات وزن میں ہونی چاہیے اور کمی وبیشی ربا ہوگا۔ فقط

آرڈر کا مال آنے سے پہلے دیگر تاجروں کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال: (۱۲) شہر رنگون میں علی العموم بڑے تاجروں کا دستور ہے کہ نرخ طے کر کے ولایت انگلستان، جاپان، جرمنی وغیرہ والے کارخانوں میں خریداری کی فرمائش روانہ کرتے ہیں کہ فلاں نمونہ اور فلاں قسم کا اس قدر مال مثلاً تین ماہ کے عرصہ میں تیار کر کے اس قدر نرخ پر اس طرح روانہ کریں کہ من جملہ کل فرمائش کے مثلاً تہائی مال چوتھے مہینہ میں، اور تہائی مال پانچویں مہینہ میں، اور بقیہ چھٹے مہینے میں جہاز پر چڑھائیں، اور کبھی اس طرح فرمائش میں لکھتے ہیں کہ کل مال مثلاً تین ماہ کے ختم پر جہاز پر چڑھائیں، اس فرمائشی مال کی ولایت سے روانگی سے پہلے ہی بلکہ بعض اوقات اس مال کی تیاری سے پیشتر یہ بڑے تاجر اسی طرح اس آنے والے مال کی فروختگی کا معاملہ یہاں کے چھوٹے تاجروں سے طے کر لیتے ہیں کہ فلاں نمونہ اور فلاں قسم کا مال اس قدر مدت میں اس قدر نرخ پر تم کو دیں گے، اگر کوئی مسلمان اس طور پر خرید وفروخت نہ کرے تو دوسری قوموں کے مقابلے میں کوئی بڑی تجارت نہیں کر سکتا، اس طور پر معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہ؟ (۲۸۸۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: پہلی صورت میں بڑے تاجر جو چھوٹے تاجروں سے اس مال کی بیع وشراء کا معاملہ کر لیتے ہیں جو کہ ابھی ان کے پاس نہیں آیا، اور ان کی ملک نہیں ہوا، یا ابھی وہ مال تیار بھی نہیں ہوا تو یہ معاملہ ناجائز ہے لأنه عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع ما ليس عند الإنسان ورخص في السلم (۱) پس ایسا معاملہ یعنی بیع معدوم کا معاملہ صرف بطریق سلم جائز ہے، سو بیع سلم میں شرائط سلم کا

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/۱۸۰ کتاب البیوع – مطلب: الآدمی مكرم شرعًا ولو كافرًا.
عن حكيم بن حزام قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! ياتيني الرجل فيسألني البيع ليس عندي أبيعه منه ثم ابتاعه له من السوق؟ قال: لا تبع ما ليس عندك (نسائی ۲/۱۹۶ کتاب البیوع (باب) بيع ما ليس عند البائع)

لحاظ رکھنا ضروری ہے بدون ان شرائط کے بیع سلم جائز نہیں ہوتی، اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ بطریق سلم نہیں ہے، اور نہ ان اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے جن میں بیع سلم ہوتی ہے، لہٰذا اس طرح بیع سلم جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر فی الحال بیع وشراء قطعی نہ ہو بلکہ بطریق وعدہ چھوٹے تاجروں سے کہا جائے کہ مال کے آنے کے بعد ہم تم کو اس نرخ سے دیدیں گے، اور بعد آنے مال کے معاملہ بیع وشراء کا کیا جائے، خواہ بطریق ایجاب وقبول یا بطریق تعاطی تو یہ درست ہے۔

بیع جب تک تام نہیں ہوگی مشتری کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی

سوال: (۱۳) ایک شخص کی زمین پر دوسرا شخص مدت تک قابض رہتا ہے اور ایک قسم کی قوت اس کو حاصل ہوجاتی ہے، جس کے سبب سے اس کو شخص ثانی بیع کر دیتا ہے اور جب تک کہ شخص ثانی کے پاس رہے وہ مالک زمین کو کچھ سالانہ یا فصلانہ نقد خواہ جنس وغیرہ دیا کرتا ہے، جب کہ دوسرے مشتری کے پاس وہ زمین چلی جائے تو اس مشتری کو بھی مالک اصلی کو بدستور سالانہ یا فصلانہ دینا ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ زمین کسی مشتری کی ملک میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس طرح سے بیع کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۱۲۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ معاملات سب خلاف شرع اور باطل ہیں جب تک مالک اول کی طرف سے بیع قطعی کسی مشتری کے ساتھ واقع نہ ہوجائے، اس مشتری کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوسکتا، اور مالک کی طرف سے بیع قطعی نہ ہونا ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک زمین کو کچھ سالانہ یا فصلانہ دینا پڑتا ہے، اور یہ سلسلہ آگے تک چلتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مالک کی طرف سے بیع واقع نہیں ہوئی، اور معاملہ بیع کا نہیں ہوا، بلکہ رہن واجارہ وغیرہ ہوا ہوگا، ورنہ اس کا حق کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ الغرض جب بیع اول تام نہیں اور بیع صحیح نہیں بلکہ بیع ہی نہیں ہے نہ صحیح نہ فاسد تو دوسری بیوع جو اس کے بعد ہوئیں وہ بھی درست نہیں ہوسکتیں۔

خریدی ہوئی جائداد کو قبضہ سے پہلے بیچنا

سوال: (۱۴) تھان سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سو روپے کے بدست محمد حسین بیع قطعی

کردی، آیا تھان سنگھ کا بدست محمد حسین خان بلا قبضہ کیے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ (۱۳۳۴-۳۳/۹۲۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: صح بیع عقار لایخشی هلاکه قبل قبضه من بائعه الخ (۱)
اس سے ثابت ہوا کہ تھان سنگھ نے جو بیع بدست محمد حسین خان قبل قبضہ زمین کی ہے وہ صحیح ہوگئی۔ فقط

انعام موعود کو قبضہ سے پہلے فروخت اور ہبہ کرنا

سوال: (۱۵) زید اور وارثان زید کے لیے مبلغ ایک صد روپے نقد انعام بلا کسی معاوضہ وخدمت کے سرکار سے مقرر ہیں، پس اس صورت میں زید اور وارثان زید اس انعام موعود کو فروخت وہبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۰۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: زید یا وارثان زید بدون قبضہ اس انعام موعود کو فروخت وہبہ نہیں کر سکتے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حقوق ومنافع متوقعہ کی بیع شرعاً درست نہیں

سوال: (۱۶) ایک گاؤں ہے جس کا زمین دار یعنی زمین کا مالک تو زید ہے، اور اس کا خراج یعنی جو محصول من جانب سلطان وقت اس زمین دار سے لیا جاتا ہے بہ قانون سلطانی عمر کو ملتا ہے، جس کو عرف میں ''معافی دار'' کہتے ہیں، پس اگر عمر معافی دار اپنا حق (معافیداری) بکر کے ہاتھ بیع یا رہن رکھے جس کا اثر یہ ہوگا کہ بجائے عمر کے وہ خراج بکر وصول کرنے لگے گا، جس کو قانون سلطنت موجودہ جائز رکھتا ہے، آیا شرعاً بھی اس حق معافیداری کا بیع کرنا یا رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۶۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۲۷۶/۷ کتاب البیوع – فصل فی التصرف فی المبیع والثمن الخ.

(۲) وفي الأشباه: لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجرّدة کحق الشفعة، وعلی هذا لایجوز الاعتیاض عن الوظائف بالأوقاف (الدر المختار) وفي ردالمحتار: قوله (وعلی هذا لایجوز الاعتیاض الخ) من إمامة وخطابة وأذان وفراشة وبوابة، ولا علی وجه البیع أیضا، لأن بیع الحق لایجوز (الدر والرد ۲۵/۷ کتاب البیوع، مطلب فی الاعتیاض عن الوظائف والنزول عنها)

الجواب: قال في الدر المختار: بطل بيع ماليس بمال الخ (۱) اورشامی میں ہے وقدمنا أوّل البيوع تعريف المال بما يميل إليه الطبع ويمكن ادّخاره لوقت الحاجة وأنه خرج بالادخار المنفعة، فهي ملك لامال، لأن الملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الإختصاص كما في التلويح فالأولى مافي الدرر من قوله المال موجود يميل إليه الطبع الخ فإنه يخرج بالموجود المنفعة الخ (۲) (۴/۱۰۰) ان عبارات وامثالہا سے واضح ہے کہ اس قسم کے حقوق ومنافع متوقعہ کی بیع ورہن شرعاً درست نہیں ہے بلکہ باطل ہے۔ فقط

الجواب صواب: وفي النهر: يعلم من قول الثاني حكم الإقطاعات من أراضي بيت المال إذ حاصلها: أن الرقبة لبيت المال والخراج له وحينئذ فلا يصح بيعه ولاهبته ولاوقفه نعم له إجارته تخريجا على إجارة المستأجر الخ (۳) (الدر المختار) محمد انور عفا اللہ عنہ

دلال نے چاول کا بھاؤ طے کیا اور قبضے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷) ایک شخص دلالی کرتا ہے مثلاً اس نے کسی سے چاول کا بھاؤ طے کیا، اور اس دلال نے وہی چاول دوسرے مہاجن کے ہاتھ فروخت کیے اور وہ چاول دلال اپنے مکان نہیں لایا: تو یہ بیع درست ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۶ھ)

الجواب: بدون قبضہ کرنے کے فروخت کرنا درست نہیں ہے (۴)

---

(۱) الدر مع الرد ۷/۱۷۰ كتاب البيوع – مطلبٌ في أنواع البيع.

(۲) ردالمحتار ۷/۱۷۱ كتاب البيوع – مطلبٌ في تعريف المال.

(۳) ألدر مع الرد ۶/۲۳۶-۲۳۷ كتاب الجهاد – مطلبٌ في أحكام الإقطاع من بيت المال.

(۴) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ابتاع طعامًا فلا يبيعه حتى يستوفيه – وفي رواية عنه – حتى يقبضهٗ (نسائي ۲/۱۹۵ كتاب البيوع، باب بيع الطعام قبل أن يستوفى)

مال خرید کر قبضے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال: (۱۸) اگر زید نے بکر کو اپنے ہمراہ لے جاکر اپنے روپے سے مال خرید کر اور دو آنہ فی روپیہ منافعہ لگا کر اسی جگہ دے دیا جہاں خریدا ہے، کچھ مدت مقرر کر کے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۸۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: زید کو بدون قبضہ کرنے کے مبیع پر، اس کو بکر کے ہاتھ فروخت کر دینا اسی جگہ درست نہیں ہے، بلکہ چاہیے کہ زید اول اس خریدے ہوئے اسباب وسامان کو اپنے قبضہ میں کر لے، اور پھر اس کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرے۔ فلا یصح ..... بیع منقول قبل قبضه ..... وفی المواهب وفسد بیع المنقول قبل قبضه(۱)(درمختار)

جو مال مشتری کے گھر میں رکھا ہوا ہے اس پر قبضہ کرنے کا طریقہ — اور بلٹی کے مال کو فروخت کرنے کا حکم

سوال: (۱۹) ..... (الف) زید نے ایک ہزار روپیہ عمر کے حوالے کیا، اور کہا کہ اس روپیہ کا مال تجارت میری طرف سے اپنی رائے کے موافق ولایت سے منگوالو، اور جب آجائے تو میری طرف سے تم خرید لینا، اور مجھ کو پچاس روپے منافعہ دے دینا، اور رقم مذکور مع منافعہ چھ ماہ میں ادا کر دینا — پھر مال آتے ہی زبانی بیع زید نے عمر کے ساتھ ایک ہزار پچاس روپے میں بشرط ادائیگی چھ ماہ کے کر دی؛ یعنی مال عمر نے منگایا اور جب اس کے گھر میں آگیا تو زید سے زبانی بیع کرائی؛ کیا یہ صورت جائز ہے؟ یا وقت بیع کے مال پر زید کا قبضہ ضروری ہے؟

(ب) اگر عمر مال کی بلٹی (BILLETI) زید کے قبضے میں دیدے پھر زید وہ بلٹی عمر کو دیدے، اور کہہ دے کہ اس بلٹی کا مال مبلغ ایک ہزار پچاس روپے کے عوض بیع کیا تو یہ کافی ہوگا یا نہیں؟

(۱۵۳۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) اصل یہ ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے، مگر صورت اولیٰ میں جب کہ مال عمر کے

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/۲۷۷-۲۷۸ کتاب البیوع - فصلٌ فی التصرف فی المبیع والثمن إلخ.

پاس آ گیا، اور عمر مامور اور وکیل ہے زید کی طرف سے شراء و قبضہ کا، اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہوتا ہے، تو بعد آ جانے مال کے قبضۂ عمر میں جو بیع زید نے عمر سے بہ نفع پچاس روپے کے کی؛ یہ صحیح ہے؛ لیکن عمر کا پہلا قبضہ جو نیابۃً تھا، وہ قبضۂ بیع نہ ہوگا بلکہ عمر کو دوبارہ اس مال خرید کردہ کے پاس جا کر قبض جدید کرنا چاہیے، اور اس کی صورت شامی میں یہ لکھی ہے کہ بعد خریدنے کے، جس جگہ وہ مال رکھا ہوا ہے وہاں چلا جائے، اور بطریق ملک اس مال کو اپنا سمجھے اور قبضہ میں لاوے۔ إذا اشتریٰ ماهو أمانة في يده من وديعة أو عارية لايكون قابضًا إلا إذا ذهب إلى العين إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضًا بالتخلية (۱) (ج: ۴، باب البيع الفاسد)

(ب) اگر مال نہیں آیا اور صرف بلٹی ابھی آئی ہے اور وہ بلٹی عمر نے زید کو دے دی، پھر زید نے وہ بلٹی عمر کو دے دی، اور اس بلٹی کے مال کو زید نے عمر کے ہاتھ فروخت کیا، تو یہ صحیح نہیں، یہ بیع قبل القبض ہے؛ کیونکہ ابھی تک مال نہ زید کے قبضے میں آیا اور نہ اس کے نائب یعنی عمر کے قبضے میں آیا۔ درمختار میں ہے: فلا يصح بيع منقول قبل قبضه (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع نے مشتری کے کہنے سے مال فروخت کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰) زید نے عمر سے بھوسہ خریدا، قیمت ادا کر دی مگر قبضہ اس پر نہیں کیا تھا کہ عمر کو کہہ کر وہ بھوسہ فروخت کروا دیا بکر کے ہاتھ، تو یہ قیمت لینا اس کو جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس نے بھوسے پر قبضہ نہ کیا تھا، اور بکر اس کا مالک ہو گیا یا نہیں؟ (۲۰۰۵/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: بکر اس کا مالک ہو گیا، اس کو تصرف اس بھوسے میں جائز ہے، ایسی صورت میں زید کو خیار رؤیت باقی تھا کہ بھوسے کو دیکھ کر رکھتا یا واپس کرتا لیکن جب کہ اس نے اپنا خیار ساقط کر دیا اور اس کو فروخت کرا دیا تو اگرچہ زید کو بہ موجب روایت: و من اشتریٰ شيئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجز له

(۱) الشامی ۷/۱۹۳ کتاب البیوع – مطلبٌ في بيع دوْدَة القُرْمُز.

(۲) الدر مع الرد ۷/۲۷۷ کتاب البیوع – فصل في التصرف في المبيع والثمن الخ.

بیعه حتی یقبضه (۱) ایسا کرنا جائز نہ تھا، مگر ملک اس کی ثابت ہوگئی (۲) لہٰذا قیمت مذکور اس کو لینا درست ہے اور فعل ناجائز کے ارتکاب سے توبہ کرے۔ فقط

مشترک جائداد میں سے اپنے حصے کو بیچنے اور ہبہ کرنے کا حکم

سوال: (۲۱) ایک شخص اپنے حصہ غیر مقبوضہ کو کسی دوسرے کے نام بیع یا ہبہ کرسکتا ہے؟ یا دوسرے شرکاء کی اجازت شرط ہے؟ (۳۵۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جائداد مشترکہ میں سے بقدر اپنے حصے کے بیع کرنا درست ہے، دوسرے شرکاء سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے —— اور ہبہ کرنا مشترک جائداد کا صحیح نہیں ہے تاوقتیکہ اس کو تقسیم کرکے ہبہ نہ کرے گا، اور قبضہ موہوب لہ کا نہ کرادے گا اس وقت تک ہبہ تمام نہ ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے قبضہ مالک کا اپنی مملوکہ چیز پر نہ ہو تو ملک مالک کی ساقط نہیں ہوتی، لیکن ہبہ میں قبضہ موہوب لہ کا شئے موہوبہ پر کرانا صحت ہبہ کے لیے ضروری ہے۔ فقط

جو شخص دوسرے کے مکان میں رہتا ہے اور قابض ہے اس سے مکان خریدنا

سوال: (۲۲) اظہار حق صاحب کے مکان کے برابر ایک شخص کا مکان خام ہے، مگر عرصہ بیس سال سے اس مکان میں اظہار حق کا ایک رشتہ دار رہتا ہے اور قابض ہے، اس شخص نے وہ مکان اظہار حق کے ہاتھ فروخت کردیا، اظہار حق نے اس مکان کو اس قابض شخص سے خرید لیا؛ یہ خریدنا اظہار حق صاحب کا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۱۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اظہار حق صاحب کو اس مکان کا خریدنا اس قابض شخص سے جو کہ مالک نہیں ہے شرعاً درست نہیں ہے، بلکہ اس کو چاہیے تھا کہ مالک سے ہی خریدتا اگرچہ مالک کا قبضہ نہ تھا؛ کیونکہ مالک ویسے

---

(۱) الهداية ۳/۴۷ كتاب البيوع - قبل باب الربا.

(۲) ملک: ایجاب وقبول سے ثابت ہوجاتی ہے، قبضے پر موقوف نہیں رہتی، مگر منقول کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، اس لیے فتوی میں دو حکم ہیں: تصرف کا جائز ہونا اور اس فعل کا ناجائز ہونا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

بھی بلا قبضہ ہونے کے بیع کرسکتا ہے؛ پس اب بصورت موجودہ بیع نہیں ہوئی۔ اور اظہار حق اس مکان کا مالک نہیں ہوا، اور مالک وہی ہے جس کی ملک میں وہ مکان ہے، اور اظہار حق کا یہ فعل ناجائز ہوا اور روپیہ اس کا ضائع ہوا۔ فقط

دوسری بیع بدون اقالۂ بیع اول صحیح نہیں

سوال: (۲۳) زید نے اپنا مملوکہ درخت عمر کے ہاتھ مبلغ چھ روپے کو فروخت کرکے، ایک روپیہ بطور بیعانہ کے بہ وعدہ پندرہ روز معاملہ کیا، مگر عمر نے پندرہ روز کے اندر زرِ ثمن ادا نہیں کیا، اب زید نے اس درخت کو بکر مشتری ثانی کے ہاتھ فروخت کیا، بیع اول جائز ہے یا بیع ثانی صحیح ہے؟ اور اس عرصے میں زید کا انتقال ہوگیا۔ (۳۷۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بیع اول صحیح ہوگئی تھی، دوسری بیع بدون اقالۂ بیع اوّل صحیح نہیں ہوسکتی، وہ درخت مملوکہ عمر ہے، اسے یہ اختیار ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت ورثۂ زید کو دیدے۔ فقط

خون کی تجارت کا حکم

سوال: (۲۴) مذبح خانے سے خون جمع کرا کر اور اس کو پکا کر سکھا لیا جائے، اور اس کی تجارت کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۹۳۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شرعاً اس خون کے فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے اس کی بیع باطل اور حرام ہے۔

ذبح کی ہوئی بکری کا خون مشک میں ملانا اور فروخت کرنا

سوال: (۲۵) ایک حکیم، مصنوعی مشک میں ذبح کی ہوئی بکری کا تازہ یا خشک خون کثیر مقدار میں ملانا چاہتے ہیں ایسے مشک کا فروخت کرنا اور بیماروں کو اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: دم مسفوح مذبوحہ جانور کا حرام اور نجس ہے لِقَولِہٖ تَعَالٰی: ﴿إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوْحًا الآية﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۱۴۳) پس ملانا اس کا مشک میں اس کو جائز نہ کرے گا، اور بیع

وشراء اس کی حرام ہے۔ درمختار باب الانجاس میں ہے: ودم مسفوح من سائر الحیوانات الخ (۱) اور شامی جلد چہارم میں اور درمختار کتاب البیوع میں خون کی بیع کو باطل کہا ہے: وبطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتة الخ (۲) پس دم مسفوح کی بیع اگر چہ وہ مخلوط ہو مشک وغیرہ کے ساتھ باطل اور حرام ہے، اور استعمال اس کا ناجائز ہے۔ فقط

بکری وغیرہ کے خون کی رقم تبلیغ اسلام میں صرف کرنا

سوال: (۲۶) بھیڑ بکری گائے کے خون کو فروخت کر کے اس کی رقم میونسپلٹی غیر شرعی کاموں میں صرف کرتی ہے، لہٰذا اگر وہی رقم بجائے ان کاموں کے تبلیغ اسلام میں صرف کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳۶۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: شرعاً خون کی خرید وفروخت حرام ہے، اور وہ بیع باطل ہے، لہٰذا اس کی قیمت کو اسلامی کاموں میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ (۳)

اسٹامپ کمیشن پر فروخت کرنا

سوال: (۲۷) اسٹامپ کمیشن پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۴۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اسٹامپ کمیشن پر بیع کرنا درست ہے، اور درحقیقت یہ بیع نہیں ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ اس قدر کاغذ سو روپے میں اور ہزار روپے میں نہیں ہو سکتا، بلکہ ادائے محصول کی یہ صورت اختیار کی گئی ہے، بہر حال اسٹامپ فروش ایک محصول وصول کرنے والا ہے جو بذریعہ اس کاغذ اسٹامپ کے محصول دعاوی وغیرہ کا جو کہ سرکار نے مقرر کر رکھا ہے وصول کرتا ہے، پس اس کو جو کچھ سرکار بطور کمیشن دے اس کا لینا اس کے حق میں جائز ہے۔ فقط

---

(۱) الدرالمختار مع الشامی ۱/۴۵۴ کتاب الطهارة، مبحث فی بول الفأرة وبعلها وبول الهرّة.

(۲) تنویر الأبصار مع الدر المختار والشامی ۷/۱۷۰-۱۷۱ کتاب البیوع ـ مطلب البیع الموقوف من قسم الصحیح.

(۳) حوالہ سابقہ۔

اسٹامپ فروشی درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸) اسٹامپ فروشی درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ بعض مرتبہ اغراض موافق شرع ہوتی ہیں، اور بعض مرتبہ خلاف شرع ہوتی ہیں؟ (۱۰۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اسٹامپ فروخت کرنا درست ہے۔ فقط

خودرو گھاس کی خرید وفروخت اور اجارہ کا حکم

سوال: (۲۹) زید نے اپنی زمین کو محض گھاس کے لیے مقرر کررکھا ہے، اور سرکاری محصول ادا کرتا ہے، اور اس کا احاطہ لکڑی وغیرہ سے کردیا ہے، آیا زید زمین کی گھاس کا جو بارش کے پانی سے احاطہ کے اندر پیدا ہوتی ہے مالک ہے یا نہ؟ اور بیع واجارہ اس کا صحیح ہے یا نہ؟ (۱۲۱۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال فی الدر المختار: والمراعی: أی الکلاء وإجارتها أما بطلان بیعها فلعدم الملك لحدیث: الناس شرکاء فی ثلث: فی الماء والکلاء والنار الخ (۱) پس صورت مسئولہ میں بیع واجارہ گھاس مذکور کا درست نہیں ہے، اور یہ احاطہ کرنا حیازہ وحمایت نہیں ہے، بلکہ احاطہ کرنا اور روکنا خود ممنوع ہے۔

سوال: (۳۰) گھاس کو روکنا اور اس کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علمائے کانپور والہ آباد جواز کے قائل ہیں۔ (۸۱/۱۳۴۴ھ)

الجواب: جواز کا قول صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ کتب فقہ وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھاس کا روکنا اور اس کی خرید وفروخت کرنا ممنوع ہے جائز نہیں ہے؛ البتہ جو شخص گھاس کا ٹکڑا اپنی ملک کرلے، اس کو فروخت کرنا اور اس سے خریدنا درست ہے۔ فقط

غیر کی چیز کو بیچنے اور ہبہ کردینے کا حکم

سوال: (۳۱) اگر کسی شخص نے غیر کی مملوکہ شئ کو کسی کے نام بیع یا ہبہ کردیا تو یہ بیع یا ہبہ نافذ

(۱) الدر مع الشامی ۷/۱۸۸-۱۸۹ کتاب البیوع - قبیل مطلب: صاحب البئر لا یملك الماء.

ہوگا یا نہ؟ (۱۷۴۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: غیر کی چیز کو بیع وہبہ کردینا اس غیر کی اجازت اور رضا پر نفاذ اس کا موقوف ہے۔

ونظر فيه العلامة الشامي: ووقف بيع مال الغير لو الغير بالغاً عاقلاً الخ لمالكه أما لو باعه على أنه لنفسه الخ فباطل الخ (۱) سيجيء في البيوع توقف عقوده كلها أن لها مجيز حالة العقد وإلا تبطل الخ (۲) (درمختار) فقط

کاشت کار زمین دار کی زمین فروخت نہیں کرسکتا

سوال: (۳۲) کسان یعنی کاشت کار کو زمین دار کی زمین کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۶۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: کسان کو جو کہ مالک زمین کا نہیں ہے، فروخت کرنا اس زمین کا ناجائز ہے، اور اس سے خریدنا بھی ناجائز ہے۔

قرض کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۳) زید ایک شخص سے ایک صد روپیہ قرضہ مانگتا ہے، اور باوجود تقاضہ شدید کے مقروض ادا نہیں کرتا، زید کو اپنی ضروریات کی وجہ سے مجبوری تھی اسی وجہ سے زید بدست بکر یک صد روپیہ بالعوض مبلغ پچاس روپیہ بیع کردیا، اب بکر کو اختیار ہے کہ آیا تمام روپیہ وصول کرے یا نہ کرے؟ زید کا قرضہ مذکورہ سے کچھ تعلق نہیں؛ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ (۴۵۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: بیع قرض کی بطریق مذکورہ درست نہیں ہے، صورت جواز کی یہ ہے کہ زید بکر کو اپنا وکیل وصول قرض کا بنادے اس کو جو کچھ اجرت چاہے مقرر کرکے دیدے مثلاً یہ کہے کہ تم ہمارے روپے وصول کردو پچاس روپے تم کو اجرت کے دیں گے۔ فقط

---

(۱) الدر المختار مع الرد ۲۳۳/۷-۲۳۴ کتاب البيوع – فصل في الفضولي.

(۲) الدر مع الرد ۱۶۳/۴ کتاب النکاح – مطلبٌ في الوکيل والفضولي في النکاح.

قرض کی دستاویز کو بیچنے کا حکم

سوال: (۳۴) زید مسلم نے رام پرشاد کافر سے مبلغ دس ہزار روپے قرض لے کر ایک تمسک سودی لکھ کر باضابطہ اس کی تکمیل کرادی؛ اب زید مدیون پر رام پرشاد دائن کے مبلغ سترہ ہزار روپے اصل معہ سود کے تاریخ امروزہ تک واجب ہوئے، اب عمر مسلم سے رام پرشاد کافر اس تمسک اقراری زید کو مبلغ چودہ ہزار میں بیع کرتا ہے؛ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور عمر کو مبلغ چودہ ہزار رام پرشاد کو دے کر زید سے سترہ ہزار وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۶۰۳ھ)

الجواب: یہ معاملۂ بیع جائز نہیں ہے حرام اور باطل ہے، اور عمر کو وصول کرنا سترہ ہزار روپے کا یا چودہ ہزار روپے کا حرام اور ربا صریح ہے۔ فقط

قرض کی ادائیگی اور بچے کے نفقہ کے لیے متروکہ جائداد فروخت کرنا

سوال: (۳۵) ایک شخص فوت ہوا، زوجہ اور بچہ شیر خوار چھوڑا، اور کچھ جائداد چھوڑی؛ چونکہ وہ قرض دار تھا تو زوجہ اس جائداد کو فروخت کرنا چاہتی ہے اور قرض ادا کرنا چاہتی ہے اور بچہ کے لیے نفقہ کی بھی ضرورت ہے؛ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۸۲ھ)

الجواب: اس صورت میں قرضۂ شوہری ادا کرنے کے لیے اور صغیر کے نفقہ کے لیے فروخت کرنا اس زمین متروکہ کا درست ہے۔ فقط

اُدھار خرید کر فروخت کرنا جائز ہے

سوال: (۳۶) ایک امام مسجد نو روپے ماہوار خشک پاتا ہے علاوہ ازیں نہ جائداد ہے نہ رہنے کو مکان ہے، اور اس کے ذمے مبلغ چار سو روپے قرض ہے، وہ گزر اوقات کے لیے بازار سے سودا قرض لاکر فروخت کرتا ہے؛ یہ خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۶۱ھ)

الجواب: یہ خرید وفروخت جائز ہے۔

سُوراورشراب کی خرید وفروخت

سوال: (۳۷) زید مسلمان پیشہ ور تاجر ہے اور خنزیر اور شراب وغیرہ کی بھی خرید وفروخت کرتا ہے مسلمان کو ایسی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۹۴۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: خنزیر وشراب کی خرید وفروخت مسلمان کو حرام ہے اوراس کی آمدنی ناجائز ہے (۱)

ہڈی کی تجارت کا حکم

سوال: (۳۸) ہڈی کی تجارت کا حکم کیا ہے؟ جب کہ ہر قسم کی ہڈی شامل ہوتی ہے۔ (۷۰۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ہڈی مردار کی پاک ہے سوائے خنزیر کے، پس تجارت کرنا ہڈی کی اگرچہ وہ مردار جانور کی ہو یا مذبوح اور ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم سوائے خنزیر (اور سوائے انسان) کے درست ہے، اور نفع جو اس تجارت سے ہو حلال ہے، اور شبہ سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے: وشعر المیتة غیر الخنزیر علی المذهب وعظمها وعصبها ...... طاهر الخ (۲) فقط

سوال: (۳۹) ہڈی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ جس میں ہر جانور کی ہڈیاں ہوتی ہیں اوراس تجارت کا نفع کار خیر میں لگانا کیسا ہے؟ (۱۴/ ۱۳۴۱/۱ھ)

الجواب: ہر ایک جانور کی ہڈی پاک ہے سوائے خنزیر کے؛ پس اس کی تجارت بھی درست ہے، اوراس تجارت کا نفع کسی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ فقط

---

(۱) عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: عام الفتح وهو بمکة: إن الله ورسوله حرّم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام، فقیل: یا رسول الله! أرأیت شحوم المیتة فإنه یطلی بها السفن ویدهن بها الجلود ویستصبح بها الناس؟ فقال: لَا! هو حرام وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم عند ذلك: قاتل اللهُ الیهودَ، إن الله عز و جل لمّا حرم علیهم شحومها جملوه ثم باعوه فأكلوا ثمنه (سنن النسائی ۲/ ۲۰۱ کتاب البیع، باب بیع الخنزیر)

(۲) الدر المختار مع الشامی ۱/ ۳۲۰-۳۲۲ کتاب الطهارة، مطلبٌ فی أحکام الدباغة.

خنزیر اور انسان کی ہڈیوں کو بیچنا جائز نہیں

سوال: (۴۰) تجارت ہڈیوں کی جائز ہے یا نہیں؟ اور انسان وخنزیر کی ہڈیوں کا کیا حکم ہے؟ اگر ہڈی لانے والے کو یہ کہہ دیا جائے کہ انسان اور خنزیر کی ہڈیاں نہیں لیں گے اور خود شناخت نہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲۷۸۲/۱۳۳۲ھ)

الجواب: ہڈیوں کی خرید وفروخت جائز ہے؛ لیکن خنزیر اور انسان کی ہڈیوں کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، اور جب کہ لانے والا یہ کہے کہ اس میں خنزیر اور انسان کی ہڈیاں نہیں ہیں تو خریدنا اس سے درست ہے(۱) فقط

زندہ جانور کا صرف گوشت بیچنا

سوال: (۴۱) ایک شخص نے زندہ بیل واسطے ذبح کرنے کے، مالک بیل سے خرید کرنے کی استدعاء کی، مالک بیل نے کہا کہ میں اس بیل کو واسطے ذبح کے دیتا ہوں، مگر بعد ذبح چمڑا اس کا میں خود لوں گا اور گوشت کی قیمت چار روپے وصول کروں گا مشتری نے منظور کیا اور بہ رضا مندی مالک بیل ومشتری بیل ذبح کیا گیا، گوشت عموماً برائے خدا تقسیم کیا گیا، اور چمڑا اصل مالک نے لے لیا، امام مسجد نے حکم دیا کہ بیع کالعدم اور ناجائز ہے؛ اس لیے ذبیحہ حرام ہے؛ کیا زندہ جانور کے ایک جزو یعنی چمڑا خارج از بیع رکھ لینے سے گوشت جانور کا شرعاً ممنوع ہے؟ اور بیع ناجائز ہونے کے سبب سے ذبیحہ حرام اور اس کے گوشت کا کھانا مثل خنزیر کے ہو جاتا ہے؟ (۱۳۳۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: قال في الدرالمختار: ولبن في ضرع (أي فسد بيع لبن) وجزم البرجندی ببطلانه ولؤلؤ في صدف للغرر وصوف على ظهرغنم ...... وفي السراج لوسلم الصوف واللبن بعد العقد لم ينقلب صحيحًا وكذا كل ما اتصاله خلقي كجلد حيوانٍ الخ وفي

(۱) ويقبل قول كافر ولو مجوسيًا قال: اشتريت اللحم من كتابي فيحل الخ (الدرالمختار مع الشامی ۴۲۹/۹ کتاب الحظر والإباحة)

الشامی مقتضاه أنه وقع باطلاً الخ (۱) (شامی ۴/ ۱۰۸)

وفی الشامی (۴/ ۴۱) وبما ذکرنا یخرج الجواب عن امتناع بیع اللبن فی الضرع واللحم والشحم فی الشاة والالیة والأکارع والجلد فیها والدقیق فی الحنطة والزیت فی الزیتون والعصیر فی العنب ونحو ذلك حیث لا یجوز لأن کل ذلك منعدم فی العرف الخ (۲) (شامی ۴/ ۴۱)

پس ان عبارات سے واضح ہے کہ زندہ جانور میں گوشت کوفروخت کرنا باطل ہے اور یہ بیع نہ ہوگی؛ البتہ بعد ذبح کے اور بعد گوشت کے علیحدہ کرنے کے اگر پہلی بیع کو اٹھا کر از سرنو گوشت کی بیع کی جائے تو صحیح ہے، اور مشتری کے لیے گوشت حلال ہے، بہر حال وہ بیل جب کہ اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا؛ تو ذبیحہ حلال ہو گیا؛ لیکن مشتری کے حق میں وہ گوشت کھانا درست نہیں ہے اگر بر بناء علی البیع السابق ہو، اور اگر اس پہلی بیع کو توڑ کر اور معدوم سمجھ کر دوسری بیع گوشت کی از سرنو کی گئی تو درست ہے جیسا کہ بیانات بائع ومشتری سے ظاہر ہے بلکہ مشتری کا بیان جو واقعہ مذکورہ کی نسبت درج ہے (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل ذبح معاملہ بیع کا نہیں ہوا، بلکہ مشتری کے واپس آجانے پر بائع نے اس سے یہ کہا کہ تم اس کو ذبح کرلو بعد میں اگر گوشت پسند آوے گا چار روپے میں لے لینا ورنہ اجرت ذبح وسلخ (کھال اتارنے) وغیرہ کی لے لینا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بیع نہ ہوئی تھی صرف وعدہ تھا، پس اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو بعد ذبح کرنے کے اور چمڑا علیحدہ کرنے کے جو بیع گوشت کی چار روپے میں ہوئی وہ شرعاً صحیح ہے اس میں کچھ حرج اور خرابی نہیں ہے۔ فقط

سوال: (۴۲)...... (الف) زید نے زندہ گائے کا گوشت بدون کھال کے بایں طور فروخت کیا کہ اس گائے کا گوشت جو کچھ ہو دس روپے میں لے لو۔

(ب) زید نے مذبوحہ گائے کا گوشت کھال اتارنے سے پہلے بطریق مذکور فروخت کیا؛ دونوں

---

(۱) الدر المختار والشامی ۷/ ۱۸۴-۱۸۵ کتاب البیوع ـ مطلبٌ استثناء الحمل فی العقود علی ثلاث مراتب.

(۲) الشامی ۷/ ۱۷ کتاب البیوع – قبل مطلبٌ فی حبس المبیع لقبض الثمن.

(۳) مشتری کا بیان سوال میں درج نہیں ہے، شاید ناقل نے سوال میں اختصار کیا ہے۔

صورتوں کا کیا حکم ہے؟ اگر بیع ناجائز ہے تو اس گوشت کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۱۶/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف، ب) اگر محض وعدہ ہو کہ بعد ذبح کے جس قدر گوشت نکلے وہ بیع کردوں گا، پھر بعد ذبح کے بہ نرخ معین مشتری کو دے دیوے تو یہ درست ہے، اور اگر فی الحال قبل ذبح فروخت کیا ہے تو یہ ناجائز ہے، اور چونکہ ایسی بیع واجب الرد ہوتی ہے اور مشتری کو کچھ تصرف اس میں جائز نہیں ہے، اس لیے مشتری کو وہ گوشت کھانا نہ چاہیے، اور ویسے وہ گوشت چونکہ ذبیحہ کا ہے حلال ہے، مگر مشتری کو چاہیے کہ پہلی بیع کو فسخ کر کے پھر از سر نو معاملہ بیع وشراء کا کرے تا کہ اس کے حق میں بھی وہ گوشت جائز ہو جائے۔ فقط

زندہ جانور کا صرف گوشت خریدنا

سوال: (۴۳) جانور میں سے صرف گوشت حالت زندگی میں جانور کے، چند آدمی شریک ہو کر کے خرید لیں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۴۵۷/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: یہ بیع جائز نہیں ہے۔ فقط

گوبر اور اُپلے کی خرید وفروخت درست ہے

سوال: (۴۴) ...... (الف) گوبر وغیرہ نجس چیز کی بیع درست ہے یا نہیں؟

(ب) جلانے کے واسطے اُپلے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۷۹۷/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف، ب) گوبر اور اُپلے کی خرید وفروخت درست ہے یصح بیع سرقین الخ (۱) (درمختار) فقط

خضاب بیچنا درست ہے

سوال: (۴۵) خضاب کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر خود بنا کر بیچا جائے یا خرید کر کمیشن پر بیچا جائے؛ دونوں صورتوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ (۳۸۶/ ۱۳۴۵ھ)

---

(۱) الدر مع الرد ۹/ ۴۷۰ کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع .

الجواب: خضاب کا بیچنا درست ہے خود بنا کر بیچا جائے یا خرید کر کمیشن پر بیچا جائے ہر دو صورت میں بیع صحیح ہے۔ فقط

پنشن کی قسمیں اور ان کی بیع کا حکم

سوال: (۴۶) انگریزی (دور) میں جو پنشن ملتی ہے اس کی چند اقسام ہیں:

ایک بخلائے ملازمت کہلاتی ہے ـــــ دوسری بطور انعام جائداد دی جاتی ہے ـــــ تیسری ایک پنشن پولٹیکل ٹریٹی کہلاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو جائداد پہلے بادشاہ نے کسی شخص یا خاندان کے لیے لی تھی، اور وہ معرض بحث میں تھی، بادشاہ جدید نے اس کو نامناسب یا غلط سمجھ کر یہ تجویز کیا کہ وہ کارروائی بے جا تھی، اور جائداد واپس نہیں کی بلکہ بقدر اُس کی آمدنی کے یا جس قدر مناسب سمجھا نقد سالانہ بعوض اس کے مقرر کر دیا۔ اس قسم کی پنشن کی بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ نتیجہ اس بیع کا یہ ہوتا ہے کہ جس طرح سالانہ یا فصل بہ فصل سرکاری خزانے سے بائع لیتا تھا مشتری لے گا۔ یہ زر پنشن مدرسے کے واسطے وقف کی آمدنی سے خرید کر لیا اگر یہ خرید پنشن بھی شرعاً ناجائز ہو تو تحریر فرمائیں۔ (۱۲۷۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس قسم کی پنشن کی بیع وشراء بھی بقاعدہ شریعت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا وظیفہ اور حق ہے، اور بیع وشراء حقوق کی جائز نہیں ہے، اور جب کہ یہ بیع وشراء حقوق کی جائز نہیں ہوئی تو اس سے براءت کی صورت یہ ہے کہ اس معاملے کو فسخ کیا جائے، اگر فسخ نہ ہو سکے تو جس وقت وہ روپیہ جو مدرسے کا دیا گیا ہے وصول ہو جائے اس وقت وہ پنشن بنام بائع منتقل کر دی جائے یا یہ کہ وہ خوشی سے مدرسے میں دینے پر راضی رہے۔ فقط

بذریعہ تحریر خرید وفروخت کرنا

سوال: (۴۷) بذریعہ چٹھی یا خط کے غلہ خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ صرف آڑھتی سب کام کرتے ہیں۔ (۲۸۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ بیع وشراء بذریعہ تحریر کے بشرطیکہ اس میں شرائط صحت بیع پائی جائیں درست ہے۔

ہنڈی اور اس کی سند کو فروخت کرنے کا حکم

سوال: (۴۸) ..... (الف) ہنڈی ہمارے یہاں دو قسم کی ہوتی ہے: ایک تو یہ کہ ہم کسی کو خطرِ راہ کی وجہ سے کچھ روپیہ دیدیں، اور جس جگہ ہم کو جانا ہے وہاں اس کی کچھ تجارت وغیرہ ہوتی ہے، لہٰذا وہ شخص ہم کو سند کے طور پر کاغذ لکھ دیتا ہے جس کے ذریعے سے ہم اس مقام پر پہنچ کر روپیہ وصول کر لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اس سند کو اگر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ اتنے ہی روپیہ پر فروخت کرنا چاہیں یا اس روپیہ سے کم وزیادہ پر فروخت کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

(ب) تمسک کو شریعت میں کیا کہتے ہیں؟ اور اس کی بیع درست ہے یا نہیں؟

(ج) ڈگری اور حکم نامہ کی بیع درست ہے یا نہیں؟ (۳۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) ہنڈی مکروہ ہے هداية، آخر کتاب الحوالة: ص:۱۱۴ (۱) قال في الشامي: قوله بيع البراءات: جمع براءة وهي الأوراق التي يكتبها كُتَّابُ الديوان على العاملين على البلاد بخط كعطاء أو على الأكارين بقدر ما عليهم، وسميت براءة لأنه يبرأ بدفع ما فيها (۲) (۴/۱۷) وهي إقراض لسقوط خطر الطريق (۳) (درمختار وغیرہ)

اس سند کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اتنے ہی روپیہ کو ہو جو اس سند میں ہے یا کم وبیش کو، البتہ اگر مثل نوٹ کے مساوی روپیہ لینے کو قرض اور حوالہ پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں صرف مساوی روپیہ لینا درست ہوگا نہ کم وبیش فی الشامي: إذا باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لايصح (۴) وفي الدر المختار: بيع البراءات التي يكتبها الديوان على العمال لايصح (۵)

(ب) یہ رسید وتمسک براءت کے نام سے موسوم ہے، اس کی بیع کسی طرح درست نہیں ہے کما مر

(۱) ويكره السفاتج وهي قرض استفاد به المُقرِض سقوط خطر الطريق، وهذا نوع نفعٍ استفيد به، وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرضٍ جر نفعًا (الهداية: ۳/۱۳۱ آخر كتاب الحوالة)

(۲) ردالمحتار ۷/۲۳ كتاب البيوع — مطلبٌ: البيع بالتعاطي.

(۳) الدر المختار مع الشامي ۸/۱۸ كتاب الحوالة — مطلبٌ في السفتجة وهي البوليصة.

(۴) ردالمحتار ۷/۲۴ كتاب البيوع — مطلب في بيع الجامكيّة.

(۵) الدر مع الرد ۷/۲۳ كتاب البيوع — مطلبٌ: البيع بالتعاطي.

(ج) ڈگری اور حکم نامہ کی بیع بھی درست نہیں ہے، اور جب کہ بیع باطل ہے تو بائع کو مشتری سے روپیہ لینا اور مشتری کو دینا جائز نہیں ہے، اور مشتری پر جبر نہیں ہو سکتا، اور جبراً روپیہ وصول نہیں کر سکتا، اور وہ روپیہ بائع کے لیے حلال نہ ہوگا، اور اپنے صرف میں لانا درست نہیں۔

عمدہ زمین کے بدلے خراب زمین زائد لینا

سوال: (۴۹) اچھی زمین دے کر خراب زمین بدلے میں زیادہ لینا جائز ہے یا نہیں؟
(۱۹۱۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جائز ہے۔ لعدم علة الربوا فيها.

دریا اور تالاب میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت

سوال: (۵۰) حضرات فقہاء باب بیع الفاسد میں تصریح فرماتے ہیں کہ بیع سمک فی الماء جائز نہیں ہے، لیکن ہمارے ملک میں سرکار کی جانب سے دریا اور تالاب کی مچھلیوں کی بطریق ٹھیکہ کے بیع ہو جاتی ہے، ٹھیکہ دار مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرتے ہیں اس بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟ اور ان مچھلیوں کا کھا نا درست ہے یا نہیں؟ (۱۷۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دریا اور تالاب میں رہتی ہوئی مچھلی کی خرید وفروخت درست نہیں ہے، اسی طرح اجارہ اور ٹھیکہ تالابوں کا بھی مچھلیاں پکڑنے کے لیے درست نہیں ہے، ٹھیکے والے جو اُن تالابوں میں سے مچھلیاں پکڑتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں ان سے خریدنا اس وجہ سے درست معلوم ہوتا ہے کہ وہ مچھلیوں کو پکڑنے کی وجہ سے مالک ہو گئے، ان سے خریدنے والوں کا کھانا درست ہے۔

تالاب سے نکالے بغیر مچھلیوں کو بیچنے کا حکم

سوال: (۵۱) ایک گہری زمین سرکاری لگان پر مقرر ہے ہمیشہ اس میں پانی رہتا ہے آبادی کا موقع نہیں ملتا، مالک کو بھاری لگان اپنے گرہ (جیب) سے ادا کرنے میں سخت نقصان ہے اس نشیبی ٹکڑۂ مذکورہ میں مچھلیاں بہت جمع ہوتی ہیں۔ ماہرانِ فنِ شکار مچھلی کا اندازہ اور اپنے نفع کا خیال کر کے قیمت دینا منظور اور مچھلی کی بیع پر مجبور کرتے ہیں۔ مچھلی کی بیع اس صورت میں فاسد یا باطل یا جائز ہے؟ (۱۳۸۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مچھلی کی بیع تالاب میں بدون پکڑنے اور قبضہ کرنے کے باطل ہے، اس میں جواز کی کوئی صورت نہیں، اور نہ اجارہ اس تالاب کا صحیح ہے، درمختار میں ہے: **وفسد بيع سمك لم يصد لو بالعرض وإلا فباطل لعدم الملك "صدر الشريعة"** (درمختار) وفی الشامی: **قوله صدر الشريعة حيث قال: السمك الذى لم يصد ينبغي أن يكون البيع باطلاً إذا كان بالدراهم والدنانير ويكون فاسدا إذا كان بالعرض لأنه مال غير متقوم لان التقوّم بالإحراز والإحراز منتفٍ الخ** (۱) فقط

سوال: (۵۲)...... (الف) تالاب کی پالی ہوئی مچھلی کی بیع بلا نکالے جائز ہے یا نہیں؟

(ب) نیز ایسی مچھلیوں کی جو سیلاب میں زمین کے کسی گڑھے میں رہ گئی ہوں بیع جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) بیع ان کی جائز نہیں ہے۔

(ب) ان کی بیع بھی ناجائز ہے۔

مچھلی کے علاوہ بحری حیوانات کو فروخت کرنا

سوال: (۵۳) بجز سمک کے حیوان بحری کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے نفع اٹھانا یا کہ غیر قوم سے سمک کا تبادلہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۴۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وماجاز الانتفاع بجلده أو عظمه يجوز بيعه كذا في الدر المختار (۲) وبيع غير السمك من دواب البحر إن كان له ثمن كالسقنقور وجلود الخز ونحوها يجوز الخ (۲) (شامی: مطلب في البيع الفاسد ص۱۷۲/۲ مصری)(۳)

---

(۱) الدر المختار والشامی ۱۸۱/۷-۱۸۲ کتاب البیوع - مطلبٌ فی البیع الفاسد۔

(۲) الدر والرد ۱۹۰/۷-۱۹۱ کتاب البیوع - مطلب فی بیع دُودة القِرمِز۔

(۳) ترجمہ: جس جانور کی کھال اور ہڈی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اس کا بیچنا جائز ہے (درمختار) اور مچھلی کے علاوہ بحری جانوروں میں سے اگر کوئی قیمتی ہے جیسے سمہو راور خز کے چمڑے وغیرہ تو اس کا بیچنا جائز ہے، شامی۔

وکیل بالبیع کا برائے فروخت دی ہوئی چیز کو خریدنا

سوال: (۵۴) زید نے عمر کو اپنی ایک چیز بیچنے کو دی تو عمر نے اسے بازار میں خریداروں کو دکھلا کر نرخ کا اندازہ کرایا، اور اسی حساب سے اس چیز کی قیمت زید کو اپنے پاس سے دے دی، اور وہ شئ خود خرید کر پاس رکھ لی، اور زید سے یہ نہ کہا کہ میں نے خود خرید لی ہے تو یہ بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۳۴۹ھ)

الجواب: وکیل بالبیع کو خود خریدنا اس چیز کا درست نہیں ہے۔(۱) فقط

غلہ وصول کرنے کے حق کو فروخت کرنا

سوال: (۵۵) زید، عمر، بکر، خالد؛ چار بھائی ہیں، ایک علاقہ ان کے مریدوں کا ہے جہاں سے غلہ وصول کر کے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اب خالد اس علاقے کو بغیر موجودگی دیگر بھائیوں کے کسی شخص کے ہاتھ بیع کرتا ہے، اور وصول غلہ کا حق اسی کو دے دیتا ہے باقی بھائی اس کے دعوے دار ہوتے ہیں؛ اس قسم کی بیع کا کیا حکم ہے؟ اور باقی بھائیوں کا دعویٰ کیسا ہے؟ بینوا توجروا (۱۳۳۵/۴۵۶ھ)

الجواب: اس قسم کی بیع شرعاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایسے حقوق کی بیع جائز نہیں ہوتی، اور جس چیز میں چند لوگوں کا استحقاق ہو اس میں کسی ایک کا تصرف کرنا اس طرح کہ دوسرے ذوی الحقوق کا حق ضائع کر دے جائز نہیں ہے۔ فقط

تیار ہونے سے پہلے راب خریدنا

سوال: (۵۶) زید نے عمر کو سو روپے دیدیے کہ جس قدر تیری راب ہوگی اس نرخ سے میری ہے، عمر کے یہاں ہزار روپے کی راب ہوگی جس وقت راب تیار ہوگئی عمر نے دیدی، اور بقیہ نو سو روپے لے لیے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ راب روپے دینے سے دو تین ماہ کے بعد تیار ہوگئی؟ (۱۳۳۸/۳۱ھ)

---

(۱) الوكيل بالبيع لايملك شراءه لنفسه ، لأن الواحد لايكون مشتريًا وبائعًا. كذا في الوجيز للكردري (الفتاوى الهندية: ۳/۵۸۹ كتاب الوكالة – الباب الثالث في الوكالة بالبيع)

الجواب: اس وقت جب کہ زید نے یہ معاملہ کیا بیع صحیح نہیں ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے؛ پس یہ صرف وعدہ پرمحمول ہوگا، بعد میں جب راب دیدے گا اور قیمت لے لے گا بیع تام ہو جائے گی۔

پہلی بیع ختم کر کے دوسری بیع کرنا

سوال: (۵۷) دس بکریاں زید کے پاس تھیں، کسی کی قیمت پانچ روپے، کسی کی دس، کسی کی اور زیادہ؛ عمر نے زید سے کہا کہ یہ دس بکریاں ہم کو سو روپے میں دے دو! اس حساب سے فی بکری دس روپے کی ہوئی ـــــ زید نے منظور تو کرلیا، مگر تین بکریاں دس بکریوں میں سے بیچ دیں، جب عمر نے یہ بات سنی تو کہا کہ بکریاں موجودہ اور وہ رقم جو تین بکریوں کی تمہارے پاس ہے ہم کو دیدو، اور سو روپے ہم سے لے لو، زید نے منظور کرلیا یہ بیع ثانی جائز ہے یا نہیں؟ (۳۶۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: دوسرا معاملہ بھی درست ہے مگر اس میں یہ ضرور ہے کہ بقدر تین بکریوں کی قیمت کے جو کہ عمر زید سے لیتا ہے نقد ادا کرے اس میں ادھار نہ کرے (۱)

ترکہ میں ملی ہوئی جائداد میں سے اپنے حصے کو بیچنا

سوال: (۵۸) علی بخش مرحوم کی بیوہ اپنے حصے کی جائداد کسی کے پاس بیع و رہن کر سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۰۴۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زوجہ علی بخش اپنے حصے کو بیع و رہن و ہبہ کر سکتی ہے۔ فقط

ملازم کی واجب تنخواہ کے عوض کوئی چیز بیچنا نقد بیچنا ہے

سوال: (۵۹) زید غلہ اس طرح فروخت کرتا ہے کہ نقد لینے والے کو نوسیر اور ادھار لینے والے کو کچھ کم دیتا ہے، زید کے ایک ملازم عمر نے زید سے اپنی تنخواہ کے عوض میں جو زید کے ذمے واجب الاداء تھی، غلہ خریدا تو زید نے ملازم عمر کو قرض لینے والوں کے موافق کم دیا تو عمر اپنے باقی حق کا اور کمی کا

(۱) کیونکہ تین بکریوں کی رقم کو رقم کے عوض خریدنا بیع صرف ہے اور بیع صرف میں عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

مطالبہ کرسکتا ہے یا کیا؟ اور زید کے ذمے ملازم کو نقد خریداروں کے موافق دینا شرعاً واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۴۷۸ھ)

الجواب: یہ بہ اختیار زید ہے کہ جس نرخ سے دیوے ــــ ملازم کو اختیار ہے، اگر گراں معلوم ہوتو نہ لیوے، لیکن درحقیقت زید کو اس ملازم کے ساتھ معاملہ نقد خریدنے والے کا سا کرنا چاہیے۔

خریدار کے روپیہ سے مال خریدنا اور اسی کے ہاتھ نفع سے فروخت کرنا

سوال: (۶۰) اگر کسی تاجر کے پاس مال موجود نہ ہو اور وہ خریدار سے پیشگی روپیہ وصول کرکے اسی روپے سے مال خرید کر نفع سے دیوے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۲۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر تاجر کے پاس مال موجود نہ ہو اور وہ خریدار سے روپے لے کر اس روپے سے مال مطلوبہ منگا کر نفع سے فروخت کرے تو یہ درست ہے اور تاجر کے لیے نفع حلال ہے۔

ایک سے وعدہ کرکے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال: (۶۱) زید ایک اراضی کا خریدار تھا، اور بائع ہندو تھا، بائع نے زید کے ہاتھ فروخت کرنے کا وعدہ کرلیا تھا، اسی درمیان میں اسی اراضی کا دوسرا شخص عمر خریدار ہوگیا، اور اس نے اس اراضی کو خریدنا چاہا، بائع راضی ہوگیا؛ عمر نے من جملہ سات سو روپے قیمت کے چار سو روپے نقد دینا چاہا، اور تین سو روپے کا رقعہ بلا سودی لکھنا چاہا، بائع کہتا تھا کہ میں سود بھی لوں گا، عمر انکار کرتا تھا بیع نامہ تحریر نہیں ہوا، زید خریدار اول نے پھر معاملہ کرکے اراضی خرید لی، عمر نے عدالت میں بر بناء معاہدہ نالش کی، بائع کہتا ہے کہ میرا پہلا معاہدہ زید سے ہوا ہے بوقت پیشی مقدمہ زید نے بکر کو ثالث مقرر کردیا، عمر نے بھی قبول کرلیا، بکر کو کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟ آیا عمر اور بائع کا معاہدہ شرعاً قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ (۱۸۳۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں اگر عمر خریدار ثانی سے بائع کا معاملہ طے ہوگیا، اور ایجاب وقبول زبانی ہوگیا، اور محض سود کی گفتگو کے اختلاف کی وجہ سے بیع نامہ تحریر نہیں ہوا تو بیعنامہ تحریر نہ ہونے سے بیع میں کچھ نقصان نہیں ہوا، بیع پوری ہوگئی اور اگرچہ عمر کو یہ مناسب نہ تھا کہ زید کے ساتھ معاملہ بیع

ہوتے ہوئے خود خریدار بنتا، لیکن جب بائع نے اس کے ساتھ ایجاب وقبول کرلیا تو بیع پوری ہوگئی پھر زید کے ساتھ جو معاملہ خرید وفروخت ہوا وہ شرعاً جائز نہیں ہوا، زید کو کچھ حق لینے اس زمین فروخت شدہ میں نہیں ہے، عمر اس کا مالک ہوگیا بکر کو بھی یہی فیصلہ کرنا چاہیے۔فقط

آرڈر دے کر جو مال منگوایا ہے اس کی بیع کب تام ہوگی؟

سوال: (۶۲) میں جاپان سے مال منگواتا ہوں، مگر صورت یہ ہے کہ بذریعہ تار یا خط وہاں کی کمپنی کو اطلاع دیتا ہوں کہ اتنا مال مجھے درکار ہے، اگر تین چار مہینے تک مال نہ آوے تو بعد میں ہم لینے کے ذمے دار نہیں، اور کمپنی وہاں سے روانگی کی ذمے دار ہے کہ موعودہ وقت پر یہاں سے روانہ کردیا جائے گا، وقت مقررہ پر پہنچانے کے ذمے دار نہیں، اور قیمت اس وقت دیجاتی ہے جب مال آجاتا ہے یہ بیع وشراء جائز ہے؟ (۱۸۴۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں اس وقت بیع نہیں ہوتی جس وقت کہ فرمائش بھیجی جاتی ہے، اور وہاں پہنچتی ہے اور وہاں سے مال روانہ ہوتا ہے، بلکہ بیع اس وقت ہوگی جس وقت مال فرمائش کنندہ کے پاس پہنچ جائے اور وہ قیمت مقررہ پر اس مال کو خریدنے پر راضی ہو اور قیمت بھیج دیوے۔

آرڈر میں خلاف فرمائش مال نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۶۳) دِساوَر سے جو مال منگوایا جاتا ہے، اس میں اکثر مال خلاف فرمائش نکل آتا ہے تو اس کی بیع درست ہوتی ہے یا نہیں؟ (۹۳/۱۳۳۳-۳۲ھ)

الجواب: جب مشتری اس مال کو دیکھ کر راضی ہوگیا اور اس کو رکھ لیا تو بیع درست ہوگئی۔

نابالغ بچوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۶۴) نابالغ بچوں کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳۸۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ولی کی اجازت سے ان کی بیع وشراء صحیح ہوجاتی ہے۔

نابالغ بھائی کا مکان بالغ بھائی اور چچا نے فروخت کردیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۶۵) نحمده ونصلی علی رسوله الکریم علمائے دین وعاملان شرع متین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں: بکر وزید دو حقیقی بھائی تھے، دونوں کی جائداد وکاروبار مشترک تھے، نیز گھر بھی ایک ہی تھا یعنی کھانا پینا بھی علیحدہ نہیں تھا ان میں ایک فوت ہوگیا، اور صرف دولڑکے خالد اور ولید وارث نابالغ چھوڑے، دونوں نابالغوں کا حقیقی چچا بکر ولی رہا، مثل سابق سب ساتھ رہے اور کاروبار صرف ولی مذکور ہی کرتا رہا، جائداد غیر منقولہ مشترکہ میں صرف دو مکان تھے، بکر وخالد نے ہر دو مکان سودی روپے پر رہن کردیے، اس وقت خالد بھی بالغ ہو چکا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد من جملہ ہر دو مکان ہائے مذکور کے بکر وخالد نے ایک مکان ایک مسلمان کے ہاتھ بیع کردیا، بوقت بیع مذکور ولید کی عمر دس سال کی تھی، یہ بیع ۱۹۰۱ء میں ہوئی تھی، اور ولید کو بیع کا بخوبی علم تھا، بیع شدہ مکان پر بیع کے وقت مشتری کا قبضہ ہوگیا اور اب تک مسلسل ہے، اور فریقین بیع شدہ مکان کے عین متصل رہتے ہیں اس واسطے ولید کا یہ علم ہمیشہ تازہ رہا، کئی سال کے بعد مرتہن نے ان پر رہن معہ سود کا دعویٰ کردیا، دوران مقدمہ میں خالد وولید نے عذر کیا کہ دونوں وقت رہن نابالغ تھے گو اب بالغ ہوگئے ہیں، اس لیے ان کے حصہ پر رہن کا اثر نہیں ہے، تحقیقات عدالت سے ثابت ہوا کہ خالد رہن کے وقت بالغ یعنی ۱۸ سال سے زیادہ عمر کا ہو چکا تھا؛ البتہ ولید نابالغ تھا، چنانچہ عدالت انگریزی نے رہن شدہ جائداد چہارم یعنی ولید کا حصہ رہن سے خارج سمجھ کر علیحدہ کردیا، اور صرف بکر وخالد کے حصے پر ڈگری کردی چونکہ اس دوران میں ولید بھی بالغ ہو چکا تھا اور مقدمے کی پیروی کررہا تھا اسے بخوبی علم ہوگیا کہ نابالغی کی وجہ سے اس کا حصہ ڈگری سے بچ گیا ہے، عدالت نے ہر دو مکان کے نیلام کا حکم دیا جو مکان بیع ہو چکا تھا اس کے مشتری نے عذر داری کی اس لیے اس بیع شدہ مکان کا نیلام ملتوی ہوگیا، اور صرف دوسرا مکان نیلام ہوا۔

اب مرتہن اور مشتری کے بیع شدہ مکان کے باہم مقدمات دائر ہوئے، اور کئی سال مقدمہ رہا اگر چہ مقدمہ میں ولید فریق نہیں تھا، لیکن فریقین کے وکلاء کی بحث میں ولید کا حصہ بھی آیا اور عدالت نے صریح فیصلہ کردیا کہ مکان متنازعہ میں کوئی حق مرتہن نیز ولید کا نہیں ہے، مرتہن کا دعویٰ خارج کردیا

یہی فیصلہ عدالتِ تحت سے ہوکر ہائی کورٹ تک بحال رہا، قانون انگریزی کے بہ موجب اب ولید کا کوئی حق باقی نہیں رہا، اس لیے وہ دعوی بھی نہیں کرسکتا۔

۱۹۲۴ء سے پہلے ولید نے کبھی صراحۃً یا اشارۃً بھی بیع مذکور سے نارضامندی کا اظہار نہیں کیا، اب ۱۹۲۴ء میں ولید نے مشتری سے بالواسطہ کہلوایا کہ مکان کا میرا حصہ واپس کردو اور بیع سے نارضامندی کا اظہار کیا۔

مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ ولید ۱۹۰۶ء میں بالغ ہوگیا تھا کیوں کہ اس کی عمر ۱۵رسال کی ہوگئی تھی بالغ ہونے اور مکان کی بیع کا ابتداء سے علم ہونے کے باوجود اس نے ۱۹۲۴ء تک سکوت رکھا یعنی بعد بلوغ ۱۸سال تک عملاً بیع کو تسلیم کرتا رہا، ان حالات میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ آیا اس قدر مدت کے بعد اب بھی ولید کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۶۶۰ھ)

الجواب: اگر بوقت بیع مذکور ولید نابالغ تھا تو یہ بیع دووجہ سے باطل ہوئی: ایک یہ کہ ولید نابالغ تھا، اور نابالغ کے املاک کی بیع ہر حال میں باطل ہوجاتی ہے خواہ نابالغ اس کی اجازت دیدے یا نہ دے کما فی الدرالمختار: وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغًا عاقلاً، فلو صغیرًا أومجنونًا لم ینعقد اصلا کما فی الظواھر (۱)

دوسرے یہ کہ شرکتِ ملک میں ہرایک شریک دوسرے شریک کے حق میں اجنبی کا حکم رکھتا ہے، اس لیے ولید کے بھائی یا چچا اپنے حقوق کو فروخت کرسکتے ہیں نہ دوسرے شریک کے حصہ کو، نیز محض سکوت کو بیع فضولی میں اجازت فعلی بھی قرار نہیں دیا گیا ہے، کما فی ردالمحتار: لو أخذ المالک بثمنه خطأً من المشتری فهو إجازة، لا لوسکت عند بیع الفضولی بحضرته (۲) (شامی:۴/ ۱۴۱ باب بیع الفضولی) الحاصل مشتری کو چاہیے کہ ولید کو اس کے حصہ کی قیمت دے کر یا بہ برراضی کرکے مکان کو مغصوب ہونے کے حکم سے بچالے۔ فقط

قصابوں سے بکروں اور دنبوں کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے

سوال: (۲۶) زید بکروں اور دنبوں کی خرید وفروخت قصابوں سے کرتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الدرالمختار مع الشامی ۷/۲۳۳ کتاب البیوع - فصل فی الفضولی.

(۲) الشامی ۷/۲۴۲ کتاب البیوع - مطلبٌ: البیع الموقوف نیّف وثلاثون.

بکر اس کو ناجائز کہتا ہے؟ (۴۵۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: بیع وشراء بکروں اور دُنبوں کی بصورت مذکورہ شرعاً درست ہے، اور بکر جو ناجائز کہتا ہے اس کا قول غلط ہے۔ فقط

ہنود کے میلوں میں تجارت کے لیے جانا اور پوجا کا سامان فروخت کرنا

سوال: (۶۷)...... (الف) ہنود کے میلوں میں تجارت کے لیے جانا شرعاً کیسا ہے؟

(ب) گھنٹی، گھنگرو، دیوکی پوجا کا سامان اور تصویر کے کھلونے، گنجفہ(۱) وغیرہ ان چیزوں کی تجارت شرعاً جائز ہے یا حرام؟ (۶۷۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف) ہنود کے میلوں، عبادت گاہوں میں تجارت کے لیے جانا اچھا نہیں ہے۔

(ب) اور تصویر وغیرہ پوجا کا سامان فروخت کرنا مکروہ ہے۔ فقط

کافر گورنمنٹ مسلمانوں کی جائداد اور اوقاف پر قبضہ کر کے فروخت کر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۶۸) کافر گورنمنٹ استیلاء کر کے مسلمانوں کی مملوکہ جائدادوں اور اوقاف پر قبضہ کر لے جب کہ مسلمان کافر حکومت کے ہاتھ سے چھڑانے پر قادر نہ ہوئے تو اس حالت میں اگر گورنمنٹ نے ایک شخص کی جائداد دوسرے کے ہاتھ یا وقف کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس خریدار کو باوجود اس علم کے کہ یہ فلاں شخص کی مغصوبہ جائداد ہے یا وقف ہے، خریدنا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہ؟ (۲۷۷۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جائداد مملوکہ میں یہ قاعدہ جاری ہوگا کہ بعد تسلط کفار؛ مشتری کے حق میں تصرف جائز ہے، لیکن اوقاف میں یہ قاعدہ جاری نہ ہوگا، اوقاف کو مصارف اوقاف میں صرف کرنا لازم ہوگا۔

---

(۱) گنجفہ: ایک کھیل کا نام جس میں ۹۶ گول پتے ہوتے ہیں اور تین کھلاڑی۔ (فیروز اللغات)

مکان خرید کر اس شخص کے ہاتھ نفع سے فروخت کرنا جو پہلی بیع میں بائع کا مشیر ہے

سوال: (۶۹) ...... (الف) محمدی نے اپنے ایک رشتہ دار عبدالرؤف کے ذریعہ سے اپنا مکان فروخت کرنا چاہا، عبدالرؤف نے مشتری سے یہ شرط کی کہ جب تم یہ مکان خرید لو تو اس کو دو ہزار نفع سے میرے ہاتھ فروخت کرڈالنا، اس کا روپیہ تین برس کے اندر ادا کردیا جائے گا، اگر تین برس کے اندر روپیہ دے کر رجسٹری نہ کراسکوں تو معاملہ ہذا فسخ متصور ہوگا، اور جو رقم بطور بیعانہ عبدالرؤف سے ملے گی وہ ضبط کرلی جائے گی، چنانچہ اس قرارداد کے مطابق مسماۃ محمدی سے مشتری نے روپیہ دے کر (عقد بیع کو) مکمل کرالیا بدون کسی شرط کے، مکان خرید لینے کے بعد حسب قرارداد سابق عبدالرؤف سے دو ہزار نفع پر مکان فروخت کرنے کا اقرار کیا، اور پانچ سو روپے بیعانہ لیا۔ عبدالرؤف کی حیثیت معاملہ بیع میں ایک پیروکار مشیر کی تھی۔

(ب) یہ بیع نامہ جو محمدی نے بحق مشتری کیا جائز ہوا یا نہ؟ اور پھر مشتری کا عبدالرؤف کے ہاتھ بیع کرنا جائز ہوا یا نہیں؟ (۳۱۳۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف، ب) جب کہ مسماۃ بائعہ نے کوئی شرط بیع کی تکمیل کے وقت نہیں کی، اور عبدالرؤف کی حیثیت محض مشیر کی تھی وہ وکیل بالبیع نہ تھا تو بیع مذکور جو محمدی نے بنام مشتری مکمل کی صحیح ہوگئی، اور پھر مشتری نے جو اس مبیع کو بہ نفع دو ہزار روپے عبدالرؤف کے ہاتھ بیع کیا وہ بیع بھی صحیح ہوگئی۔ فقط

عمدہ اور گھٹیا چیزوں کو ملا کر بیچنا

سوال: (۷۰) اناج اور دیگر اشیاء فروختنی میں زیادہ اور کم قیمت کی جنسوں کا میل کر کے دھوکہ سے بیچنا تو ظاہر ہے کہ منع ہے، اور اس کی قیمت حرام ہے، لیکن اگر اس قسم کے میل کا لوگوں کو علم ہو یا سر بازار میل کیا جاتا ہو اس طور پر فروخت کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟ (۹۴۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جس صورت میں دھوکہ نہ ہو جائز ہے۔

چاندی کو تانبے وغیرہ سے رنگنا پھر اس میں ہم وزن سونا ملانا اور سونا کہہ کر فروخت کرنا

سوال: (۷۱) ایک شخص چاندی کو تانبے سے یا تانبے کے کشتے سے یا شنگرف (سرخ رنگ کی دھات) سے رنگتا ہے، پھر اس میں ہم وزن سونا ملاتا ہے، اور اس کو بازار میں سونا کہہ کر فروخت کرتا ہے؛ ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ (۳۳۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: مسلم شریف میں ہے: من غشنا فلیس منا (۱) اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: من غش فلیس منی (الحدیث) (۱) بہر حال اس حدیث سے (ثابت ہوا کہ) اس قسم کا دھوکہ کرنا اور تانبے وغیرہ میں سونے کا میل کر کے اس کو سونا کہہ کر فروخت کرنا حرام ہے، دوسری حدیث میں ہے: من باع عیبًا لم یبینه لم یزل فی مقت الله أولم تزل الملائکة تلعنه (۲) (رواه ابن ماجة) پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ مبیع کے عیب کو بیان نہ کرنا، اور مشتری کو اس پر متنبہ نہ کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے پس ان سب صورتوں سے بچنا چاہیے۔ فقط

کل ثمن وصول کرنے سے پہلے جو چیز فروخت کی ہے اس کو کم قیمت پر خریدنا

سوال: (۷۲) زید نے عمر کے ہاتھ ایک شئ فروخت کی، اور کل ثمن پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ کچھ باقی

(۱) عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من حمل علینا السلاح فلیس منا، ومن غشنا فلیس منا. وعن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم مر علی صُبرة طعام فأدخل یده فیها فنالت أصابعه بَلَلًا فقال: ما هذا؟ یا صاحب الطعام! قال: أصابته السماء یا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام؟ کی یراه الناس. من غش فلیس منی (الجامع الصحیح لمسلم ۷۰/۱ کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم من غشنا فلیس منّا)

(۲) عن واثلة بن الأسقع رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من باع عیبًا لم یبینه لم یزل فی مقت الله ولم تزل الملائکة تلعنه (ابن ماجة ۱۶۲/۲ أبواب التجارات، باب من باع عیبًا فلیبینه)

رہ گیا پھر مشتری نے بعد استعمال اس کو بائع اول کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کردیا؛ پس یہ بیع ثانی جائز ہے یا نہیں؟ (۵۱۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں یہ بیع ثانی فاسد ہے، کتب فقہ میں تصریح ہے کہ وصول ثمن سے پہلے بائع ومشتری دونوں کے لیے یہ خرید وفروخت جائز نہیں۔ حضرات فقہاءؒ نے اصل کلی کی حیثیت سے شراء ما باع بأقل مما باع کے فساد کا اعلان کیا ہے؛ پس صورت مسئول میں چوں کہ نقد ثمن سے پہلے یہ معاملہ کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے فساد میں کوئی شبہ نہیں، درمختار میں ہے: وفسد شراء ما باع بنفسه أو بوكيله من الذي اشتراه ...... بالأقل من قدر الثمن الأول قبل نقد كل الثمن الأول(۱) (درمختار) وكذلك إن بقي عليه شيءٌ قبل نقد الثمن كذا في المحيط (۲) (عالمغيرية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اُدھار خرید کر قیمت ادا کرنے سے پہلے وہی مال بائع کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال: (۷۳) ......(الف) اگر کسی شخص نے ایک شخص سے مال ادھار خرید کیا، ابھی قیمت ادا نہ کی تھی کہ وہی مال بائع کے ہاتھ بیچ دیا یہ بیع؛ مکروہ ہے یا جائز؟

(ب) یا کچھ حصہ مال کا فروخت کیا اور باقی بائع کے ہاتھ بیچ دیا؟ (۴۲۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) قال في الدر المختار. باب البيع الفاسد: وفسد شراء ما باع بنفسه أو بوكيله من الذي اشتراه ولو حكمًا كوارثه بالأقل من قدر الثمن الأوّل قبل نقد كل الثمن الأوّل صورته: باع شيئا بعشرة ولم يقبض الثمن ثم شراه بخمسة لم يجز الخ (۱) وفيه أيضًا: فإن اختلف جنس الثمن أو تعيب المبيع جاز مطلقًا كما لو شراه بأزيد أو بعد النقد (درمختار) وفي الشامي: قوله: بأزيد أو بعد النقد ومثل الأزيد المساوي كما في الزيلعي وهذا قول المصنف بالأقل قبل نقد الثمن الخ (۳)

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۱۹۶/۷ كتاب البيوع – مطلبٌ في التداوي بلبن البنت بالرمد قولان.

(۲) الفتاوى الهندية ۱۳۲/۳ كتاب البيوع – الباب التاسع فيما يجوز بيعه ومالا يجوز، الفصل العاشر في بيع شيئين أحدهما لا يجوز البيع فيه وشراء ما باع بأقل مما باع.

(۳) الدر المختار مع الشامی ۱۹۶/۷-۱۹۷ كتاب البيوع، قُبيل مطلب: الدراهم والدنانير جنسٌ واحدٌ في مسائل.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر مال اُدھار خریدا، اور ابھی ثمن ادا نہیں کیا تو برابر قیمت یا زائد کو اس کے ہاتھ بیع کردینا درست ہے۔ اور کم قیمت کے ساتھ بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

(ب) یہی حکم ہے بعض مال کے لوٹانے یعنی بیع کرنے میں۔

سرکاری قانون کے برخلاف اپنی مملوکہ جائداد فروخت کرنا

سوال: (۴۷) در کشمیر خصوصا در مواضعات مطابق حکم قانون درحق اراضیات، لکان را اختیار بیع وشراء ورہن حاصل نیست باوجود آں کہ عمارات بصرف زر کثیر تیار می کنند وزمینات ہم ابا عن جد موروث ومملوک ومقبوض خود دارند؛ آیا برایں چنیں عمارات ومکانات وغیرہ کہ موصوف بہ اوصاف مندرجہ بالا شدند شرعاً اطلاق لفظ مال کردہ شود یا نہ؟ وبیع وشراء ورہن ووصیت وہبہ وغیرہ جائز ست یا نہ؟ ومانند جمیع اموال شرعاً علی فرائض اللہ تعالیٰ درمیان ورثاء تقسیم کردہ شود یا نہ؟ (۱۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: شرعاً ایں چنیں اراضی ومکانات، مملوکہ مالکان آنہاں است، وایں اشیاء اموال اند برائے ارباب آنہاں، ومالکاں را دراں تصرفات بیع ورہن وہبہ وغیرہ تملیکات رواست: کمافي الدر المختار وغیرہ: ولا یمنع الشخص من تصرفه في ملکه إلاّ إذا کان الضرر بجاره ضررًا بینًا فیمنع من ذلك الخ(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ترجمہ: سوال: (۴۷) کشمیر میں خصوصاً دیہاتوں میں اراضی کے بارے میں حکومت کا جو قانون ہے اس کے مطابق مالکوں کو (اپنی جائدادیں) بیچنے، خریدنے اور رہن رکھنے کا اختیار نہیں ہے، حالانکہ وہ لوگ بہت مال خرچ کرکے تعمیریں تیار کرتے ہیں، اور زمینیں بھی ان کو باپ دادا سے وراثت میں ملی ہیں، اور ان کی ملکیت اور قبضہ میں ہیں ـــــــ آیا اس طرح کی عمارتوں اور مکانوں پر جن کے احوال ماقبل میں ذکر کئے گئے شرعاً لفظ ''مال'' کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ اور ان کی خرید وفروخت اور رہن، وصیت اور ہبہ وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ اور (یہ جائدادیں) دیگر تمام اموال کی طرح شرعی حصص کے مطابق ورثاء کے درمیان تقسیم ہوں گی یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۸/۱۳۵ کتاب القضاء۔ مطلبٌ: اقتسموا دارًا و أراد کلٌ منهم فتح بَابٍ، لهم ذلك.

الجواب: شرعاً اس طرح کی زمینیں اور مکانات، ان کے مالکوں کی مملوکہ ہیں اور یہ سب چیزیں ان کے مالکوں کے لیے اموال ہیں؛ اور مالکوں کو ان میں بیع وشراء، رہن اور ہبہ وغیرہ مالکانہ تصرفات کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے کہ کسی شخص کو اس کی ملکیت میں تصرف کرنے سے روکا نہیں جاسکتا؛ ہاں! جب (اس کے تصرف سے) پڑوسی کو واضح طور پر ضرر پہنچتا ہو تو پھر روک دیا جائے گا فقط

جو شخص تاجر کے لیے کپڑا خرید کر لاتا ہے اسی کے ہاتھ نفع پر اُدھار فروخت کرنا

سوال: (۷۵) ایک صاحب کپڑا خرید کر لاتے ہیں، اور ایک آنہ فی تھان نفع کے حساب سے ایک شخص کے ہاتھ قرض (اُدھار) فروخت کر دیتے ہیں، اور کبھی خود خریدنے نہیں جاتے بلکہ جس کو قرض کپڑا فروخت کرتے ہیں اس کو روپیہ دے کر کپڑا منگاتے ہیں کہ تم ہمارے واسطے کپڑا لا دو۔ جب وہ کپڑا خرید کر لاتا ہے تو اسی کے ہاتھ ایک آنہ فی تھان نفع پر قرض فروخت کر دیتے ہیں؛ یہ صورت خرید وفروخت کی جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۷۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: دوسری صورت میں اگر اپنا قبضہ کر کے پھر اس کے ہاتھ ایک آنہ فی تھان نفع پر فروخت کیا جائے تو یہ درست ہے، اور اگر خود خرید کر لایا اور پھر اس کے ہاتھ بہ نفع مذکورہ فروخت کیا تو یہ بھی درست ہے۔ فقط

جو آلو زمین میں پوشیدہ ہیں ان کو فروخت کرنا

سوال: (۷۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ آلو زمین کے اندر جس وقت موجود اور پیدا ہو جائیں، اور خریدار بھی بعض اطرافِ زمین کو کھود کر دیکھ لیوے کہ آلو موجود ہیں تو اس صورت میں بیع آلو کی جائز ہے یا نہیں؟ (۶۸۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: فی الدرالمختار: باب البیع الفاسد: بطل بیع ما لیس بمال الخ والمعدوم الخ ومنه بیع ما أصله غائب کجزر و فجل الخ هذا إذا نبت ولم یعلم وجوده، فإذا علم جاز

ولہ خیار الرؤیة. وتکفی رؤیة البعض عندھما وعلیه الفتویٰ (۱) وفي الشامي عن الهندیة: إن کان المبیع في الأرض مما یکال أو یوزن بعد القلع کالثوم والجزر والبصل فقلع المشتری شیئًا بإذن البائع أو قلع البائع إن کان المقلوع مما یدخل تحت الکیل أوالوزن اذا رأی المقلوع ورضی به لزم البیع في الکل وتکون رؤیة البعض کرؤیة الکل إذا وجد الباقي کذلك وإن کان المقلوع شیئا یسیرًا لایدخل تحت الوزن لا یبطل خیارہ الخ (۲)

روایات مسطورہ سے معلوم ہوا کہ آلو جب زمین کے اندر موجود ومحقق ہو جائیں تو بیع ان کی درست ہے۔ الغرض جوصورت سوال میں ہے وہ بیع جائز ہے، خیار رؤیت کے متعلق یہ تفصیل کی ہے کہ اگر زیادہ مقدار کھود کر دیکھ لی گئی جوتحت الوزن داخل ہوجاوے تو دیکھنا اس کا مسقط خیار فی الکل ہے، اور اگر مقدار قلیل کھود کر دیکھی گئی تو باقی میں خیار باقی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غیر مسلم یا لاوارث آزاد کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۷۷) پہاڑی مقامات وغیرہ کے غیر مسلم نابالغ لڑکے، لڑکیاں یا عورتیں اگر ان کے وارثوں یا شوہروں سے قیمۃً کم وبیش روپیہ دے کر لے لیے جائیں تو وہ غلام اور باندی کے درجہ میں آجائیں گے یا نہیں؟ اگر باندی کے درجہ میں آجائیں تو مسلمان کر لینے کے بعد ان سے نکاح کی ضرورت ہے یا بلا نکاح بھی گھروں میں رکھنا ممکن ہے؟ نیز عام لاوارث پھرنے والے لڑکے لڑکیاں یا عورتیں کیا حکم رکھتی ہیں؟ (۲۵۳۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: وہ لڑکے اور لڑکیاں غلام باندیاں شرعی طور سے نہیں ہوئے، اور لڑکیوں سے بدون نکاح کے صحبت درست نہیں ہے، بعد مسلمان کرنے کے ان سے نکاح کرنا چاہیے، بلا نکاح کے ان کو حلال نہ سمجھنا چاہیے، اور اسی طرح عام لاوارث بچوں کو غلام باندی بنانا اور سمجھنا حرام ہے، اور بیچنے اور خریدنے سے وہ حلال نہیں ہوتے، ان کی بیع وشراء قطعًا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے آزاد کو غلام

---

(۱) الدر المختار مع الشامي ۷/ ۱۷۰-۱۷۳ کتاب البیوع، مطلبٌ: البیع الموقوف من قسم الصحیح.

(۲) ردالمحتار ۷/ ۱۷۳ کتاب البیوع، مطلبٌ: في بیع المغیب في الأرض.

باندی بنانے اور سمجھنے والے پر لعنت فرمائی ہے(۱) اور کتب فقہ میں حر کی بیع کو باطل لکھا ہے۔(۲)

آزاد عورت کو فروخت کرنے کا حکم

سوال: (۷۸) جو شخص اپنی بیوی حرہ کو اس جرم پر بیچے کہ یہ زنا کیوں نہیں کراتی، کیا حکم رکھتا ہے؟ اور حرہ کی بیع جائز ہے یا حرام؟ (۹۹۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: آزاد عورت کی بیع حرام ہے، اور شوہر اس صورت میں سخت ظالم اور عاصی ہے، اس بارے میں ہرگز عورت اس کی اطاعت نہ کرے؛ بلکہ اس کے پاس نہ رہے، لیکن دوسرا نکاح بدون طلاق دینے اور عدت گذارنے کے درست نہیں ہے۔ فقط

سوال: (۷۹) ایک عورت کے والدین اس کو خاوند کے گھر نہیں بھیجتے تھے، خاوند نے دعویٰ دائر کرکے ڈگری حاصل کر لی، لڑکی کے والدین نے لڑکی کو اغواء کرکے تین صد روپے میں فروخت کر دیا، لیکن طلاق حاصل نہیں کی، بے نکاحی بٹھا رکھی، جب خاوند کو معلوم ہوا تو اس نے مقدمہ اجراء نہیں کرایا، اور نہ طلاق دی ہے؛ آیا یہ عورت اگر بہ رضامندی خود کسی دین دار باشرع آدمی کے گھر جائے، اور وہ شخص اس عورت کے خاوند سے شرعی طلاق حاصل کرکے بعد گذرنے عدت کے مطابق شرع کے نکاح کرلے تو ناکح اس شخص کا مجرم تو نہ ہوگا جس نے تین سو روپے میں خریدی تھی؟ اور اس کے روپے کا ذمہ دار تو نہ ہوگا، اور گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ (۱۷۵۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فروخت کرنا آزاد عورت کا صحیح نہیں ہے، اور خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں فاسق اور عاصی ہیں، روپے دینے والے کا کچھ حق اس عورت پر قائم نہیں ہوا، اور بلا نکاح رکھنا اس کو حرام ہے،

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حدیث کا جو مفہوم نقل فرمایا ہے بعینہ اس مفہوم کے ساتھ ہمیں کوئی حدیث نہیں ملی، البتہ بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث زیر بحث مسئلے کی دلیل بن سکتی ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة .... رجل باع حرًا فأكل ثمنه، الحديث (صحيح البخاري ۱/۲۹۷ كتاب البيوع، باب إثم من باع حرًا)

(۲) بطل بيع ما ليس بمال كالدم والميتة والحر (تنوير الأبصار مع الشامي ۷/۱۰ كتاب البيوع — مطلبٌ: في تعريف المال)

اگر کوئی شخص اس عورت کے خاوند اول سے طلاق دلوا کر، بعد گذرنے عدت کے اس سے نکاح کر لے تو درست ہے، اور اس کو ثواب حاصل ہوگا۔ اور اس شخص خریدنے والے کا وہ ناکح مجرم اور مؤاخذہ دار نہ ہوگا، اور وہ روپیہ اس کے ذمے نہ ہوگا۔ فقط

سوال: (۸۰) اگر کوئی شخص ہندوستان میں کسی عورت کو اپنے قابو میں لاکر اور دھوکہ دے کر فروخت کر دے تو کیا وہ عورت مشتری کی ملک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۳۰۷ھ)

الجواب: ملک مشتری کی نہیں ہوئی۔

کیا والدین اپنی اولاد کو فروخت کر سکتے ہیں؟

سوال: (۸۱)...... (الف) مسلمان والدین اپنی اولاد کو کسی معاوضہ پر فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(ب) خالد آزاد عاقل بالغ ہے بدرستی ہوش وحواس اپنے کو بکر کے ہاتھ کسی باہمی مقررہ معاوضہ پر فروخت ہو کر خود کو بکر کا غلام بنا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۵۲ھ)

الجواب: (الف) مسلمان والدین اپنی اولاد کو کسی معاوضہ پر فروخت نہیں کر سکتے۔

(ب) نہیں بنا سکتا۔

کسی کی مطلقہ عورت کو خرید کر اس سے صحبت کرنا

سوال: (۸۲) رحیم کی چار زوجہ موجود ہیں؛ اب اس نے ایک لونڈی خریدی یعنی خاوند نے اس لونڈی کو طلاق دے کر رحیم کے ہاتھ فروخت کر دی تو رحیم اس لونڈی کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۴۳۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: وہ لونڈی نہیں ہے اس کی بیع وشراء حرام ہے، اور رحیم کو اس سے صحبت کرنا درست نہیں ہے، اور جب کہ چار زوجہ اس کے نکاح میں موجود ہیں تو اس کا نکاح بھی اس پانچویں عورت مطلقہ سے صحیح نہیں ہے لِقَوْلِهِ تَعَالٰی: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ الآية﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۳) فقط

آزاد کی بیع کسی صورت میں جائز نہیں

سوال: (۸۳) بیع حر در دار الاسلام باطل است یا فاسد؟ از امام محمد روایتے است کہ بحالت مخمصہ وقحط درست است یا آں کہ کسے مدیون باشد وصورتے برائے ادائے دین نیست، اگر خود را برائے ادائے دین بفروشد درست است قال الشیخ الهداد في شرح البزدوي ناقلاً عن المحيط: لايجوز بيع الحر إلا أن يعجز عن أداء مال وجب في ذمته أو هو مضطر وقع في مهلكة، ولا يرى بقاء حياته إلا ببيع نفسه الخ وہرگاہ بیع جائز شد بحکم إذا ثبت الشيء ثبت بلوازمه (۱) اگر مبیع از قبیل اناث است وطی با او ہم جائز است واولا د او ثابت النسب است؟ (۱۳۳۹/۱۹۲۹ھ)

الجواب: بیع حر باطل است لا جوازله أصلا بحال من الأحوال. وما نقل عن المحيط: لا يجوز الخ لا اعتماد عليه مع مخالفته منصوص الفقهاء، وبعد التسليم سماه بيعًا مجازًا واحتيالاً لبقاء النفس فلا يترتب عليه أحكام البيع أصلاً قال في الدر المختار: بطل بيع ماليس بمال...... كالدم والميتة والحر الخ (۲) فقط

ترجمہ: سوال: (۸۳) دار الاسلام میں آزاد شخص کو بیچنا باطل ہے یا فاسد؟ امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ مخمصہ اور قحط سالی کی حالت میں درست ہے یا اس صورت میں کہ کوئی شخص مقروض ہو گیا؛ اور قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے آپ کو بیچ دے تو جائز ہے۔ شیخ الہداد نے بزدوی کی شرح میں ''محیط'' سے نقل کر کے کہا ہے کہ آزاد کی بیع جائز نہیں ہے مگر اس وقت جب وہ اپنے ذمہ واجب شدہ مال کی ادائیگی سے عاجز آ جائے یا وہ حالت اضطرار میں مرنے کے قریب ہو جائے اور اسے اپنی ذات کو بیچنے کے سوا زندگی کی بقا کا کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آئے ــــــ اور جب بیع جائز ہو گئی تو إذا ثبت الشيء ثبت بلوازمه کے ضابطے کے تحت، اگر مبیع عورت ہو تو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ثابت النسب ہو گی یا نہیں؟

---

(۱) فإن الشيء إذا ثبت، ثبت بلوازمه (العناية شرح الهداية مع فتح القدير ۶/۴۰۲ كتاب أدب القاضي، فصل آخر قبيل باب التحكيم، المطبوعة: المكتبة النورية الرضوية، بسكهر، باكستان)

(۲) الدر المختار مع الشامي ۷/۱۰۰ كتاب البيوع – مطلبٌ في أنواع البيوع

الجواب: آزاد کی بیع باطل ہے۔کسی بھی حال میں اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اور ''محیط'' سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہ فقہائے کرام کی تصریحات کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں،اور اگر اس قول کو تسلیم کرلیا جائے تب بھی اسے مجازاً بیع اور بقائے نفس کا محض ایک حیلہ قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا اس پر بیع کے احکام بالکل جاری نہ ہوں گے۔درمختار میں ہے: جو مال نہیں ہے اس کی بیع باطل ہے...... جیسے: خون، مردار، اور آزاد کی بیع۔فقط

راب کو اندازے سے خریدنا

سوال: (۸۴) مٹکی راب بھری ہوئی بلا وزن کرائے اندازہ سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: فروخت کرنا اس کا اندازے سے بمقابلہ غیر جنس کے صحیح ہے۔

بھوسہ اندازہ کرکے خریدنا

سوال: (۸۵) اکثر بھوسہ وغیرہ بلا وزن کئے ہوئے تخمینہ کرکے خرید لیتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۴۲۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درست ہے۔فقط

کیلی اور وزنی چیزوں کی اندازے سے خرید وفروخت کب درست ہے؟

سوال: (۸۶) تمام اشیاءِ کیلی و وزنی کا بغیر کیل اور وزن کے لین دین جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۶۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جب جنس بدل جائے تو چونکہ کمی وبیشی درست ہے،اس لیے اندازہ اور تخمینہ سے بھی بیع ہوسکتی ہے مثلاً ایک ڈھیر گیہوں وغیرہ کا اگر بعوض غیر جنس کے مثلاً روپے وغیرہ کے خریدا جائے تو وزن اور کیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔فقط

بیع فاسد میں قبضہ کے بعد بھی کراہت باقی رہتی ہے

سوال: (۸۷) ...... (الف) انبہ (آم) کی مول کی بیع فاسد ہے یا باطل؟

(ب) بعض باغات کی بیع بعد ظہور پھل کے ہوتی ہے یہ بیع کیسی ہے؟

(ج) ان دونوں صورتوں کی بیع شدہ باغوں کے انبہ (آم) جو بازار میں بکنے آئیں بلا تفتیش خریدنا جائز ہے یا احتیاط بہتر ہے؟

(د) بیع فاسد میں بعد قبضہ کے بھی بیع میں خبث رہتا ہے یا نہیں؟ (۱۷۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) یہ بیع باطل ہے۔

(ب) یہ بیع دراصل صحیح ہے مگر بوجہ ''ترک ثمر علی الشجر'' بیع فاسد ہے۔

(ج) احتیاط بہتر ہے اور از راہ فتوی خریدنا جائز ہے۔

(د) خبث و کراہت پھر بھی باقی رہتی ہے۔

جو خرید و فروخت غبن فاحش کے ساتھ ہو اس کا حکم

سوال: (۸۸) زید نے مبلغ دو سو روپے میں ایک کتاب فروخت کردی جس کی قیمت دس روپے ہے مگر مشتری ناواقف ہے، زید (بائع) نے غبن فاحش کا ارادہ کیا اس وقت مشتری کو اطلاع نہیں ہوئی، ایک سال کے بعد اطلاع ہوئی، وہ بیع کو ناجائز کرانے کی خواہش کرتا ہے ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ (۱۵۶۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اگر دھوکہ دے کر غبن فاحش کے ساتھ بیع کیا یا خریدا تو اس کے لوٹانے کا اختیار ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: لا رد بغبن فاحش ...... فی ظاہر الروایة ...... ویفتی بالرد رفقًا بالناس ...... إن غرّه أی المشتری البائع أو بالعکس أو غرّه الدلال فله الرد الخ (۱) (درمختار ملخصًا وأقره الشامی بهذا التفصیل) فقط

---

(۱) الدر مع الشامی ۲۷۲/۷ کتاب البیوع — مطلبٌ فی الکلام علی الرد بالغبن الفاحش.

آرڈر کینسل کرنے پر آرڈر دینے والے سے تاوان وصول کرنا

سوال: (۸۹) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بڑا تاجر؛ ولایت میں فرمائش روانہ کردینے کے بعد بازار کا بھاؤ گرا ہوا دیکھ کر اپنا نقصان محسوس کرتا ہے، پس کل یا جزو غیر تیار شدہ مال کی بابت بذریعہ تار ولایت میں اطلاع دیتا ہے کہ فرمائشی مال تیار کرا کر نہ بھیجا جائے۔ اس صورت میں بعض اوقات ولایت والے کوئی رقم بطور ہرجانہ صاحب فرمائش سے وصول کرتے ہیں، اگر وہ یہ رقم ہرجانہ ادا نہ کرے تو شرعاً گنہگار تو نہ ہوگا؟ (۲۸۸۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں اگر رقم ہرجانہ نہ دیوے تو وہ شرعی مجرم نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہرجانہ کا لینا دینا خلاف شرع ہے۔

بھاؤ طے کرکے پورے سال اسی بھاؤ پر دودھ لینا درست ہے

سوال: (۹۰) دودھ کی خرید کا معاملہ اس طور پر کیا جاتا ہے کہ پہلے سے نرخ مقرر کرکے ختم ماہ تک یا تمام سال تک اسی نرخ پر دودھ لیا جاتا ہے، قیمت ہر ماہ کے ختم پر نرخ مقررہ کے حساب سے دی جاتی ہے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۴۹۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس طرح معاملہ کرنا درست ہے۔

بھاؤ طے کرکے پورے سال اسی بھاؤ پر پان کے پتے خریدنا

سوال: (۹۱) اکثر جگہ دستور ہے کہ تنبولیوں (پان فروشوں) کو دو ایک روپیہ پیشگی دے کر یا یوں ہی ایک سال کے لیے پان کی ڈھولیوں (پانوں کے مٹھے) کا نرخ طے کرلیتے ہیں کہ ہم اس نرخ سے لیں گے چاہے آئندہ کچھ بھی بھاؤ ہوا کرے، اور آخر سال میں حساب کرکے روپیہ بے باق کردیتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کس بیع میں داخل ہے؟ (۲۴۰۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جس وقت جس قدر پان بہ نرخ معین سابق آتے ہیں اسی وقت بطور تعاطی بیع ہوجاتی ہے۔

قیمت معلوم کیے بغیر حکیم یا ڈاکٹر سے دوالینا اور ماہ کے ختم پر حساب کرنا

سوال: (۹۲) حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جب رجوع ہوتے ہیں تو وہ نسخہ دیتے ہیں، اور حسب دستور دوا بھی انہیں سے خریدتے ہیں بالعموم ہر طبیب اپنے مریضوں کو تمام ماہ حسب ضرورت دوا دیتا رہتا ہے ختم ماہ پر حساب ہوکر قیمت ادا کر دی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۹۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جب کہ ختم ماہ پر سب حساب معلوم ہوجاتا ہے اور قیمت اس وقت دیدی جاتی ہے تو وہ معاملہ صحیح ہوجاتا ہے، اگرچہ اول بوجہ مجہول ہونے قیمت کے اس میں فساد تھا، بہتر یہ ہے کہ قیمت وغیرہ اوّل معلوم کرلی جایا کرے، یا کہ عادۃً معلوم ہو کہ اس نسخہ کی یہ قیمت ہے۔

وی، پی کے ذریعہ مال منگوانا

سوال: (۹۳) وی، پی (۱) کے ذریعہ سے جو مال طلب کیا جاتا ہے اس میں مال کا حال معلوم نہیں ہوتا اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۴۹۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ معاملہ صحیح ہے پھر بعد دیکھنے کے اگر خلاف پائے تو اختیار واپسی کا حاصل ہے۔

مکرہ کی بیع کا حکم

سوال: (۹۴)...... (الف) بیع بالاکراہ بیع کی کس قسم میں داخل ہے؟

(ب) بیع فاسد تو قبضہ سے مفید ملک ہوجاتی ہے، پھر اس کی تنسیخ کا دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۲۱۶۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف، ب) بیع مکرہ کو فقہاء نے بیع فاسد موقوف قرار دیا ہے (۲) اور یہ بھی تصریح ہے

---

(۱) وی، پی (.VALUE PAYABLE(V.P کا مخفف ہے یعنی وہ مال جو قیمت دے کر ڈاک خانہ سے وصول کیا جائے۔

(۲) ینبغی استثناء بیع المکرہ، فإنه موقوف علی إجازته مع أنه فاسد (ردالمحتار مع الدرالمختار ۷/۱۷۰ کتاب البیوع، مطلب البیع الموقوف من قسم الصحیح)

کہ بیع فاسد بعد قبضہ کے مفید ملک ہے(۱) اگرچہ وہ ملک خبیث ہے اور توڑنا اس کا واجب ہے۔(۲) فقط

صدف کو اس خیال سے خریدنا کہ شاید اس میں موتی نکل آئے

سوال: (۹۵) بعض جزائر ہند میں صدف کا ایک انبار رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کو فروخت کیا جاتا ہے، لوگ اس خیال سے خریدتے ہیں شاید کسی صدف میں موتی نکل آئے، لہٰذا اس خرید وفروخت میں شرعی قباحت تو نہیں ہے؟ (۱۱۰۶/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس خرید وفروخت میں شرعاً کچھ ممانعت نہیں ہے۔ فقط

مکان فروخت کر کے انکار کردینا

سوال: (۹۶) ایک شخص اپنی زوجہ کے مملوکہ مکان کو عورت کی رضامندی سے بیع کرے، بعد ایک سال کے شوہر بیع سے انکار کرے تب عورت بھی انکاری ہو تو اب وہ بیع عورت کی طرف سے جائز ہوگی یا نہیں؟ (۹۵۷/ ۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جب اصل مالکہ کی رضا سے بیع کی گئی تو وہ صحیح ونافذ ہوگئی، صحت وتکمیل بیع کے بعد عورت یا اس کے شوہر کا انکار شرعاً جائز نہیں، لیکن اگر وہ انکار کرتی ہے، اور مشتری کے پاس بیع کا ثبوت نہ ہو تو حکماً یہ بیع کالعدم ہو جائے گی، یا مشتری اپنی رضا سے اس بیع کا اقالہ کرلے۔ فقط

جائداد فروخت کرنے کے بعد نابالغ ہونے کا دعوی کرنا

سوال: (۹۷) محمد میر وسید غریب وعلی باز نے بحالت صحت وثبات عقل وبلوغ بلا جبر واکراہ اپنی حقیت (ملکیت) کا بیع نامہ بدست نور اللہ خان بایجاب وقبول روبرو چند گواہان ثقہ اور معتبر کے کیا، اور حکام مقامی نے بالغان سے اقرار لے کر اس کی تصدیق ورجسٹری کی۔ اب بیع نامے سے چھ برس کے

---

(۱) والفاسد يفيد الملك عند اتصال القبض (الهداية ۳/ ۴۹ كتاب البيوع – باب البيع الفاسد)

(۲) ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض ...... أو بعده ما دام المبيع بحاله "جوهرة" في يد المشتري إعدامًا للفساد، لأنه معصية فيجب رفعها "بحر" (الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۲۱۴ كتاب البيوع، قبيل مطلب: رَدّ المشتري فاسدًا إلى بائعه فلم يقبله)

بعد محمد میر مدعی ہے کہ بوقت بیع میں صغیر تھا میری عمر ۱۲؍ برس تھی، اور میں بوقت بیع موجود نہیں تھا میری عدم موجودگی میں میرے چچازاد بھائیوں نے میرے حصے کو بیع کر دیا؛ حالاں کہ برخلاف بیان مدعی گواہان معتبر اور حکام کی تصدیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مدعی اس وقت بالغ تھا اور موجود تھا اور اس نے اقرار بیع کا روبرو حکام کے کیا، اس صورت میں محمد میر کا دعویٰ سنا جائے گا یا نہیں؟ اور بیع مذکور صحیح مانی جائے گی یا فسخ کی جائے گی؟ اگر ثالث نے صورت مسئولہ میں بیع کے فسخ ہونے کا حکم کیا ہو تو وہ حکم نافذ ہوگا یا نہیں؟

(۹۹۱/۳۶-۱۳۳۷ھ)

الجواب: جب کہ گواہان عادل وثقہ کے بیان اور تصدیق حکام سے یہ ثابت ہے کہ مدعی بوقت بیع موجود تھا اور بالغ تھا، اور مدعی نے خود حکام کے روبرو اقرار بیع کا کیا تو وہ بیع صحیح و نافذ ہوگئی اس کے بعد مدعی کا دعوی نہ سنا جائے گا، اور بیع مذکور جو کہ صحیح وقطعی ہو چکی ہے فسخ نہ ہوگی، اور ثالث کا فیصلہ اس کے خلاف در بارۂ فسخ کرنے بیع مذکور کے صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ عبارات ذیل سے ظاہر ہے۔ درمختار فصل بلوغ الغلام میں ہے: بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال والأصل هو الإنزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل ...... فإن لم يوجد فيهما شيء (مماذكر) فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً ، به يفتى الخ لقصر أعمار أهل زماننا وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنةً ولها تسع سنين ...... فإن راهقا بأن بلغا هذا السن فقالا: بلغنا صدقا إن لم يكذبهما الظاهر الخ(۱) وفي الأشباه: لا يجوز للقاضي تأخير الحكم بعد وجود شرائطه الخ لا يصح رجوعه عن قضائه إلا في ثلث لو بعلمه أو ظهر خطؤه أو بخلاف مذهبه الخ (۲)(درمختار) وفيه أيضًا: (في ص: ۳۰۹) فمن أقر بحق أو قامت عليه بينة ألزمه الخ (۳) وفي كتاب الإقرار فلو قال للصكاك اكتب خط اقراري بألف عليّ أو اكتب بيع داري ...... صحّ(۴) فقط

(۱) الدر المختار مع الشامی ۱۸۵/۹ کتاب الحجر ـ فصلٌ (بلوغ الغلام بالاحتلام)

(۲) الدر المختار مع الشامی ۱۰۶/۸-۱۰۷ کتاب القضاء ـ مطلبٌ : طاعة الإمام واجبة .

(۳) تنوير الأبصار مع الشامی ۴۳/۸ كتاب القضاء ـ مطلبٌ في العمل بالسجلات وكتب الأوقاف القديمة .

(۴) الدر المختار مع الشامی ۳۲۱/۸ كتاب الإقرار ـ قبل باب الاستثناء وما في معناه

گم شدہ چیز کو فروخت کرنا درست نہیں

سوال: (۹۸) زید سے عمر کوئی چیز عاریۃً لایا تھا، اتفاقاً وہ چوری ہوگئی، زید نے عمر سے کہا کہ کچھ روپے دے کر اس چیز کا جھگڑا طے کرلو، اگر بعد کو چیز ملے تو وہ تمہاری ہوگی، چنانچہ عمر نے کچھ روپیہ زید کو دیدیا، چند دنوں کے بعد وہ چیز عمر کو دستیاب ہوگئی، زید کہتا ہے کہ میری چیز لاؤ اور اپنے روپے واپس لے لو۔ عمر اس کو اپنی ملک بتلاتا ہے اور واپسی سے انکار کرتا ہے؛ ایسی صورت میں اس مستقل بیع کی وجہ سے زید کی ملک سے وہ چیز خارج ہوگئی یا نہیں؟ (۱۷/۱۸-۳۶/۱۳۴۷ھ)

الجواب: گم شدہ چیز کے بارے میں اس طرح کہنے سے کہ اگر بعد کو وہ چیز ملے تو تمہاری ہوگی بیع نہیں ہوتی؛ کیونکہ صحت بیع کے لیے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا بھی ضروری ہے، اور اس صورت میں مبیع بوقت بیع مقدور التسلیم نہ تھی، شامی میں ہے: قوله لبطلان بيع المعدوم إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودًا مالاً متقومًا ...... وأن يكون مقدور التسليم الخ(۱) فقط

حرام ذریعہ سے حاصل شدہ زمین کو خریدنے کا حکم

سوال: (۹۹) جو زمین کسی نے حرام ذریعے سے حاصل کی ہے اس کا خریدنا حلال ہے یا حرام اور خریدنے والا مالک ہوگا یا نہیں؟ (۱۰/۷۷-۳۲/۱۳۳۳ھ)

الجواب: خریدنے والا مالک ہوجائے گا۔

چائے کے باغات کی بیع میں چائے کی پتیاں داخل ہوں گی یا نہیں؟

سوال: (۱۰۰) بعض مقامات پر چائے کے باغات میں جو کمپنی کے مملوکہ ہیں اور ان کے حصے خرید وفروخت ہوتے رہتے ہیں، جن کا منافعہ سال گذرنے پر تقسیم کردیا جاتا ہے، ایک شخص نے نصف سال کے بعد اپنے حصے فروخت کیے، چھ ماہ کے بعد جب سال پورا ہوا تو کمپنی نے منافعہ کل سال کا مشتری کے پاس بھیج دیا؛ لیکن نصف منافعہ کا بائع خواست گار ہے کیونکہ نصف سال اول وہ حصوں کا

(۱) الشامي ۱۸۰/۷ كتاب البيوع – مطلبٌ : الآدمي مكرّمٌ شرعًا ولو كافرًا .

مالک تھا، لیکن مشتری بدیں وجہ کہ کوئی معاہدہ بابت تقسیم منافعہ بوقت بیع نہیں ہوا تھا، منافعہ دینے سے انکار کرتا ہے تو بائع نصف منافعہ ششماہی اول کا مستحق ہے یا نہیں؟ (۸۴۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ نفع ان باغات چائے کا چائے سے ہے، پس اگر بوقت فروخت حصۂ باغات چائے مُنْبَت (اُگی ہوئی) تھی تو اس کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ بلاتسمیہ وہ چائے زمین کے ساتھ فروخت نہ ہوگی، بلکہ ملک بائع ہوگی، اور اگر تسمیہ (تعیین) ہوجائے کہ چائے بھی مشتری کی ہے تو مشتری کی ہوگی اور بحکم المعروف کالمشروط اگر عرف یہ ہے کہ وہ چائے کا حصہ مع چائے منبت کے فروخت ہوتا ہے تو یہ بہ منزلہ تسمیہ کے ہوکر چائے داخل بیع ہوجائے گی اور ملک مشتری ہوگی، اور تمام منافعہ کا مشتری ہی مالک ہوگا، اور اگر عرف ایسا نہیں ہے اور نہ تسمیہ ہوا تو وہ چائے ملک بائع کی ہے اور تمام منافعہ کا بائع ہی مالک ہوگا اور مشتری کو اجرمثل یعنی زمین کا کرایہ مثل چھ ماہ کا ملے گا یا جتنے دنوں چائے اس زمین میں بعد فروخت کے باقی رہی ہو، درمختار میں ہے: ولایدخل الزرع فی بیع الأرض بلا تسمیة الخ (۱) فقط

بیع الوفاء کی تعریف اور اس کا حکم

سوال: (۱۰۱) بیع الوفاء کس کو کہتے ہیں؟ اس کی پوری تعریف کیا ہے؟ بیع الوفاء سود ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال فی الدر المختار: وبیع الوفاء ذکرته هنا تبعًا للدرر وصورته: أن یبیعه العین بألف علی أنه إذا ردعلیه الثمن ردّ علیه العین —— إلی أن قال —— قیل هورهن فتضمن زوائده وقیل: بیع یفید الانتفاع به وفی إقالة شرح المجمع عن النهایة: وعلیه الفتوی. وقیل: إنْ بلفظ البیع لم یکن رهنا ثم إن ذکرا الفسخ فیه أوقبله أو زعماه غیر لازم کان بیعًا فاسدًا ولوبعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به لأن المواعید قدتکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح کما فی الکافی والخانیة (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/۶۲ کتاب البیوع، مطلبٌ: کل ما دخل تبعًا لایقابله شیءٌ من الثمن.
(۲) ترجمہ: درمختار میں ہے: اور بیع الوفاء کو میں نے یہاں ذکر کیا صاحبِ درر کی پیروی کرتے ہوئے، اور بیع الوفاء کی صورت یہ ہے کہ کوئی معین چیز فروخت کرے ہزار درہم کے عوض، اس شرط پر کہ جب بائع مشتری کو ثمن =

اس عبارت سے ''بیع الوفاء'' کی تعریف اور اس میں جو کچھ فقہاء کا اختلاف ہے ظاہر ہو گیا، سو یہ اختلاف تو اب مرتفع نہیں ہو سکتا اور ان اقوال میں سے جس میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہے اور ہر ایک طرف علماء کبار ہیں کسی قول کی تغلیط نہیں ہو سکتی، لیکن باعتبار قواعد کے بیع فاسد ہونا بیع الوفاء کا راجح ہے؛ کیونکہ بیع شرط مخالف سے فاسد ہو جاتی ہے، مگر یہ فساد اس وقت ہے کہ بیع میں شرط اقالہ کی کی جائے، اور اگر بعد میں بطریق وعدہ کے اس کا ذکر کیا گیا تو فساد نہیں ہے، کما ذکر فی آخر العبارة المذکورة فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۱۰۲) بیع بالوفاء کس بیع کو کہتے ہیں؟ اس کی تشریح اور بیع بالوفاء کے متعلق جواز و عدم جواز اور بیع بالوفاء کی کون سی صورت ہے جس میں سود کا لگاؤ نہیں ہے؟ (۱۶۸۴/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: بیع بالوفاء میں اختلاف ہے کہ یہ بیع ہے یا رہن؟ اور بیع ہے تو بیع صحیح ہے یا فاسد؟ اور صحیح یہ ہے کہ اگر بوقت بیع واپسی کی شرط کی تو بیع فاسد ہے؛ کیونکہ بیع شرط سے فاسد ہو جاتی ہے، اور بیع بالوفاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو بیع کرے اور مشتری سے یہ شرط کرے کہ برس یا چھ مہینہ کے بعد جب میں ثمن واپس کر دوں تو میری چیز واپس کر دینا۔ بعض فقہاء اس کو رہن کہتے ہیں اور بعض بیع، اور شرط کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتی ہے زیادہ تفصیل کی گنجائش اس موقع پر نہیں ہے۔

بیع الوفاء کی چند صورتیں

سوال: (۱۰۳) زید ایک حقیت (ملکیت) صحرائی یا سکنائی کو بطور بیع الوفاء جس کی مدت پانچ

= لوٹادے تو مشتری اس کو وہ معین چیز واپس کردے —— إلی قوله —— بعضوں نے کہا کہ وہ یعنی بیع الوفاء رہن ہے، پس زوائد اس کے مضمون ہوں گے، اور بعضوں نے کہا کہ بیع الوفاء بیع ہے، اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور شرح المجمع کے باب الاقالہ میں نہایہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اور بعضوں نے کہا کہ اگر بیع الوفاء لفظ بیع کے ساتھ ہے تو رہن نہ ہوگی، پھر اگر عاقدین نے عقد کے وقت یا عقد سے پہلے فسخ کا تذکرہ کیا ہے یا دونوں نے اس عقد کو غیر لازم گمان کیا تو بیع فاسد ہوگی، اور اگر فسخ کو عقد کے بعد وعدے کے طور پر ذکر کیا تو اس صورت میں بیع جائز ہے اور اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے، اس لیے کہ وعدے کبھی لازم ہوتے ہیں لوگوں کی حاجت کی وجہ سے، اور یہی قول صحیح ہے جیسا کہ کافی اور خانیہ میں ہے (الدر المختار مع الشامی ۷/۴۲۴-۴۲۶ کتاب البیوع — مطلبٌ فی بیع الوفاء)

یا سات سال مقرر ہوتی ہے عمر سے لے کر ایک رقم عمر کو اس شرط پر دینا چاہتا ہے کہ اگر میعاد مقررہ کے اندر روپیہ زید کا ادا ہو جائے عمر اس کا بدستور مالک رہے گا، ورنہ اس کا مالک مشتری ہو جائے گا، اور اس میعاد میں جو آمدنی شئے مبیعہ سے حاصل ہو وہ زید کی ہوگی؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ آمدنی سود تو نہ ہوگی؟ (۱۱۳۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی بیع کو بعض فقہاء نے رہن قرار دیا ہے اس صورت میں زید کو وہ آمدنی مرہونہ کی حلال نہ ہوگی، اور بعض فقہاء نے بیع فاسد قرار دیا ہے، اس صورت میں بھی نفع حاصل کرنا اچھا نہیں ہے، اور بعض فقہاء اس کو بیع صحیح فرماتے ہیں، لیکن یہ جب ہے کہ بیع کے ساتھ شرط واپسی کی نہ ہو، بلکہ بوقت معاملہ بیع قطعی ہو بلا کسی شرط کے، اور بعد میں بطریق وعدہ مشتری سے واپسی کا وعدہ لے لیا جائے، پس اگر ایسا ہوا تو نفع حاصل کرنا درست ہوگا ورنہ نہیں۔ فقط

سوال: (۱۰۴) ایک مکان اس شرط پر بیع ہوا تھا کہ جب چاہیں واپس کر لیں، جس کی نسبت زبانی وتحریری شہادت اس وقت تک موجود ہے اور زرِ ثمن میں سے مبلغ تیس روپے اس وقت تک بہ ذمۂ مشتری باقی ہیں۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؛ آیا اس صورت میں بیع کو فسخ کر دیں یا نہیں؟ اور یہ بیع کس قسم کی ہے؟ (۱۶۷۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ صورت بیع الوفاء کی ہے اور اس میں اختلاف بہت ہے، بعض کہتے ہیں کہ رہن کے حکم میں ہے، اس صورت میں روپیہ واپس کرنے پر وہ شئے مرہونہ واپس کر دینا چاہیے —— اور بعض کہتے ہیں کہ بیع ہے۔ اور پھر یہ اختلاف ہے کہ بیع صحیح ہے یا فاسد؟ قواعد فقہیہ کے موافق بیع فاسد ہونا راجح ہے؛ کیونکہ اس بیع میں شرط واپسی کی گئی ہے، اور ایسی شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور حکم بیع فاسد کا یہ ہے کہ عاقدین کے ذمے اور ان کے بعد ان کے ورثہ کے ذمے فسخ کرنا اس بیع کا ضروری ہے۔ بائع کو چاہیے کہ جو قیمت وصول کی ہے اسے واپس کر دے، اور مشتری یا اس کے ورثہ کو ضروری ہے کہ مبیع کو واپس کر دیں (۱)

---

(۱) ولايبطل حق الفسخ بموت أحدهما، فيخلفه الوارث ، به يفتى (الدر المختار مع ردالمحتار ۲۱۸/۷-۲۱۹ كتاب البيوع ، مطلب: ردالمشتري فاسدًا إلى بائعه فلم يقبله)

سوال: (۱۰۵) ایک شخص نے چند بیگہ زمین فروخت کی، مبلغ چھ سو روپے میں، اور مشتری سے یہ شرط لگائی کہ اگر دو سال کے اندر چھ سو روپے واپس کردیے تو زمین واپس لے لوں گا؛ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۶۵۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ صورت بیع الوفاء کی ہے اور اس میں اختلاف ہے، بعض فقہاء اس کو رہن کہتے ہیں اور بعض بیع کہتے ہیں، پھر ایسی بیع جس میں شرط واپسی کی ہو بیع فاسد ہوتی ہے جو کہ واجب الرد ہے، اور نفع اٹھانا مشتری کو ایسی مبیع سے ناجائز ہے۔

سوال: (۱۰۶) اگر زید اپنی جائداد کو عمر کے ہاتھ اس طور سے فروخت کرے کہ پندرہ سال کے اندر اگر میں جائداد مذکور واپس لینا چاہوں تو قیمت سابقہ پر تم سے واپس لے لوں گا، اور اگر اس مدت میں واپس نہ لوں تو بیع سابق تام ہوجائے گی، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۶۶۵/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ صورت بیع الوفاء کی ہے اور اس کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، اور نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس طریق سے عقد کرنا بیع ہے یا رہن؟ اگر رہن ہے تو ظاہر ہے کہ بائع راہن ہوگا اور مشتری مرتہن، اور مرتہن کو شئ مرہونہ سے نفع حاصل کرنا علی الصحیح ناروا ہے اور سود ہے لأن کل قرض جر نفعا فهو ربا (۱) اور اگر بیع ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو اس بیع میں یہ شرط کی گئی ہے کہ پندرہ سال کے اندر اگر بائع ثمن کو واپس کردے تو مشتری مبیع کو واپس کردے اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ ایسی شرط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، پس بہر حال عقد مذکور شرعاً صحیح نہیں ہے، اور مشتبہ ہونے میں تو اس کے کچھ شبہ ہی نہیں ہوسکتا، لہٰذا ترک کرنا اس کا لازم ہے کیونکہ مشتبہات سے بچنا بھی مأمور بہ ہے، اور اتقاء شبہات موجب حفاظت دین ہے۔

سوال: (۱۰۷) ایک دکان کا مبلغ چھ ہزار پانچ سو روپیہ سودا قرار پایا ہے۔ مگر بائع یہ شرط کرتا ہے کہ اندرون میعاد بیس سال تک بائع حق دار ہے جس وقت چاہے دکان مذکور کو قیمت معہودہ میں واپس کرسکتا ہے، اور بعد گذرنے میعاد کے دکان قطعاً بیع سمجھی جائے گی؛ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ بائع مذہب

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۵۵ كتاب الحوالة، عند قول صاحب الهداية: ويكره السفاتج. وعن الحكم عن إبراهيم قال: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا (مصنف ابن أبي شيبة ۴/ ۳۳۳ كتاب البيوع والأقضية، باب من كره كل قرض جرّ منفعة، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

شیعہ سے ہے۔ حنفیہ اس میں جواز کہتے ہیں یا نہیں؟ مشتری اہل سنت والجماعت سے ہے، اس شکل سے سود وغیرہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ کرایہ دکان مبلغ اڑتیس روپیہ ماہوار ہے؟ (۱۲۹۷/۴۴-۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ بیع الوفاء کی صورت ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کو بحکم رہن لکھا ہے، اور بعض نے بیع صحیح کہا ہے، اور بعض نے بیع فاسد، مگر قواعد مذہب حنفیہ کے مطابق یہ بیع فاسد ہے کیونکہ بیع میں شرط واپسی کا لگانا مفسد بیع ہے: کما ورد في الحديث : نهى عن بيع و شرط (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

واپسی کی شرط کے ساتھ مکان خریدنا اور مکان خرید کر بائع کو کرائے پر دینا

سوال: (۱۰۸) ایک مکان چھ سو روپے میں خرید کر اسی بائع کو چار روپے ماہوار کرائے پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی کے ساتھ ایک اقرار نامہ اس امر کا تحریر کرتا ہوں کہ اندر پانچ سال کے مکان مذکور اسی قیمت پر اسی بائع کو یا اس کی اولاد کو واپس کر دوں گا اس طور سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۳۵۹/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اگر شرط واپسی کی عقد میں ذکر کی گئی ہے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بیع فاسد ہوگی، اور اگر شرط واپسی کی عقد بیع میں ذکر نہیں کی گئی بلکہ بعد عقد کے اس کا ذکر ہوا ہے تو بیع جائز ہے، اور مدت مقررہ کے اندر حسب وعدہ واپس کرنا مبیع کا لازم ہے شامی میں ہے: فقد صرح علماؤنا: بأنهما لو ذكرا البيع بلاشرط ثم ذكرا الشرط على وجه العِدَة جاز البيع ولزم الوفاء بالوعد (۲) اور مکان خرید کر اسی بائع کو کرائے پر دینا جائز ہے۔ فقط

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع وشرط، البيع باطل والشرط باطل الخ (المعجم الأوسط للطبراني ۲۱۱/۳ باب العين، من اسمه عبدالله، رقم الحديث: ۴۳۶۱ المطبوعة : دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، وكذا في بدائع الصنائع ۳۸۷/۴ كتاب البيوع، الشروط الفاسدة)

(۲) الشامي ۲۰۷/۷ كتاب البيوع – قبل مطلبٌ في الشرط الفاسد إذا ذُكرَ بعد العقد أو قبله .

جس نے واپسی کے وعدہ کے ساتھ مکان خریدا ہے اس کے انتقال کے بعد ورثاء پر واپس کرنا واجب نہیں

سوال: (۱۰۹) ایک شخص مسلم نے دوسرے مسلم کے ہاتھ زمین بیع کی اور مشتری نے روبرو چار معتبر مسلمانوں کے یہ اقرار کیا کہ جب تمہارے پاس یا تمہاری اولاد کے پاس روپیہ موجود ہو ہم زمین واپس کردیں گے بائع ومشتری دونوں فوت ہوگئے وارث موجود ہیں، اور بائع کے وارثوں کے پاس روپیہ ادائیگی کا موجود ہے، لیکن مشتری کے وارث واپسی سے انکار کرتے ہیں؛ شرعاً کیا حکم ہے؟ (۹۳۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: خریدنے والے کے وارث اس زمین فروخت شدہ کے واپس کرنے اور قیمت واپس لینے پر شرعاً مجبور نہیں کیے جاسکتے، ان کی خوشی ہے خواہ واپس کریں یا نہ کریں، اور خریدنے والے کا وعدہ واپسی زمین کا اس کے وارثوں کے حق میں واجب الایفاء نہیں ہے۔ قال في رد المحتار: في بحث بيع الوفاء: قوله ولزم الوفاء به ظاهره أنه لايلزم الورثة بعد موته كما أفتى به ابن الشلبي معللاً بانقطاع حكم الشرط بموته الخ(۱) (شامی ۴/ ۲۴۷)

بیع میں ایسی شرط لگانا جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا

سوال: (۱۱۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسائل کہ ایک شخص دوسو روپے کی قیمت کی زمین ڈیڑھ سو روپے میں دو سال کے لیے بیع کرتا ہے، اس شرط پر کہ میعاد مقرر پر اگر میں روپے ادا کردوں تو زمین واپس کرلوں گا۔ اور اگر میعاد مقرر پر روپیہ ادا نہ کرسکا تو زمین سے مجھ کو تعلق نہیں، زمین مشتری کی ملک میں ہوجائے گی، بائع اور مشتری کے مابین اس امر کا بھی تصفیہ ہوگیا ہے کہ مشتری زمین کی مال گذاری زمین دار کو دو سال تک دیا کرے گا، اور زمین کی جو کچھ پیداوار ہوگی اس کو وہ مشتری اپنے تصرف میں لایا کرے گا، اور اگر کسی وجہ سے زمین میں کچھ پیدا نہ ہوا تو اس کا نقصان مشتری کو برداشت کرنا ہوگا، اور اگر یہی صورت بعینہ ہو مگر زمین کی پوری قیمت بائع کو دی جائے

(۱) الشامی ۷/ ۴۲۵ كتاب البيوع ـ مطلبٌ في بيع الوفاء

تو اس مسئلہ مذکورہ بالا کا کیا حکم ہے؟ یہ بیع ازروئے شرع شریف جائز ہے یا ناجائز؟ (۱۱۴۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما الخ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ بیع مذکور فاسد ہے، اور بیع الوفاء میں بھی ایک قول یہی ہے کہ وہ بیع فاسد ہے۔

سوال: (۱۱۱) زید نے ایک قطعۂ زمین بعوض مبلغ تین سو روپے بکر کو فروخت کیا، لیکن زبانی چند شرائط دونوں کے درمیان ہوئیں کہ وہ زمین ہمیشہ بائع کے ہاتھ میں رہے گی، بکر کو سوائے زید کے دوسرے کو کرائے پر دینے کا حق نہ ہوگا، اور نہ فروخت کرنے کا حق ہوگا۔ اور جب بائع میں وسعت ہو تو تین سو روپے مشتری کو دے کر زمین واپس لیلے؛ اس صورت میں بیع درست ہوگی یا نہیں؟

(۲۱۵۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ان شرائط کے ساتھ بیع کرنا درست نہیں ہے، اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے جب مشتری مالک ہوگیا اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے کرائے کو دیوے اور جو تصرف چاہے کرے۔ فقط

سوال: (۱۱۲) زید نے عمر سے کچھ زمین بعوض کچھ روپے کے مدت معین کرکے اس شرط پر لے لی کہ زید اس زمین کو مدت معینہ تک اپنے تصرف میں رکھے گا، اور جو کچھ آمدنی ہو وہ بھی لے گا، اور خراج عمر ادا کرے گا، اور جو روپیہ عمر کو دیا اگر مدت معینہ میں وہ روپیہ عمر نے زید کو ادا کردیا تو زمین عمر کی ہوگی، ورنہ بعد مدت معینہ کے زمین زید کی ملک ہوجائے گی؛ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۹۱۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ صورت خواہ ''بیع الوفاء'' کے نام سے موسوم ہو یا ''رہن'' کے نام سے شرعاً جائز نہیں ہے۔ بیع الوفاء میں فقہاء کا بہت کچھ اختلاف ہے؛ لیکن چوں کہ بیع بشرط خلاف مقتضاء سے فاسد ہوجاتی ہے۔ کما ورد: نهی عن بیع وشرط (۲) وصرح الفقهاء بفساد البیع المشروط فیه الشرط المخالف لمقتضی العقد (۳) اس لیے علی التحقیق بیع الوفاء جس میں واپسی کی شرط ہو بیع

(۱) تنویر الأبصار مع الشامی ۷/۲۰۶-۲۰۷ کتاب البیوع - مطلب فی البیع بشرط فاسد.

(۲) عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع و شرط، البیع باطل والشرط باطل الخ (المعجم الأوسط للطبرانی ۳/۲۱۱ باب العین، من اسمه عبدالله، رقم الحدیث: ۴۳۶۱ المطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، وکذا فی بدائع الصنائع ۴/۳۸۷ کتاب البیوع، الشروط الفاسدة)

(۳) قال فی الدرالمختار: ولا بیع بشرط یعنی: الأصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لایقتضیه العقد الخ وفی الشامی: قوله ولابیع بشرط شروع فی الفساد الواقع فی العقد بسبب =

فاسد ہے، پس اول تو یہ صورت جو سوال میں درج ہے بیع الوفاء کی صورت نہیں ہے؛ بلکہ صاف رہن کی صورت ہے، اور رہن میں مرتہن کو زمین مرہونہ سے نفع اٹھانا درست نہیں ہے بلکہ ربا ہے کما ورد: کل قرض جر نفعا فھو ربا (۱) اور اگر بیع الوفاء ہو تب بھی جائز نہیں ہے۔ کمامر۔

واپسی کے وعدے پر مکان یا دکان خریدنا

سوال: (۱۱۳) زید نے اپنی کوئی زمین یا دکان یا مکان عمر کے ہاتھ بعوض سو روپیہ کے فروخت کی، اور باقاعدہ بیع نامہ لکھ پڑھ دیا، مگر بیع نامہ سے پہلے یا بعد بائع نے مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرِ ثمن پورا پورا ادا کردوں تو میری مبیع واپس کردینا، اور تا واپسی تو مبیع سے فائدہ اٹھائے جانا، مشتری نے اس بات کو بطیب خاطر پسند اور منظور کرلیا؛ تو کیا یہ بیع جائز ہے؟ اور مشتری کو تا واپسی مبیع سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۹/۷۔ ۱۳۳۲ھ)

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ اگر شرط واپسی عقد کے ساتھ یا عقد سے پہلے کی گئی تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ یہ شرط مخالف مقتضائے عقد ہے، اور ایسی شرط مفسد بیع ہوتی ہے کما فی عامة کتب الفقه اور حدیث شریف میں ہے نهی عن بیع و شرط (۲) لہٰذا اس قاعدہ کے موافق یہ بیع فاسد ہوگئی، اور یہی راجح ہے درمختار میں ہے: ثم إن ذکرا الفسخ فیه أو قبله أو زعماه غیر لازم کان بیعًا فاسدًا الخ (۳) فقط

= الشرط لنهیه صلی الله علیه وسلم عن بیع و شرطٍ (الدر والرد ۷/۲۰۶-۲۰۷ کتاب البیوع۔ مطلبٌ فی البیع بشرط فاسد)

(۱) فتح القدیر ۶/۳۵۵ کتاب الحوالة، عند قول صاحب الهدایة: ویکره السفاتج. وعن الحکم عن إبراهیم قال: کل قرض جرّ منفعة فهو ربا (مصنف ابن أبی شیبة ۴/۳۲۳ کتاب البیوع والأقضیة، باب من کره کل قرض جرّ منفعة، المطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

(۲) عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن بیع وشرطٍ البیع باطل والشرط باطل الخ (المعجم الأوسط للطبرانی ۳/۲۱۱ باب العین، من اسمه عبدالله، رقم الحدیث: ۴۳۶۱ المطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، وکذا فی بدائع الصنائع ۴/۳۸۷ کتاب البیوع، الشروط الفاسدة)

(۳) الدر المختار مع الشامی ۷/۵۲۵ کتاب البیوع – مطلبٌ فی بیع الوفاء۔

دو سال کے اندر مکان تعمیر کرنے کی شرط پر سرکار سے زمین خریدنا

سوال: (۱۱۴) کسی شخص نے سرکار سے ایک زمین خریدی اس شرط پر کہ اگر دو سال کے اندر مکان مسکونہ تیار نہ کرایا تو مجھ سے یہی زمین سرکار بلا قیمت لیلے، اتفاقاً یہ شخص مکان تیار نہیں کرا سکا، پس سرکار نے اس زمین پر قبضہ کرلیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۸۹۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اول معاملہ جو سرکار سے زمین خریدنے کا ہوا وہ بوجہ شرط مذکور کے فاسد ہوا لما روی أنه علیه الصلاة والسلام نهی عن بیع و شرط (۱) اور فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جو شرط خلاف مقتضائے عقد ہو، اور جس میں نفع احد المتعاقدین یا مبیع کا ہو وہ شرط مفسد عقد ہے، لہٰذا وہ معاملہ واجب الرد ہوا، اور دوبارہ قبضۂ سرکار اس پر ہونے سے سرکار مالک ہوگئی، لہٰذا خریدنا کسی شخص کا اس زمین کو سرکار سے درست ہے، البتہ بحکم شرع سرکار پر اس قیمت کا واپس کرنا لازم ہے جو اس نے مشتری اول سے لی تھی۔ فقط

بیع میں واپسی کی شرط لگانا

سوال: (۱۱۵) اگر کسی شخص نے زمین فروخت کرتے وقت واپسی کی شرط لگائی کہ جب تم کو اتنا دوں گا اس وقت زمین پھر واپس کرلوں گا تو یہ کیسی بیع ہے جائز ہے یا ناجائز؟ (۱۳۳/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس طرح بیع کرنا بشرط واپسی ناجائز ہے اور بیع فاسد ہے: وفیه أقوال: ثم إن ذكرا الفسخ فیه أو قبله أو زعماه غیر لازم كان بیعًا فاسدًا (۲) (درمختار)

سوال: (۱۱۶) بیع میں واپسی کی شرط کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ (۱۱۱۰/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بیع میں واپسی کی شرط کرنے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: نهی عن بیع و شرط (۳) بیع میں واپسی کی شرط لگانا بیع کو فاسد کردیتا ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ بیع میں شرط

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) الدرمع الرد ۷/ ۴۲۵ كتاب البیوع ـ مطلبٌ فی بیع الوفاء.

(۳) عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن رسول الله صلّى الله علیه وسلّم نهی عن بیع و شرطٍ، البیع باطل والشرط باطل الخ (المعجم الأوسط للطبرانی ۳/ ۲۱۱ باب العین، من اسمه عبدالله، =

کو منع فرماتے ہیں۔اور بیع الوفاء میں فقہاء کا خلاف ہے،بعض رہن فرماتے ہیں،اور بعض بیع فاسد، البتہ اگر معاہدہ واپسی کا بعد بیع کے علیحدہ ہوتو مضائقہ نہیں ہے(۱)

جو مال فروخت ہونے سے بچ جائے اس کو واپس کرنا

سوال: (۱۱۷) کسی شخص نے ایک شخص سے مال بطور جائز (۲) لیا اور جس قدر فروخت کیا اس کی قیمت دی یا نہ دی باقی مال شام کو لوٹادیا درست ہے یا نہیں؟ (۳۲۴، ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جائز کی صورت درست ہے کہ جو کچھ مال فروخت ہونے سے بچے اس کو واپس کردے۔ بیع بالخیار میں جس کا خیار ہے اس کے حق میں بیع قطعی نہیں دوسرے کے حق میں بیع قطعی ہے۔اور جس کو خیار ہے جس وقت وہ خیار کو ساقط کردے گا اس کے حق میں بھی بیع قطعی ہوجائے گی۔(۳) فقط

انعام کی شرط کے ساتھ کوئی چیز فروخت کرنا

سوال: (۱۱۸) ایک شخص منجن کی ایک پوڑیہ ایک روپیہ کو فروخت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ جب چالیس ہزار روپیہ کا منجن فروخت ہوجائے گا تو جملہ مشتریوں کے نام کی گولیاں مشین میں ڈالی جائیں گی، اور کل کو پھرایا جائے گا ایک ایک گولی اس میں سے باہر گرے گی پہلے کو دس ہزار روپیہ کا انعام، اور دوسرے کو پانچ ہزار روپیہ کا، تیسرے کو ڈھائی ہزار روپیہ کا انعام، چوتھے کو سوا ہزار روپیہ کا انعام ملے گا، اس طور سے اور اس نیت سے اس منجن کا خریدنا ناجائز ہے یا نہیں؟ (۶۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: منجن کی پوڑیہ ایک روپیہ کو اس شرط پر فروخت کرنا کہ خریداروں کو بہ ترتیب مذکور انعام دیا

= رقم الحديث: ۴۳۶۱ المطبوعة : دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، وكذا في بدائع الصنائع ۴/ ۳۸۷ كتاب البيوع، الشروط الفاسدة)

(۱) ثم إن ذكرا الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غير لازم كان بيعًا فاسدًا ، ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به (الدر المختار ۷/ ۴۲۵ كتاب البيوع ـ مطلب في بيع الوفاء)

(۲) جائز: واپسی کی شرط پر خریدی ہوئی چیز (فیروز اللغات) اور جائز: بیع بالخیار ہے۔

(۳) وخيار المشتري لا يمنع خروج المبيع عن ملك البائع لأن البيع في جانب الآخر لازم الخ (الهداية ۳/ ۳۰ كتاب البيوع - باب خيار الشرط)

جائے گا درست نہیں ہے، یہ بیع وشراء فاسد ہے۔ فقط

اس شرط پر مال خریدنا کہ اس جنس کا جس قدر مال تیرے پاس ہے سب میرے ہاتھ فروخت کردے

سوال: (۱۱۹) ایک مشتری نے ایک بائع سے ایک مبیع کے متعلق بیع منعقد کی، اس شرط پر کہ اس جنس کی جس قدر یہ شئے تیرے پاس ہو سب میرے ہاتھ فروخت کردے، بائع نے ایک ڈھیر معینہ موجودہ کی بابت ثمن لے کر قبضہ کرادیا، اور شرط مذکورہ کی بابت کچھ اقرار یا انکار نہ کیا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۱۸۷۵ھ)

الجواب: جس ڈھیر معینہ کا ثمن لیا اور مشتری کے حوالے کردیا اس کی بیع ہوئی، تمام مملوکہ جنس کی نہیں ہوئی۔

شرکت کی شرط پر مکان خریدنے کے لیے رقم قرض دینا

سوال: (۱۲۰) ایک مکان پانچ سو روپے میں فروخت ہوتا ہے، ایک شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے، مگر اس کے پاس صرف سو روپے موجود ہیں وہ دوسرے کے پاس گیا کہ مجھے چار سو روپے دیدیں، اس نے کہا کہ اس شرط پر دیتا ہوں کہ میرا حصہ اس مکان میں اور اس کے کرائے میں رکھے، اور جب تو میرا حصہ علیحدہ کرنا چاہے تو میری رقم مجھ کو دے کر میرا حصہ تو لے لینا، اس نے اس بات کو منظور کر کے مکان خریدلیا، جب شخص اول کے پاس چار سو روپے ہوگئے تو اس نے دوسرے کو دے کر مکان کا حصہ خریدلیا؛ یہ معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۹۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ معاملہ درست ہے جب تک دوسرے شخص کی اس مکان میں شرکت باعتبار ملک کے رہے اس کو کرائے میں سے حصہ لینا درست رہا، اور جب کہ اس نے اپنا حصہ شخص اول کے ہاتھ فروخت کردیا اس وقت سے شخص اول مالک کل مکان کا ہوگیا۔

یہ کہہ کر بائع کو روپیہ دینا کہ ''میں تم سے فلاں چیز اس قدر فلاں جگہ لوں گا''

سوال: (۱۲۱) ایک شخص دوسرے کو روپیہ دیتا ہے کہ میں تم سے فلاں چیز اس قدر فلاں جگہ لوں گا جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۲۲/۱۳۱۰ھ)

الجواب: اگر یہ بیع بطریق بیع سلم ہو اور شرائط سلم سب پائی جائیں تو یہ معاملہ درست ہے، اور بیع مطلق میں یہ شرط کرنا کہ فلاں مکان میں تم کو پہنچانا ہوگا مفسد بیع ہے کما ورد: نهى عن بيع وشرط (۱) فقط

اس شرط پر فروخت کرنا کہ مشتری بائع کو قرض دے

سوال: (۱۲۲) زید عمر کے ہاتھ ایک چیز بیچتا ہے مثلاً کتاب یا قرآن شریف، زید کہتا ہے کہ یہ چیزیں تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں اگر تم مجھے چھ روپے دیتے ہو یا پانچ روپے دس آنہ؛ پونے دو روپے اس چیز کی قیمت اور باقی ماندہ قرض حسن ہے، لیکن یہ قرض تم میرے پاس سے رمضان شریف تک طلب نہ کرنا، چنانچہ اس پر بیع ہوگئی اور عمر نے روپیہ مقررہ دیدیا، تین مہینے کے بعد عمر کہتا ہے کہ میرے قرض روپے دیدو زید کہتا ہے کہ ہماری بیع فاسد ہے ہم فسخ کرتے ہیں۔ عمر انکار کرتا ہے اور کہتا ہے میں نے اس مبیع میں محنت کی ہے اور نئی جلد بنوائی ہے۔ کیا واقعی یہ بیع فاسد ہے اور واجب الفسخ ہے یا نہیں؟ اور جلد کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اگر یہ قرض اس وقت ادا ہو جائے تو یہ بیع صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ (۹۱۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فلو شرط أن يسكنها فلان أو أن يقرضه البائع أو المشتري كذا فالأظهر الفساد ذكره أخي زاده وظاهر البحر ترجيح الصحة الخ (۲) (درمختار) الغرض بیع کرنا کسی چیز

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع وشرط، البيع باطل والشرط باطل الخ (المعجم الأوسط للطبراني ۳/۲۱۱ باب العين، من اسمه عبدالله، رقم الحديث: ۴۳۶۱ المطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، وكذا في بدائع الصنائع ۴/۳۸۷ كتاب البيوع، الشروط الفاسدة)

(۲) الدر المختار مع الشامي ۷/۲۰۹ كتاب البيوع ـ مطلبٌ في الشرط الفاسد إذا ذُكِرَ بعد العقد أو قبله.

کا اس شرط کے ساتھ کہ بائع مشتری کو (یا مشتری بائع کو) اس قدر قرض دے فاسد ہے، اور بیع فاسد واجب الفسخ ہے اور فسخ نہ کرنے کی صورت میں انکار کرنے والا گنہگار ہوگا ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض...... أو بعده مادام المبيع بحاله في يد المشترى إعدامًا للفساد لأنه معصية فيجب رفعها...... وإذا أصر أحدهما على إمساكه وعلم به القاضي فله فسخه جبرًا عليهما حقًا للشرع بزازية(۱) (در مختار) اور فسخ کی صورت میں مشتری اپنی نئی جلد کو علیحدہ کرسکتا ہے یا اس کی قیمت لیلے اور جب کہ بیع؛ اول سے فاسد ہوئی تو قرض کے وقت پر ادا کرنے سے بیع صحیح نہ ہوگی۔ فقط

جانور کو اس شرط پر فروخت کرنا کہ "گوشت تمہارا اور چمڑا ہمارا"

سوال: (۱۲۳) زید گائے یا بکری بھینس اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ گوشت تم مول لو اور چمڑا ہمارا رہا، ہم جس قیمت سے چاہیں فروخت کریں گے؛ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۶۵۵ھ)

الجواب: اس طریق سے بیع ناجائز ہے اور حرام ہے کما صرح به الفقهاء (۲)

سوال: (۱۲۴) زید اپنی بکری اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اس کو ذبح کر کے گوشت اتنی مقرر قیمت پر لے لو اور کھال مجھے دیدو، یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۷-۴۲/۲۴۶ھ)

الجواب: اس شرط سے بیع جانور کی فاسد ہوجاتی ہے، اور کھال کی بیع ابھی بالکل نہیں ہوئی، بعد نکالنے کھال کے خریدار جانور کو اختیار ہے کہ جس کے ہاتھ چاہے کھال فروخت کرے خواہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے، یا اسی کے ہاتھ فروخت کردے جس نے کہا تھا، لیکن یہ صاف کہہ دیا جائے کہ اس وقت بیع نہ ہوئی تھی اب فروخت کرتا ہوں اور قیمت بھی اب طے کی جائے۔ (۲) فقط

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/۲۱۴-۲۱۵ كتاب البيوع- آخر مطلبٌ في الشرط الفاسد إذا ذُكِرَ بعد العقد أو قبله.

(۲) وأشار المصنف إلى أن كل ما بيع في غلافه فلا يجوز كاللبن في الضرع واللحم في الشاة الحية أو شحمها أو إليتها أو أكارعها وجلودها (البحر الرائق ۶/۱۳۳ كتاب البيع-باب البيع الفاسد)

بیع نامہ میں بائع کی جواب دہی کی شرط لگانے کا حکم

سوال: (۱۲۵) مساۃ بخشی اور اس کا لڑکا بلو نابالغ اور دختر مساۃ منی ایک حقیت (ملکیت) کے بروئے ارث مالک تھے، مساۃ بخشی نے اپنا حصہ خود اور بلو نابالغ پسر کا حصہ اس کی ولیہ بن کر، اور مساۃ منی نے خود اپنا حصہ مشتری عبداللہ کے ہاتھ فروخت کیا، اور زرثمن وصول پالیا بیع مکمل ہوگئی۔ بعد چھ سال کے ایک شخص دشمن مشتری نے مساۃ بخشی اور منی کو بہکا کر مساۃ منی اور بلو نابالغ کی جانب سے منسوخی بیع نامہ کا دعویٰ دائر عدالت کرادیا، چنانچہ بلو تو نابالغ تھا ہی مساۃ منی بھی نابالغہ قرار دی گئی، اور ان دونوں کا حصہ قبضہ مشتری سے نکل گیا، اور مشتری سے مبلغ اڑتالیس خرچہ وصول کیا گیا، چوں کہ بیع نامے میں منجانب بائعان یہ شرط تھی کہ اگر کسی وجہ سے کوئی جزو یا کل اراضی مبیعہ قبضہ مشتری سے نکل جائے تو اس کی جواب دہی ہمارے ذمے ہے، اور زرثمن اور خرچے کے ہم ذمے دار ہیں تو مشتری نے دعویٰ واپسی زرثمن اور اس خرچے کا جو مشتری کا خود صرف ہوا، اور اس خرچے کا جو مبلغ اڑتالیس مشتری سے وصول کیا گیا دائر عدالت کیا ہے؛ شرعًا اس بارے میں جو حکم ہو اس سے معزز فرمائیں۔ (۲۹۱۸/۱۳۳۱ھ)

الجواب: اس صورت میں خرچہ وزرثمن مشتری پانے کا مستحق ہے، مساۃ بخشی اس کو ادا کرے گی کیونکہ وہی باعث اس نقصانِ مشتری کی ہوئی ہے، اور جب کہ مشتری کے پاس مبیع باقی نہ رہے تو ذمے دار واپسی ثمن وغیرہ کی بائعہ ہے کما ھو مسلم عند الفقھاء. فقط

گارنٹی کے ساتھ کسی چیز کو خریدنے کا حکم

سوال: (۱۲۶) کاریگروں سے کوئی مرمت گارنٹی کے ساتھ کرانا یا کوئی شئ گارنٹی کے ساتھ خریدنے کا کیا حکم ہے؟ گارنٹی بعض اوقات تو دوسری شئ دینے کی ہوتی ہے، اور بعض اوقات خرید گھڑی وغیرہ میں بلا اجرت مرمت کرنے کی ایک مقررہ وقت تک ہوتی ہے؟ (۱۴۹۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس معاملہ میں بوجہ لاعلمی وعدم تعیین مرمت وغیرہ فساد آجاتا ہے؛ کیونکہ ایسی شروط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے (۱)

---

(۱) ولا بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لأحدھما أو فیہ نفع لمبیع (الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۲۰۷ کتاب البیوع – مطلبٌ في البیع بشرط فاسد)

بیع تام ہو جانے کے بعد واپسی کا وعدہ کرنا

سوال: (۱۲۷) ایک شخص نے ایک زمین فروخت کی، اور دوسرے قبالہ (بیع نامے) میں یہ بھی لکھا کہ اگر کسی وقت میں اس کا روپیہ ادا کردوں تو زمین واپس کردینا، خریدار نے بھی اقرار واپسی کا کرلیا اس کا منافعہ خریدار کو جائز ہے یا نہیں؟ بیع الوفاء کس کو کہتے ہیں اس کی صورت کیا ہے؟ (۶۳۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں اول بیع صحیح ہوگئی، اور دوسرے قبالہ میں جو اقالہ کو لکھا گیا ہے، اور مشتری نے اس کو منظور کرلیا اس سے پہلی بیع میں کچھ خلل نہیں آیا، البتہ اگر بوقت بیع اول اقالہ یعنی واپسی کی شرط کی جاتی تو وہ بیع فاسد ہوجاتی ہے (۱) مگر بیع صحیح ہونے کے بعد اقرار واپسی کا کرلینے سے پہلی بیع میں کچھ نقصان نہیں آیا، مشتری کو اختیار ہے کہ واپس کرے یا نہ کرے۔ لیکن جب کہ وعدہ واپسی کا کرلیا ہے تو بہتر ہے کہ بعد ادائے ثمن مذکور از جانب بائع مشتری مبیع کو واپس کردے اور جب تک واپس نہ کرے گا، مشتری کو نفع اٹھانا مبیع سے درست ہے کہ مبیع اس کی ملک ہے، اور واضح ہو کہ وہ بیع جس میں واپسی کی شرط ہو ''بیع الوفاء'' کہلاتی ہے، مگر یہ صورت جو کہ مذکور ہے کہ بوقت بیع کچھ شرط نہیں کی گئی بیع صحیح اور تام ہے، یہ بیع الوفاء نہیں ہے، اور اقالہ واپسی مبیع وثمن کو کہتے ہیں، مثلاً بائع اور مشتری رضامندی سے مبیع اور ثمن کو واپس کرلیں یعنی مشتری مبیع کو واپس کردے اور بائع ثمن کو واپس کردے اور یہ باہمی رضامندی سے ہوسکتا ہے۔ فقط

تجارت میں کتنا نفع لینا جائز ہے؟

سوال: (۱۲۸) سوداگری میں فی روپیہ کتنا منافعہ لینا جائز ہے؟ (۲۱۵۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: شرعاً اس میں کوئی تنگی نہیں ہے، جس قدر مناسب اور معروف ہو نفع لے سکتا ہے (۲)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) قال في الهندية: ومن اشترى شيئا وأغلى في ثمنه فباعه مرابحة على ذلك جاز وقال أبويوسف رحمه الله تعالى إذا زاد زيادة لا يتغابن الناس فيها فإني لا أحب أن يبيعه مرابحة حتى يبين (۱۶۱/۳ كتاب البيوع - الباب الرابع عشر في المرابحة والتولية الخ)

تجارت میں نقصان کی تلافی کا جائز طریقہ

سوال: (۱۲۹) زید تجارت کرتا ہے کبھی کبھی ایسے خریدار بھی آتے ہیں کہ ان کو دس پانچ چیزیں خریدنی پڑتی ہیں، خریدار مذکور مول کرنے میں واجب قیمت سے بھی کچھ گھٹا دیتے ہیں، اور زید اس خیال سے کہ دوسری چیز میں ہم قیمت بڑھالیں گے راضی ہو جاتا ہے، اور اس کمی کو دوسری چیز کی قیمت میں پوری کر لیتا ہے یہ طریقہ زید کا تجارت میں درست ہے یا نہیں؟ (۴۸۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ طریقہ زید کا تجارت میں جائز ہے۔ فقط

اُدھار کی وجہ سے قیمت زیادہ لینا

سوال: (۱۳۰) اُدھار کی وجہ سے نرخ میں کم دینا اور قیمت زیادہ لینا جائز ہے یا نہ؟ (۲۰۱۸/۱۳۳۴ھ)

الجواب: نقد اور نسیئہ (اُدھار) کی قیمت میں فرق کرنا کتب فقہ میں جائز لکھا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ألا یریٰ أنہ یزاد فی الثمن لأجل الأجل (۱) مثلاً فی الحال قیمت ایک من چاول کی پانچ روپے ہے اگر مشتری اسی وقت ثمن دیوے تو ایک من کی قیمت اس سے پانچ روپے لی جائے۔ لیکن مشتری اس وقت قیمت نہیں دیتا بلکہ دو چار ماہ کے بعد قیمت دے گا اور ثمن مؤجل قرار پایا ہے اس وجہ سے بائع کہتا ہے کہ میں اس ایک من چاول کی قیمت سات روپے لوں گا تو یہ درست ہے اور یہی مطلب ہے عبارت ہدایہ مذکورہ کا۔ فقط

سوال: (۱۳۱) زید نے عمر کو ایک من چاول اس شرط پر دیے کہ اس قدر مدت کے بعد اس کے عوض دس روپے لوں گا اگرچہ اس وقت چھ روپے من چاول فروخت ہوتے ہیں؛ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۹۱۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ہدایہ میں ہے: ألایری أنہ یزاد فی الثمن لأجل الأجل الخ وھکذا فی

---

(۱) الهداية ۳/۷۴ كتاب البيوع – قبل باب الربا.

الشامی (۱) پس اس سے معلوم ہوا کہ بیع مؤجل میں بوجہ اجل کے ثمن زیادہ لینا درست ہے۔ فقط

اُدھار کی وجہ سے گراں فروخت کرنا جائز ہے مگر خلافِ مروت ہے

سوال: (۱۳۲) اس وقت دھان کا بھاؤ مثلاً دو روپیہ من کا ہے، ایک شخص نے بائع سے کہا کہ تم مجھے اس قیمت پر چالیس پچاس من دھان دیدو میں قیمت چند ماہ کے بعد ادا کردوں گا، اس پر بائع نے کہا کہ اگر قیمت بعد میں دوگے تو میں چار روپیہ کے حساب سے دوں گا تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

(۴۵۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: یہ صورت جائز ہے گو خلاف مروت ہونے کی وجہ سے مرضی (پسندیدہ) نہیں کتب فقہ مثل ہدایہ وغیرہ میں یہ مصرح ہے کہ نسیئہ (اُدھار) ونقد میں قیمت میں فرق کرنا تجار کی عادت ہے اور یہ درست ہے (۲) فقط

سوال: (۱۳۳) اُدھار کی وجہ سے گراں فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۶۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ہدایہ وغیرہ میں ہے ألایری أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل (۳) اس سے واضح ہے کہ اگر مشتری ثمن فی الحال نہ دے تو اس سے زیادہ قیمت لینا درست ہے، مثلاً اگر کوئی شخص نقد قیمت دے کر خریدے تو اس کو دس سیر غلہ دیا جائے، اور جو شخص قیمت اس وقت نہ دے ادھار خریدے اس کو

---

(۱) الهدایة ۴۷/۳ کتاب البیوع – قبل باب الربا. وفی الشامی: ویزاد فی الثمن لأجله إذا ذکر الأجل بمقابلة زیادة الثمن قصدا (الشامی ۲۷۱/۷ کتاب البیوع – قبل مطلبٌ فی الکلام علی الرد بالغبن الفاحش)

(۲) وفی بذل المجهود: بیع المضطر یکون من وجهین: أحدهما أن یکون مضطرًا إلی العقد من طریق الإکراه علیه فهذا فاسد لاینعقد والوجه الآخر أن یضطر إلی البیع لدین یرکبه أو مؤنة ترهقه فیبیع ما فی یده بالوکس من أجل الضرورة فهذا سبیله فی حق الدین، والمروءة أن لا یباع علی هذا الوجه وأن لا یفتات علیه بماله ولکن یعاون ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة حتی یکون فی ذلك بلاغ، فإن عقد البیع مع الضرورة علی هذا الوجه جاز فی الحکم ولایفسخ (بذل ۲۵۲/۴ کتاب البیوع – باب فی بیع المضطر)

(۳) الهدایة ۴۷/۳ کتاب البیوع – قبل باب الربا.

آٹھ سات سیر دیا جائے یہ درست ہے، مگر مقتضائے مروت یہی ہے کہ فرق نہ کرے مگر جائز ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

نقد خریدنا اور نفع لے کر اُدھار بیچنا

سوال: (۱۳۴) زید نے عمر سے کہا کہ بکر جو مال بیچتا ہے اس کو خریدنے کا ارادہ ہے مگر میرے پاس روپیہ نہیں ہے، اور وہ ادھار دیتا نہیں، لہٰذا تم بکر سے نقد خرید کر مجھ کو نفع لے کر ادھار دیدو تو آیا اس طرح سے خرید کر زید کا تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۴/۱۰۵۸ھ)

الجواب: اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے، اگر عمر اصل ثمن پر معین نفع کے ساتھ زید سے معاملہ کرتا ہے تو یہ بیع مرابحہ ہوگی، اور اگر اسی طرح کرتا ہے جس طرح عام طور پر بیع ہوتی ہے (تو) یہ (بیع) مطلقہ ہے، دونوں صورتیں شرعاً جائز ہیں۔

سود لینے کی شرط کے ساتھ اُدھار فروخت کرنا

سوال: (۱۳۵) مال تجارت کا اس شرط سے قرض فروخت کرنا کہ بعد انقضائے مدت کے علاوہ منافعہ مال کے دو پیسہ فی روپیہ یا کم وبیش ماہواری اور منافعہ لیا جائے گا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور منافعہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۴۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بیع میں اس قسم کی شرائط کا لگانا جائز نہیں ہے۔ اور منافعہ لینا درست نہیں ہے۔ (۱)

سوال: (۱۳۶) زید پارچے کا بیوپار کرتا ہے، زید نے بکر کو چار سو روپے کا پارچہ فی صدی بیس روپے کے منافعہ پر ایک ماہ کی مدت کے وعدے پر دیا، اور کہہ دیا کہ اگر حسب وعدہ رقم ادا ہوگئی تو فبہا، ورنہ بعد مدت مقررہ ایک روپیہ فیصدی منافعہ دینا ہوگا۔ بکر بھی اس بات پر رضامند ہوگیا؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۶۹۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔

---

(۱) ولا بیع بشرط ...... لایقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو فیه نفع لمبیع الخ (الدر مع الرد ۷/۲۰۷) کتاب البیوع – مطلب فی الشرط الفاسد إذا ذُکرَ بعد العقد أو قبله)

سوال: (۱۳۷) ایک شخص اس شرط پر بیع کرتا ہے کہ اگر مدت مقررہ پر قیمت ادا نہ کرو گے تو مثلا ایک آنہ یا دو آنہ سیکڑہ سود لوں گا یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۱۵۲۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس شرط سے بیع کرنا حرام ہے، اور جو کچھ وہ زیادہ لے گا سود ہے، اس شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

بائع کی رضامندی سے قیمت میں کمی کرنا جائز ہے

سوال: (۱۳۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین سوالات ذیل میں: ایک بستی کے تجار نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ جب ہم کپڑوں کے تھان خریدیں گے تو بائع کے مال کی قیمت سے ایک آنہ مثلا کاٹ لیں گے اور اس رقم کا نام کسر رکھتے ہیں۔ مال کے کاریگر چونکہ غرباء ہیں ان کو مال فروخت کرے بغیر چارہ نہیں، اور خریداروں کا ایسا دستور ہے، لہٰذا ان کو مجبوراً کسر کا پیسہ دینا پڑتا ہے کیا شرعاً جائز ہے کہ وہ کسر کا رواج دیں اور کاٹ لیا کریں، اور بائع کے عدم رضا کی صورت اور رضا کی صورت دونوں میں جائز ہوگا یا رضا کی صورت میں بھی نہی عن بیع وشرط کے قاعدے سے ناجائز ہوگا؟

(۱۵۴۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: بائعان کی رضامندی سے یہ صورت جائز ہے اور بدون رضا کے جائز نہیں ہے۔ فقط

مشتری کی رضامندی کے بغیر ثمن میں اضافہ کرنا

سوال: (۱۳۹)......(الف) بیع شدہ چیز پر اگر قانونا بیع نامہ کی تکمیل نہ ہوئی ہو تو بائع قیمت میں اضافہ کرسکتا ہے یا نہ؟

(ب) بیع میں کوئی شرط لگانا مثلاً یہ کہ فلاں مدت میں شئے مبیعہ تم سے واپس لے لوں گا جائز ہے یا نہ؟ (۴۷۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف) بلا رضامندی مشتری کے اضافہ ثمن کرنا صحیح نہیں ہے۔

(ب) یہ شرط مفسد عقد بیع ہے، اس شرط سے جب کہ وہ صلب عقد میں ہو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

سوال: (۱۴۰) فروشندہ (فروخت کرنے والے) نے کوئی شئے خریدار کے ہاتھ بیع کرنے کے لیے معاملہ طے کرلیا، اور بیعانہ بھی لے لیا، دو چار دن کے بعد فروشندہ کہتا ہے کہ میں وہ چیز طے شدہ قیمت میں نہ دوں گا، بلکہ اس قدر زیادہ لوں گا، آیا فروشندہ کو یہ اختیار ہے یا نہیں؟ (۲۹۲۱/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: بعد معاملہ طے ہو جانے کے اور بیعانہ دیدینے کے فروشندہ کو یہ اختیار نہیں ہے، خریدار اس سے اس مبیع کو لے سکتا ہے؛ البتہ اگر اپنی خوشی سے خریدار چھوڑ دے تو اس کو اختیار ہے۔

بائع کی رضامندی کے بغیر مقررہ قیمت سے کم رقم دینا

سوال: (۱۴۱) ...... (الف) اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز قیمت مقرر کر کے لیوے، اور بوقت ادائیگی قیمت کے؛ مقررہ قیمت سے کچھ کم دیوے تو وہ باقی قیمت خود رکھ سکتا ہے؟

(ب) اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کچھ چیز خریدنے کے لیے قیمت مقررہ دیوے، اس کو وہ چیز ارزاں مل جائے تو بقیہ دام وہ خود رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

(ج) اگر کوئی شخص قیمت اشیاء میں سے کٹوتی نکال کر اشیاء خرید کر لائے، اور وہ دام کٹوتی کے اپنے صرف میں لاوے تو درست ہے یا نہیں؟ (۶۲۹/ ۱۳۳۱ھ)

الجواب: (الف) اس کو رکھنا باقی قیمت کا درست نہیں ہے۔

(ب) یہ بھی درست نہیں ہے۔

(ج) یہ بھی درست نہیں ہے، بلکہ وہ کٹوتی خریدار کو دیوے۔

بائع کی رضامندی سے مقررہ قیمت سے کم دام ادا کرنا

سوال: (۱۴۲) یہاں دیسی کپڑے کا بازار لگتا ہے، اور یہ دستور ہے کہ جس قیمت کا تھان خریدا جائے، دام دینے کے وقت ایک دھیلا فی تھان کموتری کاٹ کر مشتری بائع کو دام دیتا ہے یہ کموتری مشتری کو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۵۰/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جب کہ یہ معروف ہے تو درست ہے گویا قیمت کم کردی جاتی ہے۔

بیع تام ہونے کے بعد کوئی شخص مبیع کی قیمت بڑھادے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۳) بائع ومشتری میں ایک زمین یا مکان کا معاملہ طے ہوکر بیع نامہ لکھا گیا پھر ایک شخص نے باوجود علم پہلے معاملے کے اس مبیع کی قیمت بڑھادی؛ ایسا کرنے والا گنہ گار ہے یا نہیں؟ (۲۵۱۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کو بھی گناہ ہے، مگر زیادہ گناہ اس بائع کو ہے جو اس زیادتی کی وجہ سے پہلی بیع کو توڑ دے، اور پہلی بیع بدون رضائے مشتری کے ٹوٹ نہیں سکتی۔

بیع تام ہوجانے کے بعد قیمت کی کمی کا عذر قابلِ سماعت نہیں

سوال: (۱۴۴) ایک شخص نے کچھ اراضی خریدی، مگر بوجہ رشتہ داری کے بیع نامہ نہیں لکھا گیا تھا، اور قیمت اسی وقت بے باق کردی تھی، کچھ عرصے کے بعد کہا گیا کہ بیع نامہ لکھ دو تو اس نے یہ جواب دیا کہ اس وقت مجھ کو قیمت بہت کم دی تھی اب یہ عذر اس کا صحیح ہے یا نہیں؟ (۳۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بائع کا عذر کمی قیمت کی بابت اب قابل سماعت نہیں ہے۔

ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے طے شدہ قیمت سے زیادہ رقم وصول کرنا

سوال: (۱۴۵) زید تجارت کرتا ہے تانبہ، پیتل وغیرہ کی، زید سے بکر نے پانچ سیر برتن گیارہ روپے چار آنے میں خریدے اور ایک ماہ میں قیمت دینا طے ہوا، بکر نے بجائے ایک ماہ کے ڈیڑھ ماہ میں قیمت دی تو ایسی صورت میں بجائے گیارہ روپے چار آنے کے بارہ روپے یا اس سے کم یا زیادہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید نے برتن دیتے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ اگر ایک ماہ میں قیمت دوگے تو دس روپے چار آنے فی سیر کے حساب سے قیمت دینی ہوگی، اور اگر دوسرے ماہ میں دوگے تو ایک آنہ فی سیر زیادہ دینا ہوگا اگر بکر اس شرط کو منظور کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۶۰۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں زید کے لیے جائز نہیں کہ اس رقم معینہ سے زائد وصول کرے جو وقت

عقد طے ہوئی تھی اس تاخیر کی وجہ سے زید اور کسی حق کا مستحق نہیں ہوا، سوال میں جو دوسری صورت درج ہے وہ بھی اسی طرح سے ناجائز ہے عقد میں اس طرح کی ناجائز شرطیں فساد عقد کا باعث ہیں اور اس میں جہالت ثمن ہے جیسا کہ تردید سے ظاہر ہے معلوم نہیں مشتری کے ذمہ کیا ثمن لازم ہوگا؟ قال فی الهداية: وكذلك لو باع عبدًا على أن يستخدمه البائع شهرًا الخ أو على أن يهدى له هدية لأنه شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين الخ(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

دلال کا مالک کی اجازت کے بغیر قیمت کم کرنا

سوال: (۱۴۶) بلا اجازت مالک کے دلال کو قیمت کا کم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۵۵ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: کم کرنا قیمت کا دلال کو بلا اجازت مالک کے درست نہیں ہے۔

قیمت زیادہ بتلا کر کم میں فروخت کرنا

سوال: (۱۴۷) ایک دکاندار نے ایک چاقو کی قیمت آٹھ آنہ بتلائی، اور چار آنے میں فروخت کردیا تو یہ جھوٹ تو نہیں؟ (۶۳۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے۔

سوال: (۱۴۸) کسی نے سچا گوٹا پانچ روپے تولہ لیا، اور آٹھ روپے تولہ فروخت کرتا ہے، مگر مشتری کہتا ہے کہ چھ روپے تولہ دیدو تو لے لوں اور وہ دے دیوے تو بائع کو جھوٹا کہا جائے گا یا نہ؟ (۲۰۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی مملوک شئے جس قیمت پر بھی چاہے فروخت کرسکتا ہے بشرطیکہ غبن فاحش نہ ہو اور مال ربا میں غیر جنس کو شامل کرلیا جائے، پس کوئی وجہ نہیں کہ ایسے بائع کو جھوٹا کہا جائے۔

بتلائی ہوئی قیمت پر اضافہ کرنا

سوال: (۱۴۹) زید اور خالد دو سوداگر ہیں، خالد کچھ سامان خریدنے کے واسطے زید کے پاس آیا،

(۱) الهداية ۶۰/۳ كتاب البيوع - قبل فصل فی أحكامه.

اور اس کا مال دیکھ دیکھ کر قیمت دریافت کرتا رہا، زید نے جن چیزوں پر قیمت درج تھی ان کو وہی اور جن پر قیمت درج نہ تھی ان کو زبانی بتلایا جس وقت قیمت بتلائی جارہی تھی اس وقت یہ اندازہ نہیں تھا کہ کونسا مال خریدنا ہوگا، بعد ازاں وہ قیمت اور اشیاء قلم بند ہوکر حساب ہوا، خالد نے ان بتلائی ہوئی قیمتوں کو اپنی خریداری کے لیے سمجھا لہٰذا اس سے کہا گیا کہ یہ تو ہماری قیمت خرید ہے، ان پر چار آنہ فی روپیہ ہم اضافہ اور لیں گے، اور حجت ہوکر اس بتلائی ہوئی قیمت پر تین آنہ فی روپیہ کا اضافہ فریقین کو منظور ہوکر معاملہ طے ہوگیا، اور زر ثمن لے کر مال مشتری کو دیدیا گیا چوں کہ جو قیمتیں بتلائی گئی تھیں ان میں بعض اصل کے خلاف بھی ہیں، اور ان پر اضافہ کیا گیا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہ؟ (۵۴۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ معاملہ بیع کا بعد قبضہ ثمن ومبیع صحیح ہوگیا۔

مبیع کی قیمت بڑھا کر بتلانا

سوال: (۱۵۰) اگر بائع مبیع کے دام ان داموں سے کہ جن داموں اس کا بیچنا منظور ہے بڑھا کر دام مشتری کو بتادے تو جائز ہے یا ناجائز؟ (۱۹۷۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درست ہے۔

مال خرید کر نفع پر فروخت کرنا

سوال: (۱۵۱) زید دہلی سے کپڑا خرید کر لایا اور اس خرید سے ایک آنہ فی روپیہ منافعہ لگا کر فروخت کرتا ہے یہ منافعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۵۰/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: درست ہے۔

سوال: (۱۵۲)...... (الف) زید نے عمر سے ایک سو کا مال خریدا، اور بکر کو دو آنہ فی روپیہ منافعہ پر دیدیا یہ نفع درست ہے یا نہیں؟

(ب) بکر نے زید سے کہا کہ عمر کے یہاں سے مال دلا دو، زید نے اپنے روپیہ سے دو آنہ فی روپیہ پر مال اس کو دلا دیا تو یہ نفع درست ہے یا نہیں؟ (۷۵۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) مال خرید کر دو آنہ فی روپیہ نفع پر فروخت کرنا درست ہے اور جائز ہے۔

(ب) پس اگر زید نے اپنا نفع لینا بھی ظاہر کردیا ہے کہ میں اپنے روپیہ سے مال خرید کردو آنہ فی روپیہ تم سے منافعہ لے کرتم کو مال دوں گا تو یہ معاملہ درست ہے۔ فقط

دلال کا دھوکہ دہی سے زیادہ رقم وصول کرنا حرام ہے

سوال: (۱۵۳) ایک مشتری نے دلال سے کہا کہ مجھ کو یہ چیز خرید کرادو، دلال نے کہا کہ بیس روپے کو بائع یہ چیز دیوے گا اور مشتری کو خفیہ پندرہ روپے میں خرید کر کے دیدی، یہ پانچ روپے دلال کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۶۵۲ھ)

الجواب: یہ دھوکہ دہی اور زیادہ وصول کرنا دلال کو حرام ہے۔

غلہ کی اُدھار قیمت کے بجائے غلہ دینا

سوال: (۱۵۴) زید نے عمر کے ہاتھ غلہ ادھار بہ نرخ بازار بیچا، گفتگو یہ ہوئی کہ فصل تیار ہونے کے قبل روپیہ دے دیا جائے، مگر عمر بوجہ غربت وناداری کے فصل کے قبل نقد نہیں دے سکا، اور کہا کہ ہم بجائے روپے کے غلہ دیدیں گے یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۵۰۳ھ)

الجواب: اس صورت میں بیع غلہ کی غلہ سے نہیں ہے بلکہ اس قیمت غلہ سے جو کہ مشتری کے ذمہ ہے فصل پر غلہ خریدا جاتا ہے لہٰذا یہ صورت جائز ہے۔ فقط

کسی کا مال کم قیمت پر خریدنا

سوال: (۱۵۵) اگر مالک بوجہ خوف کے کسی چیز کی قیمت کم مانگے تو اس قیمت پر اس سے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۶۲۷ھ)

الجواب: جب کہ مالک کسی چیز کا اپنی چیز کی کم قیمت مانگے تو خریدنا اس سے اس قیمت پر درست ہے۔ فقط

دُکاندار اپنی خوشی سے مشتری کو کچھ دے تو اس کا لینا جائز ہے

سوال: (۱۵۶) مشتری نے دکاندار یا مالک سے کوئی شرط نہیں کی؛ اب دکاندار بہ رضائے خود کچھ

مشتری کو دیدے؛ اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۶۲ھ)

الجواب: یہ صورت جائز ہے۔ فقط

پھلوں کو کب فروخت کرنا چاہیے؟

سوال: (۱۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ فصل انبہ (آم) میں پھل بخوبی نمایاں ہوکر بیر یا آلو کے برابر یا اس سے کچھ بڑا ہوجائے، اور خریدار نے خوب دیکھ کر آفات ارضی وسماوی کا تخمینہ کرکے اپنا اطمینان کرلیا تو فروخت کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ آیا فروخت کرنے کو جالی پڑنے (گٹھلی پڑنے سے پہلے ریشہ ہونے) و پختہ ہونے کا انتظار کرنا بھی شرط ہے کہ نہیں؟ ہدایہ کی عبارت: ومن باع ثمرة لم يبدُ صلاحها أوقد بدا جاز البيع (۱) صلاح سے کیا مراد ہے؟ آیا صلاحیت پھل کے پیدا ہوجانے کی یا کہ آخر تک پختہ ہوجانے کی؟ بینوا و توجروا (۱۳۳۳-۳۲/۱۴۸۵ھ)

الجواب: عبارت درمختار اس مطلب میں یہ ہے: ومن باع ثمرةً بارزةً أما قبل الظهور فلايصح اتفاقاً ظهر صلاحها أولا صح في الأصح الخ ويقطعها المشتري في الحال ...... وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع (۲) اور شامی میں ہے: لكن بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدوُّ الحلاوة الخ (۲) ان عبارات سے واضح ہے کہ فروخت کرنا پھل کا اس وقت جب کہ وہ مثل بیر وغیرہ کے ہوجائے، بلکہ اس سے پہلے بھی جب کہ پھل ظاہر ہوجائے درست ہے؛ لیکن شرط کرنا اس پھل کو درخت پر چھوڑنے کی جیسا کہ معروف ہے مفسد بیع ہے جیسا کہ آخر عبارت درمختار سے ظاہر ہے۔ اور شامی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور صلاح ثمر ہمارے نزدیک یہ ہے کہ آفت اور فساد سے محفوظ ہوجائے، پختہ ہونا ضروری نہیں، اور امام شافعی علیہ الرحمہ پختہ ہونے اور اس میں شیرینی ہوجانے کو صلاح فرماتے ہیں۔ درمختار میں بعد عبارت مذکورہ یہ بھی لکھا ہے کہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جب پھل بڑھ چکے کہ اس سے زیادہ بڑھنے

---

(۱) الهداية ۳/۲۶ كتاب البيوع – قبل باب خيار الشرط۔

(۲) الدر المختار مع الشامی ۷/۶۵-۶۷ كتاب البيوع – مطلبٌ في بيع الثمر والزرع الخ.

کا خیال نہیں ہے تو درخت پر چھوڑنے کی شرط مفسد بیع نہیں ہے(۱) تو گویا اس حالت میں بیع بھی درست ہے، اور شرط ترک علی الاشجار بھی درست ہے، پس فروخت کرنا ایسی ہی حالت میں مناسب ہے تا کہ موافق مذہب امام محمد علیہ الرحمہ کے شرط ترک جوضروری اور معروف ہے، سبب فساد بیع کا نہ ہو جائے۔

سوال: (۱۵۸) جب ایسی صورت ہو کہ مالک باغ حفاظت نہ کرسکتا ہو، یعنی اندیشہ نقصان ہو کہ چور یا مخالفین عداوۃً نقصان کریں گے، اور مال ضائع ہو جائے گا تو کس وقت بہار انبہ فروخت کر دینا جائز ہوگا؟ (۱۲۷۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: پھل کے ظاہر ہونے سے پہلے تو بیع وشراء بہار انبہ وغیرہ کی بالکل باطل اور ناجائز ہے، اور پھل کے ظاہر ہو جانے کے بعد بیع صحیح ہے، لیکن اس میں یہ شرط ہونا کہ پھل تا پختگی درختوں پر رہے گا جیسا کہ معروف ہے مفسد عقد ہے، لہٰذا اس طرح بھی فروخت کرنا نہ چاہیے، بلکہ جس وقت پوری طرح پھل بڑھ جائے اور متناہی ہو جائے اس وقت فروخت کرے کہ اس وقت فروخت کرنے میں امام محمدؒ کے قول کے موافق جو کہ مفتی بہ ہے بیع صحیح ہوگی ھکذا فی الدر المختار (۲)

پھلوں کو فروخت کرنے کی چند ناجائز صورتیں اور ان کے جواز کا حیلہ

سوال: (۱۵۹) بہار باغ انبہ یا امرود وانار وغیرہ فروخت کیے جائیں تو اس کے جواز کی صورت کیا ہے؟ یہاں یہ معمول ہے کہ جس وقت مول آتا ہے اسی وقت بہار فروخت کر دیتے ہیں، بعض وہ ہیں کہ جس وقت انبہ نمودار اچھا ہو جاتا ہے، بعض وہ ہیں کہ جب انبہ خوب بڑا ہو جاتا ہے فروخت کرتے ہیں، اور اس میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ اسی وقت انبہ کو توڑ لے، بلکہ وہ مختار ہوتا ہے کہ چاہے پختہ کر کے توڑے یا خام؟ جو صورت جواز ہو تحریر فرمائیں؟ (۱۱۸۱/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) و إن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع "حاوی" وقيل: قائله محمد رحمه الله لايفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف فكان شرطًا يقتضيه العقد وبه يفتى "بحر" عن الأسرار. وفي الشامي: قوله: (وبه يفتى) قال في "الفتح" ويجوز عند محمد رحمه الله استحسانًا، وهو قول الأئمة الثلاثة، واختاره الطحاوي لعموم البلوى (الدر المختار ورد المحتار ۶۷/۷ كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودًا)

(۲) حوالہ سابقہ۔

الجواب: اقول وباللہ التوفیق جب تک پھل ظاہر نہ ہو جائیں اس وقت تک بیع ان کی صحیح نہیں ہے، اور چونکہ اب معروف یہ ہے کہ وہ پھل پختہ ہونے تک درختوں پر چھوڑے جاتے ہیں اور بائع ومشتری دونوں کو یہ معلوم ہے تو بحکم المعروف کالمشروط یہ بیع بشرط الترک ہوئی لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔ کما فی الشامی قوله: قيد باشتراط الترك أي قيد المصنف الفساد به قوله: مطلقاً أي بلا شرط ترك وقطع، وظاهره ولو كان الترك متعارفاً، مع أنهم قالوا: المعروف عرفاً كالمشروط نصاً، ومقتضاه فساد البيع وعدم حل الزيادة، تأمل (۱) اور حیلہ جواز ان صورتوں میں یہ ہو سکتا ہے کہ پھل کے پختہ ہونے کے بعد معاملہ کی تجدید کر لی جائے یعنی بائع ومشتری دونوں پہلی بیع کو فسخ کر کے اسی قیمت پر اس وقت بیع جدید کر لیویں۔ فقط

کسی بھی درخت کے پھلوں کو نمودار ہونے سے پہلے بیچنا جائز نہیں

سوال: (۱۶۰) مفصلہ ذیل درختان میں کون درخت بلا پھل فروخت ہو سکتا ہے اور کون نہیں ہو سکتا؟ چونکہ اب تک مجھ کو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ انبہ ہی کی فصل بلا پھل آئے فروخت نہیں ہو سکتی لیکن احتیاطاً میں جملہ درختان کی بابت جو ذیل میں درج ہیں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بلا نمود فصل کے فروخت ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ انبہ، جامن، امرود، پھالسہ (بیر کے برابر اُودا کھٹ مٹھا میوہ) بیر، انجیر، انار، سیب، شہتوت، نارنگی اور لیموں۔ (۱۳۸۴ /۱۳۳۲ھ)

الجواب: تمام اشجار مثمرہ کے پھلوں کی بیع کا وہی حکم ہے جو انبہ کا حکم ہے کہ پہلے ظاہر ہونے پھل کے پھلوں کی بیع بالکل باطل، اور بعد ظاہر ہونے پھل کے ان کی بیع درست ہے، لیکن ان پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کرنا جیسا کہ معروف ہے مفسد بیع ہے، پس جب کہ معروف یہ ہے کہ ان پھلوں غیر قابل انتفاع کو بالفعل توڑا نہیں جاتا بلکہ درختوں پر چھوڑا جاتا ہے پختگی تک تو یہ بیع فاسد ہوتی ہے، اور حکم بیع فاسد کا یہ ہے کہ مشتری کے قبضہ کے بعد وہ اس کی ملک ہو جاتی ہے، مگر اس میں خباثت اور برائی ہوتی ہے، اس لیے واجب یہ ہے کہ اس بیع کو فسخ کر دیا جائے ورنہ بائع ومشتری گنہ گار ہوں گے، اور حیلہ جواز کا یہ ہے کہ بعد پختگی پھلوں کے مثلاً بیع سابق کو توڑ کر دوسری بیع فی الحال کی جائے، یعنی اس

(۱) ردالمحتار ۷/ ۶۷ کتاب البیوع - مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر مقصوداً

مشتری سے دوسرا معاملہ کرلیا جائے تا کہ خباثت باقی نہ رہے۔ فقط

کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنا اور مشتری اوّل سے ان پھلوں کو خریدنا

سوال: (۱۶۱) صلاحیت سے پہلے اور کئی سال قبل بیع کرنے کا ایک حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ مشتری اول سے دوسروں کو خریدنا درست ہے یا نہیں؟ بیع میں پھلوں کا استثناء کرنا اور ان پھلوں کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۵۸۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع جائز ہوتی ہے؛ لیکن پھلوں کے پختہ ہونے تک درختوں پر چھوڑنے کی شرط جیسا کہ آج کل معروف ہے مفسد عقد ہے، اور بیع فاسد میں مشتری بعد قبضہ کے مالک مبیع کا ہوجاتا ہے، پس اس سے خریدنا بھی درست ہے اور کئی سال پہلے سے بیع کرنا یا پھل ظاہر ہونے سے پہلے مثلاً مول کے وقت بیع کرنا بیع باطل ہے، اور اس میں مشتری مالک نہیں ہوتا، پس اس سے خریدنا بھی درست نہیں ہے، اور مستثنیٰ کرنا مقدار معلومہ کا پھلوں کی درست ہے، لہٰذا استعمال ان کا درست ہے۔(۱) فقط

پھلوں کی فصل فروخت کرتے وقت کچھ پھلوں کا استثناء کرنا

سوال: (۱۶۲) زید نے اپنا باغ آم کا یا اور کسی میوے کا نقد مثلاً پچاس روپے میں فروخت کیا، اور علاوہ روپے نقد کے کچھ آم وزن مقرر کر کے خریدار سے مقرر کیے اب یہ آم لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۲۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس میں اختلاف ہے مگر ظاہر الروایۃ میں جائز ہے: فصح استثناء ...... أرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها ولو الثمر على رؤوس النخل على

---

(۱) ماجاز إيراد العقد عليه بانفراده صح استثناؤه منه فصح استثناء أرطال معلومة من بيع تمر نخلة لصحة إيراد العقد عليها ولو الثمر على رؤوس النخل على الظاهر (الدر المختار مع رد المحتار ۷/ ۶۹-۷۰ كتاب البيوع - فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن)

الظاهر (درمختار) ومقابل ظاهر الرواية رواية الحسن عن الإمام أنه لايجوز واختاره الطحاوی والقدوری الخ (۱) (شامی: ۴/ ۴۱)

جن آموں اور کھجوروں کی بیع قبل از مول ہوتی ہے ان کو خریدنا اور کھانا

سوال: (۱۶۳) آموں اور کھجوروں کی بیع قبل از مول ہوتی ہے، دو تین سال پیشتر خرید لیتے ہیں، ایسے آموں اور کھجورں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ آیا اس معاملہ میں ملک مسلم وکافر کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ (۱۸۶۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: قبل از ظہور ثمر جو بیع ہوتی ہے وہ باطل ہے، اور بعد قبضہ کے بھی ملک مشتری میں داخل نہیں ہوتی، بخلاف بیع فاسد کے کہ وہ بعد قبضہ کے ملک مشتری میں داخل ہو جاتی ہے، اگر چہ اس میں خبث ہوتا ہے، اور واجب الرد ہوتی ہے، پس فروخت کرنا بیع باطل سے خریدے ہوئے پھلوں کا ناجائز ہے، اور خریدنا بھی اس کا اور کھانا ناجائز ہے۔ البتہ جہاں بیع باطل اور فاسد دونوں ہوتی ہوں وہاں بوجہ عدم علم وعدم تمیز خریدنے والے کو گنجائش ہے، لیکن بیع باطل میں کچھ گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہ ملک مشتری میں داخل ہی نہیں ہوتی، اور بیع بالتعاطی بھی اس میں متصور نہیں ہے کہ وہ بعد متارکت بیع اول جائز ہوتی ہے، درمختار میں ہے: وإذا قبض المشتری المبیع برضابائعه صریحًا أو دلالة الخ فی البیع الفاسد وبه خرج الباطل الخ ملکه الخ (۲) وفی الشامی: والتعاطی إنما یکون بیعًا إذا لم یکن بناءً علی بیع فاسد أو باطل سابق، أما إذاکان بناءً علیه فلا الخ (۳) وأیضًا فی الدر المختار: وصرح فی البحر: بأن الإیجاب والقبول بعد عقد فاسد لا ینعقد بهما البیع قبل متارکة الفاسد ففی بیع التعاطی بالاولٰی الخ۔ (۳) فقط

---

(۱) الدر المختار والشامی ۷/ ۶۹-۷۰ کتاب البیوع – مطلب: فسادالمتضمن یوجب فسادالمتضمن.

(۲) الدرالمختارمع الشامی ۷/ ۲۱۱-۲۱۲ کتاب البیوع – مطلبٌ فی الشرط الفاسد إذا ذُکِرَ بعد العقد أو قبله.

(۳) الدرمع الرد ۷/ ۲۱ کتاب البیوع – مطلبٌ: البیع بالتعاطی.

پھل ظاہر ہونے سے پہلے خربوزہ اور تربوز کی بیلیں فروخت کرنا

سوال: (۱۶۴) خربوزہ، تربوز وغیرہ کی بیلیں پھل آنے سے پہلے ہی فروخت کردیتے ہیں؛ یہ خرید وفروخت کیسی ہے؟ اور اس کے جواز کی کیا صورت ہے؟ (۲۱۱۴/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: خربوزہ، تربوز، بیگن وغیرہ ترکاریوں کی بیلوں کو بیع کرنا اور خریدنا جائز ہے؛ لیکن زمین کو بھی مدت معلومہ کے لیے اجارے پر لے لی جائے تاکہ معاملہ صحیح ہوجائے؛ کیوں کہ اگر زمین اجارے پر نہ لی جائے اور بیلوں کو پھل آنے تک وہاں چھوڑا جائے تو یہ مفسد عقد ہے، اس لیے بیلوں کو جڑ سے خریدا جاوے اور زمین کو مدت معلومہ کے لیے اجارے پر لے لی جائے درمختار میں ہے: والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزءً من ألف جزءٍ وأن يشترى أصول الرطبة كالباذنجان وأشجار البطيخ الخ (۱) اور اگر کسی وجہ سے معاملہ بیع کا پورا نہ ہوتو بائع کو بیعانہ مشتری کا واپس کرنا لازم ہے بیع نہ ہونے کی صورت میں بیعانہ رکھ لینا جائز نہیں ہے۔

پھل ظاہر ہونے کے بعد آم کی فصل فروخت کرنا

سوال: (۱۶۵) ہماری طرف دستور ہے کہ آم کی فصل پھل ظاہر ہونے کے بعد بڑھوار تمام ہونے سے پہلے فروخت کردی جاتی ہے کیا شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت ہے؟ (۲۶۰۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: فقہاء حنفیہ اس بیع کو جائز فرماتے ہیں اور ان پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کو جیسا کہ معروف ہے مفسد بیع فرماتے ہیں ومن باع ثمرةً بارزة أماقبل الظهور فلا يصح اتفاقًا ظهر صلاحها أو لاصح في الأصح الخ وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع (۲) (درمختار) فقط

باغ کی بہار مول (پھول) آنے پر فروخت کرنا اور درخت اجارہ پر لینا

سوال: (۱۶۶) باغ کی بہار قبل انبہ اترنے کے مول پر فروخت کردینا جائز ہے یا نہیں، اگر

(۱) الدر المختار مع الشامی ۶۸/۷ كتاب البيوع – مطلبٌ فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن.
(۲) الدر مع الرد ۶۵/۷-۶۷ كتاب البيوع – مطلبٌ في بيع الثمر والزرع والشجر مقصودًا.

مول پر فروخت کرنا ناجائز ہے تو کیا اجارہ کی شرعاً اجازت ہوسکتی ہے؟ (۱۷۰۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: درختِ انبہ (آم) پر اگر صرف مول ہو اور پھل نہ آیا ہو تو بیع پھلوں کی باطل ہے، شامی میں ہے: قال فی الفتح: لاخلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر (۱) اور اگر پھل آ گیا ہو تو خواہ فی الحال وہ قابل پورے نفع اٹھانے کے ہو یا نہ ہو اس کی بیع جائز ہے، بہ شرطیکہ تافصل پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط نہ ہو، ہدایہ میں ہے: ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أوقد بدا جاز البيع لأنه مال متقوم إما لكونه منتفعًا به في الحال أوفي الثاني وقد قيل لايجوز قبل أن يبدو صلاحها والأول أصح (۲) اور اجارہ پر درخت لینا جائز نہیں ہے، شامی میں ہے ولاتعامل في إجارة الأشجار المجردة (۳) اور اگر پھلوں کو بلاشرط خریدا اور پھر باجازت بائع ان کو تافصل درخت پر رہنے دیا تو نفع زیادتی پھلوں کا اٹھانا مشتری کو مباح ہے، ہدایہ میں ہے: لو اشتراها مطلقًا وتركها باذن البائع طاب له الفضل (۴) اور ایسے ہی اگر اجارۂ باطلہ کے ذریعہ پھلوں کو درخت پر رہنے دیا تو زائد پھلوں کا انتفاع مشتری کے لیے درست ہے، شامی میں ہے: وان إستاجر الشجر إلى وقت الإدراك بطلت الإجارة وطابت الزيادة لبقاء الإذن (۵) فقط

جَو، گندم اور مٹر کو پختگی سے پہلے فروخت کرنا

سوال: (۱٦۷) میں نے اپنا کھیت جس کے نصف میں جو گندم ہیں، اور نصف میں مٹر ہے تیس روپے میں فروخت کردیا ہے کھیت کٹے و گہے پیچھے ادائیگی روپیہ کے وعدے پر، گندم و جو کی تو بالیں آرہی ہیں، صرف پختگی باقی ہے، اور مٹر کی پھلیاں ابھی خوب نہیں آئیں جو کسی کسی پر آئی ہیں تو وہ ابھی بالکل ذرا ذرا سی ہیں، یہ بیع باطل معلوم ہوتی ہے، نیت یہ کر رکھی ہے جب پھلیاں خوب آجائیں تو پھر تجدید کرلوں کسی قدر کم قیمت پر، یہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۷۳/۱۳۳۷ھ)

(۱) ردالمحتار ۷/٦۵ کتاب البیوع – مطلبٌ فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودًا۔
(۲) الهداية ۳/۲٦ کتاب البیوع – قبل باب خیار الشرط۔
(۳) الشامی ۷/٦۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودًا۔
(۴) الهداية ۳/۲۷ کتاب البیوع – قبل باب خیار الشرط۔
(۵) الدرمع الرد ۷/٦۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودًا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں جو وگندم ومٹر کی بیع فاسد ہے باطل نہیں، صورت اس کے جواز کی یہی ہے کہ بعد کھیتی کے پک جانے یا کٹ جانے کے پہلے معاملہ کو فسخ کر کے از سرنو دوسرا معاملہ بیع وشراء کا کرلیا جائے، اگر چہ قیمت سابقہ پر ہی ہو کمی وبیشی قیمت کے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط

آم کے باغات کے پھلوں کا چند سال کے لیے ٹھیکہ لینا

سوال: (۱۶۸) باغات آم وغیرہ کے پھلوں کا ٹھیکہ چند سال کے لیے لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۵۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ ٹھیکہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت میں بیع معدوم کی ہے۔ فقط

بالیوں میں جو گیہوں ہیں ان کو اور سبزی وغیرہ کو اندازے سے فروخت کرنا

سوال: (۱۶۹) جو شخص فصل استادہ پختہ گندم یا نخود (چنا) یا اور کوئی فصل پختہ خرید وفروخت کرتے ہیں جس کا وزن معلوم نہیں ہوتا، اور سبزی ومیوہ جات کو بے وزن کیے اندازے سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۵۳۹/ ۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: کصحة بیع بر فی سنبله ...... وباقلاء وأرز وسمسم فی قشرها وجوز ولوز وفستق فی قشرها الأول وهو الأعلی الخ (۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ بیع گندم کی جب کہ گندم اپنے چھلکے اور بالی میں ہو صحیح ہے اور سبزی ومیوہ جات وغیرہ کو بدون وزن کے اندازے سے خریدنا جائز ہے، جب کہ وہ سامنے موجود ہو اور حال اس کا ظاہر ہو۔ فقط

خرید کردہ درخت کو نہ کاٹنا

سوال: (۱۷۰) ایک آدمی نے ایک درخت فروخت کردیا، خریدنے والے نے کہا کہ تمہاری زمین میں کھڑا رہے گا، فروخت کرنے والے نے قبول کیا، بعد میں فروخت کرنے والے نے زمین دوسرے آدمی کو فروخت کردی، اب بھی خریدار درخت کو اپنا درخت کاٹنا چاہیے، یا کھڑا رکھنا چاہیے زمین

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/ ۷۰ کتاب البیوع ـ مطلبٌ فساد المتضمن یوجب فساد المتضمن.

کا خریدار اس پر تقاضہ کرتا ہے شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: زمین کے مشتری کو اختیار ہے کہ وہ اس درخت کو کھڑا رہنے دیوے یا قطع کرانے کا امر کرے، مشتری شجر کو کچھ حق اس کی زمین میں درخت کو باقی رکھنے کا نہیں ہے۔ فقط

ہندو؛ مسلمان سے درخت پر لگے ہوئے پھل خریدے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۱) درخت کے اندر بور آم کے لگے ہیں، اور سرسوں کے برابر پھل ہوا ہے، ہندو نے مسلمان سے خرید کیا نفع نقصان کے ساتھ؛ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح تاڑ و کھجور کا ٹھیکہ دینا درست ہے یا نہ؟ (۹۴۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ بیع چوں کہ پھل کے درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہوتی ہے، لہٰذا فاسد اور ناجائز ہے، اسی طرح تاڑ و کھجور کے درختوں کا ٹھیکہ لینا ناجائز ہے۔

شراب، بھنگ اور افیون کی بیع کا حکم

سوال: (۱۷۲) بیع الخمر والبنج والأفیون درست ہے یا نہیں؟ (۱۷۴۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وبطل بیع مال غیر متقوم الخ کخمر وخنزیر ومیتة الخ وفی الشامی: قوله کخمر قید بها لأن بیع ماسواها من الأشربة المحرمة جائز عنده خلافا لهما كذا في البدائع (۱) (کتاب البیوع) وفی کتاب الأشربة منه: وصح بیع غیر الخمر مما مر ومفاده صحة بیع الحشیشة والأفیون الخ وفی الشامی: قوله وصح بیع غیر الخمر ثم إن البیع وإن صح لكنه یكره كما في الغاية (۲) پس معلوم ہوا کہ بیع خمر کی باطل ہے، اور ماسوائے خمر کے افیون و بنج وغیرہ کی بیع اگرچہ جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ فقط

سوال: (۱۷۳) بیع افیون اور بھنگ کی حرام ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: صح بیع غیر الخمر مما مر ومفاده صحة بیع الحشیشة

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۱۷۶/۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فیما إذا اجتمعت الإشارة مع التسمية.

(۲) الدر المختار والشامی ۳۴/۱۰ کتاب الاشربة.

والأفيون قلت وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة، هل يجوز؟ فكتب لا يجوز فيحمل على أنّ مراده بعدم الجواز عدم الحل وفي الشامي: قوله وصح بيع غير الخمر أي عنده خلافًا لهما في البيع والضمان ـــ إلى أن قال ـــ ثم إن البيع وإن صح لكنه يكره كما في الغاية الخ (۱) (شامی) اس سے معلوم ہوا کہ بیع افیون وغیرہ کی مکروہ ہے، اور ظاہر اطلاق کراہت سے یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے جو کہ قریب حرام کے ہے؛ پس مسلمانوں کو احتراز اس سے ضروری ہے۔

شراب اور اسپرٹ کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱۷۴) ایک مسلمان گورا پلٹن کا ٹھیکہ دار ہے، اس کو علاوہ دیگر اشیا کے شراب بھی فروخت کرنی ہوتی ہے، لیکن اس کی آمدنی اپنے پاس نہیں رکھتا، بلکہ انگریزوں کی ڈالی (نذر) دینے میں یا رشوت وغیرہ میں صرف کرتا ہے۔ مسلمان مذکور کے لیے یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرے کارخانوں میں جو جائز طور پر جاری ہیں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسپرٹ کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: شراب کی بیع وشراء قطعاً حرام ہے، کسی مسلمان کے لیے کسی حال میں اور کسی صورت سے جائز نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۰) وَفِیْ حَدِیْثِ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ رضی اللّٰه عنهما اَنّه قَالَ: یَا نبی اللّٰه! إني اشتريت خمرًا لِأيتامٍ في حِجري فقال: أهرق الخمر وأكسر الدنان (۲) وفي الدر المختار: وبطل بيع مال غير متقوم الخ كخمر وخنزير وميتة الخ (۳) الحاصل کسی مسلمان کو ایسی تجارت کرنا جس میں شراب کی خرید وفروخت ہو جائز نہیں ہے، اور اس آمدنی کو کسی مد میں خرچ کرنا درست نہیں ہے، باقی جس کارخانے میں شراب کی خرید وفروخت نہیں ہے، اور ارتکاب کسی امر غیر مشروع کا نہیں ہے، اس کارخانے میں ملازمت کرنا جائز ہے

(۱) الدر مع الرد ۳۴/۱۰ كتاب الأشربة.
(۲) مشكاة المصابيح ص: ۳۱۸ كتاب الحدود - باب بيان الخمر و وعيد شاربها.
(۳) الدر مع الرد ۱۷۶/۷ كتاب البيوع - مطلبٌ فيما إذا اجتمعت الإشارة مع التسمية.

اور اسپرٹ بھی بحکم شراب ہے، اس کی خرید وفروخت اور استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ فقط

ہر قسم کی شراب اور جس دوا میں شراب ملی ہوئی ہے اس کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱۷۵)...... (الف) انگوری شراب اور جو، رس، شیرہ، مہوہ وغیرہ کی بنی ہوئی شراب میں بیع وشراء کے اعتبار سے شرعاً کچھ فرق ہے یا نہیں؟

(ب) اگر کوئی دوافروش کسی قسم کی شراب کو دوا کی غرض سے بلا نفع فروخت کرے تو کیسا ہے؟

(ج) شراب فروخت کر کے اس کی قیمت کو اگر دوسری حلال کمائی میں ملا دیا جائے جو اس شراب کی رقم سے بہت زیادہ ہے تو کیا سب آمدنی حلال ہو جائے گی؟

(د) ایسی دوائیں جو ولایت سے آتی ہیں ان میں ایک ثلث انگوری شراب ملی ہوئی ہوتی ہے، اس کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ (۱۴۲۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) سب قسم کی شراب کی بیع وشراء حرام ہے، اس بارے میں ان میں کچھ فرق نہیں ہے۔

(ب) جائز نہیں ہے۔

(ج) چوں کہ روپیہ پیسہ میں کچھ تعیین نہیں ہے، اس لیے اس رقم کو جو کسب حرام سے حاصل ہوئی علیحدہ کر لی جائے، اور جو روپیہ کسب حلال سے ہے اس کو علیحدہ کر لیا جائے یہ احوط ہے، اور اگرچہ خلط کی صورت میں جب کہ کسب حرام کم اور حلال زیادہ ہو تو اس کو حکم حلت کا دیا جاتا ہے۔

(د) جس دوا میں شراب ہو اس کی بیع وشراء بھی حرام اور ناجائز ہے۔ (۱) فقط

سوال: (۱۷۶) جن ادویات انگریزی میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے، ان کی تجارت حلال ہے یا حرام؟ (۲۰۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ان ادویات کی خرید وفروخت حرام ہے۔

اسپرٹ ملی ہوئی دوا کا حکم

سوال: (۱۷۷) ڈاکٹری دوا جس میں اسپرٹ ملائی جاتی ہے، اس کا بیچنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۱) حوالات سابقہ۔

کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوتا اور مریض اس کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۷/۷ھ)

الجواب: ڈاکٹری دوا جس میں اسپرٹ ہو اس کو فقہاء نے حرام لکھا ہے پس اس سے احتراز لازم ہے۔(۱) فقط

مسلمانوں کے لیے دارالحرب میں بھی شراب کی خرید وفروخت جائز نہیں

سوال: (۱۷۸) ''مورس'' ایک جزیرہ ہے جس پر سرکار برطانیہ کی حکومت ہے، آبادی اس جزیرہ کی تین لاکھ پچھتر ہزار کے قریب ہے جس میں چالیس ہزار سے زائد مسلمان ہیں، نصاریٰ کی آبادی مسلمانوں سے کچھ کم ہے زمین کا محصول اس جزیرہ میں نہیں لیا جاتا، مسلمان زمیندار بھی ہیں اور تجارت میں بھی معقول حصہ ہے، مدارس دینیات جاری ہیں، مساجد ہیں، اذان و اقامت جمعہ وغیرہ شعائر اسلامی میں ہندوستان جیسی آزادی حاصل ہے، اس جزیرہ میں ایک مسلمان نے سرکار سے ٹھیکہ حاصل کر کے شراب خانہ جاری کیا ہے من جملہ شرائط ٹھیکہ دو امور کی پابندی بھی ضروری ہے:

ایک یہ کہ خود سرکار سے شراب خریدے، دوسرے یہ کہ ہر خریدار پر خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم بلا انکار بیچے گو کہ عام طور پر مسلمانوں کو یہ فعل ناگوار خاطر ہے، مگر خاص وہ جماعت کہ جس کی برادری میں اس شخص کا شمار تھا، اس فعل کو ترک کرانے میں کوشاں ہے، لہٰذا سردار جماعت نے ایک مولوی صاحب سے کہ جن کا سال ڈیڑھ سال سے یہاں قیام تھا، فتویٰ طلب کیا۔ مولوی صاحب موصوف نے حکم دیا کہ چوں کہ ''مورس'' دارالحرب ہے؛ مسلم غیر مسلمان پر شراب، خنزیر، مردار وغیرہ بیچ سکتا ہے، اور یہ اس کے لیے حلال ہے، اس جواب سے مسلمانوں کو تسلی نہیں ہوئی؛ لہٰذا برائے خدا اس سوال کا مفصل جواب تحریر فرمادیں کہ آیا یہ جزیرہ دارالحرب ہے؟ اگر دارالحرب ہو تو اس طریقے پر ایک مسلمان کے لیے شراب خریدنا اور بیچنا جائز ہے؟ اگر جائز نہ ہو تو تاوقتیکہ وہ اس کام کو ترک نہ کرے اس کو برادری سے علیحدہ کرنے میں کوئی شرعی ممانعت تو نہیں ہے؟ (۱۳۴۲/۲۹۶۴ھ)

الجواب: صورت مسئولہ میں دو امر قابل بحث ہیں:

---

(۱) وأما الخمر فيحرم الانتفاع بها من كل وجه ... وكرهوا التبخر بفحم أطفي بالخمر، والنظر إلى الخمر في الزجاج تلذذًا بلونها (فتاوى القنية ص:١٦٨ كتاب الكراهية والاستحسان - باب في الكراهية في الانتفاع بالأشياء النجسة)

اوّل یہ کہ مسلمان کو خمر کی ملابست ومباشرت اور اس سے کسی قسم کا انتفاع حاصل کرنا (خواہ دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں) کہاں تک جائز ہے؟

امر دوم یہ کہ ''موریں'' دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو وہاں عقود ربویہ و بیوع فاسدہ مسلمان کے لیے جائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

امر اوّل کے متعلق قرآن وحدیث اور تصریحات فقہاء صاف موجود ہیں جو کہ ٹھیکہ مذکورہ کو بوجہ ملابست وتعاطی وانتفاع بالخمر کے حرام وناجائز قرار دیتی ہیں کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وتَعَالٰی ۔

نمبر (۱): ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ الآية﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۰) اس آیت میں خمر کو عمل شیطان کا نجس قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم فرمایا گیا، پس یہ اجتناب خمر کے احکام میں سے ہوگا جو کہ ملابست وتجارت خمر کی صورت میں جاتا رہتا ہے، اس میں دارالحرب اور دارالاسلام کا کوئی دخل نہیں ہے۔

نمبر (۲): ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۱) یہ حکم بھی علی سبیل الاطلاق ہے۔

نمبر (۳): عن جابر بن عبداللّٰه رضی اللّٰه عنه أنه سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم يقول عام الفتح وهو بمكة: إن اللّٰه ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام الخ (۱) (متفق علیه) یعنی خمر ومیتہ کی خرید وفروخت اللہ جل شانہ اور نبی کریم ﷺ نے حرام کردی ہے۔ یہ حدیث بھی ٹھیکۂ مذکورہ کو حرام ثابت کرتی ہے اس وجہ سے کہ اس میں خمر کی خرید وفروخت ہے یعنی ربح کی حلت وحرمت سے قطع نظر کر کے خود تجارت ہی شراب کی تجارت ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

نمبر (۴): عن أنس عن أبی طلحة رضی اللّٰه عنهما أنه قال: یا نبی اللّٰه! إنی اشتریت خمرًا لِأَيْتَامٍ فی حِجری قال أهرق الخمر واكسر الدنان (۲) (مشکوۃ) آیات واحادیث صدر سے ثابت ہوا کہ شراب کی تجارت یا ملابست وتعاطی یہ سب ناجائز ہیں۔

---

(۱) مشكاة المصابيح ص : ۲۴۱ كتاب البيوع ـ باب الكسب وطلب الحلال .

(۲) مشكاة المصابيح ص : ۳۱۸ كتاب الحدود ، باب بيان الخمر و وعيد شاربها .

اب فقہاء کے چند مسائل لکھے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ خمر سے کسی قسم کا انتفاع حاصل کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

البحر الرائق میں ہے: لم يجز بيع الميتة والدم ...... والخنزير والخمر أي في حق المسلم للنهي عن بيعهما وقربانهما (۱) یعنی مسلمان کے لئے بیع خمر وخنزیر اس وجہ سے ناجائز ہے کہ مسلمانوں کو ان دونوں کی بیع سے اور نزدیکی ومباشرت وملابست سے روکا گیا ہے؛ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود بیع اور خود نزدیکی خمر کی ناجائز ہے، اس وجہ سے کہ وہ خمر ہے، اور یہ وجہ دار کے بدلنے سے نہیں بدلتی، لہٰذا ہر صورت میں ناجائز ہے، صاحب بحر نے اس مسئلے کے ذیل میں اس حدیث کو نقل کیا ہے: إن الذي حرم شربها حرم بيعها (۲) (۶/ ۱۸۷) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے خمر کے احکام میں سے حرمت شرب خمر ہے اسی طرح حرمت بیع خمر بھی خود احکام خمر میں سے ہے، پس جیسے اس کا پینا ہر حال میں حرام ہے، اور دار کے بدلنے سے وہ حرمت نہیں بدلتی اسی طرح خمر کا دوسرا حکم یعنی حرمت بیع بھی دار کے بدلنے سے نہیں بدلے گا؛ بلکہ وجود خمر کے ساتھ مثل حرمت شرب کے دائر رہے گا۔

فتاویٰ قنیہ میں اس سے بھی اوضح ہے: وأما الخمر فيحرم الانتفاع بها من كل وجه إلا أن تتخذ خلا أومريا وقال أبو حنيفة اكره الامتشاط بِدُرْدِيّ الخمر وكرهوا التبخر بفحم أطفي بالخمر، والنظر إلى الخمر في الزجاج تلذذاً بلونها والانتفاع بالأرواث جائز الخ (۳) (قنية باب الكراهية) یعنی سوائے سرکہ بنانے کے ہر قسم کا انتفاع خمر سے مسلمان کے لیے حرام ہے اور خمر کی دُرْدِی (میل) سے شانہ (کنگھی) کرنا بھی مکروہ ہے، اور اگر کوئلا کو خمر سے بجھایا گیا ہو تو اس سے بخور کی غرض سے دھواں دینا بھی مکروہ ہے، اسی طرح اگر شیشہ میں خوش رنگ شراب ہو تو اس کی رنگت سے طبیعت خوش کرنے کے لیے اس کی طرف دیکھنا بھی مکروہ ہے، یہاں تک ٹھیکہ مذکور کی حرمت اس وجہ سے ثابت ہوئی کہ اس میں خمر کی تجارت خمر کی ملابست، خمر سے حصولِ انتفاع پایا جاتا ہے جو کہ حرمت کی

---

(۱) البحر الرائق ۶/ ۱۱۵-۱۱۶ كتاب البيع - باب البيع الفاسد.

(۲) البحر الرائق ۹/ ۴۰۰ اوائل كتاب الأشربة.

(۳) فتاوى القنية ص: ۱۶۸ كتاب الكراهية والاستحسان - باب في الكراهية في الانتفاع بالأشياء النجسة.

دوسری وجہ ہے جائز نہیں۔ اس کے علاوہ ٹھیکہ مذکورہ ناجائز ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ خمر کی ذات سے معصیت قائم ہو جاتی ہے، اور جس سے معصیت قائم ہو جاتی ہو اس کا فروخت کرنا عصاۃ کے ہاتھ ناجائز ہے کیونکہ اس میں اعانت علی المعصیۃ ہے جس کی نہی اس آیت میں وارد ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۲) چنانچہ تکملہ البحر الرائق میں اس مسئلے وجاز بیع العصیر من خمار کے تحت لکھا ہے: لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره بخلاف بيع السلاح من أهل الفتنة لأن المعصية تقوم بعينه فيكون إعانة لهم وتسبباً وقد نهينا عن التعاون على العدوان والمعصية (۱) (تکملہ بحر ۷/ ۳۲۰)

اعانت علی المعصیت کو یہاں تک فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے کہ اگر مسلمان کا باپ کافر ہے تو بیٹے کو یہ جائز نہیں کہ کافر باپ کو شراب پلائے یا اس کو وہ پیالی اٹھا کے دیدے جس میں وہ شراب پیے گا اس لیے کہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہوگی اور اگر وہ شراب پی چکا ہے تو خالی پیالی اس سے لے سکتا ہے کما فی التکملة: ولايسقى أباه الكافر خمراً ولايناوله القدح ويأخذه منه ولا يذهب به الى البيعة ويرده منها ويوقد تحت قدره اذا لم يكن ميتة الخ (۲) (تکملہ بحر ۷/ ۲۱۰) جب بیٹا باپ کو شراب پینے میں مدد نہیں کر سکتا تو ایک مدعی اسلام کے لیے کس قدر شرم کی بات ہے کہ وہ مشرکین وعصاۃ کے لیے حطام دنیا کے لالچ میں شراب کا ٹھیکہ لے کر ان کا شراب خوری میں مدد ومعاون بن جائے، اس کے علاوہ اور بھی فقہ میں متعدد جزئیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شراب کی خرید وفروخت مسلمان کے لیے کسی حالت میں جائز نہیں ہو سکتی، جن کو طوالت کے خوف سے ترک کیا گیا۔

امر دوم کے متعلق سب سے پہلے یہ ہے کہ ''جزیرہ مورس'' جیسے بلاد کا دارالحرب ہونا یا نہ ہونا مختلف فیہ ہے، اور اگر بالفرض جزیرہ مذکورہ میں وہ تمام امور پائے جائیں جو دارالحرب ہونے کے لیے شرط ہیں تو بھی صورت مسئولہ کے بعض اجزاء ایسے ہیں جن کے ہوتے ہوئے باوجود ''مورس'' کے دارالحرب ہونے کے بھی ٹھیکہ مذکور ناجائز قرار پاتا ہے، مثلاً ٹھیکہ مذکور میں دو باتیں لازمی ہیں:

ایک یہ کہ ٹھیکہ دار خمر کو سرکار سے خرید ے، دوم مسلم وغیر مسلم دونوں سے فروخت کرے؛ یہ ایسے

---

(۱) البحر الرائق ۹/ ۳۷۰-۳۷۱ کتاب الکراهية - فصلٌ في البيع .

(۲) البحر الرائق ۹/ ۳۳۹ کتاب الکراهية - فصلٌ في الأكل والشرب .

احکام ہیں جو کہ دارالحرب میں کسی طرح جائز نہیں؛ اس لیے کہ مسلمان کے لیے خمر کا تملک (مالک بننا) خواہ خود خرید کر کے مالک بن جائے یا بذریعہ وکیل (مثل ایجنٹ یا مختار کے) خرید کرا کے مالک بن جائے دونوں صورتیں شرعاً ناجائز ہیں کما فی الدر المختار: أوأمر المسلم ببيع خمر الخ (۱) اور اس مسئلہ کے تحت میں صاحب شامی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ وکالت بھی مکروہ تحریمی ہے(۱)(بحر وشامی باب البيع الفاسد) اسی طرح ٹھیکہ دار کا قانوناً اس بات پر مجبور ہونا کہ مسلم وغیر مسلم دونوں سے شراب کو بلا انکار فروخت کرے، اسی امر کو مستلزم ہے کہ ٹھیکہ دار مذکور مسلمانوں کے ساتھ بھی بیوع باطلہ اور عقود ربویہ کر کے ناجائز طریقہ سے ان کے اموال کو حاصل کرے، اور یہ بھی کسی صورت میں جائز نہیں۔ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الآية﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۸) دارالحرب میں جواز عقود فاسدہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ دینے والا کافر حربی یا دارالحرب کا نومسلم غیر مہاجر ہو۔ اور اگر مسلم اصلی یا مسلم حربی مہاجر ہو جو بعد الہجرۃ دارالحرب میں واپس چلا گیا ہے تو ان سے لینا قطعاً حرام ہے۔ چنانچہ صاحب شامی ولا (ربا) بين حربي ومسلم مستأمن کے تحت صراحۃً فرماتے ہیں: أُحْتُرِزَ بالحربي عن المسلم الأصلي والذمي وكذا عن المسلم الحربي إذا هاجر إلينا ثم عاد إليهم فإنه ليس للمسلم أن يُرَابِيَ معه اتفاقًا (۲) یہ بھی واضح رہے کہ دارالحرب میں میتہ وغیرہ کی قیمت کی جو اجازت فقہاء نے دیدی ہے اس میں یہ تصریح کہیں نہیں ہے کہ اخذ ونقل وملابست انجاس بھی جائز ہے بلکہ منظومہ ابن وہبان کے شعر:

وماماتَ لا تطعمه كلبًا فإنه ☆ خبيث حرامٌ نفعه متعذر

سے معلوم ہوتا ہے کہ ملابست وتعاطی وانتفاع بالانجاس سب کچھ ممنوع ہے(۳) (شامی ۴/ ۲۹۰) پس

---

(۱) أو أمر المسلم ببيع خمرٍ أو خنزير أو شرائهما أی وكل المسلم ذميا أو أمر المحرم غيره أی غير المحرم ببيع صيده يعنی صحّ ذلك عندالإمام مع أشد كراهةٍ ..... لأن العاقد يتصرف بأهليته وانتقال الملك إلى الآمر أمر حكمی وقالا: لا يصح وهو الأظهر.

وفی الشامی: قوله يعنی صحّ ذلك أی التوكيل وبيع الوكيل وشراءه "بحر" قوله مع أشد كراهة أی مع كراهة التحريم الخ (الدر المختار والشامی ۷/ ۲۰۵ كتاب البيوع - مطلبٌ فی بيع الشرب)

(۲) الشامی ۷/ ۳۲۱ كتاب البيوع - قبل باب الحقوق فی البيع.

(۳) الدر المختار مع الشامی ۱۰/ ۶۳ آخر كتاب الصيد.

معلوم ہوا کہ ٹھیکہ مذکورہ میں تملک خمر اور اہل اسلام کے ساتھ عقود فاسدہ اور معاملات ربویہ کے ارتکاب مناہی و معاصی ضروری ہیں جو کہ بلاشبہ ناجائز ہے اور حدیث ذیل میں داخل ہے۔عن جابر رضی اللّٰہ عنـه قـال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء رواہ مسلم (۱)

الحاصل مسلمان ٹھیکہ دار کے لیے اس طریقہ سے شراب خریدنا اور فروخت کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ موجب لعنت و معصیت ہے اس کو احکام شرعی پر آگاہ کرنا چاہیے تاکہ وہ خود بخود اس کسب خبیث کو چھوڑ دے، اگر خدا نہ کردہ اس نے احکام شرعیہ کی پرواہ نہ کی، اور اس کسب خبیث کو ترک نہ کیا تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کے ساتھ مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں تاکہ وہ اس ناجائز پیشہ سے توبہ کرنے پر مجبور ہو جائے۔فقط

افیون کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱۷۹) افیون کا ٹھیکہ لینا اور فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۸۵۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: افیون کی بیع وشراء مسلمان کو ناجائز ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الآیۃ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۲)

سوال: (۱۸۰) افیون کی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وصح بیع غیر الخمر مماّمر، ومفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون الخ وفی الشامی: قولہ: وصح بیع غیر الخمر أی عندہ خلافًا لھما الخ ثم إن البیع وإن صح لکنہ یکرہ الخ (۲) پس معلوم ہوا کہ افیون کی تجارت امام صاحب کے نزدیک جائز مع الکراہتہ ہے، اور صاحبین حرام وممنوع فرماتے ہیں وھو الاحتیاط۔فقط

افیون اور گانجا کی تجارت اور اس کی آمدنی کا حکم

سوال: (۱۸۱)......(الف) کیا افیون و گانجہ کی تجارت درست ہے یا نہیں؟ اور اس روپیہ پر

(۱) مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع ـ باب الربا۔
(۲) الدر المختار والشامی ۱۰/۳۴ کتاب الأشربۃ۔

زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

(ب) اس کی آمدنی حلال ہے یا حرام؟

(ج) جواراضی وجائداد اس آمدنی سے خریدی گئی وہ حلال ہے یا حرام؟ (۴۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف تاج) درمختار میں ہے: وصح بيع غير الخمر مما مر ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون الخ وفي ردالمحتار: قوله: وصح الخ أي عنده خلافًا لهما الخ لكن الفتوى على قوله في البيع الخ ثم إن البيع وإن صح لكنه يكره (۱) (ردالمحتار. كتاب الأشربة ج۵) اس سے معلوم ہوا کہ افیون وگانجہ کی بیع اگرچہ مکروہ ہے، لیکن اس کی قیمت ملک تاجر میں داخل ہوجاتی ہے، اور جواراضی وجائداد اس سے خریدی گئی ان کی آمدنی حلال ہے، اور زکوۃ اس روپیہ میں واجب ہے۔ فقط

تاڑی کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱۸۲) تاڑی کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷/۳۹-۱۳۴۰ھ)

الجواب: جب تک تاڑی میں نشہ نہ آئے اس وقت تک وہ شراب کے حکم میں نہیں ہے، بیع وشراء اس کی درست ہے اور وہ حلال ہے، اور جس وقت اس میں نشہ آجائے اس وقت وہ بحکم شراب ہے، اور حرام ہے اور بیع وشراء اس کی ناجائز ہے۔ (۲) فقط

تمباکو اور بیڑی سگریٹ کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱۸۳) تمباکو، سگریٹ، بیڑی فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ (۱۹۷۶/۳۳-۱۳۴۴ھ)

الجواب: درست ہے لیکن مکروہ ہے۔ (۳)

(۱) الدرمع الرد ۳۴/۱۰ كتاب الأشربة.

(۲) قال في الدرالمختار: التحقيق ما في العناية أن البنج مباح لأنه حشيش، أما السُّكر منه فحرام (الدرمع الرد ۶/۵۳-۵۴ كتاب الحدود – مطلب في البنج والأفيون والحشيشة)

(۳) قال العلامة محمد أمين الشامي رحمه الله: إن جواز البيع يدورمع حل الانتفاع (ردالمحتار ۷/۴۲، كتاب البيوع – قبيل مطلب في بيع المغيب في الأرض)

سوال: (۱۸۴) تمبا کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: تمبا کو کی بیع وشراء حرام نہیں ہے، کیونکہ خود تمبا کو کا استعمال کرنا بھی حرام نہیں ہے، مگر اچھا نہیں ہے، پس تجارت تمبا کو بھی مکروہ ہے، اور آمدنی جو اس ذریعہ سے ہو وہ حرام نہیں ہے۔ فقط

مردار کے چمڑے کو دباغت کے بعد فروخت کرنا

سوال: (۱۸۵) اگر کسی مسلمان کا مویشی مردار ہوجائے تو اس کی کھال کو دباغت دلاکر فروخت کرنا، اور اس کی قیمت اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ دباغت کا کیا مطلب ہے؟ (۲۸۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: مردار کے چمڑے کو دباغت دے کر فروخت کرنا، اور اس کی قیمت کو تصرف میں لانا درست ہے، اور ذبیحہ کا چمڑا بلا دباغت بھی فروخت کرنا درست ہے۔ (۱) اور دباغت چمڑے کو خشک کرنا یا رنگنا ہے جیسا کہ معروف ہے۔ (۲) فقط

دباغت سے پہلے مردار کا چمڑا بیچنا ناجائز کیوں ہے؟

سوال: (۱۸۶) مردار جانور کے گیلے چمڑے کی بیع ناجائز اور باطل کیوں قرار دی گئی؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ (۱۰۳۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: کیونکہ قبل دباغت وہ میتہ کا جزو ہے، اور اسی کے حکم میں داخل ہے۔ اور میتہ کی حرمت اور نجاست منصوص ہے، اور بیع میں مبیع کا مال ہونا ضروری ہے، اور شریعت میں گیلا چمڑہ مردار کا قبل دباغت مال نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) وجلد میتة قبل الدبغ ...... فباطل ...... وبعده أی الدبغ یباع (الدرمع الرد ۷/۱۹۵ کتاب البیوع ۔ مطلب فی التداوی بلبن البنت للرمد قولان)

(۲) الدباغ ما یمنع النتن والفساد ، والذی یمنع علی نوعین : حقیقی کالقَرَظ والشَّبّ والعَفَص ونحوہ. وحکمی کالتتریب والتشمیس والإلقاء فی الریح (الشامی ۱/۳۱۶ کتاب الطهارة ــ مطلب فی أحکام الدّباغة)

(۳) بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة الخ (تنویر الأبصار مع الشامی ۷/۱۰۷ کتاب البیوع ۔ مطلب فی تعریف المال) وفی الشامی: لکن إذا کان جُلد حیوان میت مأکول اللحم لا یجوز أکله، وهو الصحیح لقوله تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ وهذا جزء منها (الشامی ۱/۳۱۷ کتاب الطهارة ــ مطلبٌ فی أحکام الدباغة)

مردار کے چمڑے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۱۸۷) مردار کے چمڑے کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ (۳۴۱۹/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: مردار جانور غیر مذبوح کا کچا چمڑا خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ یعنی اس کی بیع باطل ہے، اور حکم بیع باطل کا یہ ہے کہ مشتری بعد قبضہ کرنے کے بھی مالک مبیع کا شرعاً نہیں ہوتا (۱) درمختار میں ہے: وجلد ميتة قبل الدبغ ...... فباطل (۲) فقط

خشک ہو جانے کے بعد مردار کا چمڑا خریدنا جائز ہے

سوال: (۱۸۸) ...... (الف) مردار کا گیلا چمڑہ خرید کرلانا درست ہے یا نہیں؟ (۸۹۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

(ب) مردہ گائے کا خشک چمڑا جس سے ...یاں ورنہ ہوئی ہوں جنگل سے اٹھالانا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۹۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) درست نہیں ہے۔ (۳)

(ب) خشک ہو جانے کے بعد مردار کا چمڑا خریدنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نمک لگانے کے بعد مردار کے چمڑے کو فروخت کرنا درست ہے

سوال: (۱۸۹) حلال جانور اگر مر جائے اس کا چمڑا بغیر دباغت کے فروخت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بیع جائز ہے یا نہیں؟ کیا خالی نمک لگانے سے چمڑا دباغت کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: بدون دباغت کے مردار کا چمڑا خرید وفروخت کرنا حرام ہے اور خشک کرنے سے اور نمک لگانے سے بھی دباغت ہو جاتی ہے، اور خرید وفروخت اس کی جائز ہو جاتی ہے۔ فقط

سوال: (۱۹۰) تر چمڑا نمک دیا ہوا ہو، اس کی بیع وشراء شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲۷۴۶/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) البيع الباطل حكمه عدم ملك المشتري إيّاه إذا قبضه (الدرمع الرد ۷/۱۸۰ كتاب البيوع مطلب: الآدمي مكرم شرعًا و لو كافرًا)

(۲) تنوير الأبصار مع الشامي ۷/ ۱۹۵ كتاب البيوع — مطلبٌ في التداوي بلبن البنت للرمد قولان.

(۳) حوالۂ سابقہ۔

الجواب: نمک سے بھی دباغت کرنا جائز ہے، پس بیع وشراء اس چمڑہ ترکی جائز ہے شامی میں ہے: الدباغ ما یمنع النتن والفساد الخ (۱)

سوال: (۱۹۱) مردار کی کھال میں خوب نمک چھوڑتے ہیں جس سے کئی ماہ تک وہ کھال بگڑتی نہیں ہے؛ شرعاً اس کی بیع وشراء روا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۰۱ھ)

الجواب: یہ بھی دباغت ہے، لہٰذا بیع وشراء اس کی درست ہے۔ فقط

مردار کی کھالیں بلا دباغت خریدنا اور دباغت کر کے فروخت کرنا

سوال: (۱۹۲) ایک شخص مسلمان مردار کھالیں تازہ بلا دباغت خرید کر، دباغت کر کے فروخت کر دیتا ہے؛ یہ آمدنی کیسی ہے؟ اور یہ شخص کس گناہ کا مرتکب ہے اور اس کے لیے کیا جرمانہ ہے؟ (۱۳۳۷/۱۳۱۷ھ)

الجواب: جلد میتہ کی بیع وشراء قبل دباغت کے باطل اور حرام ہے، اور بعد دباغت کے صحیح ہے، اور خشک ہو جانا جلد کا بھی دباغت ہے، لیکن جلد میتہ کو خشک ہونے سے پہلے اور دباغت سے پہلے خریدنا ناجائز ہے، اور وہ آمدنی جو اس کے ذریعہ سے حاصل ہو حرام ہے، درمختار میں ہے: وبطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتة (۲) وجلد میتة قبل الدبغ وبعده یباع (۳) وفی الحدیث: لا تنتفعوا من المیتة بإهاب ولا عصب (۴) (رواه الترمذی) والمراد من الإهاب الجلد الغیر المدبوغ (۵) پس مرتکب اس فعل کا فاسق اور عاصی ہے، اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ اس فعل سے توبہ کرے اور آئندہ بدون دباغت جلد میتہ کی بیع وشراء نہ کرے اور کچھ جرمانہ مالی اس پر نہیں ہے۔ فقط

(۱) الشامی ۱/۳۱۶ کتاب الطهارة – مطلبٌ فی أحکام الدباغة.
(۲) تنویر الأبصار مع الشامی ۷/۱۷۰-۱۷۱ کتاب البیوع. مطلبٌ فی أنواع البیع.
(۳) الدر المختار مع الشامی ۷/۱۹۵ کتاب البیوع. مطلبٌ فی التداوی بلبن البنت للرمد قولان.
(۴) عن عبدالله بن عُکَیم قال: أتانا کتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم أن لاتنتفعوا من المیتة بإهاب ولا عَصَب رواه الترمذی (مشکاۃ ص:۵۳ کتاب الطهارة، باب تطهیر النجاسات)
(۵) الإهاب اسم للجلد قبل أن یدبغ من مأکول أو غیره، جمعه أُهُب ککِتاب وکُتُب (الشامی ۱/۳۱۶ کتاب الطهارة – مطلب فی أحکام الدباغة)

خنزیر اور آدمی کی کھال کے علاوہ تمام کھالیں دباغت سے پاک ہوجاتی ہیں

سوال:(۱۹۳) مردار جانوروں کی کھال کی خرید وفروخت اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۰۵/۱۳۴۴ھ)

الجواب: دباغت کے بعد خنزیر وآدمی کی کھال کے سوا تمام کھالیں پاک ہوجاتی ہیں اس کے بعد ان کی خرید وفروخت اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے۔(۱) فقط

مردار کا چمڑا خریدنا اور اس سے نفع اٹھانا کب درست ہے؟

سوال:(۱۹۴)......(الف) اگر کسی شخص کا پلا ہوا جانور مثلاً بکری وغیرہ مرجائے تو کھال نکلوا کر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر فروخت نہیں کرسکتا تو کس مصرف میں لاسکتا ہے؟ (۱۵۶۶/۱۳۳۷ھ)

(ب) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مردار جانور کو چمار، بھنگی وغیرہ لے جاکر اور کھال نکال کر فروخت کرتے ہیں، اور قصاب وغیرہ خرید لیتے ہیں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۵۶۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) کھال نکلوا کر دباغت کرکے اس سے نفع اٹھاسکتا ہے؛ یعنی خواہ خود کام میں لائے یا اس کو فروخت کردے قبل دباغت جلد میتہ سے نفع اٹھانا حرام ہے۔

(ب) اس کا حکم وہی ہے جو (الف) میں گذرا کہ اگر بعد دباغت کے وہ لوگ اس کو فروخت کریں تو خریدنا اس کا درست ہے، اور انتفاع اس سے جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ فقط

سوال:(۱۹۵) گائے بیل بکری وغیرہ جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے مرجائے اس کو بیچنا درست ہے یا نہ؟ اگر مردار کی کھال اتروا کر فروخت کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۲۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مردار کی اور اس کے چمڑے کی بیع بلا دباغت کے درست نہیں ہے۔ فقط

سوال:(۱۹۶) مردار جانوروں کے چرم خرید کر اس سے نفع اٹھانا درست ہے یا نہیں؟ (۳۷۶/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) وبعده أی الدبغ يباع إلا جلد إنسان وخنزير وحية وينتفع به بطهارته حينئذ (الدرمع الرد ۷/۱۹۵ كتاب البيوع – مطلب فی التداوی بلبن البنت الخ)

الجواب: مردار کے چمڑے کی خرید وفروخت بدون دباغت کے جائز نہیں ہے(۱)(درمختار)بعد دباغت کے بیع وشراء درست ہے کما فی الحدیث: هلا استمتعتم بإهابها؟الحدیث (۲)

مردار جانور اور اس کے چمڑے کو فروخت کرنا

سوال: (۱۹۷) اگر گائے بھینس گھر میں مر جائیں تو اس مردار جانور کا چمڑا یا خود مردار جانور کو فروخت کرنا کیسا ہے؟(۱۳۳۵/۲ھ)

الجواب: مردار جانور یا اس کے چمڑے کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، حرام اور باطل ہے، البتہ اگر اس کے چمڑے کو علیحدہ کر کے دباغت دے کر استعمال کرے یا فروخت کر دے تو درست ہے(۳) فقط

سینگی لگانے کی اجرت اور کچے چمڑے کی تجارت کا حکم

سوال: (۱۹۸) سینگیوں کی اجرت اور کچے چمڑے کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ تفسیر عزیزی میں حرام لکھا ہے؟(۱۳۳۴-۳۳/۶۴۲ھ)

الجواب: سینگیوں کی اجرت حلال(۴) اور مردار کے کچے چمڑے غیر مذبوح کی تجارت بے شک حرام ہے۔

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) عن بن عباس رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّبشاة میتةٍ ، فقال : هلاّ استمتعتم بإهابها ؟ قالوا : إنها میتة . قال : إنما حرم أکلها (صحیح البخاری ۲۹۶/۱ کتاب البیوع۔ باب جلود المیتة قبل أن تُدبغ)

(۳) بطل بیع مالیس بمال کالدم والمیتة(الدرمع الرد ۱۷۰/۷ کتاب البیوع۔ مطلب فی تعریف المال) وفیه أیضاً: لقوله تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ﴾ وهذا جزؤها(الدرمع الشامی ۱۹۵/۷ کتاب البیوع ۔ مطلبٌ فی التداوی بلبن البنت الخ)

(۴)عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال: حجم أبو طیبة رضی الله عنه رسولَ الله صلی الله علیه وسلّم فأمر له بصاعٍ من تمرٍ ، و أمر أهله أن یخففوا من خراجه (صحیح البخاري ۲۸۳/۱ کتاب البیوع باب ذکر الحجام) وعن حمید قال: سمعت أنسًا رضی الله عنه یقول: دعا النبي صلی اللّٰه علیه وسلم غلامًا لنا حجامًا ، فحجمه ، فأمر له بصاعٍ أو مُدّ أو مُدّین ، و کلّم فیه ، فخُفّفَ عن ضَریبَتِه (الصحیح لمسلم ۲۲/۲ کتاب المساقاة والمزارعة – باب حل أجرة الحجامة)

کھال علاحدہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا

سوال: (۱۹۹) جب کوئی حیوان ذبح کرلیا، اور پھر کوئی سوداگر آگیا کہ مجھے کھال مول دیدو، پھر کھال اتار لینا یہ بیع درست ہے کہ نہیں؟ اور گوشت میں نقصان تو نہیں آیا؟ (۱۰۷۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: کھال کے علیحدہ کرنے سے پہلے بیع اس کی درست نہیں ہے۔

مردار کی کھال اور ہڈی کو فروخت کرنا کب جائز ہے؟

سوال: (۲۰۰) مردار کی تازی کھال خریدنا اور تازی ہڈی مردار کی خریدنا جائز ہے یا نہ؟ (۱۹۲۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: مردار کی کھال بغیر دباغت کے خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے اور خشک ہو جانا چمڑے کا بھی دباغت کے حکم میں ہے (۱) پس اگر خشک کرکے فروخت کریں تو درست ہے، اور ہڈی مردار کی جس پر چکناہٹ اور تری ہو اس کی خرید وفروخت درست نہیں ہے۔ فقط

جھٹکے کے چمڑے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۲۰۱) جھٹکے کے چمڑے کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۸۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے وہ میتہ ہے، اور میتہ کی کھال بلا دباغت کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور تجارت اس کی حرام ہے كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۱۴۵)

سوال: (۲۰۲) جھٹکے کے بکرے کا چمڑا خرید وفروخت کرنا مسلمان کو جائز ہے یا نہ؟ اور جو ایسا کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ (۳۲۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جھٹکے کے بکرے کا چمڑا مردار ہے بدون دباغت کے اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، اور جو جھٹکے کرتا ہے اور کھاتا ہے اس کے گھر کا کھانا نہ کھانا چاہیے۔ فقط

---

(۱) الدباغ ما يمنع النتن والفساد. والذي يمنع على نوعين: حقيقي كالقَرَظِ وَالشَّبِّ وَالْعَفصِ ونحوه وحكمي كالتتريب والتشميس والإلقاء في الريح الخ (الشامي ۱/۳۱۶ كتاب الطهارة - مطلبٌ في أحكام الدباغة)

جانور ذبح کرنے سے پہلے چمڑا فروخت کرنا

سوال: (۲۰۳) جو قربانی ۱۱/ ذی الحجہ کو ہونے والی تھی ان کی کھال ۱۰/ ذی الحجہ کی شام کو فروخت کر کے قیمت وصول کرلی؛ یہ بیع درست ہوئی یا نہیں؟ اور ۱۱/ ذی الحجہ کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ سنا ہے کہ زندہ جانور کی کھال کی بیع حرام ہے، دوبارہ بیع کرنی چاہیے؛ لیکن چرم دہلی جاچکے، اب کیسے تجدید بیع دوبارہ ہوسکتی ہے، اب کیا کرنا چاہیے؟ اور اس قیمت کا کیا حکم ہے؟ (۲۷۵۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ صحیح ہے کہ زندہ جانور کے چمڑے کی بیع حرام اور فاسد ہے ایسی بیع کا حکم یہ ہے کہ اس کو توڑ کر پھر بعد علیحدہ ہوجانے چمڑے کے، اور قبضہ کر لینے مشتری کے، دوبارہ بیع ہونی چاہیے، لیکن جب کہ یہ دشوار ہے اور تجدید بیع نہیں ہوسکتی تو سوائے توبہ واستغفار کے اور کچھ اس کا کفارہ نہیں ہے؛ پس اس قیمت کو صدقہ کردیا جائے جو کہ چرم قربانی کی وصول ہوئی، اور قربانی صحیح ہوگئی۔ فقط

سوال: (۲۰۴) ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ ایک شخص کسی تاجر چمڑا سے روپیہ پیشگی لے کر دیہات سے بکری خرید کرلاتا ہے یا اپنے ذاتی روپے سے خرید کرتا ہے، دونوں حالت میں زندہ بکری کا چمڑا تاجر چمڑا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، اور شرط یہ ہوتی ہے کہ جب ذبح ہوگی اس وقت چمڑا ملے گا، اب وہ مالک بکری گوشت فروخت کرنے والوں کے ہاتھ زندہ بکری علاوہ چمڑے کے فروخت کر دیتا ہے، اور یہ شرط ہوتی ہے کہ بعد ذبح چمڑا اس کو واپس کردیں، گوشت والے اسی وقت ذبح کر کے گوشت وغیرہ لے کر بازار میں برائے فروخت لے جاتے ہیں، اور چمڑا مالک بکری کو واپس کر دیتے ہیں آیا اس قسم کی بکری کا گوشت بازار سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح سے خریدنا چمڑا کا جائز ہے یا نہ؟ (۱۲۹۱/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس طرح فروخت کرنا چمڑے کا اور فروخت کرنا بکری کا شرط مذکور کے ساتھ فاسد ہے، یہ بیع فاسد ہوتی ہے، اور اس طرح بیع کرنے والا عاصی ہے، اور ایسی بیع واجب الرد اور واجب الفسخ ہے، لیکن گوشت اس کا کھانا خریدنے والوں کے لیے حلال ہے۔

زندہ بکری کی کھال یا گوشت فروخت کرنے کا حکم

سوال: (۲۰۵) آج کل قصابوں نے کھالوں کے گرانی کی وجہ سے ایک نئی قسم کی بیع جاری کر

رکھی ہے کہ قصاب زندہ بکری کی کھال یا گوشت فروخت کر دیتے ہیں اس بیع کا کیا حکم ہے؟(۲۴۰۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ بیع گوشت اور کھال کی ناجائز اور فاسد ہے، اگر چہ بیع فاسد میں بعد قبضہ کے مشتری کی ملک ہوجاتی ہے، مگر اس میں خباثت رہتی ہے اس لیے ایسی بیع کو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے۔

شکار کیے ہوئے جانور کی کھال فروخت کرنا جائز ہے

سوال:(۲۰۶) شکار کیے ہوئے جانور کی کھال فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟(۱۰۵۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جائز ہے۔ فقط

غیر موجود جانور کی کھال خریدنا

سوال:(۲۰۷) ایک شخص نے کسی قصاب سے یہ شرط ٹھہرائی کہ دو دانت یا چار دانت جو بکری تم ذبح کروگے اس کی کھال دو روپیہ دس آنہ میں میرے ذمے ہے حالاں کہ اس قصاب کے پاس بکرا وغیرہ بھی موجود نہیں ہے اس صورت میں بیع ہوگی کہ نہیں؟(۹۵ د ۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ بیع ناجائز اور باطل ہے، البتہ اگر معاملہ بیع اس وقت نہ کیا جائے صرف وعدہ کیا جائے، اور بعد لانے کے بیع کی جائے تو درست ہے۔ فقط

مردار کے چمڑے کی خرید وفروخت کرنا اور اس سے جو نفع ہو اس کو مسجد وعیدگاہ میں صرف کرنا

سوال:(۲۰۸) مردار کے چمڑے کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس تجارت سے جو نفع ہو اس کو مسجد، عیدگاہ میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟(۱۵۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مردار کے چمڑے کی خرید وفروخت بدون دباغت کے جائز نہیں باطل ہے، پس ایسے روپے کو مسجد اور عیدگاہ میں لگانا درست نہیں ہے، حدیث میں وارد ہے: إن اللّٰه طيب لايقبل إلا الطيب الحديث(۱) فقط

---

(۱) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه طيبٌ لايقبل إلا طيبًا الخ (مشكوة المصابيح، ص:۲۴۱ كتاب البيوع - باب الكسب وطلب الحلال)

بائع عیب چھپاتا ہے اور گاہک اس عیب کو جانتا ہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۹) یہاں پر چمڑے پکائے جاتے ہیں جب پک جاتے ہیں تو ان کو سکھاتے ہیں، اور کسی قدر نمی باقی رکھتے ہیں تاکہ وزن زیادہ ہو، جب کوئی گاہک آتا ہے اس سے ظاہر کیا جاتا ہے یہ سوکھے ہوئے ہیں، گاہک بدرجہ مجبوری خرید لیتے ہیں، عیب کا چھپانا اور ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور گاہک کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چمڑے گیلے ہیں۔ (۸۲۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بائع کو عیب کا چھپانا حرام ہے۔ قال في البحر: إن خيار العيب يسقط بالعلم به وقت البيع الخ (۱) وقال صاحب الدر المختار: لايحل كتمان العيب في مبيع أوثمن لأن الغش حرام انتهى (۲) اس صورت میں خیارِ عیب باقی نہیں رہتا۔ قال الشامي: فإذا رضيه المشتري لاخيار له لأنه قَبِلَه بكل عيب الخ (۳) اور رضائے عیب کے لیے زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ علم کافی ہے کما قال الشامي: إن الرضا بالعيب لا يلزم أن يكون بالقول الخ (۴)

عیب ظاہر کیے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں

سوال: (۲۱۰) ایک شخص نے ایک جانور خریدا بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں مرض ہے؛ یعنی مرض رتوندا ہے رات کو نظر نہیں آتا دن کو بخوبی اس کو نظر آتا ہے؛ تو اب وہ شخص بلا اس عیب کے ظاہر کیے ہوئے اس کو فروخت کرسکتا ہے یا نہ؟ (۱۳۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: لايحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن (۵) یعنی عیب کا چھپانا مبیع یا ثمن میں حلال اور جائز نہیں ہے، پس ظاہر کردینا اس عیب مذکور کا خریدار پر ضروری ہے۔ فقط

---

(۱) البحر الرائق ۱۱۱/۶ كتاب البيع – في آخر باب خيار العيب.
(۲) الدر مع الرد ۱۶۷/۷ كتاب البيوع – مطلب في جملة ما يسقط به الخيار.
(۳) ردالمحتار ۱۶۱/۷ كتاب البيوع – مطلب: باعه على أنه كَوْمُ تراب الخ.
(۴) الشامي ۱۵۱/۷ كتاب البيوع – مطلبٌ في تخيير المشتري إذا استحق بعض المبيع.
(۵) الدرالمختار مع الشامي ۱۶۷/۷ كتاب البيوع – مطلبٌ في جملة ما يسقط به الخيارُ.

ہر قسم کے عیب سے بری ہونے کی شرط لگانا

سوال: (۲۱۱) علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ زید نے تین کشتی کوئلہ کی جس میں تخمیناً ۲۵۷ من کوئلہ بھرا ہے، اسے عمر کے ہاتھ بیچ ڈالا اور قبل بیچنے کے بائع نے یوں کہہ دیا کہ اس میں جو کچھ عیب ہو میں اس کا ذمے دار نہیں ہوں، سانپ بچھو مٹی وغیرہ بھلا برا مال جو کچھ ہے موجود ہے، دیکھ کر عمر نے خرید لیا، اور سوا سو من کوئلہ اپنے گھر بھیج دیا، اور عذر پیش کیا کہ مال گیلا ہے میں نہیں لوں گا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ (۱۹۱۱/۳۲-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وصح البیع بشرط البراءة من کل عیب وإن لم یسم الخ (۱) پس معلوم ہوا کہ اس صورت میں عذر مشتری کا مسموع نہیں ہے بیع لازم ہوگئی، اور قیمت اس کی مشتری کے ذمے لازم ہے، باقی اگر بائع رضامند ہے اس کو واپس کر لے تو اس کو اختیار ہے۔

دیکھے بغیر یا نمونہ دیکھ کر مال خریدنے کا حکم

سوال: (۲۱۲)...... (الف) بائع مشتری کو ایک دری نمونے کی دکھلاتا ہے، اور خریدار نرخ ٹھہرا کر جس قدر دریوں کی ضرورت ہوتی ہے آرڈر دیتا ہے، اور نقد سوت وغیرہ جو کچھ ٹھہرا ہے پیشگی دیتا رہتا ہے، آخر میں حساب صاف ہوتا ہے، معاہدے کے بعد بازار کا نرخ کم وبیش ہوجائے تب بھی معاہدہ کرنے والوں کو اس کی پابندی کرنی پڑتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

(ب) بعض خریدار بلا دیکھے اور بلا نرخ ٹھہرائے نقد یا ادھار بذریعہ ویلو پارسل منگواتے ہیں اس طور پر خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۲۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) اس طریق سے خرید وفروخت کرنا درست ہے اور معاہدے کی پابندی کرنی چاہیے۔

(ب) بلا دیکھے مال خریدنا درست ہے، لیکن اس میں دیکھنے کے بعد اختیار واپسی کا مشتری کو شرعاً رہتا ہے، اور نرخ معین ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/۱۶۱ کتاب البیوع – مطلب: فی البیع بشرط البراءة من کل عیب.

عیب دار چیز بیچ دینے کے بعد خریدار نہ نقصان وصول کرسکتا ہے نہ واپس کرسکتا ہے

سوال: (۲۱۳) زید نے ایک چیز بکر سے منگائی، بکر نے اس کی مرضی کے موافق روانہ نہیں کی، زید نے بکر سے واپسی کے واسطے کہا، بکر نے اس کو واپس نہیں لی، زید چوں کہ روپیہ روانہ کر چکا تھا زید نے اس کو نقصان اٹھا کر فروخت کردی کم قیمت پر، اور بکر سے نقصان کا مطالبہ کیا، بکر اب ایک عرصے کے بعد اپنا مال لینے کو رضامند ہے، اب زید اگر اپنا مال فروخت شدہ واپس لے کر یا اسی قسم کا مال خرید کر کے بکر کو واپس کردے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یا زید اپنا نقصان وصول کرے؟ (۱۳۳۷/۱۶۵ھ)

الجواب: زید نے جب کہ اس چیز کو فروخت کردی تو اب وہ بکر سے نہ نقصان کو واپس لے سکتا ہے، اور نہ اس چیز کو واپس کرسکتا ہے کیونکہ اس چیز میں دوسرے مشتری کا حق متعلق ہوگیا، اور درمختار میں ہے کہ عیب معلوم کرنے کے بعد فروخت کرنا مطلقاً واپسی کو مانع ہے فلو بعده فلا رد مطلقًا (۱) وفی ردالمحتار: ثم اعلم أن البیع ونحوه مانع من الرجوع بالنقصان الخ (۲) البتہ اگر بکر خوشی سے اس کو کچھ واپس کردے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط

رواج کی وجہ سے سن میں پانی ملا کر فروخت کرنا

سوال: (۲۱۴) ایک شخص ایک آڑھتی کے پاس سن بیچنے کو لے گیا، من بعد (اس کے بعد) یہ رواج ہوگیا کہ سن میں لوگ پانی آمیزش کر کے بیچنے لگے، چنانچہ موافق اس رواج کے اس آڑھتی نے بھی یہ کہا کہ تم بھی پانی ملا کر لاؤ ورنہ تمہارا سن نہیں خریدا جائے گا؛ پس آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۰-۲۹/۴۵۷ھ)

الجواب: اب جب کہ رواج ہوگیا کہ بدون پانی ملانے کے سن نہیں خریدا جاتا تو پانی ملانا اور اس حالت میں فروخت کرنا جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ غرض یہ ہے کہ خریدار کو دھوکہ نہ دیا جائے اسے صاف کہا جائے کہ اس میں پانی ملا ہوا ہے اور اس کا یہ نرخ ہے یا خود خریدار کو بسبب عرف سے یہ معلوم ہو کہ

---

(۱) الدر المختار مع الرد ۱۴۵/۷ کتاب البیوع – مطلب: لا یرجع البائع علی بائعه بنقصان العیب.
(۲) الشامی ۱۳۷/۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فی أنواع زیادة البیع.

ین پانی ملا ہوا ہے تو پھر اس کو اطلاع کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔

عیب کے بقدر قیمت کم کر کے باقی وصول کرنا

سوال: (۲۱۵) میں نے ایک شخص کے ہاتھ ہزار جلدیں ایک کتاب کی فروخت کیں، اور دوسرے شخص کے ہاتھ آٹھ سو جلدیں ــــ شخص اول نے پہنچنے کے بعد مجھے یہ لکھا کہ دفتری سے جانچ کرانے کے بعد معلوم ہوا کہ ۵۲۰ کتابیں مکمل ہیں باقی نامکمل؛ شخص دوم نے لکھا کہ کل نامکمل ہیں، ان میں اوراق کم ہیں یہ کتابیں میں نے ایک تیسرے شخص سے لی تھیں اس شخص کو اطلاع کی، اس نے کہا کہ میں نے دفتری سے مکمل جانچ کرا کے بھیجی ہیں، مگر میں نے شخص اول اور دوم کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ اقرار کرلیا کہ میں ان کتابوں کو مکمل کردوں گا۔ چنانچہ میں نے ان اوراق کی کاپیاں لکھوا کر شخص دوم کو دے کر یہ کہا کہ میرے یہاں یہ طبع نہیں ہوسکتیں آپ خود چھپوا لیجیے جو صرف ہو میرے روپے میں سے وضع کر لیجیے، انہوں نے منظور کر کے کاپیاں لے لیں۔ کئی ماہ تک کاپیاں ان کے یہاں رکھی رہیں، جب انہوں نے نہ چھاپا، اور شخص اول کا بھی تقاضا ہوا تو میں نے وہ کاپیاں شخص دوم سے لے کر شخص اول کو دیں شخص اول نے اقرار کرلیا کہ میں اس کو چھاپ کر خود اپنی کتابیں بھی مکمل کرلوں گا، اور شخص دوم کو بھی چھاپ کر دیدوں گا۔ وہاں بھی یہ کاپیاں کچھ پتھروں پر جمی پڑی تھیں اور کچھ بغیر جمی کہ شخص دوم کے یہاں آگ لگی اور وہ کتابیں بھی جل گئیں۔ شخص اول نے من جملہ بارہ سو روپیہ کے ہزار روپیہ دو بار کر کے دیدیے اور دو سو رکھ چھوڑے کہ اوراق کی تکمیل کے بعد اس کی چھپائی کاغذ وغیرہ میں جو صرف ہوگا وضع کر کے باقی دیدوں گا۔ شخص دوم نے ایک حبہ نہیں دیا اگر چہ اقرار یہ تھا کہ ۲۰۰ روپے ماہوار کے حساب سے باقساط ادا کردوں گا آیا ایسی صورت میں شخص دوم پر ان کتابوں کی قیمت واجب الاداء ہے یا نہیں اور مجھے ان سے لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۴۱۴ھ)

الجواب: ان کتابوں کی قیمت شخص دوم پر واجب الادا ہے، اور بقدر کمی اوراق قیمت میں کمی کردی جائے باقی وصول کرلی جائے۔

ریل سے روانہ کیا ہوا مال خریدار کے پاس کم پہنچا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۶) زید دکاندار ہے اسباب تجارتی فرمائش آنے پر عمر کو بیرون شہر بذریعہ ریل یا

ڈاک روانہ کرتا ہے، اور زید نے اعلان عام کر رکھا ہے کہ راستے کے نقصان کا زید ذمے دار نہیں ہے، عمر کو اس کا علم ہے کہ اگر نقصان راستے میں ہوگا تو مجھے برداشت کرنا پڑے گا، زید نے اپنے ملازمین سے جانچ شمار کے بعد بند کرا کر مال بذریعہ ریل روانہ کر دیا، اور روپیہ بذریعہ ویلیو وصول کر لیا، اور یہ روانگی مال بسا اوقات دکاندار مال بھیجنے والا اپنے ہی نام مال روانہ کرتا ہے، اور ریلوے کو گویا ہدایت یہ ہے کہ جب تک مشتری روپیہ نہ دیوے مال وصول نہ کر سکے، چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے مشتری اگر روپیہ دیتا ہے تو مال وصول کرتا ہے ورنہ وہ مال واپس آ جاتا ہے، اب آگے متعدد صورتیں موجب نزاع پیش آتی ہیں:

(الف) بعض دفعہ مال راستے میں گم ہو کر مشتری کے پاس کم پہنچتا ہے، مگر مشتری کی عقلمندی سے قبل وصول کرنے کے ریلوے ملازمین سے وزن کرایا جاتا ہے، اور بلٹی (BILLETI) کے وزن سے کم ہونے پر شمار کرانے پر کمی کا اندارج باقاعدہ کرالیا جاتا ہے، اس صورت میں ریلوے ذمہ دار ہے، لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ مشتری ریلوے سے اس نقصان کو طلب کرے یا بائع سے؟

(ب) مذکورہ بالا صورت میں نقصان راستے میں ہوا مگر مشتری کی بے وقوفی، کاہلی ولاپرواہی سے مال ریلوے سے وصول کرنے کے وقت نہ وزن کرایا گیا، اور نہ ان کے سامنے شمار کر کے اندراج کرایا گیا، بلکہ اپنی دکان یا مکان پر لا کر شمار کیا تو معلوم ہوا کہ اس قدر مال کم ہے؛ ایسی صورت میں ریلوے بالکل بری ہے تو یہ نقصان کس کے ذمے ہے؟

(ج) بعض دفعہ ایسا ثابت ہوا ہے کہ مال پوری تعداد میں صحیح سلامت پہنچ گیا ہے، مگر بددیانتی سے کم پہنچا بتلا کر بائع سے اس کی قیمت طلب کی گئی ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۲۰۰۲/۳۲-۱۳۲۳ھ)

الجواب: زید کے اس اعلان کا کہ وہ راستے کے نقصان کا ذمے دار نہیں ہے یہ حاصل ہے کہ وہ اپنے مال کو اسی جگہ جس جگہ وہ ہے قطعاً فروخت کرتا ہے، جس کو خریدنا ہو اسی جگہ خریدے، اور راستے کے نقصان کا مشتری خود ذمے دار ہے، پس بعد اس اعلان کے، عمر کے قیمت روانہ کر دینے اور مال مطلوب طلب کرنے سے، بعد پہنچنے ثمن کے بائع کے پاس تعاطیاً بیع ہوگئی؛ کیوں کہ بطور تعاطی کے ایک طرف سے بھی بیع ہو جاتی ہے، درمختار میں ہے: **وأما الفعل فالتعاطي وهو التناول الخ ولو التعاطي من أحد الجانبين على الأصح فتح: وبه يفتىٰ فيض الخ قال الشامي: قوله ولو التعاطي من أحد الجانبين، صورته أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المتاع، ويذهب برضا صاحبه من**

غیر دفع الثمن، أو یدفع المشتری الثمن للبائع ثم یذهب من غیر تسلیم المبیع، فإن البیع لازم علی الصیصح، حتی لو امتنع أحدھما بعدہ أجبرہ القاضی (۱) اس روایت کی دوسری مثال صورت مسئولہ کے مطابق ہے کہ مشتری نے قیمت طے شدہ کے موافق ثمن کو روانہ کردیا، اور یہ اجازت دیدی کہ اس مال کو بذریعہ ریل روانہ کردیا جائے؛ پس جب کہ بعد قبض ثمن وتعیین مبیع بیع تام ہوگئی تو اب ذمے دار نقصان کا مشتری ہے؛ کیونکہ بائع نے موافق مشتری کے امر کے مال حوالہ ملازمان ریلوے کر دیا ہے، پس جب یہ امر محقق ہوا اس کے بعد نمبر ہائے سوال کا جواب یہ ہے۔

(الف) اس نقصان کو مشتری ریلوے سے طلب کرے گا بائع سے کچھ حق مطالبہ کا باقی نہیں رہا۔

(ب) یہ نقصان مشتری کا ہے۔

(ج) اوپر محقق ہو چکا کہ بائع سے اس کو کچھ حق مطالبہ کا باقی نہیں رہا، جب کہ اس نے موافق طلب مشتری کے مال مطلوب پورا پورا حوالہ ریلوے کے کردیا۔

ریل سے روانہ کیا ہوا مال اگر خریدار کو نہ ملے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۷) زید نے محمود کو ایک مال لکھوایا اور کہا: یہ مال دو، محمود نے یہ بات کہی کہ مال آنے پر مال بھیجوں گا، کچھ عرصے کے بعد محمود نے ایک بلٹی (BILLETI) اور بیجک (مال کی فہرست) روانہ کیا، جب بلٹی لے کر ریل پر گئے تو مال نہیں ملا، ریلوے نے جواب دیا کہ اس مال کا بیمہ نہیں تھا، کیونکہ اس مال کی قیمت سو روپے سے زیادہ بتاتے ہو سو روپے سے کم ہوتا تو قیمت مل جاتی اب اس مال کا ذمے دار کون ہے؟ (۱۵۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جب کہ زید کو مال مطلوب وصول نہیں ہوا تو قیمت اس مال کی اس کے ذمے لازم نہیں ہے۔ (۲) فقط

(۱) الدر المختار و ردالمحتار ۷/۲۰ کتاب البیوع – قبیل مطلب: البیع بالتعاطی.

(۲) وإن ھلك بفعل أجنبی فالمشتری بالخیار إن شاء فسخ البیع فیضمن الجانی للبائع ذلك وإن شاء أمضاہ ودفع الثمن واتبع الجانی (ردالمحتار ۷/۴۲ کتاب البیوع – قُبیل مطلب فی حبس المبیع لقبض الثمن الخ)

سوال: (۲۱۸) زید وعمر کے سابق سے تجارتی تعلقات ہیں، زید نے عمر سے مال طلب کیا، عمر نے مال روانہ کردیا بلٹی بھی بھیج دی؛ لیکن زید کو بلٹی نہیں ملی، اور نہ بلٹی آنے کی اطلاع ہوئی؛ کچھ عرصے کے بعد تقاضا ہوا تو معلوم ہوا کہ مال روانہ کردیا گیا ہے، ڈاک خانہ اور ریلوے سے تحقیقات کی گئیں انہوں نے قانونی جواب دہی سے اپنا پیچھا چھڑایا عمر کو اطلاع دی گئی کہ تم خود آکر اس کی چارہ جوئی کرو، مگر ان کی سعی بھی بے کار رہی، اس صورت میں زید مشتری مال کی قیمت کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ حالاں کہ تاجرانہ عرف کے مطابق جو اس وقت مروج ہو رہا ہے مشتری کی ذمہ داری اس وقت ہوتی ہے جب کہ بلٹی اس کو پہنچ جائے، اور بلٹی پہنچانا بائع کے ذمے ضروری سمجھا جاتا ہے، عمر بائع یہ کہتا ہے کہ میرے ذمے بلٹی کا روانہ کردینا ہے، بعد روانہ کردینے کے میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا، اور زر ثمن بذمہ مشتری لازم ہوگیا، زید مشتری یہ عذر کرتا ہے کہ جب بلٹی مجھ کو نہیں ملی اور نہ مال روانہ کرنے کی مجھے اطلاع ملی، بالا ہی بالا کسی نے سرقہ کرلیا تو مجھ پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوسکتی اس بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟ (۳۹۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مبیع جب کہ قبل القبض ہلاک ہوجاتی ہے تو مشتری اس کے ثمن کا ذمے دار نہیں ہوتا؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ مال مشتری تک نہیں پہنچا تو وہ بائع ہی کا ہلاک ہوا مشتری کے ذمہ اس کا ثمن واجب نہیں، بائع کو چاہیے کہ ریلوے سے مطالبہ کرے خصوصاً جب کہ بلٹی ہی مشتری تک نہیں پہنچی، اور عرف تجارت میں بھی یہی ہے کہ جب تک مال کی بلٹی مشتری تک نہ پہنچے تو وہ ثمن کا ذمہ دار نہیں۔ شامی میں ہے: وإن هلك بفعل أجنبي فالمشتري بالخيار إن شاء فسخ البيع فيضمن الجاني للبائع ذلك وإن شاء أمضاه ودفع الثمن واتبع الجاني (۱) فقط

کپڑے کے تھان دکھانے کے لیے گھر لے گیا اور وہ چوری ہوگئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۹) ایک شخص بزاز کے یہاں سے تھان کپڑوں کے اپنے گھر دکھانے لے گیا، اور اگلے دن آکر کہا کہ وہ چوری ہوگئے تو کیا وہ تھانوں کی قیمت کا ضامن ہوگا؟ (۲۶۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

(۱) ردالمحتار ۴۲/۷ کتاب البیوع - قبیل مطلب في حبس المبیع لقبض الثمن الخ

الجواب: مبیع کو دکھلانے کے لیے لے جانے میں بلا طے کرنے قیمت کے، لے جانے والا ضامن نہیں ہوتا کما فی الدر المختار: أما علی سوم النظر (۱) فغیر مضمون مطلقاً (۲) فقط

ملازم کی غلطی سے مال دوسری جگہ چلا گیا تو نقصان کا ضامن کون ہوگا؟

سوال: (۲۲۰) مولوی محمد احمد نے کچھ مال ممبئی میں خرید کر فرمایا کہ یہ مال مئو جنکشن روانہ کرنا، ہمارے ملازم کی غلطی سے وہ مال اور جگہ چلا گیا، یعنی مہو چلا گیا، مہو والے کی غلطی سے وہ مال مہو سے موگرہ چلا گیا موگرہ والے نے مئو جنکشن روانہ کیا، ممبئی سے مئو جنکشن کا کرایہ تین روپے دو آنے تھا، مگر ہماری اور مہو والے کی غلطی سے بجائے تین روپے دو آنے کے گیارہ روپے چار آنے محصول دینا پڑا؛ اب آیا یہ نقصان کل ہمارے ذمے ہے یا مہو والا بھی اس میں شریک ہے۔ (۱۳۳۳-۳۲/۱۳۶۶ھ)

الجواب: ظاہر ہے کہ وہ نقصان دونوں کے ذمے ہے جس قدر جس کی وجہ سے نقصان ہوا وہ اس کا ضامن ہے کیونکہ وکیل واجیر اگر مخالفت کریں تو وہ ضامن ہوتے ہیں، اور عرفاً جو امور ثابت ہیں وہ بہ منزلہ شروط کے ہیں؛ پس خلاف شرط متعارف کرنے سے مخالفت کرنے والا ضامن ہوتا ہے، لیکن اگر مہو والے کی غلطی بہ سبب آپ کے ملازم کی غلطی کے ہوئی ہے تو وہ بھی آپ کی طرف عائد ہوگی۔ فقط

خریدار نے جانور کو آوارہ چھوڑ دیا اور وہ ضائع ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۱) زید نے عمر سے ایک گاؤمیش (بھینس) خریدی بوقت بیع گاؤمیش موجود نہ تھی عمر گاؤمیش کو زید کے گھر باندھ گیا، زوجہ زید نے دیکھ کر کہا کہ ہم گاؤمیش نہیں لیتے، اور گاؤمیش عمر کے

---

(۱) مقبوض علی سوم النظر یہ ہے کہ خریدار بائع سے کہے کہ یہ چیز مجھے دو، تاکہ میں اس میں سوچ وچار کروں یا غیر کو دکھلاؤں۔ تو شئے مقبوض خریدار کے پاس امانت ہوگی اور یہ بیع نہیں۔ پس اگر وہ ہلاک ہوجائے تو قابض ضامن نہیں ہوگا۔ اور مقبوض علی سوم الشراء یہ ہے کہ خریدار خریدنے کی غرض سے بائع سے کہے کہ یہ چیز مجھے دو، اگر میں راضی ہوگیا تو اس کو اتنے پر لوں گا تو یہ بیع ہے۔ پس اگر وہ ہلاک ہوجائے تو قابض ضامن ہوگا۔

(۲) الدر المختار مع الرد ۷/۸۷ کتاب البیوع ـ مطلبٌ: المقبوض علی سوم النظر.

گھر پہنچادی، عمر نے واپس کرنے سے انکار کردیا، جب زید کو معلوم ہوا تو زید نے کہا کہ تین چار ماہ ہوئے میں نے اس گاؤ کو دیکھا تھا، اب لاغر ہے، بالآخر جب عمر نے واپس نہ کیا تو زید نے گاؤمیش کو عمر کی عدم موجودگی میں آوارہ چھوڑ دی، دو چار روز کے بعد گم ہوگئی تو یہ گاؤمیش عمر کی ضائع ہوئی یا زید کی؟ (۱۳۳۸/۱۸۸۸ھ)

الجواب: اس صورت میں وہ گاؤمیش زید کی ضائع ہوئی، زید کے ذمے قیمت کا ادا کرنا لازم ہے۔(۱) فقط

ڈاک کے ذریعہ بھیجی ہوئی کتابیں ضائع ہوجائیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۲) تاجران کتب؛ خریداروں کی فرمائش پر ڈاک کے ذریعے سے ویلو (VALUE) بھیجتے ہیں، اگر کتب ضائع ہوجائیں تو خریدار کے ذمے تاوان یعنی قیمت کتب بائع کو دینا واجب ولازم ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کس قاعدے سے؟ (۲۵۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ظاہر یہ ہے کہ اہل ڈاک وریلوے اس صورت میں وکلاء بائعین کے ہوتے ہیں۔ پس جب تک مشتری کے پاس مبیع نہ پہنچے گی اس کے ذمے قیمت لازم نہ ہوگی۔ فقط

سرکاری خیانت کرنے والے کے مال کی نیلامی اور اس کو خریدنے کا حکم

سوال: (۲۲۳) میں نے دو پتھر کی کونڈیاں نیلام سے خریدیں، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ نیلام ایک غیر مسلم کے مال کا سرکاری خیانت کے مقدمے میں سرکاری جرمانہ کے مطالبہ میں ہوا تھا، تردد یہ ہوا کہ شرعاً جرمانہ جائز نہیں۔ اب ان کونڈوں کو مجھے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں یا فروخت کردیں؟ (۱۲۷۸/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) کیونکہ بیع قطعی ہوگئی ہے اور مبیع پر مشتری کا قبضہ بھی ہوچکا ہے، اور بھینس کو مشتری ہی نے آوارہ چھوڑا ہے، پس نقصان کا وہی ذمہ دار ہے۔ وإن هلك بفعل المشتري؛ **فعليه ثمنه (الشامي ۲/۷ کتاب البيوع** - قُبيل مطلب في حبس المبيع لقبض الثمن الخ)

الجواب: کسی کے مال میں تعدی اور خیانت کرنے سے ضمان لازم آتا ہے یہ جرمانہ نہیں ہے، پس صورت مسئولہ میں ان کونڈیوں کا مالک مشتری ہوگیا اس کو اختیار ہے خواہ خود استعمال کرے یا فروخت کرے۔ فقط

گاہک کے ہاتھ سے کوئی چیز ٹوٹ گئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۴) زید چشمے فروش سے مختلف قسم کے چشمے دیکھ رہا تھا اور لینا اس کو منظور نہ تھا اتفاقاً ایک کمانی اس کے ہاتھ سے بلاقصد ٹوٹ گئی اس صورت میں زید پر شرعاً ضمان عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ (۸۷۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: قال فی الدر المختار: أما علی سوم النظر فغیر مضمون مطلقًا الخ. قوله أما علی سوم النظر بأن یقول هاته حتی أنظر إلیه أو حتی أریه غیری ولا یقول فإن رضیته أخذته وقوله مطلقًا أی سواء ذکر الثمن أولا الخ ولا یخفی أن عدم ضمانه إذا هلك أما لو استهلکه القابض فإنه یضمن قیمته الخ(۱) (ردالمحتار للشامی ۴/۵۱) اس عبارت سے واضح ہے کہ اس صورت میں ضمان لازم نہیں ہے۔ فقط

احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی تعریف اور حکم

سوال: (۲۲۵) زید تجارت غلہ کرتا ہے؛ یعنی موسم میں غلہ کو اس قدر خرید کرتا ہے کہ تمام ضرورت خانگی خورش (طعام، کھانا) غلہ کی اس میں سے کرتا رہتا ہے، اور بعد آٹھ یا سات ماہ اس کو فروخت کردیتا ہے، اور بقدر ضرورت رکھ لیتا ہے، گویا منافع مال میں اپنا خرچ نکالتا ہے، اور اصل رقم غلہ فروخت کرکے پوری کرلیتا ہے، غرض اس تجارت سے یہی ہے کہ اصل رقم میری قائم رہے، اور منافع سے سال بھر تک میں غلہ کھاتا رہوں یہ صورت جائز ہے یا اس میں احتکار لازم آتا ہے؟ اور اس رقم منافعہ کو کیا کرے؟ (۱۲۰۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ احتکار وہ ممنوع ہے جو اہل شہر یا اہل قریہ کو مضرت رساں ہو، اور شامی

(۱) الدر والشامی ۷/۸۷ کتاب البیوع ـ مطلبٌ: المقبوض علٰی سوم النظر.

میں احتکار کی تعریف یہ کی ہے ”غلہ کا روکنا بہ انتظار گرانی“ عبارت اس کی یہ ہے: وشرعاً اشتراء طعام ونحوه وحبسه إلى الغلاء الخ (۱) پس کھانے کی نیت سے خریدنا تو احتکار ممنوع نہیں ہے، لیکن یہ نیت رکھنا کہ بوقت گرانی زائد غلہ کو فروخت کر دیا جائے گا اچھا نہیں ہے، اور شبہ احتکار اس میں ضرور ہے، لہٰذا اس سے بھی احتیاط کرنی چاہیے اور اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ فقط

سوال: (۲۲۶) اگر کوئی شخص کسی شہر یا قصبہ یا دیہات میں جہاں کوئی قلت یا دقت اجناس کی نہ ہو، بغرض تجارت ہزار دو ہزار کا کوئی غلہ اس نیت سے خرید کر رکھ لیوے کہ جس زمانہ میں اس کا نرخ کچھ گراں ہو تب یہ غلہ عام طور پر بازاروں میں فروخت کیا جائے، ایسی تجارت کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۲۷۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: غلہ وغیرہ کو روکنا بہ انتظار گرانی احتکار ہے، اور احتکار شرعاً مکروہ تحریمی ہے؛ یعنی قریب بہ حرام ہے، لیکن احتکار مکروہ وحرام وہ ہے جس سے اہل شہر کو مضرت ہو اور جب کہ اہل شہر کو کچھ مضرت اور نقصان نہ ہو تو حرام اور مکروہ تحریمی نہیں ہے، تاہم اچھا نہیں ہے، درمختار میں ہے: وكره احتكار قوت البشر الخ في بلد يضر بأهله لحديث ”الجالب مرزوق والمحتكر ملعون“ (۲) فإن لم يضر لم يكره (۳) فقط

سوال: (۲۲۷) احتکار طعام واجناس خوردنی کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۱۲۴۰ھ)

الجواب: احتکار طعام واجناس خوردنی اُس وقت ممنوع ومکروہ ہے کہ اس احتکار سے لوگوں کو ضرر ہو، اگر اس کے روکنے سے کچھ کمی غلہ اور نقصان اہل بلد کو نہ ہو، اور بکثرت غلہ بازاروں میں ملتا ہو تو مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: وكره احتكار قوت البشر ...... والبهائم ...... في بلد يضر بأهله لحديث ”الجالب مرزوق والمحتكر ملعون“ فإن لم يضر لم يكره الخ (۴)

---

(۱) ردالمحتار ۹/۴۸۶ كتاب الحظر والإباحة – فصل في البيع.

(۲) عن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الجالب مرزوق والمحتكر ملعون رواه ابن ماجة والدارمي (مشكوة المصابيح: ۲۵۰-۲۵۱ كتاب البيوع، باب الاحتكار)

(۳) الدر مع الرد ۹/۴۸۶-۴۸۷ كتاب الحظر والإباحة – فصل في البيع.

(۴) الدر المختار مع الشامي ۹/۴۸۶-۴۸۷ كتاب الحظر والإباحة – فصل في البيع.

لیکن بہتر یہی ہے کہ احتکار سے مطلقاً احتراز کرے۔

سوال: (۲۲۸) ایک شخص نے ایک ہزار روپے کا اناج خریدا، اس غرض سے کہ جس وقت فی روپیہ سیر دو سیر اناج کم ہوگا اس وقت فروخت کروں گا، اس کی نیت قحط سالی یا گرانی غلہ کی نہیں ہے کیونکہ ہر چیز اپنی فصل پر زائد بکتی ہے، وہ شخص صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے لوگ اس پر طعن کرتے ہیں کہ غلہ جمع کرنا حرام ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۷۹۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ اگر روکنا غلہ کا اہل شہر کو نقصان پہنچائے مثلاً نہ ملے یا کم ملے تو مکروہ ہے ورنہ نہیں، پس ظاہر ہے کہ جو صورت سوال میں مذکور ہے اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور اس میں اہل شہر کو اس کے روکنے کی وجہ سے کچھ نقصان نہیں ہے، لہٰذا درست ہے، وكره احتكار قوت البشر ...... والبهائم ...... فی بلد یضر بأهله الخ فإن لم یضر لم یکره الخ (۱) (درمختار)

بوقت گرانی فروخت کرنے کی غرض سے غلہ خرید کر روکے رکھنا

سوال: (۲۲۹) عام رواج ہے کہ وقت ارزانی غلہ کے فصل میں جنس غلہ یا بھوسہ وغیرہ خرید کر اس خیال سے رکھتے ہیں کہ بوقت گرانی فروخت کی جائے گی درست ہے یا نہ؟ (۱۴۲۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ روکنا غلے کا اس طرح کہ اہل شہر کو مضرت ہو حرام اور مکروہ ہے کذا فی الدر المختار۔ اور حدیث شریف میں ہے: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (۲) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے غلہ کے روکنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ پس اس انتظار سے روکنا غلے کا کہ گرانی کے وقت فروخت کیا جائے ممنوع ہے، پس کھاتیوں (زمین میں کنواں نما بنائے گئے گداموں) کا بھرنا اور غلہ کا روکنا بانتظارِ گرانی جیسا کہ عامۃً مروج ہے جب کہ یہ روکنا اہل شہر کو مضر ہو ممنوع اور حرام ہے، اس سے بچنا چاہیے، اور ایسی تجارت سے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے۔

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) عن عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون رواہ ابن ماجة والدارمی (مشکوۃ: ۲۵۰-۲۵۱ کتاب البیوع — باب الاحتکار)

بہ غرض تجارت غلہ خرید کر رکھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۳۰) باوجود ریل پیل (کثرت) کے بغرض تجارت غلہ خرید کر رکھنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: غلے کا خرید کر رکھ لینا مکروہ ہے اور ممنوع ہے، ریل پیل کے ہونے یا نہ ہونے سے اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا، البتہ مضرت اہل بلد وعدم مضرت اہل بلد کو ممانعت وعدم ممانعت میں دخل ہے۔ احوط بہرحال عدم احتکار ہے: لحدیث "**الجالب مرزوق والمحتکر ملعون**" الخ (۱) (درمختار) اور باقی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

تل، گڑ، کپاس، سرسوں وغیرہ کو روکنا احتکار ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۳۱) غلہ خرید کر فصل سے دو ماہ بعد فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تل، گڑ، کپاس، سرسوں وغیرہ بھی غلے کی تجارت کے حکم میں آجاتے ہیں یا نہیں؟ (۸۱۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: کتب فقہ میں اس کے متعلق یہ تفصیل کی ہے کہ اگر غلہ کا روکنا اہل شہر کے حق میں مضر ہو تو مکروہ ہے، اور اگر غلہ کے روکنے سے اور دو ماہ بعد فروخت کرنے سے اہل شہر کو کچھ مضرت نہ ہو جیسا کہ عموماً اس زمانے میں ہے تو روکنا غلہ کا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: **فإن لم یضر لم یکره** الخ (۲) اور تل، گڑ، کپاس، سرسوں وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے (کیونکہ یہ بھی قوتِ انسان ہیں) فقط

چوپایوں کی خوراک روکنا احتکار ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۳۲) گرانی کی نیت سے چوپایوں کی خوراک روکنا احتکار ہے یا نہیں؟ (۲۰۱۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: احتکار جیسا کہ قوت انسان میں ہوتا ہے قوت بہائم میں بھی ہوتا ہے؛ درمختار میں ہے: **وکره احتکار قوت البشر ...... والبهائم الخ في بلد یضر بأهله الخ** (۲)

---

(۱) عن عمر رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون رواه ابن ماجة والدارمی (مشکوة: ۲۵۰-۲۵۱ کتاب البیوع - باب الاحتکار)

(۲) الدر مع الرد ۴۸۶/۹-۴۸۷ کتاب الحظر والإباحة - فصل في البیع.

غلے کو روکنے سے قیمت میں کچھ فرق نہ ہوتا ہو تو روکنا درست ہے

سوال: (۲۳۳) اگر کسی شخص نے غلہ روزگار کرنے کے لیے فصل پر خرید کر جمع رکھا، اور بعد میں فروخت کیا، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲۷۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر اس کا غلہ روکنا اہل شہر کو مضر ہے، اور لوگوں کو تنگی پیش آتی ہے تو یہ فعل مکروہ ہے، اور اگر اس کے روکنے سے اہل شہر کو کچھ نقصان نہیں ہے، غلہ بازار میں بہت ملتا ہے، اور اس کے روکنے نہ روکنے سے نرخ میں کچھ فرق نہیں ہوتا جیسا کہ آج کل عموماً یہی حال ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں، درست ہے(۱)

سستا غلہ خریدا اور اتفاقاً گراں ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۳۴) ایک تاجر نے غلہ ایسے وقت خریدا کہ دنیا میں عام طور سے ملتا تھا، اور قحط نہیں تھا، مگر عادت ہے کہ تاجر غلہ خرید کر گرانی کا انتظار کرتے ہیں، اب ایسا وقت آگیا کہ غلہ ختم ہوگیا، اور تجار نے گرانی کے ساتھ بیچنا شروع کیا؛ یہ احتکار ہے یا نہیں؟ (۲۸۷۹/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ بعینہ احتکار ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احتکر فهو خاطئ رواه مسلم(۲) وقال الطيبي: الاحتكار المحرم هو الاحتكار في الأقوات خاصة وهو أن يشتري الطعام في وقت الغلاء للتجارة ولا يبيعه في الحال بل يدّخره ليغلو ثمنه (۳) البتہ اگر ارزانی کے وقت خرید کر لیا، مگر اس نیت سے موجود نہ رکھا کہ غلہ گراں ہوجانے پر فروخت کرے بلکہ اتفاقاً ایسا ہوا کہ گرانی بھی ہوگئی تو یہ صورت احتکار کی نہیں ہے۔

محتکر کے یہاں کھانے سے امام کو احتیاط کرنی چاہیے

سوال: (۲۳۵) بیاج کا لین دین کرنا اور غلہ خرید کر رکھنا کہ آئندہ گراں فروخت کر کے نفع زیادہ

(۱) الدر مع الرد ۹/۴۸۶-۴۸۷ کتاب الحظر والإباحة - فصل في البيع.

(۲) كان سعيد بن المسيّب يحدث أن معمرًا قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من احتكر فهو خاطئ - الحديث (الصحيح لمسلم ۲/۳۱ كتاب البيوع، باب تحريم الاحتكار في الأقوات)

(۳) شرح المسلم للنووي ۲/۳۱ كتاب البيوع - باب تحريم الاحتكار في الأقوات.

حاصل کریں جائز ہے یا نہیں؟ ایسے لوگوں کے یہاں اگر امام مسجد کھانا کھائے تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۶۲/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: سود لینا کسی سے جائز نہیں ہے، اور غلہ جمع رکھنا بہ خیال گرانی کے مکروہ ہے، اور امام مذکور کو ایسے کھانے سے احتیاط کرنی چاہیے، اور نماز اس امام کے پیچھے صحیح ہے۔

نیلام کا مال خریدنا شرعاً درست ہے

سوال: (۲۳۶) نیلام کا مال خصوصاً ان لوگوں کا سامان جو لڑائی میں مارے گئے ہیں خریدنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۱۴۷۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس مال نیلام شدہ کا خریدنا درست ہے۔

بیع نیلام اور کاغذ میں پوشیدہ چیز کی بیع کا حکم

سوال: (۲۳۷)...... (الف) زید کوئی چیز نیلام کر رہا ہے بڑھتے بڑھتے ایک شخص کے نام بولی ختم ہوگئی، اس قسم کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اکثر دکانداروں کی یہ کیفیت ہے کہ سودوسو کاغذ کی ڈبیہ بنا کر کسی میں پنسل کسی میں قلم کسی میں انگوٹھی کسی میں پچکاری وغیرہ اشیاء رکھ دیتے ہیں، اور بند کر دیتے ہیں، اور فروخت کرتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۵۳/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) اس طرح بطریق نیلام بیع جائز ہے اور صحیح ہے۔

(ب) اس طرح بھی بیع ہو جاتی ہے، مگر خریدنے والے کو بعد دیکھنے اس چیز کے اختیار رہتا ہے کہ خواہ اس کو رکھے یا واپس کر دے۔ فقط

سرکاری مویشی خانے سے جو جانور نیلام کیے جاتے ہیں ان کو خریدنے کا حکم

سوال: (۲۳۸) سرکاری مویشی خانے سے جو جانور بعد اختتام میعاد نیلام کیے جاتے ہیں ان کا

خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۱۴/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: فتویٰ اسی پر دیا جاتا ہے کہ سرکاری مویشی خانے سے جو جانور نیلام حسبِ قاعدہ سرکاری بعد میعاد معینہ کے ہو اس کا خریدنا جائز ہے (کیونکہ سرکار استیلاء سے ان جانوروں کی مالک ہو جاتی ہے)

سوال: (۲۳۹) مویشی خانے میں جو مویشی بند رہتے ہیں، اور ایک میعاد مقررہ پندرہ یوم کے بعد، بعد منادی کے نیلام ہو جاتے ہیں، مگر اس مال کا مالک اصلی نیلام کے وقت تک نہیں پہنچا اور وہ مویشی نیلام ہوا، اگر اس مویشی کو ہم نیلام میں بولی بول کر خرید لیویں تو وہ ہمارے لیے شرعاً جائز ہوگا؟ (۲۵۷۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: خریدنا اس مویشی کا درست ہے، اور خریدنے والا مالک اس کا ہو جاتا ہے، پھر اگر مالک بھی معلوم ہو جائے تو وہ بیع نہ ٹوٹے گی؛ البتہ سرکار میں جو قیمت رکھی ہے وہ اس مالک کو دی جائے گی۔

کانجی ہاؤس سے جانور خریدنا اور اس کی قربانی کرنا

سوال: (۲۴۰) جو مویشی کانجی ہاؤس میں ہوتے ہیں ان کا کوئی مالک نہ ہونے سے اگر سرکار ان کو نیلام کرے تو مسلمانوں کو ان کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا اور قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟ تین ماہ تک مالک کا انتظار کر کے وہ قیمت خزانہ میں داخل کر دی جاتی ہے، اور ایک چوتھائی نمبردار کو دیا جاتا ہے، نمبردار کو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بعد تین ماہ کے مالک آیا تو سرکار نہ قیمت دیتی ہے نہ مویشی کی ذمہ دار ہے؛ تو اب اس کے مالک کا اس قیمت میں شرعاً حق ہے یا نہیں؟ (۱۳۲۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: مسلمان کو اس کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا یا قربانی کرنا درست ہے، اور اس کی قیمت کا چوتھائی جو سرکار زمین دار کو دیتی ہے اس کا لینا بھی زمین دار کے حق میں جائز ہے، اور مالک کے آجانے کے بعد اس کو وہ قیمت ملنی چاہیے، لیکن اگر سرکار سے نہ ملے تو مشتری سے اس کا مطالبہ نہیں ہو سکتا، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ مشتری اس کو راضی کرے یا مکرر قیمت دیوے۔ فقط

سوال: (۲۴۱)...... (الف) مویشی خانہ میں لاوارثی گائے بیل بکری وغیرہ داخل کیے جاتے ہیں، اور وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مویشی خانہ میں اس وجہ سے رہتے ہیں کہ جب مالک مویشی آئے گا اس وقت جرمانہ اور خوراک وصول کر کے چھوڑ دیا جائے گا، اور جب میعاد مقررہ تک مالک راس نہیں

آیا تو اس جانور کو حاکم نیلام کر دیتا ہے، ایسی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کے گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کر قربانی کرنا اس جانور کا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو یا مسلمان پھر اس سے دوسرا شخص خرید کر قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ زید، عمر کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی ناجائز ہے، بکر کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقطہ میں ہے، لہٰذا ایسے جانور کی قربانی بھی جائز ہے؟ (۲۵۴۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف، ب) بیع مذکور درست ہے اور دونوں صورتوں میں قربانی درست ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ جانور حکم لقطہ میں ہے اور بیع اس کی صحیح ہے اور قربانی جائز ہے۔ کذافی الدر المختار (۱) فقط

سوال: (۲۴۲) آپ نے کانجی ہاؤس سے جانور خرید کر قربانی کرنے کو جائز تحریر فرمایا تھا، اور مولانا کفایت اللہ صاحب نے ناجائز لکھا ہے کہ یہ قبضہ بحیثیت حربی ہونے کے نہیں ہوتا، بلکہ بموجب قاعدہ مقرر کردہ کے ہوتا ہے۔ اب اس مسئلے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ (۵۵۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: کانجی ہاؤس میں ایسے جانور لاپتا بھی ہوتے ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہیں، پس ان میں تو لامحالہ حاکموں کی بیع کو بلا شبہ جائز کہا جائے گا جیسا کہ لقطہ وغیرہ کا حکم ہے، پس خریداروں کو اس کی تکلیف دینا کہ کونسا جانور لاپتا ہے اور کونسا نہیں باعث حرج ہے، الغرض نظائر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیع کو جائز کہا جائے اور مشتری مالک ہو جائے (۱)

ایک ہی کتاب کے مختلف ایڈیشنوں کا باہم اُدھار تبادلہ کرنا

سوال: (۲۴۳) مبادلہ کتب میں ایک جانب مصری چھاپہ کی کتاب ہو، دوسری جانب وہی کتاب ہندوستانی مطبع کی مطبوعہ ہو، اور دونوں میں باہم صفائی کاغذ خط وغیرہ میں تفاوت ہو، یا دونوں

(۱) عرّف أی نادی علیها حیث وجدها ...... إلی أن علم أن صاحبها لایطلبها أو أنها تفسد إن بقیت کالأطعمة ...... کانت أمانةً ...... فینتفع الرافع بها لو فقیرًا وإلاّ تصدق بها علی فقیر (الدر المختار) وفي الشامی: قوله: (فینتفع الرافع) أی من رفعها من الأرض ...... فدلّ علی أنه إنما ینتفع بها بعد الإشهاد والتعریف إلی أن غلب علی ظنه أن صاحبها لایطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساکها لصاحبها. وفی الخلاصة: له بیعها أیضًا الخ (الدر المختار والشامی ۳۳۶/۲-۳۳۸ کتاب اللقطة)

کتابیں ہندوستانی چند مطابع کی مطبوعہ ہوں تو ان کا مبادلہ اتحاد جنس کی وجہ سے یداً بید واجب ہوگا یا اختلاف جنس کی وجہ سے یداً بید ہونا ضروری نہیں؟ تبدل اصل وتبدل مقصود وتبدل صفت سے اختلاف جنس متحقق ہوتا ہے (کمافی الدر المختار) سو اگر مسائل مذکورہ میں اختلاف جنس ہے تو ان تین وجوہ میں سے کس وجہ کے اعتبار سے اختلاف ہے؟ (۳۶۱/۳۲-۱۳۳۴ھ)

الجواب: کاغذ کا اختلاف جنس کا اختلاف ہے، پس جب کہ ایک کتاب مختلف اقسام کے کاغذات پر طبع ہوا گرچہ ایک ہی مطبع میں طبع ہو تو اجناس مختلفہ ہو جاویں گی۔ کما فی الشامی عن الفتح: والثوب الهروی والمروی جنسان لاختلاف الصنعة الخ وكذا المروی المنسوج ببغداد وخراسان واللّبد الأرمنی والطّالقانی جنسان (۱) پس اختلاف اقسام کاغذ کی صورت میں اختلاف اصل کی وجہ سے اختلاف جنس ہوگا، اور نسیئۃً جائز ہوگا، اور تبدل صفت کی مثال شامی نے کالخبز مع الحنطة والزيت المطيب بغير المطيب (۲) لکھی ہے، پس ہو سکتا ہے کہ خط کی عمدگی وغیر عمدگی کو تبدل صفات کی وجہ سے مختلف الجنس کہا جائے، اور اتحاد جنس کی صورت میں بھی تقابض کی حاجت نہیں تعین کافی ہے، اور موجود فی الملک ہونا جواز مبادلہ کے لیے کافی ہے جیسا کہ عبارت شامی أضيف إليه العقد وهو حاضر أو غائب بعد أن يكون موجودًا في ملكه الخ (۳) سے ظاہر ہے۔ فقط

ولایتی صابون کی تجارت کا حکم

سوال: (۲۴۴) ولایتی صابون کا استعمال اور تجارت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۲۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: استعمال اس کا جائز ہے، اور اس کی تجارت بھی درست ہے۔

مکان کی بیع میں بیعانہ واپس نہ کرنے کی شرط لگانا

سوال: (۲۴۵) آج کل عام طور پر مکانات کی بیع کا یہ دستور جاری ہے کہ مشتری بطور بیعانہ پیشگی کچھ روپے بائع کو دیدیتا ہے، جس کو عام لوگ ''اوڑھا'' یا ''سٹہ'' کہتے ہیں، اور یہ شرط لگاتا ہے کہ

---

(۱) ردالمحتار ۳۰۸/۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فی الإبراء عن الربا.

(۲) ردالمحتار ۳۱۸/۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فی استقراض الدراهم عددًا.

(۳) ردالمحتار ۳۱۳/۷ کتاب البیوع – مطلبٌ فی استقراض الدراهم عددًا.

اگر فلاں تاریخ تک میں رجسٹری کرالوں تو یہ بیعانہ اثمان میں شمار کیا جائے گا، ورنہ یہ روپیہ بائع کا متصور ہوگا، اور بیع فسخ سمجھی جائے گی؛ شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟ (۱۰۴۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس طرح بیع کرنا باطل ہے، اور بائع کو بصورت بیع نہ ہونے کے اس بیعانہ کا رکھنا حرام ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع العربان رواه مالك وأبو داوٗد وابن ماجة (مشكوٰة شريف) قال السيد: قوله بيع العربان: وهو أن يشترى السلعة ويعطى البائع درهمًا أو أقل أو أكثر على أنه إن تم البيع حسب من الثمن وإلا لكان للبائع ولم يرجعه المشترى وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والغرر (۱)

قرض دار شخص اپنا مکان بیوی کو فروخت کردے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۴۶) کریم خان کی شادی رحیمن سے ہوئی، اور دین مہر دوسو پچاس (۲۵۰) روپے طے ہوا، کریم خان کے ذمہ پانسو روپیہ ساہوکار کا بھی ہے، ساہوکار نے نالش کی، پندرہ روز بعد کریم خان نے اپنی زوجہ رحیمن کے نام مبلغ ایک سو روپے میں مکان کا تملیک نامہ تحریر کردیا تاکہ ساہوکار کا روپیہ مارا جائے؛ یہ تملیک نامہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۱۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: معاملہ بیع وشراء کا جو مابین کریم خان اور مسماۃ رحیمن کے ہوا کہ مبلغ ایک سو روپے میں کریم خان نے مکان بنام رحیمن فروخت کردیا، اور اس کو مالک بنادیا صحیح ہوگیا اور مسماۃ رحیمن اس مکان کی مالک ہوگئی۔ فقط

ہر شخص اپنی مملوکہ جائداد جس کے ہاتھ چاہے فروخت کرسکتا ہے

سوال: (۲۴۷) ایک مکان اور ایک دکان میں چار حقیقی بھائی شریک تھے، ان میں سے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا ہے جس نے ایک لڑکا چھوڑا ہے، دو بھائی اپنا اپنا حصہ اپنے بھتیجے کو بیع کرنا چاہتے ہیں، ان دونوں بھائیوں میں سے جو بیع کرنا چاہتے ہیں ایک بھائی کے ایک لڑکا ہے جس سے وہ ناراض ہے، دوسرا بھائی لاولد ہے، تیسرے بھائی کی دو لڑکیاں ہیں؛ بیع مذکور جائز ہے یا نہیں؟ (۵۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

(۱) مشكاة المصابيح ص: ۲۴۸ مع الحاشية: ٦ كتاب البيوع، باب المنهى عنها من البيوع.

الجواب: زندگی میں ہر ایک آدمی کو اختیار حاصل ہے کہ اپنی مملوکہ اشیاء واموال کو جس کے ہاتھ چاہے فروخت کرے، تصرف کرے، لہٰذا جو بھائی اپنی چیز اپنے بھتیجے کے ہاتھ فروخت کردے گا، یا اس کو دیدے گا وہ بھتیجا اس کا مالک ہو جائے گا، لیکن جس بھائی کے لڑکا موجود ہے، اور وہ اس سے ناراض ہے تو اس کو محروم کرنے کی وجہ سے اس کو اپنے بھتیجے کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کرنا مناسب نہیں، اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، ہاں کوئی ضرورت فروخت کرنے کی ہو تو مضائقہ نہیں مثلاً وہ مقروض ہو۔ فقط

سوال: (۲۴۸) زید اہل اسلام اور قوم سادات سے ہے جس کے ایک بیوی اور تین اولاد دختر ہیں، ایک دختر معہ اپنے شوہر وتین بچوں کے باپ کے پاس رہتی ہے، بہت عرصہ سے زید نے اپنی کل جائداد زرعی پاس بکر کے جو چوتھی پانچویں پشت میں زید کا بھتیجا ہوتا ہے رہن یا قبضہ کرادی تھی، اب زید نے بوجہ اپنی ضروریات کے اپنی کل جائداد مرہونہ کو دیگر شخص کے ہاتھ بیع کردیا، اور بکر مرتہن کا کل زر رہن ادا کردیا، چنانچہ زید کی چوتھی یا پانچویں پشت کے رشتہ داروں نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ جائداد میعہ جدی ہے، زید کو حق بیع حاصل نہیں ہے، اور عدالت میں بیان دیا ہے کہ ہم لوگ شریعت کے پابند نہیں، رواج اہل ہنود کو مانتے ہیں اس لیے زید کی بیع ناجائز ہے، اور بعد وفات زید اس کی بیوی اور دختروں کا بھی حق نہیں ہے، ہمارا حق بہ لحاظ یک جدی ہونے کے ہے۔ اس بارے میں شریعت غراء کا کیا حکم ہے زید کو اپنی جائداد کی بیع وشراء کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ (۱۲۲۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: زید کو اپنی مملوکہ جائداد کے رہن وبیع کا اختیار ہے بیع کرنا اس کا صحیح ونافذ ہے، ہم جد رشتہ داروں کا دعویٰ باطل اور غیر قابل سماع ہے، اور انکار کرنا ان لوگوں کا پابندی حکم شریعت سے اور تسلیم کرنا رواج اہل ہنود کو صریح کفر وارتداد ہے، حق تعالیٰ محفوظ رکھے، اور یہ کہنا ان کا کہ دختران کا حق نہیں ہے یہ بھی باطل اور لغو ہے، اور معارض ہے نص صریح کے جو در بارۂ میراث نازل ہے۔ فقط

کافر کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے اس کی آمدنی کی تحقیق ضروری نہیں

سوال: (۲۴۹) کافر کے ہاتھ جائداد یا اور کسی شئ کو فروخت کرنے کے وقت یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں کہ اس کی آمدنی کا کیا حال ہے؟ اور اس تحقیق کے بعد اس کی آمدنی طیب سمجھی جائے؟

(۱۰۶۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس حالت میں ہندو سے کچھ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

مہاجن سے زیور خریدنا

سوال: (۲۵۰) مہاجن کے پاس مسلمان لوگ پچاس روپیہ کا زیور مثلاً پچیس روپے میں گروی رکھتے ہیں، جب سود در سود ہو کر مثلاً پچاس روپے ہو جاتے ہیں تو مہاجن اُس زیور کو لے لیتا ہے، اب اُسی مہاجن سے اگر کوئی مسلمان مناسب قیمت پر اس زیور کو خریدے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۸۷۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درست ہے۔

ہندو نے جو گائے سود کے عوض لی ہو مسلمان اس کو خرید سکتا ہے

سوال: (۲۵۱) ایک ہندو نے ایک مادہ گاؤ بعوض سود کے اخذ کی تو مسلمان کو اس مادہ گاؤ کا خریدنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے جمیع منافع مشتری کو حلال ہیں یا نہیں؟ (۹۷۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسلمان کو خریدنا اس مادہ گاؤ کا کافر سے درست ہے اور اس کے جمیع منافع مشتری کو حلال ہیں۔

جس کی آمدنی حرام ہے اس کے ہاتھ مال فروخت کرنا

سوال: (۲۵۲)...... (الف) ان ملازمان کے ہاتھ کپڑے کی بیع جائز ہے یا نہیں کہ جن کی نسبت بائع کو پورا علم ہے کہ ان کی آمدنی حرام رشوت وغیرہ کی ہے؟

(ب) صورت مذکورہ نمبر الف میں مسلم وغیر مسلم میں کچھ فرق ہے کہ نہیں؟

(ج) بائع کو وقت بیع اس بات کا علم ہے کہ مشتری مبیعہ کو خرید کر ضرور موضع حرام میں صرف کرے گا جیسے بزاز سے کپڑا خرید کر رنڈی کو ضرور دے گا تو ایسی حالت میں اس شخص سے معاملہ بیع درست ہے یا نہیں؟

(د) بزاز کی دکان سے ایک مسلم یا غیر مسلم جس کے ہمراہ ایک کسبی ہے، اس کسبی کو پسند کرا کر اس

کے لیے کپڑا خریدنا چاہتا ہے پس مسلم بزاز کو ایسے شخص کے ہاتھ کپڑا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ھ) اور صورت مذکورہ میں بحالت بیع استعانت علی فعل الحرام متصور ہوگی یا نہیں؟

(و) ہندو کہ جن کی آمدنی صرف سود کی ہو ان کے ہاتھ کپڑا فروخت کرنا کیسا ہے؟

(ز) اگر کوئی کسبی وغیرہ کہ جو بالکل حرام کی کمائی کھاتے ہیں کسی اچھے آدمی کے ہاتھ سے کسی مسلمان دکاندار سے کوئی چیز خرید کرائے، اور دکاندار کو کسی قرینہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ ضرور اس کسبی نے خرید کرایا ہے، اور اصل مشتری رنڈی ہے تو ایسی مذکورہ بالا بیع جائز ہوئی یا نہیں؟

(ح) ایک رئیس نے ایک موٹر چلانے والے کو ایک رنڈی کی خدمت کے لیے مقرر کر رکھا ہے وہ بیچارہ اس کی خدمت کرنا چاہتا ہے اس کی ہی تنخواہ پاتا ہے۔ اگر بزاز ایسی تنخواہ کا کپڑا اس موٹر چلانے والے کو دیدے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور واضح ہو کہ تنخواہ اس کو رئیس دیتا ہے۔ (۲۴۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) ان کے ہاتھ بیع درست ہے۔

(ب) کچھ فرق نہیں۔

(ج) اس صورت میں معاملہ بیع کرنا درست ہے۔

(د) جائز ہے۔

(ھ) کپڑے کے فروخت کرنے میں کچھ حرج نہیں البتہ احتیاط کی بات دوسری ہے۔

(و) درست ہے۔

(ز) بیع جائز وصحیح ہے۔

(ح) درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

غیر مسلم سود خور سے جو چیز خریدی جائے وہ حلال ہے

سوال: (۲۵۴) ایسے غیر مسلم سے کچھ خریدنا جس نے اپنی تمام یا اکثر جائداد بذریعہ سود جمع کی ہو جائز ہے یا نہیں اور حلال و پاک ہے یا نہ؟ (۱۵۹۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: غیر مسلم سے جو چیز خریدی جائے وہ حلال و پاک ہے۔

رنڈی نے کوئی چیز خرید کر بائع کو جو رقم دی ہے اس کا حکم

سوال: (۲۵۴) رنڈیوں کے ہاتھ بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی دوا رنڈی کو دوسری جگہ نہیں ملتی تو قیمۃً اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ طبیبوں وڈاکٹروں کو ان کے علاج میں فیس لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس کا آشنا اپنے پاس سے فیس دیتا ہے تو کیا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر رنڈی کا پیسہ قطعاً حرام ہے اور بذریعہ فیس، خرید وفروخت نہیں لے سکتے تو بعض علماء کا یہ فتویٰ کہ کارڈ ولفافوں میں ونیز ریلوے خرچ یا کسی ہندو کے قرض میں ادا کیا جائے تو یہ کہاں تک صحیح ہے؟ رنڈی کے ذاتی مکان کو کرائے پر لے کر رہنا درست ہے یا نہیں؟ وہاں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۲۸۰ھ)

الجواب: رنڈیوں کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنے میں جو قیمت بائع کو حاصل ہو وہ قطعی حرام نہیں ہے بائع کے حق میں حلال ہے، اسی طرح ڈاکٹروں اور طبیبوں کو جو کچھ فیس ملے وہ بھی قطعی حرام نہیں ہے، ہاں احتیاط یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دیا جائے تاکہ جو خباثت ہے وہ رفع ہو جائے، اور کارڈ ولفافہ وریلوے کرایہ اور قرض میں ادا کرنا ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہے کیونکہ اگر حرام ہو تو یہ امور بھی درست نہیں ہو سکتے، اور رنڈی کا مکان کرائے پر لے کر رہنا بھی درست ہے، اور نماز اس میں صحیح ہے مگر بہتر نہیں ہے احتیاط اولیٰ وانسب ہے، جس آمدنی میں اشتباہ ہو اس کو صدقہ کرنے سے پوری طہارت روحانی حاصل ہوتی ہے، اور خباثت رفع ہوتی ہے، اور باقی مال حلال جس میں ایسی آمدنی مل گئی اس کے اندر خباثت باقی نہیں رہتی۔ فقط

زانیہ عورتوں کے ہاتھ مال فروخت کرنا

سوال: (۲۵۵) ایک شخص اینٹوں کی ٹھیکیداری کرتا ہے، اور ہر قسم کے لوگ اس سے مال خریدنے کو آتے ہیں کسبی عورتیں بھی مال خریدتی ہیں؛ یہ شخص سب کو مال فروخت کر سکتا ہے؟ (۱۳۳۹/۵۷۸ھ)

الجواب: بیع وشراء ان لوگوں سے جائز ہے اور قیمت جو آئے وہ حلال ہے۔

خریدار نے حلال مال کے عوض میں جوحرام رقم دی ہے وہ بائع کے لیے حلال ہے یا حرام؟

سوال: (۲۵۶) فتاوی رشیدیہ کی ایک دوعبارت سے شبہ ہوتا ہے، بائع جو مال حلال اپنا اس شخص کے ہاتھ بیع کرے جس کا مال حرام ہے تو وہ روپیہ جو ثمن مال حلال میں آوے گا بائع کے قبضہ میں وہ حرام ہی رہے گا، اس کے عوض جو شئے خریدی جائے گی اس میں بھی حرمت ہوگی، اور کھانا پینا اس کا حرام ہے؛ البتہ ایک دوسری بات ہے جس میں سہارا روایات فقہاء سے نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ روپیہ ثمن اگر حرام ہے مگر اس روپے کے ذریعہ سے اس طرح کوئی چیز خریدی جائے کہ قیمت مقرر کر کے شئ قبض کر کے پھر یہ روپیہ قیمت میں دے دیوے تو امام کرخیؒ نے اس بیع کو حلال فرمایا ہے، اور اس پر بعض علماء نے فتوی بھی دیدیا ہے۔ جس گھر کا مال حرام ہو اس کے یہاں نوکری اور دعوت وغیرہ سب حرام ہے۔ فقط (فتاوی رشیدیہ: ص۴۹۳) بینوا وتوجروا (۲۸۶۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ جو امام کرخیؒ سے روایت ہے اس میں وسعت ہے، اور اس زمانہ میں بوجہ غلبہ حرام اور عدم امکان احتراز اسی روایت کے موافق عمل ہو جانا غنیمت ہے، اور چونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ مشتری پہلے قیمت سامنے کر کے، اور بائع کو دکھلا کر معاملہ نہیں کرتا، بلکہ معاملہ خرید وفروخت بلا ثمن دکھلائے مطلقاً کر لیتا ہے، پھر بعد طے ہونے معاملہ کے ثمن دیتا ہے تو یہ حسب روایت امام کرخیؒ حد جواز میں داخل ہو جاتا ہے، اور فتاویٰ رشیدیہ میں اس مال کی نسبت حکم لکھا ہے جو بعینہ مال حرام موجود ہو، اور ظاہر ہے کہ مبادلہ کے بعد کچھ خفت آجاتی ہے مثلاً ایک صورت تو یہی ہے کہ بعینہ مال رشوت یا سود کسی کو دیا جائے، اور ایک یہ کہ مال سود سے کوئی زمین خرید لے، اور پھر وہ زمین مزارعت پر دی جائے ان دونوں میں فرق ہو جاتا ہے، اور پھر امام کرخیؒ کی روایت کے بہ موجب اس زمین خرید شدہ میں حلت کی صورت بھی نکل سکتی ہے جب کہ ثمن سامنے کر کے زمین نہ خریدی جائے بلکہ معاملہ خرید مطلقاً ایک ثمن پر طے کر لیا جائے کہ یہ زمین سو روپے میں ہم کو دیدو، اور بائع دیدیوے، پھر مشتری وہ ثمن رقم حرام سے ادا کر دے تو بموجب روایت امام کرخیؒ وہ زمین اور اس کے منافع حلال ہوں گے، اور پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ اکثر معاملات اسی طرح ہوتے ہیں کہ ثمن سامنے کر کے معاملہ نہیں ہوتا کہ اس روپے کے بدلے ہم کو

زمین دیدو، علاوہ بریں فتاویٰ رشیدیہ کا مسئلہ **اصل** مذہب کی بناء پر ہے، امام کرخیؒ کی روایت کی بناء پر غالباً نہیں ہے؛ پس اس صورت میں کچھ تعارض نہ ہوگا، اور اس میں شک نہیں کہ احتیاط اس میں ہے کہ شبہات سے بھی احتراز کیا جائے؛ پس احتیاط کا مرتبہ یہی ہے کہ اس سے احتراز ہو، لیکن حسب روایت امام کرخیؒ جواز کی گنجائش نکل آتی ہے۔(۱) فقط

جس کے پاس غصب کردہ مال زیادہ ہے اس کے ہاتھ مال فروخت کرنا

سوال: (۲۵۷) زید کے پاس چوں کہ مال مغصوب زیادہ ہے، اس لیے اس کے ہاتھ مال کی خرید وفروخت نادرست ہے، لیکن خرید وفروخت نہ کرنے سے ضرر کا اندیشہ ہے، لہٰذا مجبوراً اس کے ہاتھ مال فروخت کرنا اور اس کی قیمت کو کسی ہندو سے اس طرح بدل لینا کہ اس سے قرض... لے کر بعد میں روپیہ دیدینا جو زید سے وصول ہوا ہے کیسا ہے؟ (۲۰۸۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر اس روپیہ کو نہ بدلے تب بھی گنجائش ہے، اور اگر بطریق مذکور بدل لیوے تو یہ اچھا ہے، بہرحال قیمت اپنی چیز مملوکہ کی بائع کے لیے حلال ہے۔

جس کی آمدنی حرام ہے اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا

سوال: (۲۵۸) ایک شخص تجارت کرتا ہے اس کو رنڈی یا دیگر ناجائز آمدنی والوں کو سودا دے کر قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۹۲/ ۱۳۳۸ھ)

(۱) قال في ردالمحتار: قوله: (اكتسب حرامًا الخ) توضيح المسئلة ما في التتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالاً من حرام، ثم اشترى فهٰذا على خمسة أوجه: أما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أوّلاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفعها، أو اشترى قبل الدفع بها و دفع غيرها، أو اشترى مطلقًا و دفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم آخر و دفع تلك الدراهم ...... وقال الكرخي: في الوجه الأوّل والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخيرة يطيب وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعًا للحرج عن الناس (الشامي ۷/۴۷۹ كتاب البيوع - مطلبٌ: إذا اكتسب حرامًا ثم اشترى على خمسة أوجهٍ)

الجواب: فتوے کی راہ سے ایسے لوگوں کے ہاتھ سودا بیچنا اور قیمت لے کر اپنے صرف میں لانا درست ہے؛ البتہ مقتضائے تقوی یہ ہے کہ احتیاط کرے۔

جس کی آمدنی مخلوط ہے اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا

سوال: (۲۵۹) ایک شخص کا پیشہ شراب اور بھنگ بیچنا ہے، اور اس کے ساتھ دوسرا حلال پیشہ بھی ہے، اگر وہ اپنے مخلوط مال سے کوئی سودا خریدے تو اس کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؟ (۲۲۲۴/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: جائز ہے۔

مجبوری میں کوئی شخص اپنا مکان کم قیمت پر فروخت کرے تو اسے خریدنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۰) ایک شخص کا مکان ایک دوسرے شخص نے دبالیا ہے، مالک مکان اس وجہ سے کہ مقدمہ کرنے کی وسعت نہیں کسی شخص کے نام بہت کم قیمت کو بیع کردے؛ یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ اور کم قیمت سے خریدنے والے پر کچھ مؤاخذہ ہے یا نہیں؟ (۱۴۳۱/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ بیع صحیح ہے اور کم قیمت کو دینا جائز ہے، اور کم قیمت سے خریدنے والے پر کچھ مؤاخذہ نہیں ہے۔ فقط

مسلمان مزدور کو نصاریٰ نے جو چیزیں دی تھیں ان کو ترک موالات کے بعد خریدنا

سوال: (۲۶۱) مردے مسلمان در ایام جنگ در بصرہ در جہاز نصاری مزدوری می کرد، پس بتوفیق ایزدی توبہ نمودہ مزدوری نصاری ترک کردہ موالات کفار فروگذاشت۔ اکنون از مزدور مذکور کمبل وغیرہ کہ در ایام مزدوری وغیرہ اورا از طرف نصاری دادہ شد خریدن شرعاً جائز بود یا نہ؟ وآں کمبل وغیرہ پوشیدہ نماز خواندن ودیگر عبادت کردن شرعاً جائز است یا نہ؟ (۹۶۷/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: اکنوں آں کمبل وغیرہ از مزدور مذکور خریدن وپوشیدن ونماز بداں ادا کردن وعبادت

ادا نمودن جائز است۔ فقط

ترجمہ: سوال: (۲۶۱) ایک مسلمان شخص ''بصرہ'' میں جنگ کے دنوں میں نصرانیوں کے جہاز میں مزدوری کرتا تھا، بعد میں خدا کی توفیق سے اس نے توبہ کر کے نصاریٰ کی مزدوری چھوڑ دی، اور کفار کے ساتھ ترکِ موالات بھی کر دیا۔ اب مزدوری کے دنوں میں نصاریٰ کی طرف سے ملے ہوئے کمبل وغیرہ اس مزدور سے خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کمبل وغیرہ کو اوڑھ کر نماز پڑھنا اور دوسری عبادت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اب اس مزدور سے کمبل وغیرہ خرید کر پہننا، اس میں نماز پڑھنا، اور دوسری عبادات ادا کرنا جائز ہے۔

صدقہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا اور خریدنا

سوال: (۲۶۲) ایک شخص نے ایک بھینس اللہ واسطے دی، جس کو دی تھی کچھ دنوں کے بعد اس نے فروخت کرنا چاہا، صدقہ کرنے والے نے قیمت طے کر کے خرید لی تو یہ خریدنا جائز ہے شرعاً یا نہیں؟

(۱۳۴۱/۱۱۰۳ھ)

الجواب: صدقہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا مکروہ ہے، اور اس کو خریدنا بھی متصدق علیہ سے اچھا نہیں ہے کما ورد فی قصة عمرؓ (۱) اور اسی پر یعنی عدم اولویت پر وہ حدیث محمول ہے، پس اگر کسی نے خرید لیا تو وہ مالک ہو گیا اور بیع صحیح ہو گئی، لیکن یہ خریدنا اچھا نہیں ہے۔ فقط

رشوت لینے والے کے ہاتھ مال فروخت کرنا اور رشوت کا مال یا طوائف کا مکان خریدنا

سوال: (۲۶۳) ..... (الف) راشی کے ہاتھ مال فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟ دراں حالیکہ

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال: حملتُ علی فرس فی سبیل اللہ فأضاعه الذی کان عنده فأردتُ أن اشتریهُ وظننت أنه یبیعهُ برُخص فسألتُ النبیّ صلی اللہ علیه وسلم فقال: لا تشتره ولا تعد فی صدقتك وإن أعطاکه بدرهم فإن العائد فی صدقته کالکلب یعود فی قینه الحدیث (مشکاة ص: ۱۷۲ کتاب الزکوة - باب من لا یعود فی الصدقة)

بائع کو یہ معلوم ہو کہ روپیہ مشتری کا مال رشوت سے ہے۔

(ب) مرتشی سے خود اپنے حلال روپے سے مال خرید نا کیسا ہے؟ باوجود یکہ مشتری کو اس امر کا علم ہو کہ یہ مبیعہ رشوت کی ہے۔

(ج) کسی طوائف کا مکان اپنے حلال روپے سے خرید سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۵۱۴/۱۳۳۱ھ)

الجواب: (الف) اگر رشوت میں ایسی چیز لی ہے جو متعین بالاشارہ ہوسکتی ہے تو اگر بائع کو اس کے رشوت ہونے کا علم ہے تو بیع کرنا جائز نہیں، یعنی فعل بیع حرام ہے کیونکہ اس صورت میں حرمت متعدی ہوجاتی ہے۔ اور اگر رشوت میں ایسی چیز لی ہے جو کہ متعین بالاشارہ نہ ہوتی ہو جیسے دراہم و دنانیر تو اس میں تفصیل ہے جو کہ شامی و درمختار وغیرہ میں مذکور ہے، سوال کے متعلق اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، اگر بائع کو یقین ہے کہ یہ روپے بعینہ وہی روپے ہیں جو کہ مشتری کو رشوت میں ملے ہیں تو بیع کرنا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے۔ قال في الشامي في مسئلة الإرث: أخذ مورثه رشوة أو ظلمًا إن علم ذلك بعينه لا يحل له أخذه وإلا فله أخذه حكمًا...... والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنيّة صاحبه وإن كان مالا مختلطًا مجتمعًا من الحرام ولايعلم أربابه ولا شيئًا منه بعينه حل له حكمًا والأحسن ديانة التنزّه عنه الخ ملخصًا (۱) (۱۸۰/۴) وفيه وفي الأشباه: الحرمة تتعدى مع العلم بها الخ (۲) اور جس مال کو مسلم مستامن نے کافر حربی سے ناجائز طور پر لیا ہو تو اس مسلم پر واجب ہے کہ مال مذکور کو واپس کرے، اور اگر نہ کرے تو اس مال کا خرید نا جائز نہیں کما في الشامي عن شرح السير الكبير: إن لم يرده يكره للمسلمين شراءه منه لأنه ملك خبيث الخ (۳) اور مال مذکور کی طرح رشوت بھی مملوک نہیں ہوتی کما في الشامي في باب القضاء: الرشوة يجب ردها ولا تملك (۴) (۴۲۱/۴)

(ب) جب مبیعہ یقیناً رشوت کی ہے تو جائز نہیں وقد مر في الصورة السابقة.

---

(۱) الشامی ۲۲۳/۷ كتاب البيوع ـ مطلبٌ في من ورث مالاً حرامًا۔
(۲) الدرالمختار مع الشامی ۲۲۲/۷-۲۲۳ كتاب البيوع ـ مطلبٌ الحرمة تتعدى۔
(۳) الشامی ۲۲۲/۷ كتاب البيوع ـ مطلبٌ: البيع الفاسد لا يطيب له ويطيب للمشتري منه۔
(۴) الشامی ۳۳/۸ كتاب القضاء ـ مطلبٌ في الكلام على الرشوة والهديّة۔

(ج) اگر طائفہ کو مکان زنا کے عوض میں مل چکا ہے تو جائز نہیں کما فی الشامی: قال بعض مشائخنا: کسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه الخ (۱)(۵/۲۶۹) لیکن اگر بلا شرط مغنیہ وغیرہ کو مالک کی رضا سے کچھ ملا ہو تو اس کو بعض نے حلال کہا ہے۔ فقط

سور کا گوشت فروخت کرنے والے سے کھانے کی چیزیں خریدنا

سوال: (۲۶۴) ہندو لوگ جو آٹا دال فروخت کرتے ہیں وہی سور کا خشک گوشت بھی فروخت کرتے ہیں جو ولایت سے آتا ہے ایسے سوداگروں سے خوردنی اشیاء کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۰۸۶ھ)

الجواب: ایسے سوداگروں سے خشک اشیاء خوردنی جن میں کچھ اثر نجاست خنزیر وغیرہ کا نہ ہو خریدنا درست ہے۔ فقط

جو لوگ تلوار سے جانوروں کی گردنیں کاٹتے ہیں ان کے ہاتھ جانور فروخت کرنا

سوال: (۲۶۵) ایک مسلمان زندہ جانور مثلاً بکری، گائے وغیرہ گورکھا پلٹن یعنی قوم نصاریٰ کے ہاتھ بذریعہ وزن فروخت کرتا ہے، اور وہ لوگ خریدنے والے اسی کے روبرو ان جانوروں کو بذریعہ شمشیر کاٹ دیتے ہیں؛ وہ قیمت حلال ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۱۸۱ھ)

الجواب: زندہ جانوروں کو قوم گورکھا یا نصاریٰ کے ہاتھ فروخت کرنا اور قیمت مقررہ ان سے لینا جائز ہے، پھر یہ ان کا فعل ہے کہ وہ لوگ تلوار سے ان کی گردنیں کاٹ کر ان کا گوشت کھاتے ہیں ان کے اس فعل حرام سے مسلمان بائع کے حق میں قیمت ان جانوروں کی حرام نہیں ہوتی، لیکن زندہ جانوروں کو باعتبار وزن گوشت کے فروخت نہ کرنا چاہیے، بلکہ قیمت معین کر لینی چاہیے خواہ گوشت کتنا ہی نکلے اس کی ذمہ داری اور شرط نہ کرنی چاہیے۔ فقط

(۱) الشامی ۹/۴۷۰ كتاب الحظر والإباحة – فصلٌ فی البیع.

جو مشرک جانور خرید کر بتوں کے نام ذبح کرتے ہیں ان کے ہاتھ بکری وغیرہ فروخت کرنا

سوال: (۲۶۶) میرے پاس بکریوں کا روزگار ہے، عموماً اس جگہ مشرک آباد ہیں جو کہ بکریوں کے بچے خرید کر اپنے بتوں کی پوجا پر مثلاً دسہرہ، دیوالی اور بھی مختلف پوجاؤں میں بکریوں کے بچے کو مار کر اس کا خون بتوں پر ڈالتے ہیں، اور اکثر میں بھی بکرا بکری ان کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۳۶۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بیچنا ان کے ہاتھ حلال ہے یعنی قیمت ان بچوں اور بکرا بکری کی بائع کو حلال ہے لیکن یہ فعل مکروہ ہے۔

سوال: (۲۶۷) ایک مشرک یا کافر مسلمان سے بکری یا بکرا خرید کر اپنے دیوتاؤں کی پوجا کے لیے خریدتا ہے وہ خرید کر کلہاڑی یا کسی تیز چیز سے اس کو ہلاک کرتا ہے ایسے شخص کے ہاتھ بکرا، بکری فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جانور کو خصی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۷۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بکری یا بکرا فروخت کرنا اس کے ہاتھ درست ہے، اور جانور کو خصی کرنا درست ہے۔ وجاز خصاء البهائم(۱) (درمختار) فقط

جو ہندو مکان خرید کر مندر میں شامل کرنا چاہتا ہے اس کے ہاتھ مکان فروخت کرنا

سوال: (۲۶۸) ایک مسلمان کا مکان بہت تنگ ہے، اس کو ایک ہندو شوالے (مندر) میں ملحق کرنے کے واسطے اصل قیمت سے زیادہ دے کر لینا چاہتا ہے؛ آیا اس ہندو کے ہاتھ فروخت کرنا جب کہ اور کوئی مسلمان اس کا خریدار نہیں جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شوالے میں ملحق کرنے کے لیے دینا ہندو کو مکروہ ہے کیونکہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے، لیکن اگر فروخت کر دیا جائے گا تو قیمت حلال ہے۔

(۱) الدر مع الرد ۹/۴۷۴ کتاب الحظر والإباحة – فصل فی البیع .

بتوں پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ان کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: (۲۶۹) کافر لوگ اپنے مندروں میں بتوں پر جو چڑھاوے مثل لونگ، بادام وغیرہ چڑھاتے ہیں، وہ خادمان مندر سستے نرخ پر بازار میں فروخت کر دیتے ہیں، اور وہ دکان دار اپنے مال میں شامل کر کے فروخت کرتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۲۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ان لوگوں سے خریدنا اس مال کا درست ہے؛ کیوں کہ وہ مالک ہو جاتے ہیں۔ فقط

سوال: (۲۷۰) ہندو لوگ بتوں پر جو چڑھاوا چڑھاتے ہیں اس کا خریدنا برہمن سے درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیوں؟ بت تو مالک نہیں ہوتے؟ (۱۱۳۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: وہ چڑھاوا ملک برہمنوں کی ہوتا ہے، اس لیے ان سے خریدنا درست ہے۔ اور کفار اگر خبیث طریق سے مالک ہوں تو مسلمانوں کے حق میں اس کا کچھ اثر نہیں ہے۔

قبر یا مندر کا چڑھاوا خریدنا اور کھانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۱) قبر یا مندر پر چڑھایا ہوا چڑھاوا خریدنا اور کھانا درست ہے یا نہیں؟ (۳۵۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چڑھانے والے کی غرض قبر پر یا مندر پر چڑھانے سے مجاور اور پجاری کو دینا ہی ہوتا ہے، اس لیے مجاور و پجاری قبضہ کے بعد اس کے مالک ہو جاتے ہیں اور خریدنا ان سے جائز ہے اور خریدنے والے کا کھانا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غیر مسلم سے ایسی زمین خریدنا جو اس کو میراث میں پہنچی ہے

سوال: (۲۷۲) ایک شخص مسلمان اپنے مکان کے گوشے کے سیدھا کرنے کو چند گز زمین ایسے کافر سے خریدنا چاہتا ہے جس کو اس کے بزرگوں سے میراث میں پہنچی ہے، اور اس کے یہاں بیٹیوں کو میراث ملنے کی رسم نہیں ہے؛ یعنی قاعدہ شرعیہ کے موافق تو وہ زمین اس بائع میں اور اس کی بہن میں مشترک ہے، اور اس کی قوم کے عرف کے موافق وہ زمین خالص اس کافر کی ہے آیا اس بائع کے لیے اس کی

یہ رسم قومی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اور آیا صرف بائع سے اس زمین کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۹۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف بائع سے اس زمین کا خریدنا درست ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ عدمِ توریثِ بنات، کفار کا مذہبی قانون ورواج ہے: وَقَدْ اُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَمَايَدِيْنُوْنَ(۱) (شامی وغیرہ)

جو شخص کسی کے کہنے پر کتابیں خرید کرلاتا ہے وہ نفع لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۳) فدوی ایک مدرسئہ دیہات میں ملازم ہے، سالانہ جماعت بندی کے وقت تمام طلبہ کی کتب میسر کرنے کے واسطے ان کے والدین فدوی سے کہہ دیتے ہیں کہ تم ہی خرید کرلا دو اور ان کو دیدو، اگر ان لوگوں سے کچھ رقم کم وبیش پیشگی لے لی جائے، اور اس رقم کو علیحدہ رکھ دیا جائے، اور ان کو کہہ دیا جائے کہ کمی بیشی کا حساب کتاب کرلیا جائے گا، اب فدوی اپنے مبلغات سے کتب وغیرہ سامان خرید کرلائے، ان کی رقم سے نہ خریدے تو کیا فدوی ان میں نفع لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اسی رقم سے کتب خرید کی جائیں تب بھی نفع لے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۰۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ان کے روپے علیحدہ رکھ کر کتب وغیرہ خرید لانا، اور پھر حساب کرکے ان کے روپے میں سے لے لینا ہر طرح جائز ہے، لیکن اگر ان لڑکوں یا ورثہ کی طرف سے وکیل بن کر آپ خریدنے گئے ہیں تو کچھ نفع لینا جائز نہ ہوگا، مصارف اور کرایہ وغیرہ کا مضائقہ نہیں، اور اگر ان سے ظاہر کردیا جائے کہ میں خرید کرلایا ہوں اس قیمت پر تم کو دیتا ہوں تو نفع لینا جائز ہوگا، اور یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ میں نے کس قیمت پر خرید کی ہے۔ فقط

ماہانہ قیمت متعین کرکے کھانا خریدنا

سوال: (۲۷۴) نان پز کے یہاں روٹی مقرر کرنا ماہوار چار روپیہ مثلاً یا پکوائی مع ترکاری کے فی ماہ دس روپیہ مثلاً مقرر کرنا جائز ہے نہیں؟ اس میں بیع معدوم ہے؟ (۱۶۰۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس کے جواز کی صورتیں فقہاء نے لکھی ہیں، اور بیع معدوم سے اس کو علیحدہ کیا ہے، لہٰذا

(۱) ردالمحتار ۷/۳۷۱ کتاب البیوع – مطلبٌ : اُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَ مَا يَدِيْنُوْنَ .

اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور ضرورت کے وقت بتاویل تصحیح معاملہ کرنا جائز ہے۔(۱)

کچھ رقم پیشگی دے کر تمام مہینے کے لیے دو پیسہ سیر برف خریدنے کا معاملہ کرنا

سوال:(۲۷۵) رمضان شریف کی چاند رات کو برف والے سے ٹھیکہ لے لینا کہ مثلاً تمام مہینہ عیدتک دو پیسہ سیر ہم کو دیا کرنا چاہے بازار میں پیسہ سیر ہو یا دو آنہ سیر۔ اور اس کو کچھ قیمت پیشگی بھی دیدی؛ آیا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (۹۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ معاملہ برف کے خریدنے کا درست ہے اور تاویل اس کی کتب فقہ میں مذکور ہے۔(۲) فقط

پانچ روپیہ ماہوار پر پیٹ بھر کر کھانا کھانے کا معاملہ کرنا

سوال:(۲۷۶)......(الف) زید نے کسی شخص سے پانچ روپیہ ماہوار پر پیٹ بھر کر کھانا کھانے کا معاملہ ٹھہرایا، اور کھانے کی مقدار اور قسم مقرر نہیں کی، بلکہ یہ کہا کہ جو کھانا تمہارے گھر میں پکے گا، یا سالن لینا کسی شخص سے مقرر کیا اور قسم سالن معین نہیں کی، یہی کہا کہ جو سالن تمہارے گھر میں پکے یہ معاملات درست ہیں یا نہیں؟

(ب) زید کسی شخص سے کھانا پکوادے اور کسی وجہ سے پکوائی نہ دے، اور آٹھ آنہ ماہوار لکڑی کے لیے دے، اور یہ معلوم نہ ہو کہ لکڑی کتنی جلتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۳۰۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) یہ معاملات چونکہ معروف ہیں درست ہیں۔

(ب) یہ بھی درست ہے۔ فقط

---

(۱) ومما تسامحوا فيه و أخرجوه عن هذه القاعدة ما فى القنية: الأشياء التى تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم اشتراها بعد ما انعدمت صح اهـ فيجوز بيع المعدوم هنا (البحر الرائق ۴۳۴/۵ كتاب البيع) هٰكذا فى الشامى. وفيه أيضًا: وقال بعض الفضلاء: ليس هذا بيع معدوم الخ (الشامى ۲۲/۷ كتاب البيوع - مطلب البيع بالتعاطى)

(۲) حوالۂ سابقہ۔

ماہانہ رسائل کی پیشگی قیمت وصول کرنا

سوال: (۲۷۷) رسائل ماہواری کی پیشگی قیمت جو وصول کی جاتی ہے اس کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ احادیث وفقہ سے بیع معدوم کی ناجائز معلوم ہوتی ہے؟ (۹۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: رسائل ماہواری وغیرہ کی بیع کے جواز کی یہ صورت ہے کہ اول وعدہ بیع پر محمول ہو، بعد وصول ہونے رسالہ کے بیع تام ہوتی ہے، اور علامہ شامی نے بیع استجرار میں اس قسم کے بیع کی تفصیل کی ہے، اور چند صورتیں لکھی ہیں اور لکھا ہے کہ ایسے مواقع میں بعض فقہاء نے بیع معدوم کی استحسانا جائز لکھی ہے۔(۱) فقط

دودھ کی قیمت مقرر کرکے روزانہ ایک سیر یا دو سیر لینا اور ماہانہ رقم متعین کرکے ہوٹل میں کھانا کھانا

سوال: (۲۷۸)......(الف) ذبح کرنے سے پہلے جانور کا چمڑا بیچنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) مثلاً روپے میں آٹھ سیر دودھ مقرر کرکے روپیہ پہلے دیدیا پھر روزانہ ایک سیر یا دو سیر لیتا رہا؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اگر روپیہ بعد میں دیوے تو کیا حکم ہے؟

(د) ہوٹل میں چار آنہ فی وقت یا دس روپے ماہوار مقرر کرکے کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲۰۸/ ۱۳۴۱ھ)

---

(۱) قال في الدر المختار: مايستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانًا. وفي الشامي: قال في الولوالجية: دفع دراهم إلى خبّاز فقال: اشتريت منك مائة مَنّ مِنْ خبز وجعل يأخذ كل يوم خمسة أمناء فالبيع فاسد، وما أكل فهو مكروه، لأنه اشترى خبزًا غير مشار إليه، فكان المبيع مجهولاً. ولو أعطاه الدراهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة أمناء ولم يقل في الابتداء اشتريت منك يجوز، وهذا حلال، وإن كان نيته وقت الدفع الشراء، لأنه بمجرد النية لا ينعقد البيع، وإنما ينعقد البيع الآن بالتعاطي والآن المبيع معلوم فينعقد البيع صحيحًا (الدر والرد ۷/۲۲-۲۳ كتاب البيوع ـ مطلب: البيع بالتعاطي)

الجواب: (الف) درست نہیں ہے۔(ب) جائز ہے۔(۱)
(ج) یہ بھی جائز ہے۔(۱)(د) جائز ہے۔

بیعانہ کی رقم واپس نہ کرنا

سوال: (۲۷۹) میں نے اپنی کچھ زمین ایک شخص کے ہاتھ فروخت کی، جس میں اس نے پچیس روپے بطور بیعانہ پیشگی دیے، اور باقی زر ثمن کا وعدہ بعد چار ماہ کے دینے کا کیا، اور تکمیل بیع نامہ بھی اسی مدت کے بعد قرار پائی اور باہم یہ معاہدہ ہوا کہ اگر بر تقدیر میں بیع نامہ کرنے سے باز رہوں تو میرا یہ بیعانہ پیشگی مبلغ پچیس روپے ضبط کیے جائیں۔ اب مشتری کو دو سال ہو گئے اس نے بیع نامہ تکمیل نہیں کرایا اب موافق معاہدے کے میں پچیس روپیہ ضبط کر سکتا ہوں یا نہیں؟(۲۵۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: وہ پچیس روپیہ آپ کو ضبط کر لینا اور واپس نہ دینا درست نہیں ہے، اور قطعاً حرام اور داخلِ حقوق العباد ہے، اگر اس نے بیع نامہ تکمیل نہیں کرایا تو یہ روپے آپ کو واپس دینا چاہیے، اور دوسرے جس شخص کے ہاتھ چاہیں بیع کریں یا وہ خریدے تو اسی کے ہاتھ فروخت کر دیں، اور روپیہ مذکورہ ثمن میں سے وضع کریں فی الحدیث قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع العربان(۲) وهو أن يشترى السلعة و يعطى البائع درهمًا أو أقل أو أكثر على أنه إن تم البيع حسب من الثمن وإلا لكان للبائع ولم يرجعه المشترى وهو بيع باطل لما فيه من الشرط والغرر الخ(۳)(حاشيه سند هى مشكوٰة ص:۲۴۰) فقط واللہ اعلم

(۱) ومما تسامحوا فيه و أخرجوه عن هذه القاعدة ما فى القنية : الأشياء التى تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم اشتراها بعد ما انعدمت صح اهـ فيجوز بيع المعدوم هنا (البحر الرائق ۵/۴۳۴ كتاب البيع)هكذا فى الشامى. وفيه أيضًا: وقال بعض الفضلاء:ليس هذا بيع معدوم الخ (الشامى ۷/۲۲ كتاب البيوع - مطلب البيع بالتعاطى)
(۲) مشكوة: ۲۴۸ كتاب البيوع - باب المنهى عنها من البيوع.
(۳) حاشية المشكوة : ۲۴۸ كتاب البيوع - باب المنهى عنها من البيوع.

وقت مقررہ پر مال نہ بھیجنے کی صورت میں دس روپیہ فی من منافعہ لینا

سوال: (۲۸۰) کوئی شخص پیشگی روپیہ دے کر کوئی چیز خریدے، اور یہ تحریر لکھا لے کہ فلاں وقت تک یہ چیزیں نہیں آئیں گی تو وعدہ خلافی کا دس روپیہ فی من منافعہ لیا جائے گا، وقت مقررہ پر وہ چیزیں نہیں بھیجیں تو دس روپے فی من منافعہ لینا جائز ہے؟ (۱۹۹۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ باطل اور ناجائز ہے، اور منافعہ مذکورہ کا لینا درست نہیں ہے۔

بیع تولیہ میں خیانت ثابت ہو جائے تو مشتری کیا کرے؟

سوال: (۲۸۱) زید کے نزدیک ایک ڈھیر مبیع کا یعنی ہیزم سوختی (ایندھن) کا تھا، عمر نے اس کو خرید کرنا چاہا، اور کہا کہ اصل خرید تمہاری کتنے روپے کی ہے؟ زید نے کہا کہ میری خرید اصل تین سو روپے کی ہے، اور پچاس روپے نفع لوں گا تو عمر نے کہا کہ چوں کہ آپ نمازی اور حاجی ہیں آپ کا کہنا راست اور درست ہے، اور ہم کو اعتبار ہے اس لیے تم اپنا نفع چھوڑو، اور مول مول میں دو (یعنی اصل قیمت میں) زید راضی ہو گیا، اور عمر نے کہا کہ مال جب تک فروخت نہ ہوگا تب تک تمہاری زیر نگرانی اور تمہارے ہی قبضہ میں رہے گا؛ یعنی میں اٹھا کر اپنی زمین میں نہ لاؤں گا بلکہ وہیں فروخت کروں گا، پھر عمر نے دو سو روپے نقد دیے اور ایک سو روپے کا وعدہ کیا کہ مال فروخت ہونے پر دوں گا، چنانچہ اسی زمین میں بازار کے نرخ پر مال فروخت کرنا شروع کر دیا، اور اس میں سے زید کو بھی دیتا رہا، اس وقت تک ساٹھ روپے ادا ہو گئے، اور قریب ایک سو دس روپے کا مال فروخت ہوا تو مال قریب نصف کے رہا، اور بکر زید کا ہمراز تھا کہ وقت بیع کے حاضر تھا اس نے کہا کہ زید نے بڑا دھوکا دیا، یہ ان کا مال ایک سو پچاسی روپے کا ہے، اور خالد بھی اس کا ہمراز ہے وہ بھی کہتا ہے کہ ایک سو پچھتر روپے کا ہے، چنانچہ اس امر پر بقیہ مال بھی شاہد ہے، زید نے عمر سے دھوکہ کیا تو یہ بیع عقد جائز رہا یا نہیں؟ اور عمر کو اختیار اس کے رد کا ہے یا نہیں؟ (۵۵۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس عقد کو جو زید وعمر میں ہوا اگر تولیہ کہا جائے جیسا کہ زید کا بیان ہے کہ تین سو میں میری خرید ہے، اور عمر نے اصل قیمت پر معاملہ کیا تو اس کا حکم تو یہ ہے کہ تولیہ میں اگر خیانت ثابت ہو جائے تو

مشتری کو قیمت کم کردینے کا اختیار ہوتا ہے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوتا کما فی الدرالمختار: وله الحط قدر الخيانة في التولية وفي الشامي: قوله وله الحط أي لاغير بحر (۱) (شامی) لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اس عقد میں دھوکہ دہی بھی پائی گئی اور بہ ظاہر غبن فاحش ہے، اس لیے عمر کو واپس کرنے کا بھی اختیار ہے قال في الدرالمختار: ويفتى بالرد ...... إن غرّه أي غَرَّ المشترى البائع أو بالعكس أو غرّه الدلال فله الرد الخ (۲) فقط

خریدا ہوا مال خرچ ہو چکا اس کے بعد بیع مرابحہ میں خیانت ظاہر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۲) میں نے کچھ بھیڑیں منگوائی تھیں ایک بیوپاری سے، اس نے اپنے شریک کے ہاتھ بھیج دیں اس نے جو قیمت بتائی وہ گراں معلوم ہوئی، عرصے کے بعد وہ اصل مالک آیا اور مال اس میں سے خرچ ہو چکا تھا، اور اس شخص سے جو مال لایا تھا اصرار سے پوچھا گیا کہ صحیح قیمت بتاؤ، اس نے جب اصل قیمت بتائی تو معلوم ہوا کہ ۶۷ روپے اس نے زائد بتائے ہیں، اور اصل مالک نے آکر روپیہ طلب کیا تو اب کتنی قیمت دینی ہوگی شرعاً؟ اور یہ معاملہ مرابحہ کا ہے (۳۱۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں چوں کہ مشتری نے مبیع کو خرچ کرلیا ہے، لہٰذا پوری قیمت جو بائع نے کہی ہے دینی پڑے گی درمختار میں ہے: ولو هلك المبيع أو استهلكه في المرابحة قبل رده الخ لزمه بجميع الثمن المسمّى (۳) فقط

خریدتے وقت میوہ وغیرہ چن کر لینا درست ہے

سوال: (۲۸۳) میوہ چن کر لینا وقت بیع کے شرط کی ہو یا نہ کی ہو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چن کر لینا درست ہے خواہ شرط کرلے یا موافق عرف کے بلا شرط چن کر لیوے۔

(۱) الدر والرد ۲۶۶/۷ كتاب البيوع – قبل مطلبٌ: خيار الخيانة في المرابحة لايورث.
(۲) الدرمع الرد ۲۷۲/۷ كتاب البيوع – مطلب في الكلام على الرد بالغبن الفاحش.
(۳) الدرالمختارمع الشامي ۲۶۶/۷ كتاب البيوع – قبيل مطلب: خيار الخيانة في المرابحة لا يورث

بائع سے گرانی کی خبر چھپا کر بازار کے نرخ پر مال خریدنا

سوال: (۲۸۴) میرے پاس دساور سے خط آیا کہ یہاں مال کا بھاؤ گراں ہوگیا، میں نے ایک سوداگر سے کہ جس کو ابھی تک دساور کی خبر نہیں ہے مال خریدلیا، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ اگر اس کو میں خبر کر دیتا تو وہ کبھی نہ دیتا تو کیا یہ خرید جائز ہے یا ناجائز؟ اور بازار کے بھاؤ خریدا (۱۳۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بازار کے نرخ سے خریدنا درست ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم

تالاب میں جو مچھلیاں ہیں ان کا تذکرہ کیے بغیر تالاب کی مچھلیاں خریدنا

سوال: (۲۸۵) اگر تالابے بے ذکر مافیہا از ماہی خریدہ آید آیا ماہی آں تالاب بر مشتری حلال باشد؟ (۴۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ایں بیع وشراء درست نیست ومشتری را تصرف دراں حلال نیست۔ فقط

ترجمہ: **سوال:** (۲۸۵) اگر کوئی تالاب اُن مچھلیوں کے تذکرے کے بغیر جو اس میں ہیں خریدا جائے تو اس تالاب کی مچھلیاں مشتری کے لیے حلال ہوں گی یا نہیں؟

الجواب: یہ خرید وفروخت درست نہیں ہے اور مشتری کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

بڑے تالابوں کی مچھلیاں جس نے خریدی ہیں وہ مچھلیاں پکڑ کر کسی کو کھلائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۶) ہمارے ملک میں بڑے بڑے تالابوں اور نہروں میں مچھلیاں فروخت کردی جاتی ہیں جو بیع باطل ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ اگر مشتری مچھلیاں پکڑ کر دوسرے کو کھلائے تو دوسرے کو جائز ہے اگرچہ بیع باطل ہے، کیونکہ یہ مباح الاصل ہے عقد نے اس میں اثر نہیں کیا، اور عمر کہتا ہے کہ مشتری کو پکڑ کر اس کا کھانا اور کھلانا حرام ہے، اسی طرح دوسرے کو، کیونکہ یہ بیع باطل ہے، اور اس کی حرمت متعدی ہے؟ (۲۴۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قول زید کا اصح ہے کیونکہ یہ بیع اگرچہ باطل یا فاسد ہے، لیکن ایسے بڑے تالابوں اور نہروں میں جن میں مچھلیاں کسی کی مملوک نہیں ہوتیں جو کوئی پکڑے اسی کی ملک ہوجاتی ہیں **قال فی الشامی : فإنه لو صاده بعده ملكه الخ** (۱) فقط واللہ اعلم

بائع کا خریدار کے سامنے ناپنا اور تولنا خریدار کے لیے کافی ہے

سوال: (۲۸۷) **ولو اشترى مكيلاً كيلاً حرم بيعه وأكله حتى يكيله** (کنز، باب المرابحة) **ومن اشترى مكيلاً مكايلةً أو موزونًا موازنةً فاكتاله أو اتزنه ثم باعه مكايلةً أو موازنة لم يجز للمشتري منه أن يبيعه ولا أن يأكلهُ حتى يعيد الكيل والوزن الخ** (هداية) ان عبارات سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بائع اور مشتری کیل اور وزن نہ کرلیں اس وقت تک ان اشیاء کا کھانا حرام ہے، آیا یہ قید عام ہے یا مشتری کی غیبوبت کے وقت میں کہ بائع کے کیل کے وقت مشتری موجود نہیں تھا شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۸۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ اسی وقت ہے، کہ مشتری کے سامنے بائع نے کیل یا وزن نہ کیا ہو، اور اگر مشتری کے سامنے بائع نے کیل یا وزن کیا ہے، تو یہ کیل اور وزن کافی ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے: **ولو كاله البائع بعد البيع بحضرة المشتري فقد قيل: لا يكتفى به لظاهر الحديث فإنه اعتبر صاعين والصحيح أنه يكتفى به لأن المبيع صار معلومًا بكيل واحد وتحقق معنى التسليم ومحمل الحديث اجتماع الصفقتين على ما نبين في باب السلم إن شاء الله تعالٰى الخ** (۲) فقط

سوال: (۲۸۸) **ولو اشترى مكيلا كيلا حرم بيعه وأكله حتى يكيله ومثله الموزون الخ** (۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیع میں بائع اور مشتری کو جدا جدا کیل ووزن کرنا لازم ہے۔ بدون کیل ووزن کے استعمال حرام ہے؛ اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۷۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) ردالمحتار ۷/۱۸۲ كتاب البيوع - مطلبٌ في البيع الفاسد.

(۲) الهداية ۳/۷۵ كتاب البيوع - قبل باب الربا.

(۳) كنز الدقائق مع البحر ۶/۱۹۳-۱۹۷ كتاب البيع - فصل في بيان التصرف في المبيع.

الجواب: اس میں یہ صورت گنجائش کی لکھی ہے کہ اگر بائع نے مشتری کے سامنے وزن اور کیل کر کے مشتری کے حوالے اس چیز کو کیا ہے تو مشتری کو کھانے وغیرہ کے لیے دوسرے کیل کی ضرورت نہیں ہے، ہدایہ میں ہے: **ولو كاله البائع بعد البيع بحضرة المشترى فقد قيل: لايكتفى به لظاهر الحديث، فإنه اعتبر صاعين والصحيح أنه يكتفى به لأن المبيع صار معلوما بكيل واحد الخ**(۱) اور درمختار میں ہے: **وكفى كيله من البائع بحضرته أى المشترى بعد البيع الخ**(۲)

خریدار خوشی سے وزن اور کیل کرنے والے کی اجرت دے تو درست ہے

سوال: (۲۸۹) اگر بائع ومشتری راضی ہوں کہ اجرت وزان وکیال مشتری کو دینی ہوگی تو یہ جائز ہے یا نہ؟ (۵۲۸/۴۴-۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر مشتری اپنی رضامندی سے اجرت وزان وکیال کی دیدیوے تو یہ درست ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے

سوال: (۲۹۰) خرید کے وقت وزن طے شدہ سے زیادہ اور فروخت کے وقت کم تولنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۱۵/۱۳۳۰ھ)

الجواب: یہ حرام اور مکروہ ہے اور سورہ **ويل للمطففين** میں اس پر وعید وارد ہے۔

زمین فروخت کرنے کے بعد رجسٹری کے کاغذات میں ''رہن'' لکھوانے سے بیع ساقط نہ ہوگی

سوال: (۲۹۱) ایک شخص نے اپنی اراضی کو بوجہ قباحت قانون ظاہرہ، اور شفعہ کی خرابی کی وجہ سے رجسٹری بطریق رہن کرادی اور خانگی بیع نامہ ایمانامعہ شہادت چند اشخاص کے تحریر کردیا ہے؛ یہ بیع

(۱) الهداية ۷۵/۳ كتاب البيوع – قبل باب الربا.

(۲) الدر والرد ۲۸۱/۷ كتاب البيوع – مطلبٌ فى تصرف البائع فى المبيع قبل القبض.

جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۲/۱۷ھ)

الجواب: اس صورت میں جب کہ زبانی ایجاب وقبول بیع کا ہوا، اور قطعی طور سے بیع وشراء واقع ہوئی، تو وہ بیع صحیح ہوگئی کَمَا قَالَ اللّٰہُ تعالٰی: ﴿ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْکُمْ ﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۲۹) پس اس کے بعد رجسٹری کے کاغذ میں رہن لکھوانے سے وہ بیع ساقط وباطل نہ ہوگی، اور در حقیقت وہ بیع ہوگی، رہن نہ ہوگی۔ فقط

رہن شدہ زمین مرتہن کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال: (۲۹۲) زید نے تیس کنال (۱) زمین چار سو روپے کے بدلے خالد کے پاس رہن رکھی، جب رہن نامہ تحریر ہو چکا تو اس کے بعد خالد نے زید سے اس زمین کی بیع کو کہا زید راضی ہوگیا، اور معاملہ بیع کا چار سو روپے میں طے ہوگیا، اور خالد نے چار سو روپے زید کو دیدیے مگر بیع نامہ تحریر نہ ہوا، یہ زمین خالد کے حق میں بیع ہے یا رہن؟ نفع اٹھانا خالد کو جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۲/۱۳۰۹ھ)

الجواب: اس صورت میں زمین مذکورہ خالد کے پاس بیع ہوگئی، اور خالد اس کا مالک ہوگیا، جملہ تصرفات مالکانہ اور نفع اٹھانا خالد کو اس زمین سے درست ہے۔ فقط

مکان خریدنے کے بعد مکان کی واپسی کا اقرار نامہ لکھ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۹۳) میں نے ایک مکان شیخ امام الدین سے مبلغ تیرہ سو روپے میں خریدا، اور اس کا بیع نامہ رجسٹری شدہ اپنے نام کرالیا، اور اس تاریخ میں ایک اقرار نامہ ـــــ بوجہ دباؤ ناجائز ـــــ امام الدین نے مجھ سے اس مضمون کا لکھایا کہ اگر بائع اندر دس سال کے تمہارا روپیہ مع لاگت تعمیر جدید کے دیدیوے تو مکان مذکور کا بیع نامہ واپسی بائع کے حق میں کرادے؛ اب جب کہ پانچ سال کے بعد جدید عمارت وغیرہ کی وجہ سے مکان کی قیمت بہت بڑھ گئی تو شیخ امام الدین کہتا ہے کہ تیرہ سو روپے لے کر بیع نامہ واپسی میرے نام کردو یہ اقرار نامہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۸۰۲ھ)

الجواب: چوں کہ بیع نامہ اصلی بلا کسی شرط کے تھا، لہٰذا وہ معاملہ تام ونافذ ہوگیا اور مشتری مالک

---

(۱) کنال: بیگھے کا چوتھا حصہ (فیروز اللغات)

مکان مذکور کا ہوگیا، اس کے بعد جو نا جائز دباؤ سے مشتری نے اقرار نامہ مذکور متعلق واپسی بیع لکھ دیا ہے، اس سے بیع مذکور میں کچھ خلل واقع نہیں ہوا، مشتری کو اختیار ہے کہ اگر بائع مذکور شیخ امام الدین حسب اقرار خود پوری قیمت مع لاگت تعمیر جدید وغیرہ مشتری مذکور شیخ محمد یوسف کو دیوے تو وہ مکان مذکور شیخ امام الدین کو واپس دیدیوے اور اگر نہ دیوے تو اس پر کچھ جبر نہیں ہے۔ فقط

ماں نے نابالغ لڑکے کی زمین فروخت کردی ہو تو لڑکا بالغ ہونے کے بعد بیع کو فسخ کرسکتا ہے

سوال: (۲۹۴) ......(الف) ایک بیوہ عورت نے اپنے فرزند نابالغ کی کچھ زمین زرعی بیع کر دی، اور زر قیمت اپنی اور فرزند کی ضروریات میں لگا دیا، اس کا فرزند بعد بالغ ہونے کے اس بیع کی تنسیخ کرانے کا مجاز ہے یا نہیں؟

(ب) زمین مشتری سے واپس لے لیوے، اور زر ثمن بہ موجب فیصلہ عدالت ادا نہ کرے تو ایسی زمین اس کو شرعاً لینی جائز ہے نہیں؟ (۱۹۶۶-۲۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) مجاز ہے (۱)

(ب) جائز ہے۔ فقط

باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کے لیے جو زمین خریدی ہے اس کا مالک کون ہے؟

سوال: (۲۹۵) اکبر حسین نے ۷۰۰ اگز اراضی اپنے بیٹے نصرت حسین نابالغ کے نام خریدی، بیع نامہ نصرت حسین کے نام لکھا یا، لیکن اکبر حسین اس اراضی میں تصرف رہن وغیرہ کا کرتا رہا ہے، تو نصرت حسین اس کا مالک ہوا یا نہیں؟ نصرت حسین کا انتقال ہو چکا ہے تو مالک اس اراضی کے اس کے ورثاء ہیں یا کون؟ (۲۹۸۳/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) ماں کو اپنے نابالغ بیٹے کی جائداد فروخت کرنے کا اختیار نہیں اس لیے یہ بیع باطل ہے، بیٹا بالغ ہونے کے بعد اس کو کالعدم کرسکتا ہے۔ قلت: وهذا لو البائع وصيا لا من قبل أم أو أخ فإنهما لايملكان بيع العقار مطلقًا (الدر المختار مع الشامی ۱۰/۳۵۱ كتاب الوصي)

الجواب: اس صورت میں ۷۰۰ گز اراضی جو اکبر حسین نے بنام نصرت حسین — پسر نابالغ — خریدی، اور بیع نامہ اس کے نام لکھایا اس کا مالک نصرت حسین ہو گیا، اور قبضہ اکبر حسین کا نصرت حسین کی طرف سے بوجہ ولایت کے ہوا، پس مالک اس اراضی کے وارثان نصرت حسین ہیں اکبر حسین کے باقی ورثہ اس کے مالک نہ ہوں گے۔ فقط

زمین فروخت کرنے کے بعد بائع اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا

سوال: (۲۹۶) زید وعمر میں ایک زمین کے متعلق عقد بیع کا معاملہ ہوا، اور ثمن وغیرہ سب دونوں میں طے ہو گیا جب بائع ومشتری گھر پہنچے تو اب بائع زمین نہیں چھوڑتا ہے تو وہ زمین مشتری کی ملک ہو گئی یا نہ؟ اور اب بائع اگر اس زمین میں کچھ تصرف کاشت وغیرہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۵-۴۴/۴۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں ایجاب وقبول تمام ہو گیا، اور مشتری مالک زمین مذکور کا شرعاً ہو گیا؛ اب بائع کو اس میں کوئی تصرف بدون اذن مشتری صحیح نہ ہوگا، اور کاشت وغیرہ جو وہ کرے گا مشتری کو اختیار اس کے قطع کا ہوگا اور وہ عاصی ہوگا۔

شوہر اپنی بیوی کی جائداد فروخت کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۹۷) زید نے اپنی کچھ جائداد اپنی بیوی کے حق مہر میں لکھ دی، بعدہٗ خود ہی اس کی بیع عمر کے ہاتھ بغیر اپنی بیوی کو خبر کیے کر دی؛ شرعاً اس کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی بیوی اس کا دعوی کر کے واپس لے سکتی ہے یا نہ؟ (۲۴۴۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ بیع اس کی زوجہ کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت نہ دے تو باطل ہے، اور وہ دعوی اس کے واپس لینے کا کرسکتی ہے۔ فقط

شوہر کے انتقال کے بعد بیوی نے دَین مہر کے عوض شوہر کا متروکہ مکان فروخت کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۹۸) زید نے انتقال کیا، ایک قطعہ مکان اور کچھ اسباب چھوڑا، اس کی زوجہ کا دین

مہر اس قدر تھا کہ زید کے تمام اسباب ومکان کو محیط تھا؛ ایسی صورت میں اگر ہندہ اس مکان کو کسی شخص سے بیع کردے تو عندالشرع وہ جائز ہوگا یا نہیں؟ (۱۱۵۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بدون اجازت ورضائے ورثۂ زید کے بیع کرنا مکان کا درست نہیں ہے، البتہ اگر ورثہ دین اپنے پاس سے ادا نہ کریں تو پھر ہندہ اس مکان کو اپنے دین میں لے کر بیع کرسکتی ہے کما یفهم من عبارة الشامی، باب الوصی: لأنهم إذا كانوا حضورًا ليس للوصي التصرف في التركة أصلا إلّا إذا كان على الميت دَين أو أوصى بوصية ولم تقض الورثة الديون ولم ينفذوا الوصية من مالهم فإنه يبيع التركة كلها إن كان الدين محيطًا الخ (۱)

اس عبارت سے واضح ہے کہ ادائے دین ورثہ کا کام ہے اگر وہ دین میت کا اپنے مال سے ادا نہ کریں تو اس وقت وصی یا دائن کو اختیار ہے بیعِ ترکہ کا، نہ یہ کہ دائن بدون اطلاع ورثہ کے ترکہ کو اپنے دین میں بیع کردیوے، یہ تصرف جائز ونافذ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قیمت کی اُدائیگی کی مدت مقرر کیے بغیر اُدھار سامان خریدنا

سوال: (۲۹۹) زید تجار سے سامان قرض لیتا ہے، اور روپے کی ادائیگی کا کچھ وعدہ نہیں کرتا؛ کیا حکم شرعی ہے؟ (۵۴۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: قیمت کی ادائیگی کی کوئی مدت مقرر کرنی چاہیے، ورنہ بیع فاسد ہوجائے گی؛ مگر یہ کہ مدت عرف وعادت سے معلوم ہو۔

خنزیر کی خرید وفروخت کرنے والے کا حکم

سوال: (۳۰۰) ایک مسلمان خنزیر کی بیع اور شراء کرتا ہے ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا حکم اور کیا سزا ہے؟ (۷۳۳/۱۳۴۱ھ)

الجواب: بیع اور شراء خنزیر کی حرام اور باطل ہے، اور مرتکب اس امر شنیع کا سخت عاصی اور فاسق ہے، توبہ کرنا اس کو لازم ہے اور اگر وہ نہ مانے تو مسلمان اس سے مقاطعت ومتارکت کردیں۔

(۱) ردالمحتار ۳۵۰/۱۰ کتاب الوصايا – باب الوصی.

خنزیر کو بیچ کر اس کی قیمت سے انتفاع درست نہیں

سوال: (۳۰۱) ایک شخص شکاری ہے اور وہ جنگلی سور اپنی کاشت کی حفاظت کے لیے مار کر کھانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، اس بات کو اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ اس روپے سے سامان بندوق خریدتا ہوں اور کبھی کبھی جوتا بھی بنوا کر پہن لیتا ہوں اور اس روپے کو کھانے پینے کی اشیاء وکپڑا وغیرہ میں احتیاطاً صرف نہیں کرتا ہوں، اس بندوق کے سامان سے جو دیگر جانور حلال شکار کرتا ہے وہ اپنے استعمال میں لاتا ہے اس کی نسبت شرعاً کیا احکام ہیں؟ (۳۳۶۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: خنزیر کی بیع باطل ہے اس لیے فروخت کرنا خنزیر کا جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت نے اس کو مال قرار نہیں دیا، لہٰذا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے سامان بندوق یا جوتا خریدنا جائز نہیں ہے، لیکن اس قیمت سے جو بارود وچھرا وغیرہ خرید کر جو شکار اس سے کیا ہے اس کا کھانا حلال ہے۔ فقط

جاندار چیزوں کا مارکہ بنانا، اور کسی کا مخصوص مارکہ ڈال کر مال تیار کرانا

سوال: (۳۰۲) بڑے تاجروں کا یہ بھی دستور ہے کہ ولایت کے کارخانوں سے معاملہ کرکے اپنے مال کے لیے کوئی خاص مارکہ مقرر کرتے ہیں، یہ مارکہ اکثر جاندار چیزوں کا ہوتا ہے، پھر وہ مارکہ کوئی دوسرا تاجر اپنے مال میں نہیں بنا سکتا، اگر بنائے تو قانوناً مجرم ٹھہرے، اور ہرجانہ بطور تاوان اس کو ادا کرنا پڑے، اور آئندہ کو اس مارکہ کے ڈالنے سے روک دیا جائے۔ ابتداءً اس خاص مارکہ والے مال کو تاجر لوگ بہت کم نفع پر یا اصل لاگت پر فروخت کرتے ہیں جب مال کی پوری شہرت ملک میں ہو جاتی ہے تو خاطر خواہ منافعہ لیتے ہیں۔ چوں کہ قانوناً کوئی دوسرا تاجر اس خاص مارکہ کو اپنے مال پر نہیں ڈال سکتا اس لیے کوئی دوسرا تاجر اگر دوسرا مارکہ ڈال کر دیسا یا اس سے بڑھیا مال بھی تیار کرائے تو بھی خریدار اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمارے کارخانے میں بھی مدت دراز سے اس طور پر مختلف مارکوں کا مال آیا کرتا ہے۔ اب اگر نئے مال کی ہم کو ضرورت پڑتی ہے تو بے جان چیزوں کا مارکہ ڈلواتے ہیں، لیکن

جاندار چیزوں کے کئی سابقہ مارکے برہما میں بہت شہرت پاچکے ہیں، ان شہرت یافتہ مارکوں کی بدولت ہماری دکان چل رہی ہے، اب اگر ان مارکوں کو بند کردیا جائے تو دکان کا کام رک جائے، اور لاکھوں روپے کا نقصان ہو۔ اگر یہی مال موجودہ جاندار چیز کے مارکہ کو ترک کر کے بے جان چیز کا کوئی دوسرا مارکہ ڈلوا کر منگایا جائے تو اگرچہ پہلے سے عمدہ اور بڑھ کر مال تیار کرایا جائے تاہم پہلے کے موافق قیمت نہیں مل سکتی ایسی حالت میں جاندار مارکہ والا مال جاری رہنے دینا درست ہے یا نہیں؟

نیز اگر کوئی دوسرا تاجر ہمارا مارکہ ڈال کر مال تیار کرائے تو عدالت انگریزی سے رجوع کر کے اس کو بند کرادینا اور اس کے اس فعل سے جس قدر نقصان پہنچا ہے اس سے وصول کرلینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہود ونصاریٰ اور ہندو ودیگر اقوام اور نیز مسلمان اگر یہ یقین کرلیں کہ فلاں مسلمان تاجر اپنے مارکہ کا دعویٰ نہیں کرے گا تو یقیناً وہ لوگ ان مارکوں کا مال تیار کرالیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی تجارت یا تو بالکل نیست ونابود ہوجائے یا بالکل کمزور پڑجائے۔ بینوا وتوجروا (۲۸۸۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: مارکہ والی صورت میں جاندار کی تصویر کے بنوانے اور باقی رکھنے کا گناہ ان تاجروں کو ہوگا؛ لیکن اصل مال کی بیع وشراء میں اس کی وجہ سے حرمت نہ آوے گی کیوں کہ مقصود تصویر کی بیع وشراء نہیں ہے وہ محض علامات ہیں اس کارخانے کے مال کی، پس جن اشیاء پر علامت مذکورہ ہے ان کی بیع وشراء صحیح ہے، اور قیمت حلال ہے۔

اور لاضرر ولاضرار کے قاعدے سے دوسرے تاجروں کو مارکہ مذکورہ ڈلوانے سے روکا جاسکتا ہے جیسا کہ کتابوں کی رجسٹری کرانے میں یہی غرض ملحوظ ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا اس کو طبع نہ کراوے، اگرچہ اس میں بھی بحث اور تفصیل ہے۔ اور اصل یہی ہے کہ کسی کو اس کتاب کے طبع کرانے سے نہ روکا جائے لیکن جب کہ غرض دوسروں کی اس کو نقصان پہنچانا ہو یا ان کے طبع کرانے سے پہلوں کو نقصان پہنچتا ہے جو کہ لازم ہے تو پھر بحکم **لاضرر ولا ضرار** ان کو روکا جاسکتا ہے ایسا ہی مارکہ مذکورہ میں سمجھنا چاہیے۔ فقط

حلال جانوروں کو ذبح کر کے کھانا اور ان کو فروخت کر کے نفع اٹھانا

سوال: (۳۰۳) حلال جانوروں کا ذبیحہ بغرض تجارت وجلب منفعت، اور ان کے گوشت و

پوست کی بیع وشراء جائز ہے یا نہ؟ یہ بیع وشراء درعہد رسالت وبہ زمانہ خلافت راشدہ ہوتی تھی یا نہیں؟ اس کی ابتداء کس وقت سے ہوئی؟ (۱۳۴۲/۱۲۷۷ھ)

الجواب: حلال جانوروں کا ذبح کرکے کھانا اور فروخت کرکے نفع اٹھانا ہر دوامر بلانکیر سلفاً وخلفاً جاری رہا ہے اور جاری ہے، ایسے امور بدیہیہ معروفہ میں حاجت کسی دلیل خاص کی نہیں ہوتی، اور نہ ابتداء کے دریافت کرنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ جس وقت آیت ﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۱) نازل ہوئی اسی وقت سے حلت حلال جانوروں کی ثابت ہوگئی، اور جو امر شرعاً زمانہ رسول اللہ ﷺ سے بلا انکار جاری ہے اس کے متعلق کچھ دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ فقط

کوئی چیز کم قیمت پر فروخت کرنا اور رسید میں زیادہ لکھوانا

سوال: (۳۰۴) کوئی چیز اسی (۸۰) روپے میں فروخت کی جائے اور مشتری سے رسید میں سو روپے لکھوائیں جائیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۰۹۰ھ)

الجواب: یہ جائز نہیں ہے۔

طویل مدت گذرنے کی وجہ سے کسی کا حق ساقط نہیں ہوتا

سوال: (۳۰۵) زید کا حق کسی مکان میں تھا وہ فروخت ہو چکا ہے، اور اٹھارہ سال ہو چکے ہیں، اب زید؛ مشتری مکان سے اپنا حق واپس مانگتا ہے، مشتری کہتا ہے کہ تمہارا حق بوجہ طویل مدت گذرنے کے باعث ساقط ہوگیا ہے تو یہ اس کا مقولہ صحیح ہے یا نہ؟ اور حق کے ساقط ہونے میں کوئی حد شرعی ہے یا نہ؟ (۱۳۴۵-۴۴/۶۷۶ھ)

الجواب: کوئی حد نہیں ہے، اور زید اپنے حصہ کا مستحق ہے اس کا حق زائل نہیں ہوا إن الحق لایسقط بتقادم الزمان (۱) (شامی) فقط

قیمت طے کیے بغیر اُدھار فروخت کرنا

سوال: (۳۰۶)......(الف) اس وقت غلہ دینا اور چھ ماہ کے بعد نرخ طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) الشامی ۱۰/۳۸۸ کتاب الخنثی – مسائل شتّی.

(ب) ایک غلہ کا نرخ چار روپیہ من ہے، ادھار فروخت کرنے کی صورت میں چار روپیہ چار آنہ من دیتا ہے؛ یہ جائز ہے شرعاً یا نہیں؟ (۴۸ /۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) یہ جائز نہیں۔

(ب) ثمن مؤجل میں زیادتی جائز ہے کما فی الهداية: **ألا يُرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجَل.** (۱)

دلال کا بائع اور مشتری سے کمیشن لینا

سوال: (۳۰۷) آڑھت (کمیشن) لینا بائع ومشتری دونوں سے یا صرف ایک سے جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص اس کو ناجائز کہتا ہے اور حدیث مسلم کی پیش کرتا ہے جو کہ مشکوۃ (ص: ۲۴۷) میں ہے: **عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايبيع حاضرٌ لباد الحديث** (۲) شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۱۹۰۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ صورت شرعاً جائز ہے، اس میں ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں جب کہ بائع اور مشتری اپنی رضا سے اس کو اجرت دیتے ہیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ فقہاءؒ نے اس کو جائز کہا ہے اور اس کی تفصیل اس طرح کی ہے کہ اگر دلال نے مالک کی اجازت سے خود اس شئ کو فروخت کیا ہے تو اس کی اجرت بائع کے ذمے ہے، مشتری سے لینے کا اس کو حق نہیں، اور اگر صرف اس نے کوشش ہی کی ہے اور فروخت کرنے والا خود مالک ہی ہے تو اس میں عرف کا لحاظ ہے؛ یعنی اگر ایسا عرف ہے کہ اجرت دلال صرف بائع یا صرف مشتری ہی کے ذمے ہوتی ہے تو اسی کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر یہ رواج ہے کہ دونوں اس کی اجرت کے ذمے دار ہیں تو اسی کا اعتبار ہوگا، غرضیکہ جس شہر میں جیسا رواج ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا در مختار میں ہے: **وأما الدلال فإن باع العين بنفسه بإذن ربها فأجرته**

---

(۱) الهداية ۷۴/۳ كتاب البيوع – قبل باب الربا.

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايبيع حاضرٌ لبادٍ، دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض، رواه مسلمٌ (مشكاة المصابيح ص: ۲۴۷ كتاب البيوع – باب المنهي عنها من البيوع)

على البائع، وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف الخ (۱) اور شامی میں اسی قول کے تحت میں ہے: فتجب الدلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف (۱) (نقل هذا عن جامع الفصولين) اور وہ حدیث جو سوال میں نقل کی گئی ہے اس کو اس کے جواز وعدم جواز سے کوئی تعلق نہیں، اس کے معنی تو صرف یہ ہیں کہ کسی شہر کے رہنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ غلہ وغیرہ کو ایسی حالت میں کہ اہل شہر قحط اور تنگی میں ہوں دوسرے گاؤں والوں کے ہاتھ گرانی کے ساتھ فروخت کرے، قال في النهاية: صورته أن الرجل إذا كان له طعام وعلف وأهل المصر في قحط منهما وهو لا يبيعهما من أهل المصر حتى يتوسعوا ويبيعهما من أهل البادية وهم يتضررون بذلك فهو مكروه انتهى (۲) اور ہدایہ میں ہے: هذا إذا كان أهل البلد في قحط وعوز وهو يبيع من أهل البدو طمعًا في الثمن الغالي الخ (۳) غرض کہ صورت مذکورہ میں اگر آڑھتی خود مال منگا کر فروخت کرتا ہے تو اس کی اجرت صرف بائع کے ذمے ہے، اور اگر محض ساعی ہی ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو پھر اس کو حق ہے کہ عرف کے موافق دونوں سے اجرت وصول کرے یا کسی ایک سے وصول کرے، اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں، اور نہ کوئی حدیث اس کے مخالف ہے۔ فقط

فروخت کردہ چیز مشتری کی رضامندی کے بغیر نہ بائع واپس لے سکتا ہے نہ قیمت میں اضافہ کرسکتا ہے

سوال: (۳۰۸)...... (الف) بیع کی ہوئی چیز کو بلا رضائے مشتری کے بائع واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟
(ب) بیع شدہ چیز پر اگر قانونی بیع نامہ کی تکمیل نہ ہوئی ہو تو بائع قیمت میں اضافہ کرسکتا ہے

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/۷۱ کتاب البیوع۔ مطلبٌ: فسادُ المتضمن یوجب فسادَ المتضمن.
(۲) و بمعناه في الجوهرة النيرة: وبيع الحاضر من البادى وهو أن الرجل من أهل المصر إذا كان له طعام وعلف و أهل المصر في قحط، وهو لا يبيعهما من أهل المصر ولكنه يبيعه من أهل البادية بثمن غالٍ فهذا مكروهٌ، وأما إذا كان أهل المصر في سعة ولا يتضررون بذلك فلا بأس به (الجوهرة النيرة ۱/۲۰۹ كتاب البيوع، آخر بيع الفاسد، المطبوعة: المجتبائى. دهلى)
(۳) الهداية ۳/۶۷ كتاب البيوع - فصل فيما يُكره.

یا نہ؟ (۴۷۲/۱۳۴۴ھ)

الجواب: (الف) بلا رضائے مشتری کے واپس نہیں لے سکتا۔
(ب) بلا رضامندی مشتری کے اضافہ ثمن کرنا صحیح نہیں ہے۔ فقط

بھاؤ طے کیے بغیر غلہ اُدھار خریدنا

سوال: (۳۰۹) یہ رواج جاری ہو رہا ہے کہ کھاتے میں غلہ ادھار بغیر بھاؤ قائم کیے ہوئے دیتے ہیں اور چار یا چھ مہینے بعد فصل خریف یا ربیع گذر نے پر دس پانچ آدمی جمع ہو کر اول وآخر کا نرخ چھوڑ کر درمیان کا بھاؤ قائم کر دیتے ہیں مثلاً جب شروع میں غلہ دیا تو بھاؤ بیس سیر تھا اور جب پھر دیا تو بھاؤ اٹھارہ سیر تھا اور جب اخیر میں دیا تو بھاؤ سترہ سیر ہو گیا تو اب درمیان کا بھاؤ مقرر ہوگا؛ اس طرح لین دین کرنا قاعدۂ شرع سے جائز ہے یا نہیں؟ (۳۴۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اس طرح لین دین کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ لازم ہے کہ جس قدر گندم قرض لیے ہیں اسی قدر گندم ادا کرے۔ اور اگر بہ قیمت لیے ہیں تو جو قیمت واقعی وقت دینے گندم کے ہے اور قرار پائی ہے وہ دیوے۔

❁❁❁

بیع سلم کا بیان

بیع سلم کا جائز طریقہ

سوال: (۳۱۰) بدھنی (بیع سلم) کس طرح پر جائز ہے؟ (۱۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بدھنی اس طرح جائز ہے کہ قیمت پہلے دیدے، اور مبیع مہینہ دو مہینہ یا زیادہ پر لینا قرار پائے، اور نرخ معین کردے کہ مثلاً گندم فی روپیہ دس سیر یا بارہ سیر لوں گا، اسی طرح جملہ شرائط سلم کا لحاظ رکھے اور تحقیق کرلے (۱)

شرائط بیع سلم

سوال: (۳۱۱) مثلاً ہم نے کسی کو مبلغ ۲۰ روپیہ پیشتر دیے، اس سے فصل پر گندم کا نرخ ۳ من کا ٹھہرالیا ہے یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۱۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: پیشگی روپیہ دے کر فصل پر گندم بہ نرخ معین لینے کا معاملہ درست ہے اس کا نام شرع میں ''بیع سلم'' ہے جس کو عرف میں ''بدھنی'' کہتے ہیں، شرعاً اس کے جواز کی چند شرطیں ہیں وہ پوری ہو

---

(۱) اب اکثر و بیشتر چیزیں مشینوں سے تیار کی جاتی ہیں۔ اور ان میں تفاوت بہت کم ہوتا ہے، اور ان کی جملہ تفصیلات منضبط کی جاتی ہیں اس لیے جن چیزوں کی پوری طرح تعیین عقد کے وقت ہوسکتی ہے ان میں بیع سلم جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

وكلّ ما أمكن ضبط صفته ومعرفة مقداره جاز السلم فيه ، لأنه لا يفضى إلى المنازعة وما لايضبط صفته ولا يعرف مقداره لا يجوز السلم فيه ، لأنه دين وبدون الوصف يبقى مجهولا جهالةً تفضى إلى المنارعة (الهداية ۳/۱۰۰ كتاب البيوع ، باب السلم)

جاویں تو یہ معاملہ درست ہے، ان شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ جو غلہ لینا ہو اس کی جنس ونوع وصفت اس وقت بیان کریں کہ اگر مثلاً گندم لینے ہوں تو یہ طے ہو جائے کہ فلاں قسم کے گندم ایسے ایسے وصف کے لوں گا۔

دوسرے: وقت لینے گندم کا معین کیا جائے کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو گندم لوں گا۔

تیسرے: نرخ اس وقت طے کرلیا جائے کہ خواہ جس قدر طے ہو مثلاً اس وقت نرخ اگر آٹھ سیر کا ہے تو تیرہ سیر یا چودہ سیر اگر نرخ پختہ طے کرلیا جائے تو یہ درست ہے۔

چوتھے: یہ بھی معین کیا جائے کہ کس جگہ گندم وصول کیے جائیں گے وغیرہ، ان سب باتوں کا اگر لحاظ رہے تو معاملہ مذکورہ درست ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

سوال: (۳۱۲) شرائط بیع سلم کو اختصار سے بیان فرمائیے؟ (۱۶۵۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: گندم وغیرہ جس جنس میں بیع سلم کرنا ہے اس کا وصف وغیرہ ظاہر کردے کہ ایسی ایسی قسم کے ہوں، اور نرخ معین کردے کہ فی روپیہ اس قدر لوں گا، قیمت کل اس وقت دیدیں، وقت لینے کا متعین کریں، اور جگہ بھی کہ فلاں وقت فلاں جگہ میرے پاس آجائے۔

سوال: (۳۱۳) بیع سلم کی کیا کیا شرطیں ہیں، تاریخ کا تعین کرنا ضروری ہے یا موسم وماہ کا تعین کافی ہے؟ (۹۲۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: شروط بیع سلم یہ ہیں: بیان جنس ونوع وصفت وبیان مقدار نرخ وغیرہ ووقت وصول وجائے وصول وغیرہ۔ وقت میں تاریخ وماہ معین کرنا چاہیے یا یہ کیا جائے کہ وقت عقد سے دوماہ یا تین ماہ میں مثلاً مال وصول کیا جائے گا۔

بیع سلم میں سب شرائط سلم کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

سوال: (۳۱۴) ہمارا بٹائی دار فصل تیار ہونے سے پہلے آبادیٔ کاشت کے لیے کچھ روپے طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مثلاً آپ کو گیہوں خریدنا ہوگا میں گیہوں دیدوں گا، جس نرخ سے آپ دوسرے سے خریدیں گے اسی نرخ سے میں دوں گا، یا نرخ معلومہ سے ایک دو سیر زیادہ کرکے نرخ متعین کردیتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۵۶۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: گیہوں کا نرخ وغیرہ اور وقت وصول مقرر کر کے اگر روپیہ دیا جائے تو درست ہے، مگر شرائط سلم سب پوری ملحوظ رکھنی چاہئیں؛ کیونکہ یہ معاملہ بیع سلم کا ہے، پس جنس ونوع اور صفت غلہ اور نرخ اور وقت وصول وغیرہ سب اول ہی طے ہو جانا چاہیے۔ فقط

بیع سلم کی چند جائز صورتیں

سوال: (۳۱۵) روئی کا سودا جو ممبئی وغیرہ میں بطور سٹہ ہوتا ہے، اس طریقے پر کہ فلاں مہینہ میں فلاں علاقہ کی روئی سو یا دو سو گانٹھ اس نرخ پر فروخت کریں گے، یا خرید کریں گے اور سامنے روئی وغیرہ موجود نہیں ہوتی صرف زبانی بیعانہ پر سودا ہوتا ہے؛ یہ خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲۷۵۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: بطریق بیع سلم یعنی بدھنی کے ایسی بیع درست ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نرخ اور وصول کی جگہ اور وقت معین کر دیے جائیں، اور اوصاف روئی کے کہ ایسی ہو بیان کر دیے جائیں، اور قیمت کل روئی کی فی الحال دی جائے، بلکہ یہ جملہ شروط لکھ لی جائیں، اگر جملہ شرائط سلم پوری ہو جائیں گی تو بیع مذکور صحیح ہو جائے گی، اگر چہ روئی اس وقت پیدا نہ ہوئی ہو کیوں کہ بازاروں میں موجود رہنا کافی ہے۔ فقط

سوال: (۳۱۶) ایک امام نے بیع سلم کا مسئلہ بہشتی زیور میں دیکھ کر پیشگی روپیہ دے کر گندم فی روپیہ ۲۶ سیر خام کے حساب سے یہ اقرار کر لیا کہ ایک مہینہ میں لے لوں گا، اور تاریخ مقرر کر لی یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: بیع سلم جائز ومباح ہے، کسی امام نے اگر ایسا کیا تو اس پر کچھ مؤاخذہ شرعی وعرفی نہیں ہے قَالَ فِی الْهِدَايَةِ: السلم عقد مشروع بالكتاب وهو آية المداينة، فقال ابن عباس رضي الله عنه: أشهد أن الله تعالى أحل السلف المضمون وأنزل فيها أطولَ آية الخ (۱) جو لوگ سود میں اور سلم میں فرق نہیں کرتے ان کو سمجھا دینا چاہیے تا کہ امر حلال وجائز کو نامشروع سمجھ کر گناہ گار نہ ہوں۔ فقط

سوال: (۳۱۷) عمر نے خالد کو ایک سو روپیہ بایں شرط دیا کہ دو برس کے بعد ہم کو اس روپے کے عوض دو سو من دھان دینا؛ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۶۵/۱۳۳۸ھ)

(۱) الهداية ۳/۹۱-۹۲ كتاب البيوع – أوائل باب السلم.

الجواب: یہ بیع سلم ہے، اگر شرائط بیع سلم سب پائی جائیں گی تو یہ صورت درست ہے۔

سوال: (۳۱۸) زید نے عمر کو بیس روپیہ اس شرط پر دیا کہ پانچ من سن فصل پر لے لوں گا، اور اس وقت سن کا بھاؤ چار روپیہ من ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۶۷/۳۹-۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر بطریق سلم ورعایت شرائط سلم یہ معاملہ ہوا ہے تو جائز ہے۔ فقط

سوال: (۳۱۹) زید شکر قند خرید کر ادھار بوعدہ چھ ماہ دیتا ہے اس طرح پر کہ فصل میں اس کے برابر غلہ لوں گا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۵۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کے جواز میں اختلاف اور شبہ ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ شکر قند کی قیمت طے کر کے اس کے ذمہ کر دے اور اس قیمت سے گندم بمقدار معین بوقت معین مقرر کرے تاکہ کچھ شبہ جواز میں نہ رہے۔

سوال: (۳۲۰) اس وقت نرخ گیہوں کا مثلاً نو سیر ہے زید نے بکر سے اس وقت کچھ روپیہ لے کر فصل پر مثلاً دس سیر کے حساب سے دینا طے کیا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۲۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ بیع صحیح ہے اس بیع کا نام بیع سلم ہے، اور بیع سلم کی صحت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ قیمت فی الحال دے اور نرخ وقسم غلہ ووقت ومکان وصول معین کرے۔

سوال: (۳۲۱) زید نے عمر سے کہا کہ میں سو روپیہ تجھ کو دیتا ہوں، چار ماہ کے بعد چار من پیاز لے لوں گا، عمر نے قبول کر لیا؛ آیا ایسی صورت جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ صورت جو سوال میں درج ہے بیع سلم کی ہے، اور درست ہے۔

سوال: (۳۲۲) پیشگی روپیہ دے کر زیادہ نرخ سے غلہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۵۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: فی الحال اگر روپیہ دے کر غلہ نرخ حال سے زیادہ مقرر کر لیا جائے بطریق بیع سلم کے تو یہ درست ہے، بہ شرطیکہ تمام شرائط بیع سلم کا پورا لحاظ رکھا جائے، اور فی الحال اناج دے کر اناج ہی زیادہ مقرر کر کے لینا درست نہیں ہے۔ لیکن اناج بہ حساب دس سیر فی الحال دے کر اگر اس کی قیمت کے روپے سے اناج زیادہ نرخ پر بطریق بیع سلم مقرر کر لے تو درست ہے؛ مثلاً یہ کرے کہ بیس روپے میرے تمہارے ذمے قیمت غلہ کی ہوئی، ان بیس روپے کے گندم فلاں نرخ سے فلاں وقت لوں گا؛ الغرض اگر بیع سلم کی شرائط پوری ملحوظ ہوں تو جائز ہے۔

بیع کی چند ناجائز صورتوں کو بیع سلم میں تبدیل کرنا

سوال: (۳۲۳) اس علاقہ میں عموماً یہ دستور ہے کہ زمین دار لوگ جب فصل گندم اور کپاس وغیرہ کی کاشت کرتے ہیں تو اکثر لوگ موقع کاشت پر، اور بعض کاشت سے کچھ مدت بعد فصول بالا اس شرط پر ساہوکاروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں کہ کاشت شدہ رقبہ میں سے جس قدر پیداوار ہوگی وہ سب فلاں نرخ پر دی جائے گی، اور بعض کاشت شدہ رقبہ کا خیال نہیں کرتے۔ بلکہ بلحاظ وزن فروخت کرتے ہیں کہ موقع فصل پر اتنے من جنس فلاں نرخ پر تمہیں دی جائے گی، چنانچہ ساہوکاران ہی شرائط پر بیع نامہ تحریر کرالیتا ہے، اور ضرورت ہوتو زمین دار کچھ روپیہ پیشگی بھی ساہوکار سے لے لیتے ہیں ایسی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کی بیع میں جو روپیہ آیا وہ حلال ہے یا حرام؟ اگر ناجائز ہے تو جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ (۱۳۳۵/۱۲۷۳ھ)

الجواب: یہ صورتیں ناجائز ہیں، اور روپیہ جو آیا حلال ہے، مگر اس میں خباثت ضرور ہے، جواز کی صورت بطریق بیع سلم ہوسکتی ہے، مگر اس کی شرائط کو ملحوظ رکھا جائے، اور شرائط سلم کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

فلوس میں بیع سلم درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۲۴) ایک صاحب ایک روپیہ قرض دیتے ہیں، اور اٹھارہ آنے کے پیسے لیتے ہیں یعنی قرض دار سے، علی ہذا سو روپیہ اگر کسی کو قرض دیتے ہیں تو اس سے سوا سو یا ڈیڑھ سو روپے کے پیسے لیتے ہیں۔ آیا یہ صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۹۲۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر یہ معاملہ بطریق بیع سلم ہوتو درست ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس وقت ایک روپیہ دیوے، اور دوسرے سے یہ کہے کہ ایک ماہ میں یا اس سے زائد میں جو مدت مقرر کردیوے اس قدر فلوس ایک روپیہ کے عوض تم سے لوں گا: اسی طرح سو روپیہ دے کر اس قدر پیسہ لینا ٹھہرادے جو سوا سو یا ڈیڑھ

سو کے ہوں تو بطریق بیع سلم یہ معاملہ درست ہے (۱) کما فی الدر المختار: ویصح (أی السلم) فیما أمکن ضبط صفته الخ کمکیل وموزون ...... وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس الخ (۲) (وأقره الشامی وصححه) اور اگر ادھار نہ ہو بلکہ بیع فی الحال ہو، یعنی اسی وقت روپیہ دیوے اور اسی وقت پیسہ لیوے تب بھی کمی بیشی درست ہے کما فی الدر المختار: وإن وجد أحدهما أی القدر وحده أو الجنس حل الفضل وحرم النساء الخ (۳) وفی الشامی: سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب: بأنه یجوز إذا قبض أحد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من أحد الجانبین، قال: ومثله ما لو باع فضة أو ذهبا بفلوس کمافی البحر عن المحیط (۴) (ص:۱۸۴- باب الربا)

سوال: (۳۲۵) یہاں اس طرح سے بیع سلم ہوتی ہے کہ ایک شخص کو چند روپے دیدیے کہ یہ روپے تم لو، اور بعوض روپے ایک ماہ یا دو ماہ میں فی روپیہ بیس یا بائیس آنہ کے پیسے دینے ہوں گے، اب سوال یہ ہے پیسہ کو جنسِ غیر تصور کر کے سلم جائز ہے کہ نہیں؟ اس ناچیز کے خیال میں پیسہ جنس غیر ہرگز تصور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کا نرخ سرکار نے مقرر کر دیا ہے؟ (۱۳۳۵/۱۱۲ھ)

الجواب: قال فی الدر المختار: فی بیع السلم: ویصح فیما أمکن ضبط صفته الخ کمکیل وموزون الخ وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس الخ (۵) وفی الشامی: فی باب الربا؛ سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فأجاب: بأنه یجوز إذا قبض أحد البدلین الخ (۶) ان عبارات سے واضح ہے کہ سلم فلوس میں صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم

(۱) یہ مسئلہ اس وقت تھا جب فلوس (پیسے) مستقل کرنسی تھے، روپے کے اجزاء نہیں تھے اور روپے اور فلوس کا بھاؤ بھی گھٹتا بڑھتا تھا، مگر اب پیسے: روپے کے اجزاء ہیں، پس اب نہ بیع سلم جائز ہے، نہ کمی بیشی، فقہ کے سب جزئیات جو اس عنوان کے تحت جوابات میں ہیں وہ سب دور اوّل کے ہیں ۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۲) الدر مع الرد ۷/ ۳۴۸-۳۴۹ کتاب البیوع - أوائل باب السلم.

(۳) الدر مع الرد ۷/ ۳۰۶ کتاب البیوع - مطلب فی الإبراء عن الربا.

(۴) الشامی ۷/ ۳۱۴ کتاب البیوع - مطلبٌ فی استقراض الدراهم عددًا.

(۵) الدر مع الرد ۷/ ۳۴۸ - ۳۴۹ کتاب البیوع - باب السلم.

(۶) ردالمحتار ۷/ ۳۱۴ کتاب البیوع - مطلبٌ فی استقراض الدراهم عددًا.

سوال: (۳۲۶) از اکثر عبارات کتب فقہ بقول شیخین معلوم می شود کہ در فلوس مروجہ بیع سلم جائز است وبقول امام محمد معلوم می شود کہ جائز نیست، الحاصل بوجہ اشتباہ بیع مذکور بارِبا در جواز وے تردد افتادہ است شرعاً چہ حکم است؟ (۲۱۴/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: بیع سلم در فلوس جائز است کما ہو مذہب الشیخین والروایة عن محمد قال فی الدر المختار: وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس الخ. وفی ردالمحتار: قیل: وفیہ خلاف محمد لمنعہ بیع الفلس بالفلسین، إلا أن ظاہر الروایة عنہ کقولہما (۱) (شامی باب السلم ۴/۲۰۳) وفی باب الربا منہ تنبیہ: سئل الحانوتی عن بیع الذہب بالفلوس نسیئةً فأجاب: بأنہ یجوز إذا قبض أحد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلسٍ بدرہم یکفی التقابض من أحد الجانبین، قال: ومثلہ مالو باع فضة أو ذہبًا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال: فلا یغتر بما فی فتاوی قارئ الہدایة من أنہ لایجوز بیع الفلوس إلی أجل بذہب أو فضة لقولہم: لایجوز إسلام موزون فی موزون الخ قلت: والجواب حمل ما فی فتاوی قارئ الہدایة علی ما دل علیہ کلام الجامع من اشتراط التقابض من الجانبین؛ فلا یعترض علیہ بما فی البزازیة المحمول علی ما فی الأصل (۲) فقط

ترجمہ: **سوال:** (۳۲۶) کتبِ فقہ کی اکثر عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فلوسِ مروّجہ میں شیخین کے قول کے مطابق بیع سلم جائز ہے اور امام محمد کے قول کے مطابق ناجائز؟

الحاصل بیع مذکور کے ربا کے ساتھ اشتباہ کی وجہ سے اس کے جواز میں تردد واقع ہوتا ہے، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: فلوس میں بیع سلم جائز ہے۔ جیسا کہ شیخین کا مذہب اور امام محمد رحمہم اللہ کی بھی ایک روایت ہے (چنانچہ درمختار شامی وغیرہ میں اس کی صراحت ہے)

سوال: (۳۲۷) ایک شخص کو مثلاً بارہ روپے اس شرط پر دیئے جائیں کہ چند روز بعد چودہ روپے کے پیسے یا پیسہ وروپیہ دونوں معطی کو ادا کرے، یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۵۴۶/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) ردالمحتار ۷/۳۴۹ کتاب البیوع – باب الربا.

(۲) الشامی ۷/۳۱۴-۳۱۵ کتاب البیوع – مطلبٌ فی استقراض الدراہم عددًا.

الجواب: اگر بطریق سلم معاملہ مذکورہ کیا جائے مثلاً یہ کہ اس قدر روپیہ کے اتنے فلوس فلاں وقت لوں گا تو بیع سلم کو فلوس میں فقہاء نے جائز لکھا ہے، درمختار میں ہے: ویصح فیما أمکن ضبط صفته الخ وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس الخ (۱) لیکن شرائط سلم کا پورا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اور یہ کہ فلوس ہی لیے جائیں نہ یہ کہ پیسہ وروپیہ مخلوط لیے جائیں اور نہ یہ کہ چودہ روپیہ کے پیسے لوں گا، بلکہ پیسوں کی تعیین اس وقت کردے کہ فی روپیہ اس قدر پیسے لوں گا۔ فقط

سوال: (۳۲۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ روپے میں بیع سلم درست ہے یا نہیں؟ یعنی ایک شخص نے کسی مدیون کو آج دس روپے دیے کہ ایک سال بعد پچاس روپے کے پیسے دینا ہوگا؛ اس طرح کی بیع درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں نزاع ہے: لہٰذا جواب کو مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیں؟ (۱۵۸۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ روپے اور پیسوں میں بیع سلم درست ہے، اس طرح کہ اس وقت دس روپے مثلاً دیوے کہ ایک ماہ یا دو ماہ یا سال کے بعد اتنے پیسے مثلاً ہزار یا پانچ سو پیسے لوں گا، یہ نہ کہے کہ پچاس روپے کے پیسے لوں گا، مگر جب کہ مقدار اور تعداد پچاس روپے کے پیسوں کی معلوم ہو۔ شامی (کے باب الربا ۴/۲۰۳) میں ہے: لو اشتریٰ مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من أحد الجانبین قال: ومثله ما لو باع فضة أو ذهبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال: فلا یغتر بما فی فتاوی قارئ الهدایة من أنه لا یجوز بیع الفلوس إلی أجل بذهب أوفضة لقولهم: لا یجوز إسلام موزون فی موزون الخ (۲) وفی باب السلم من الدر المختار (۴/۲۲۴): ویصح فیما أمکن ضبط صفته الخ. کمکیل و موزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض و فلس الخ (۳) واللہ اعلم

راب میں بیع سلم درست ہے

سوال: (۳۲۹) راب جو کہ نیشکر (گنا) سے تیار کی جاتی ہے، کاشت کار اس وقت فروخت

(۱) الدر مع الرد ۷/۳۴۸-۳۴۹ کتاب البیوع - فی بدایة باب السلم.
(۲) الشامی ۷/۳۱۴ کتاب البیوع - باب الربا. مطلبٌ فی استقراض الدراهم عددًا.
(۳) الدر المختار مع الشامی ۷/۳۴۸ کتاب البیوع. أوائل باب السلم.

کردیتے ہیں جب کہ نیشکر کا پوداذ را بڑا ہوتا ہے، راب بازاروں میں تو نہیں بکتی ،مگر کاشت کاروز مین دارلوگوں سے مل سکتی ہے، ایسی صورت میں اس کی بیع سلم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۹۲۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: بیع سلم راب (۱) میں بہ صورت مذکورہ ہوسکتی ہے، مگر شرائط سلم پوری ہونی چاہئیں۔

سوال: (۳۳۰) راب میں سلم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ نیز تاریخ وصول مقرر ہونا غیر ممکن عادی ہے، اس لیے بالفرض کوئی خاص تاریخ متعین کی گئی اور اس وقت بارش ہوگئی تو مال تیار نہیں ہو سکے گا، تاریخ متعینہ سے قبل یا بعد اگر وصول کیا جائے تو کیا خرابی ہے؟ (۱۲۲۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: راب میں بیع سلم درست ہے، مگر شرائط سلم کا پورا کرنا لازم ہے، اور تاریخ وصول بوقت عقد برائے صحت عقد مقرر کردیوے، پھر چاہے وصول اس کے بعد ہو یا پہلے ہو جائے یا بتدریج ہو۔

گنّا بونے سے پہلے اس میں بیع سلم کرنا

سوال: (۳۳۱) آج کل رس کی بیع وشراء کا جو یہ طریقہ مروج ہے کہ ہنوز ایکھیں بوئی نہیں گئیں، اور معاملہ کرکے روپیہ دیدیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے یہ عصیر کی سلم ہے، اور وجود رس کا ہروقت یوں ممکن ہے کہ ہاتھیوں کے واسطے صدہا کھیت ہندوستان میں چھوڑ دیے جاتے ہیں، نیز گنے کی نوع بازار میں مختلف حصص ہندوستان میں ہروقت ممکن الحصول، پس یہ وجود جواز سلم کے لیے کافی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۹۶۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: رس کی بیع وشراء کا جو طریق مروج ہے کہ قبل از وجود رس اس کی بیع کردی جاتی ہے یہ باطل ہے، اور اس کو رس کی سلم قرار دینا اور اس کے وجود کا یہ حیلہ نکالنا جو سوال میں مذکور ہے مجوز بیع نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں جو رس کی سلم قرار دی جاوے گی، تو یہ سلم اس رس میں ہے جو اس موسم میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ اس وقت موجود نہیں ہے **كما في حنطة حديثة قال في الدر المختار: ولا في حنطة حديثة قبل حدوثها لأنها منقطعة في الحال، وكونها موجودة وقت العقد إلى وقت المحل شرط فتح (۲) وقال قبله: ولا في منقطع لا يوجد في الأسواق من وقت العقد**

---

(۱) راب سے مراد پتلا گڑ ہے جو پورے سال کسانوں کے گھر میں رہتا ہے، اس لیے اس میں بیع سلم جائز ہے۔

(۲) الدر المختار مع الشامی ۷/۳۵۳ کتاب البیوع - مطلبٌ: هل اللحم قيمي أو مثلي؟

إلی وقت الاستحقاق (۱) فقط

اینٹوں میں بیع سلم کرنا

سوال:(۳۳۲) پزاوہ گر کو پیشگی روپیہ دے کر اینٹوں کا بھٹا لگوایا جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۱/۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ طریق بیع سلم کا ہے کہ روپیہ پیشگی دیا جائے، اور نرخ مقرر پر اینٹ مقرر لی جائے اور شرائطِ سلم کا لحاظ کیا جائے تو یہ شرعاً جائز ہے۔

پھلوں میں بیع سلم کرنا درست نہیں

سوال:(۳۳۳) بیع باغ انبہ (آم) کس وقت ہونی چاہیے؟ اور باغ کی بیع سلم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۶۵۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: باغ انبہ وغیرہ کے پھل کی بیع اس وقت ہونی چاہیے کہ پھل پورا بڑھ چکے اور پکنے لگے، اس طرح اگر بیع کرے گا صحیح ہوگی، اور بیع سلم کسی خاص باغ کے پھل میں نہیں ہوسکتی، اور عام طور سے بھی اس پھل میں بیع سلم درست نہیں ہے جو باقی نہ رہے؛ یعنی وقت عقد سے وقت وصول تک بازاروں میں موجود نہ رہے۔ فقط

دھان میں بیع سلم کرنا کب درست ہے؟

سوال:(۳۳۴) ہمارے ملک برھا میں دھان میں بیع سلم ہوتی ہے حالانکہ دھان ہمیشہ بازاروں میں نہیں ملتے، البتہ لینے کے وقت موجود ہوتے ہیں اس صورت میں بیع سلم جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بیع سلم دھان میں اس جگہ درست ہے کہ پایا جانا اس کا ہمیشہ بازاروں میں محقق ہو۔ کما فی الدر المختار: ولا فی منقطع لا یوجد فی الأسواق من وقت العقد إلی وقت الاستحقاق،

(۱) الدر والرد ۳۵۱/۷ کتاب البیوع - قبل مطلبٌ: هل اللحم قیمی أو مثلی؟

قولہ: من وقت العقد الخ دوام الانقطاع لیس شرطا الخ (۱) اور دیگر شرائط صحت سلم کا بھی لحاظ ضروری ہے، اور اگر بوقت عقد دھان موجود نہیں اور بوقت استحقاق موجود ہے تب بھی سلم مذکورہ درست نہیں ہے پس صورت مذکورہ فی السوال میں جس جگہ یہ حالت ہے جو مذکور ہے بیع سلم دھان میں درست نہیں ہے۔ فقط

مُسلم فیہ وصول نہ ہو سکے تو رب السلم کیا کرے؟

سوال: (۳۳۵) زید نے عمر کو مبلغ سورو پیہ بیع سلم کے واسطے دیا تھا۔ یعنی سوروپے کے پچیس من گندم ٹھہرے تھے، اب گندم پیدا نہ ہونے کی وجہ سے گندم وصول نہیں ہو سکتے تو اس وقت زید پچیس من گندم کی قیمت لے سکتا ہے یا صرف سورو پیہ؟ اور اگر سرکار سورو پیہ سے زیادہ دلادے تو جب بھی لینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۰۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر گندم وصول نہیں ہو سکتے تو جو روپیہ دیا تھا اسی قدر واپس لینا چاہیے؛ یعنی سورو پیہ لینا چاہیے، یہ نہیں کہ پچیس من گندم کی قیمت لی جائے، اگر چہ وہ زیادہ ہو، بیع سلم کا بصورت نہ ملنے کے مبیع کا یہی حکم ہے، اور اگر سرکار سورو پیہ سے زیادہ دلوادے تو اس کو یعنی زیادہ کو واپس کردے؛ یعنی بعد میں مالک کو دیدے تاکہ مؤاخذہ اخروی سے بری رہے۔

سوال: (۳۳۶) زید نے غلہ گندم فی روپیہ بارہ سیر ٹھہرایا ہے بطور بیع سلم کے، گندم نہ پیدا ہونے کی وجہ سے نہ دے سکا، گندم کے عوض میں غلہ مونجی لینا درست ہے یا نہیں؟ (۲۸۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مونجی (چھلکے دار چاول) لینا گندم کے بدلے سلم میں درست نہیں ہے کما فی الحدیث: لا تأخذ إلا سلمك أو رأس مالك الحديث (۲) فقط

---

(۱) الدر والرد ۳۵۱/۷ کتاب البیوع – باب السلم.

(۲) الدرمع الرد ۳۶۰/۷ کتاب البیوع – مطلبٌ: هل اللحم قيمي أو مثلي؟ ورواه بمعناه أبو داوٗد، کتاب البيوع – باب السلف لا يحوّل – وابن ماجة: كتاب التجارات – باب من أسلم في شيء فلا يصرفه إلى غيره والترمذي في العلل الكبير: البيوع – باب ما جاء في السلف في الطعام والتمر – وحسّنه الترمذي (الشامي ۳۶۰/۷ کتاب البیوع، ملخصًا)

سوال: (۳۳۷) بدھنی غلہ (یعنی بیع سلم) روپیہ پیشگی دے کر کی ہے، اور یہ شرط قرار پائی کہ ماہ بیساکھ میں غلہ فی روپیہ ۱۶ مار (سیر) کے حساب سے بدھنی دار ادا کرے گا اسی طرح روغن زرد کی بدھنی نرخ مقررہ پر ہے یہ بدھنی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۲۶/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: جنس اور نوع اور صفت اور نرخ وغیرہ شرائط سلم کوملحوظ رکھ کر جو بدھنی غلہ معینہ وروغن زرد وغیرہ میں کی جائے وہ سلم درست ہے، لیکن یہ شرط کرنا کہ غلہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کی قیمت نرخ بازار کے موافق مسلم الیہ ادا کرے، مفسدِ عقد ہے، حدیث شریف میں ہے: خذ سلمك أو رأس مالك الحدیث (۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ بہ صورت نہ وصول ہونے مسلم فیہ کے اسی قدر روپیہ واپس لے کہ جس قدر دیا تھا۔

سوال: (۳۳۸) اگر کسی نے ایک شخص کو دس روپے دیے، اور دس من غلہ فصل پر لینا طے کیا، اور فصل نہ ہوئی تو وہ شخص دس من غلہ کی قیمت لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دس من غلہ کی قیمت مبلغ بیس روپے ہوئی تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۶/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں اپنے دیے ہوئے پورے دس روپے واپس لینا چاہیے زیادہ لینا حرام ہے اور ربا ہے، اگر زیادہ لے لیے تو اس کو واپس کرنا چاہیے۔

سوال: (۳۳۹) اگر غلہ وقت پر نہ ادا کر سکے تو روپیہ کس حساب سے لینا چاہیے؟ (۱۹۹۳/ ۴۶-۱۳۳۷ھ)

الجواب: جب کہ بیع سلم میں گندم لینا قرار پایا ہے تو بائع سے گندم ہی لے سکتے ہیں، اگر وہ گندم نہ دے سکے تو اپنا روپیہ جو اس کو دیا تھا واپس لے لیا جائے گندم مقررہ کی قیمت بہ نرخ بازار لینا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے: خذ سلمك أو رأس مالك الحدیث (۲) اور یہ صورت بھی جائز نہیں ہے کہ گندم مقررہ کی قیمت بہ نرخ بازار لگا کر اس قیمت کا گندم آگے کو لینا طے کیا جائے۔ فقط

---

(۱) روی أبو سعید الخدری رضی اللّٰه عنه عن النبی علیه الصلاة والسلام أنه قال لرب السلم: لاتأخذ إلا سلمك أو رأس مالك. وفی روایة: خذ سلمك أو رأس مالك (بدائع الصنائع ۴/ ۳۹۷ کتاب البیوع ــ أنواع الدیون، عقد السلم)

(۲) حوالۂ سابقہ۔

گھی میں بیع سلم کرنا

سوال: (۳۴۰) اگر کوئی شخص کسی سے بیع سلم گھی میں کرے، اور روپیہ پہلے دے کر اس سے گھی کا بھاؤ طے کرے مثلاً ایک روپے کا سیر بھر، اور اس نے دس روپے دیدیے اس کے پاس پانچ روپے کا گھی آیا تھا اس کے بعد بائع نے اپنی بھینس فروخت کردی، اب اس سے اپنے پانچ روپے وصول کر لینا چاہیے یا گھی لینا چاہیے، اگر پانچ روپے کا پانچ سیر گھی لیا جائے تو ناجائز تو نہیں ہے؟ (۴۸۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں بائع کو گھی دینا چاہیے موافق نرخ مقررہ کے خواہ وہ کہیں سے کسی بھاؤ پر لے کر دیوے اس میں کچھ عدم جواز نہیں ہے، اور اگر رب السلم یعنی مشتری اپنا باقی روپیہ واپس لے لے، اور معاملہ بیع سلم کو فسخ کر لے یہ بھی درست ہے، الغرض اپنا روپیہ خواہ واپس لیوے، اور خواہ گھی بہ نرخ مقررہ لیوے دونوں امر جائز ہیں۔

بیع سلم میں مبیع کا موجود ہونا ضروری نہیں

سوال: (۳۴۱) ایک شخص کے پاس کوئی چیز نہیں ہے، اور وہ اس کو فروخت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں تم کو دوسری جگہ سے لاکر دوں گا، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے مرچوں کا سات روپے آٹھ آنے من بھاؤ کیا، اور مرچیں اس کے پاس نہیں ہیں، وہ کہتا ہے کہ میں تم کو ریاست الور سے لاکر دوں گا تو ایسا سودا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۸۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر یہ معاملہ بطریق بیع سلم بہ شرائط بیع سلم ہو تو درست ہے، کیونکہ بیع سلم میں مبیع کا پاس ہونا اور ملک میں ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی چیز ملک میں نہ ہو اس کو بیع کرنا درست نہیں ہے، اور بیع سلم اس سے مستثنیٰ ہے۔

دَین کو رأس المال قرار دینا درست نہیں

سوال: (۳۴۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے کچھ غلہ فصل ربیع میں خریدا، اس غرض سے کہ سال بھر تمام اہل وعیال کھائیں، پھر آٹھ مہینے کے بعد اندازہ کیا تو غلہ فاضل نکلا

تو زید نے اپنا غلہ ایک کسان کو اس وقت کے بازار کے نرخ پر فروخت کردیا، اوراس نے اس کی قیمت فوراً ادا نہ کی تو زید نے اس کسان سے کہا کہ ان ہی بقیہ روپیوں پر تمہارے ساتھ بیع سلم کرتا ہوں، اور کسان نے اس کو منظور کرلیا، اور بموافق تمام شرائط بیع سلم کے زید نے گفتگو کرلی جس وقت غلہ تول کر مشتری کو دیا، صرف اتنا فرق ہے کہ زید غلہ بیع کرکے اسی روپے کے عوض بیع سلم کرتا ہے یہ بیع کیسی ہے آیا جائز ہے یا ناجائز؟ (۳۴۳ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جب کسان نے فوراً قیمت ادا نہ کی تو وہ اس کے ذمے دین ہوگیا، اور دین کو رأس المال قرار دینا درست نہیں، پس اس طرح بیع سلم درست نہیں۔ کما فی الدر المختار: فالسلم فی حصة الدین باطل لأنه دین بدین الخ (۱) فقط

فصل تیار ہونے سے پہلے روپیہ قرض دے کر غلہ خریدنا

سوال: (۳۴۳) زید غلہ پر روپیہ قرض قبل فصل تیار ہونے کے عمرو بکر کو اس اقرار پر دیتا ہے کہ میں فلاں ماہ میں تم سے فی روپیہ مثلاً ۲۰ سیر لوں گا یہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بازار کا نرخ کم وبیش ہو۔ (۱۱۷۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر نرخ غلہ کا بوقت روپیہ دینے کے پختہ مقرر کرلیا جائے کہ فی روپیہ ۲۰ مار (سیر) یا ۳۰ مار لوں گا، اور باقی شرائط سلم موجود ہیں تو یہ معاملہ درست ہے۔

غلہ کا بھاؤ طے کیے بغیر بیع سلم کرنا

سوال: (۳۴۴) جب کہ فصل کو ایک برس یا چھ مہینے کا عرصہ باقی ہے تو کسی کو اس شرط پر روپیہ دیں کہ فصل میں فی روپیہ ایک من یا آدھ من یا جو نرخ اس وقت ہو فلاں غلہ لیں گے، اگر یہ شرط کریں کہ اگر اس وقت دو روپیہ من بکے گا تو ہم پونے دو روپیہ من لیں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بیع سلم کے جواز کے لیے چند شرائط ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ وہ چیز جس میں سلم کی ہے بازار میں موجود ہو اگرچہ اس کی فصل نہ آئی ہو مثلاً ابھی فصل گندم کی نہیں ہے، اور فرض کرو کہ

---

(۱) الدر المختار مع الرد ۷/ ۳۵۸-۳۵۹ کتاب البیوع – مطلبٌ: هل اللحم قیمی أو مثلی؟

ابھی بوئے بھی نہیں گئے تو اس میں سلم کرنا اس وقت صحیح ہے کیوں کہ بازاروں میں گندم ہمیشہ ملتے ہیں وقس علیہ اوران شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ نرخ مقرر کرلے مثلاً ایک روپیہ من یا دوروپیہ من اور ایس اس طرح جائز نہیں کہ جو نرخ اس وقت ہوگا اس کے موافق لوں گا، اوراس طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر اس وقت دوروپیہ من غلہ کا نرخ ہوگا تو ہم تم سے پونے دوروپیہ من لیں گے، بلکہ چاہیے کہ نرخ اس وقت مقرر کردے اگر نرخ معین نہ کیا اور حوالہ اس وقت کے نرخ پر کیا تو بیع حرام اور ناجائز ہوجائے گی۔ فقط

سوال: (۳۴۵) اگر کوئی شخص کچھ روپیہ پیشگی دے، اور کوئی جنس مثل غلہ وغیرہ کیلی یا وزنی کچھ میعاد کے بعد لینا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ غلام حیدر کہتا ہے کہ یہ معاملہ اس وقت درست ہوگا جب اس جنس کی مقدار اور جگہ لینے کی اور وقت لینے کا مقرر کرے، اور اگر یہ کہا کہ جو نرخ اس وقت ہوگا؛ یعنی لینے کے وقت ہوگا وہی لوں گا تو یہ درست نہیں کیوں کہ یہ بیع مجہول کی ہے۔ اور محمد سعید کہتا ہے کہ پہلے سے نرخ معین کرنا درست نہیں بلکہ جو اس وقت نرخ ہوگا وہی لینا پڑے گا۔ پہلے سے نرخ معین کرنا سود ہوگا، ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ (۱۳۸۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ معاملہ اسی وقت درست ہے کہ نرخ وغیرہ پہلے ہی مقرر کرے غلام حیدر صحیح کہتا ہے، اور محمد سعید کو مسئلہ معلوم نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے، یہ بیع سلم ہے اس کی شرائط کا پورا پورا لحاظ کرنا چاہیے، اس کے جواز کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نرخ اول مقرر کرے اور جنس ونوع وصفت اور وقت اور جگہ سب اوّل ہی مقرر کرے۔ فقط

سوال: (۳۴۶) اکثر آدمی غلہ پر روپیہ قرض دیتے ہیں، اوراس شرط پر دیتے ہیں کہ فصل میں جو نرخ غلہ کا ہوگا اس سے ایک سیر یا دوسیر بڑھا کر لیں گے یا جس بھاؤ کا تیری خوشی ہو دیدینا، اور اکثر آدمی نرخ مقرر کرکے روپیہ دیتے ہیں مثلاً دس یا بارہ سیر لیں گے ان میں کون سی صورت جائز ہے؟ (۵۵۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: بیع سلم کی صحت کی شرط یہ بھی ہے کہ اس وقت نرخ مقرر کرلیں، یہ جائز نہیں ہے کہ فصل پر جو نرخ ہو اس سے سیر دوسیر زیادہ لیں گے یا جو نرخ فصل پر ہوگا اسی قدر لیں گے یا جو تیری خوشی ہو دے دینا یہ سب صورتیں ناجائز ہیں نرخ اس وقت مقرر ہونا ضروری ہے۔ فقط

بیع سلم میں نرخ موجود سے زیادہ نرخ مقرر کرنا

سوال: (۳۴۷) ایک شخص بیع سلم کرتا ہے، اوراس کی سات شرطیں جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہیں طے کر کے نرخ بازار سے دوگنے نرخ سے لینا طے کر لیتا ہے، زید کہتا ہے کہ بیع سلم میں نرخ بازار سے دوسیر زیادہ مقرر کرنا جائز ہے ڈیڑھ دُگنا مقرر کرنا ناجائز ہے، اور رہا ہے زید کا قول صحیح ہے یا غلط؟ (۱۵۰۴/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: بیع سلم میں جب کہ شرائط صحت کا پورا لحاظ کیا جائے تو جو نرخ مقرر ہو جائے اس کے موافق مسلم فیہ یعنی مبیع کا وصول کرنا درست ہے، زید جو کچھ کہتا ہے یہ صحیح نہیں ہے، اور نرخ موجود سے جس قدر بھی زیادہ مقرر کرلیا جائے صحیح ہے۔ فقط

طے شدہ فصل پر غلہ نہ دے سکا تو آئندہ فصل پر معاملہ کرنا

سوال: (۳۴۸) زید نے عمر کو نرخ غلہ مقرر کر کے فصل آئندہ کے واسطے کچھ روپیہ دیا، لیکن عمر فصل پر غلہ نہ دے سکا تو عمر نے مقررہ نرخ سے غلہ جوڑ کر اس کا دام قائم کر کے آئندہ فصل کے لیے نرخ مقرر کر کے پھر وعدہ کیا، اوراسی طرح آئندہ کے لیے اس معاملہ کا تسلسل اور کاروائی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۹۷۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے۔

قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں تصرف کرنا

سوال: (۳۴۹) زید نے عمر کو بطور بیع سلم دس روپے دیے، اور زید نے عمر سے یہ کہا کہ جس وقت مسلم فیہ ادا کرو گے اس وقت میں موجود نہ ہوں گا تم میری شئ مسلم فیہ کو وکالۃً خود بیچ ڈالنا یا دوسرے کو دیدینا کہ وہ بیچ ڈالے، پھر تم اسی طرح بطور بیع سلم معاملہ کر کے جو کچھ روپیہ ملے سب رکھتے جانا، اور جب فصل ادائے مسلم فیہ آجائے پھر تم میری طرف سے بیچتے جانا، اور جو کچھ ملے پھر رکھ لینا؛ ایسا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۲۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: قال فی الدر المختار: ولا یجوز التصرف للمسلم إلیه فی رأس المال، ولا لرب السلم فی المسلم فیه قبل قبضه بنحو بیع وشرکة ومرابحة وتولیة ولو ممن علیه الخ (۱) وفیه أیضًا: أمره أی المسلم إلیه ربّ السلم أن یکیل المسلم فیه فی ظرفه فکالَهُ فی ظرفه أی وعاء ربّ السلم بغیبته لم یکن قبضًا أما بحضرته فیصیر قابضًا بالتخلیة الخ (۲)
اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ درست نہیں ہے۔ فقط

قرض کی کچھ رقم کے عوض بیع سلم کرنا

سوال: (۳۵۰) زید نے عمر کو دس روپیہ اس شرط پر دیے کہ آئندہ فصل پر نو روپیہ اور ایک من چاول دینا، اور معاملہ کے وقت نرخ چاول چھ سات روپیہ من ہے یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۱۹۵ھ)

الجواب: یہ معاملہ جائز نہیں ہے بلکہ ربا ہے، قاعدہ شرعیہ ہے کل قرض جر نفعًا فهو ربا (۳) البتہ اگر ایک روپیہ میں بیع سلم بلحاظ شروط صحت سلم کرے تو وہ صحیح ہے۔ فقط

سوال: (۳۵۱) اگر کوئی مہاجن سو روپیہ قرض دیوے، اور قرض دار سے کہہ دے کہ مثلاً ننانوے روپیہ مجھ کو ادا کر دو، اور ایک روپیہ کے عوض دس من دھان یا چار من سو پاری دیدو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۹۳ھ)

الجواب: جس مقدار روپیہ کے عوض دھان وغیرہ لینا چاہتا ہے، اس کا معاملہ اگر علیحدہ بطریق سلم کرے، اور شرائط سلم ملحوظ رکھے تو درست ہو سکتا ہے مثلاً سو روپے میں سے نوے روپے قرض دے، اور دس روپے قیمت دھان میں پیشگی دے، اور دھان کا نرخ مقرر کر لے کہ فی روپیہ اس قدر دھان فلاں قسم کی فلاں وقت لوں گا تو یہ صورت درست ہے۔

سوال: (۳۵۲) ایک شخص نے دوسرے کو مبلغ پچاس روپیہ دیا کہ تم بعد ایک ماہ کے ہم کو مبلغ

---

(۱) الدر مع الرد ۷/۳۵۹ کتاب البیوع ـ مطلبٌ: هل اللحم قیمی أو مثلی ؟
(۲) الدر مع الرد ۷/۳۶۲ کتاب البیوع ـ مطلب: هل اللحم قیمی أو مثلی ؟
(۳) عن الحکم عن إبراهیم قال: کل قرض جرّ منفعة فهو ربا (مصنف ابن أبی شیبة ۴/۳۳۳ کتاب البیوع والأقضیة، باب من کره کل قرض جرّ منفعة، المطبوعة: دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان)

اڑتالیس روپیہ دینا، اور بعوض دو روپیہ کے ایک ٹوکری چاول دینا، حالانکہ ایک ٹوکری چاول کی قیمت پانچ روپیہ ہے یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳۵۵/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر بطریق سلم دو روپیہ کسی کو دے کر یہ کہا جائے کہ اس دو روپیہ کے عوض بعد ایک ماہ کے ایک ٹوکری چاول یعنی فلاں قسم کے چاول دینا تو یہ معاملہ بطریق سلم درست ہے، لیکن جملہ شرائط سلم کا موجود ہونا ضروری ہے، اور پچاس میں سے باقی اڑتالیس قرض رہے گا، وہ پورے وصول کر لینے ہوں گے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط

دَین کو دَین کے عوض فروخت کرنا

سوال: (۳۵۳) زید نے عمر کو اپنی زمین دس روپے سالانہ کرائے پر دی اور یہ طے کرلیا کہ سال کے ختم پر دس روپے مذکور کے دھان مثلاً بیس سیر فی روپیہ کے نرخ سے دیدینا عمر اس پر راضی ہوگیا، اب سال کے ختم پر مثلاً دھان کا نرخ پندرہ سیر فی روپیہ کا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۵۹/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: یہ بیع دین کی بعوض دین کے ہوئی، لہٰذا باطل اور ناجائز ہے: **فإن أسلم مائتی درهم فی کربر ...... مائة دیناً علیه ومائة نقدًا ...... فالسلم فی حصة الدین باطل لأنه دین بدینٍ الخ** (۱) (درمختار) فقط

❁❁❁

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۷/ ۳۵۸ کتاب البیوع ۔ باب السلم ۔ مطلبٌ: هل اللحم قیمیٌّ أو مثلیٌّ؟

اموال ربویہ کی خرید وفروخت کا بیان

غلے کو غلے کے عوض اُدھار فروخت کرنا درست نہیں اگر چہ جنس مختلف ہو

سوال: (۳۵۴) ایک شخص مکئی اور جوار دس من اُدھار مانگتا ہے کہ میں تم کو اساڑھ (ہندی مہینے کا نام) کی فصل میں بیس من گندم سرخ دیدوں گا؛ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟ (۹۲۶/۱۳۳۱ھ)

الجواب: ایسا معاملہ اگر اس طرح کیا جائے کہ جس قدر مکئی اور جوار دی جائے، اس کی قیمت طے کر کے اس کے ذمے کردی جائے، پھر اس قیمت کے گندم بہ نرخ معین طے کر کے وصول کا وقت مقرر کیا جائے تو درست ہے باقی ویسے نسیئۃً غلے کی بیع غلے کے ساتھ درست نہیں ہے، اگر چہ جنس مختلف ہو۔(۱) فقط

سوال: (۳۵۵)..... (الف) زید نے بکر کو تجارت کے لیے روپیہ دے کر دو حصے اپنے مقرر کیے اور ایک حصہ بکر کا اور نقصان ہو جانے پر آدھا حصہ لینا مقرر کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(ب) زید خریف کا اناج ایک ماہ کے ادھار پر بکر کو اس طور سے دیتا ہے کہ فصل ربیع میں جو یا نخود (چنا) یا گندم برابر لیوے گا؛ یہ بیع جائز ہے یا نہ؟ (۱۷۷۲/۱۳۳۲ھ)

الجواب: (الف) یہ تجارت شریعت میں بیع مضاربت کے نام سے معروف ہے اس میں نفع اس تفصیل سے مقرر کرنا جو مقرر کیا گیا جائز ہے، لیکن نقصان اس (مضارب) کے ذمے کرنا جائز نہیں ہے، مضاربت میں نقصان جو کچھ ہوتا ہے وہ روپیہ والے کا ہوتا ہے۔

---

(۱) و إن وجد أحدهما أي القدر وحده (كالحنطة بالشعير) أو الجنس (وحده كالهروي بهروي مثله) حل الفضل وحرم النساء ولو مع التساوي - فيحل كرّ برّ بكرّي شعير حالاً وهروي بهرويين حالاً، ولو مؤجلا لم يحل (الدر والرد ۷/ ۳۰۷، كتاب البيوع - مطلبٌ في الإبراء عن الربا)

(ب) ایک غلہ کے مقابل دوسری قسم کے غلہ کی بیع وشراء میں کمی وبیشی تو جائز ہے، مگر ادھار ناجائز ہے،(۱) اور حیلہ جواز اس صورت میں یہ ہے کہ خریف کے اناج کی قیمت مقرر کرکے یہ کہہ دے کہ اس کی یہ قیمت تیرے ذمّے ہوئی، پھر اس قیمت سے اس قدر گندم ونخود (چنا) وغیرہ لے لوں گا اور وقت وصول ومقدار وغیرہ معین کر لیوے۔ فقط

مختلف جنس کے غلوں اور نقود کا اُدھار تبادلہ جائز نہیں

سوال: (۳۵۶)...... (الف) زید ایک روپیہ قرض دے کر چار ماہ بعد ایک اٹھنّی اور بارہ آنہ پیسہ لیتا ہے، اور بارہ پیسہ قرض دے کر ایک روپیہ نقد لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سود نہیں؛ کیوں کہ اختلاف جنس ہوگیا۔

(ب) اور چار سیر گیہوں قرض دے کر چھ سیر جو دو ماہ کے بعد لیتا ہے یا چار سیر جو دے کر چھ سیر گیہوں لیتا ہے، اور اس کو بھی جائز کہتا ہے؛ آیا یہ صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۴۸۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف، ب) یہ صورتیں شرعاً جائز نہیں ہیں، اور نقود موزونہ اور غلے میں بصورت اختلاف جنس اگر چہ کمی وبیشی جائز ہے، اور تفاضل درست ہے لیکن نسیئہ (اُدھار) جائز نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے فبیعوا کیف شئتم إذا کان یدًا بیدٍ الحدیث (۲) یعنی بصورت اختلاف جنس جس طرح چاہو کمی بیشی کے ساتھ بیع کرو جب کہ ہاتھ در ہاتھ ہو یعنی ادھار نہ ہو۔ فقط

آلو کو گیہوں کے عوض اُدھار فروخت کرنا

سوال: (۳۵۷) زید کے پاس آلو ہیں، اس نے ۵ سیر آلو بکر کو اس طرح دیے کہ میں ۵ سیر گندم فصل ربیع میں لوں گا تو یہ معاملہ درست ہے یا نہ؟ (۱۳۹۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: آلو کی بیع بعوض گندم کے ادھار جائز نہیں ہے: وإن وجد أحدهما أي القدر وحده

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُرِّ، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح؛ مثلاً بمثلٍ، سواءً بسواءٍ، یدًا بیدٍ؛ فإذا اختلفت هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم إذا کان یدًا بیدٍ (الصحیح لمسلم ۲/۲۵ کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا)

أو الجنس حل الفضل وحرم النساء ولو مع التساوی (۱) (درمختار) البتہ اگر یوں کرے کہ زید ۵ سیر آلو بکر کو دے کر اس کی قیمت اس کے ذمے کر دے، اور اس قیمت سے ۵ سیر گندم لینا فصل ربیع میں بوقت معین مقرر کر لیوے تو درست ہو جائے گا، بشرطیکہ شرائط سلم سب پوری ہو جائیں۔

گیہوں کے بدلے آٹا خریدنا

سوال: (۳۵۸) گیہوں کے بدلے میں آٹا خریدا جائے تو یہ مبادلہ جائز ہے یا نہیں؟

(۸۳۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بطریق مبادلہ یہ معاملہ جائز نہیں ہے کیونکہ فقہاء رحمہم اللہ گیہوں کی بیع بعوض اس کے آٹے کے کسی طرح جائز نہیں فرماتے ہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے: لایجوز بیع البرّ بدقیق أو سویق ...... مطلقًا ولو متساویًا لعدم المستوی (۲) وفی الهداية: ولا يجوز بيع الحنطة بالدقيق ولا بالسويق لأن المجانسة باقية من وجه لأنهما من أجزاء الحنطة ...... فلا يجوز وإن كان كيلاً بكيل الخ (۳)

چاول کو جوار سے بدلنا

سوال: (۳۵۹) چاول کو جوار سے بدلنا کمی بیشی کی صورت میں جائز ہے یا نہ؟

(۲۷۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نقدًا کمی بیشی درست ہے، اور نسیئہ جائز نہیں ہے کمافی حديث مسلم: فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيد الحديث (۴)

---

(۱) الدرمع الرد ۳۰۲/۷ کتاب البیوع – مطلب فی الإبراء عن الربا .

(۲) الدروالرد ۳۱۹/۷ کتاب البیوع – باب الربا ، مطلبٌ : فی استقراض الدّراهم عددًا .

(۳) الهداية ۸۲/۳ کتاب البیوع ، باب الربا .

(۴) عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الذهب بالذهب – إلی قوله – فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم الحديث رواه مسلم (مشكوة المصابيح .ص: ۲۴۴ کتاب البیوع – باب الربا)

دھان کو چاول کے عوض فروخت کرنا

سوال: (۳۶۰) دھان کی بیع چاول کے بدلے میں درست ہے یا نہیں؟ (۲۰۳۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دھان کو اگر بعوض چاول فروخت کرے تو اس میں حسب قاعدہ فقہیہ ایسا ہونا چاہیے کہ چاول زیادہ ہوں ان چاولوں سے جو دھان میں سے نکلیں، اگر ایسا نہ ہو تو ربا یا شبہ ربا ہونے کی وجہ سے معاملہ حرام ہے۔(۱)

چنا دے کر فصل پر اس کے برابر گندم لینا

سوال: (۳۶۱) ایک شخص نخود (چنا) دے کر فصل پر اس کے برابر گندم لیتا ہے یہ کیسا ہے؟ (۲۲۵۲/۱۳۳۳ھ)

الجواب: مکیلات وموزونات میں نسیئہ (اُدھار) ممنوع ہے لہٰذا بطریق بیع یہ معاملہ ناجائز ہے۔(۲) فقط

باجرہ کے عوض گیہوں کی اُدھار بیع کرنا جائز نہیں

سوال: (۳۶۲) زید نے عمر کو پانچ سیر گیہوں یا چاول دیے اور کچھ وقت معین پر باجرہ یا مکئی وغیرہ دس سیر ٹھہرالیا؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۵۹۱/۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ صورت جائز نہیں ہے، اُدھار اس میں جائز نہیں ہے، اگر فی الحال ہاتھ در ہاتھ پانچ

---

(۱) ولاالزيتون بزيت والسمسم بحل ...... حتی يكون الزيت والحل أكثر مما فی الزيتون والسمسم ، ليكون قدره بمثله والزائد بالثُفل (الدر المختار مع ردالمحتار ۷/۳۲۰، کتاب البیوع ــ قبل باب الحقوق فی البیع)

(۲) و إن وجد أحدهما أي القدر وحده (كالحنطة بالشعير) أوالجنس وحده (كالهروى؛ بهروى مثله) حل الفضل وحرم النساء ولومع التساوى ــ وفی الشامی فيحل كرّ برّ بكرّى شعيرٍ حالاً وهروي بهرويين حالاً، ولو مؤجلا لم يحل (الدروالرد ۷/۳۰۶، كتاب البيوع ــ مطلب في الإبراء عن الربا)

سیر گیہوں بمعاوضہ دس سیر باجرہ ومکئی وغیرہ دیے لیے جائیں تو یہ جائز ہے۔(۱) فقط

بھوسہ کو بھوسہ کے عوض اور اناج کو اناج کے عوض اُدھار لینا

سوال: (۳۶۳) ...... (الف) بھوسہ یا اناج پرانا مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو قرض دیا اور یہ کہہ دیا کہ جب نیا بھوسہ آئے گا اس وقت مجھ کو اتنا ہی دیدینا؛ تو یہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر کوئی شخص بھوسہ یا اناج وغیرہ ایک من دے کر فصل میں ڈیڑھ من لینا طے کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۳۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) قرض کے طریق سے یہ معاملہ درست ہے اور اگر بیع کا معاملہ اس طرح اُدھار کیا جائے تو ناجائز ہے۔

(ب) یہ ناجائز ہے اور اس کے جواز کا یہ طریق ہوسکتا ہے کہ بھوسہ یا اناج قیمت کرکے اس کو بھوسہ وغیرہ دیدے اور قیمت اس کے ذمے کردے پھر اس قیمت سے ڈیڑھ من بھوسہ وغیرہ لے لے۔

کمی بیشی کے ساتھ روئی کا سوت سے تبادلہ کرنا

سوال: (۳۶۴) سوت سے روئی بدلنا کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۸۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: سوت دے کر روئی بدلنا کمی بیشی کے ساتھ ہاتھ در ہاتھ درست ہے۔(۲)

سرسوں، تل وغیرہ دے کر تیل لینا

سوال: (۳۶۵) سرسوں، تل وغیرہ دے کر اس کے عوض تہائی یا چوتھائی تیل لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور سرسوں فی الحال دے کر دو چار ماہ کے بعد تیل لیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۹۳/۱۳۴۱ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) جاز بيع كرباس بقطن و غزل مطلقًا كيفما كان لاختلافهما جنسًا كبيع قطن بغزل القطن في قول محمد رحمه الله وهو الأصح "حاوی" (الدر المختار) وفي الشامي: قوله: (وهو الأصح) والفتوى عليه كما في الاختيار، وفي البحر: أنه الأظهر (الدر المختار و ردالمحتار ۷/۳۱۵ كتاب البيوع ـ مطلب في استقراض الدّراهم عددًا)

الجواب: سرسوں کو بعوض اس کے تیل کے یا تل کو بعوض اس کے تیل کے مبادلہ کرنے میں فقہاء نے یہ شرط لکھی ہے کہ تیل کچھ زائد ہو اس تیل سے جو کہ سرسوں یا تل میں ہے تاکہ تیل مقابل تیل کے برابر ہو کر کچھ تیل بمقابلہ کھل کے ہو جاوے، اور ادھار اس میں جائز نہیں ہے بلکہ ہاتھ در ہاتھ بیع ہونی چاہیے درمختار وغیرہ میں ہے: ولا الزيتون بزيت والسمسم بحل ...... حتى يكون الزيت و الحل أكثر مما في الزيتون والسمسم ليكون قدره بمثله والزائد بالثفل الخ (۱) في الشامي: واعلم أن المجانسة تكون باعتبار ما في الضمن فتمنع النسيئة كما في المجانسة العينية وذلك كالزيت مع الزيتون والشيرج مع السمسم الخ (۲)

جن غلوں کا کیلی یا وزنی ہونا نص شارع سے معلوم نہیں ان کی گندم کے عوض اُدھار خرید وفروخت کرنا حرام ہے

سوال: (۳۶۶) مسمی زید بیوپاری غلہ، مکئی، باجرہ وغیرہ جن کا کیلی ہونا یا وزنی ہونا نص شارع سے معلوم نہیں ایک من نسیئہ یعنی وعدے پر دیتا ہے، اور بروعدہ ڈیڑھ من اس کے عوض گندم لیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ یہ حلال وجائز ہے؛ اس لیے کہ جب شرعًا ان کی مقدار ثابت نہیں تو عرفاً ہمارے شہر میں باجرہ، مکئی وغیرہ وزنی ہیں۔ حالانکہ زید کے شہر میں گندم، جو جمیع غلات وزنی ہیں، زید نے گندم، جو کو کیلی قرار دیا، اور باجرہ، مکئی کو عرفًا وزنی قرار دیا، مخالف قدر اور مخالف جنس ثابت کر کے تفاضل ونسیئہ یعنی دست بدست زیادتی اور بعد میعاد بالکل درست سمجھ کر عوام الناس میں جائز ٹھہرا دیا ہے، اور یہ معاملہ عوام میں پھیل رہا ہے مسمی زید کو عمر نے روکا کہ یہ بہر وجہ ناجائز اور ربا یعنی سود ہے، اس لیے کہ جمیع غلات کا کیلی ہونا نص شارع سے قیاسًا ثابت ومعلوم ہے، حدیث عبادہ بن صامت والی ——— عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مِثلاً بمِثل، سواءً

(۱) الدر المختار مع الشامي ۷/۳۲۰ كتاب البيوع – قبل باب الحقوق في البيع

(۲) الشامي ۷/۳۱۷ كتاب البيوع – مطلب في استقراض الدراهم عددًا

بسواءٍ ، یدًا بید، فإن اختلفت هذه الأصناف فبیعوا کیف شئتم إذا کان یدًا بید(۱) رواہ الستة من حدیث عبادة بن الصامت إلاالبخاری ـــــ تمثیلی ہے،علماءجمیع غلات کواسی پرقیاس کرتے ہیں،عرف میں غلات کا کیلی وزنی ہونا معتبرنہیں،ماسواغلات،تمر،سونے چاندی،نمک وغیرہ اور چیزوں کوعرفی قراردیں گے جن کا تمثیلاً اوراشارۃً پتہ نہ ہو،اورنص کوعرف تغیرنہیں دے سکتا ابدا۔اورامام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک عرف مشہور سے نص شارع تبدیل ہوسکتا ہے شاید کہ وقت شارع کے رواج کیلی ہو،اور رواج میں اجازت تغیر کی ہے،تب بھی زید کے شہر میں غلات وزنی ہی ہیں اس صورت میں بھی گندم،باجرہ،مکئی وغیرہ کی مقدار یکساں ہے اس وجہ سے عمر ناجائزاورربا ٹھہراتا ہے،زید کوعمر ہدایت دیتا ہے کہ یہ طریقہ اہل النار ہندوؤں کا ہے،اس سے بچ اورتوبہ کراورمسلمانوں کومت لوٹ،اورناجائز رواج ربا کا جہاں میں نہ پھیلانا چاہیے کہ موجب غضب رب ہے،یہ حیلہ نہ کرنا چاہیے اس کا مرتکب فاسق اورحلال جاننے والا کافر ہے،اورزید کہتا ہے کہ شرعاً حلال وطیب ہے اس کا حرام کرنے والا فاسق اورکافر ہے۔بینواتوجروا(۹۲۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قول عمراس باب میں صحیح ہے،اورزید خطاپر ہے عرف کا اگرلحاظ کیا جائے جیسا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ کا قول ہے،اورمحقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس کوترجیح دی ہے،اورکافی میں کہا: الفتوی علی عادة الناس (۲)توجیسامکئی وغیرہ عرفاًوزنی ہیں گندم وجووغیرہ بھی وزنی ہیں اوروزنی ہی ان کا معاملہ ہوتا ہے،پس عرفاًقدردونوں جنسوں میں متفق ہے،جس سے نسیئہ حرام ہوجاتا ہے۔کما فی کتب الفقه وإن وجدأحدهما أی القدر وحده أوالجنس حل الفضل وحرم النساء(۳) وقدروی دعوا الربا والریبة (۴)فقط

(۱) الصحیح لمسلم ۲/۲۵ کتاب المساقاة والمزارعة ـ باب الربا .

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار ۷/۳۱۲کتاب البیوع ـ باب الربا ـ مطلب فی استقراض الدراهم عددًا.

(۳) الدرمع الرد ۷/۳۰۶ کتاب البیوع ـ مطلب فی الإبراء عن الربا .

(۴) عن عمربن الخطاب رضی الله عنه أن آخرمانزلت آیة الربا،وأن رسول الله صلی الله علیه وسلم قُبض، ولم یفسرها لنا؛ فدعوا الربا والریبة (مشکاة المصابیح ص:۲۴۶ کتاب البیوع ـ باب الربا)

ایک روپیہ اورنو من جو کے عوض بیس من جو لینا

سوال: (۳۶۷) شخصے کسے را نہ من جو و یک روپیہ قرض داد بایں شرط کہ بعد چندیں مدت بعوض آں نہ من و یک روپیہ مقروضہ بست من جو باید داد۔ ایں صورت جائز است یا نہ؟ (۲۱۹۸/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اگر نسیئہ نہ بودے ایں صورت جائز بودے، چرا کہ از بست من جو نہ من جو بمقابلہ جنس اوکردہ باقی یازدہ من جو بمقابلہ یک روپیہ شدے وایں جائز است کما فی بیع درهمین و دینار بدرهم و دینارین بصرف الجنس بخلاف جنسه . وفي الشامي : أی تصحیحًا للعقد (۱)

ترجمہ: سوال: (۳۶۷) ایک شخص نے کسی کو نو (۹) من جو اور ایک روپیہ قرض دیا اس شرط پر کہ اتنی مدت کے بعد ان نو (۹) من جو اور ایک روپیہ مقروضہ کے عوض، بیس من جو دینے پڑیں گے؛ آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر معاملہ اُدھار نہ ہوتا تو یہ صورت جائز ہوتی؛ کیونکہ (اُدھار نہ ہونے کی صورت میں) بیس من جو میں سے نو من جو اس کی جنس کے مقابلہ میں گردانے جاتے اور باقی گیارہ (۱۱) من جو (اپنی مخالف جنس) ایک روپیہ کے عوض میں ہوتے اور یہ صورت جائز ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دینار کے عوض جائز ہے۔ ایک جنس کو دوسری جنس کا عوض ٹھہرانے کی وجہ سے، اور شامی میں ہے: یعنی عقد کو صحیح قرار دینے کے لیے (ایسا کرنا ضروری ہے) فقط

کپڑا اُدھار فروخت کرنا اور چار ماہ کے بعد ایک آنہ فی روپیہ منافعہ لگانا سود ہے

سوال: (۳۶۸) زید مولوی ہے اور کپڑے کی تجارت کرتا ہے، دس آنے کا مال دو آنے فی روپیہ منافع کے حساب سے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، اگر کسی شخص کے پاس زید کا روپیہ چار ماہ سے زائد رہ جائے تو وہ بعد ہر چار ماہ کے بقایا پر ایک آنہ فی روپیہ پھر منافعہ لگاتا ہے، یہ منافعہ لگانا جائز

(۱) الدر المختار والشامی ۷/۱۱۷ کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب في بيع المفضّض وَالْمُزَرْكَشِ وحكم عَلَم الثوب .

ہے یانہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۲۲۲۲ھ)

الجواب: یہ منافعہ لگانا اور لینا شرعاً درست نہیں ہے بلکہ حرام اور ربوا ہے۔

خالی ڈبہ اور پٹرول کی قیمت دے کر بھرا ہوا پٹرول کا ڈبہ خریدنا

سوال: (۳۶۹) پٹرول تیل جو موٹر میں استعمال ہوتا ہے اس کے خرید کا طریقہ بازار میں یہ ہے کہ خالی ڈبہ اور تیل کی قیمت دے کر دوسرا ڈبہ بھرا ہوا خرید لیتے ہیں یہ خریدنا جائز ہے یانہیں؟ (۱۳۴۲/۱۴۹۶ھ)

الجواب: اس طرح خرید وفروخت جائز ہے۔

ہندو خریدار سے بھی سود لینا جائز نہیں

سوال: (۳۷۰) ہم لوگ تجارت سوت وغیرہ کی کرتے ہیں جو مال ہم سے ہندو خرید کر لے جاتے ہیں اس کا روپیہ پانچ چھ ماہ میں بہ مشکل ادا کرتے ہیں، کیونکہ ان کو اصل قیمت سے زیادہ کچھ دینا نہیں پڑتا، اور جو ہم ان سے مال خریدتے ہیں تو وہ بعد ایک ماہ کے ہم سے روپیہ سینکڑہ کا سود لے لیتے ہیں، ہم لوگ نہایت پریشان اور مقروض ہوتے چلے جاتے ہیں تو ہم کو ہندوؤں سے کچھ زیادہ لینا جائز ہے؟ (۳۳۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: سود لینا ہندوؤں سے بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اضافہ کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اسی حساب سے قیمت مال کی بڑھادی جائے؛ کیونکہ یہ جائز ہے کہ ثمن مؤجل ہونے کی وجہ سے قیمت بڑھادی جائے۔(۱) (ہدایہ وغیرہ) فقط

بائع سے قرض لے کر مبیع کی قیمت ادا کرنا

سوال: (۳۷۱) مثلاً زید کے پاس ایک آم ہے عمر زید کے پاس آیا، اور آم کی قیمت معلوم کی زید نے مبلغ بیس روپے قیمت آم ظاہر کی، عمر نے کہا: یہ آم مجھ کو بہ قیمت بیس روپے خرید کرنا منظور ہے، لیکن

(۱) ألایری أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل (هدایة ۳/۷۴ کتاب البیوع۔ باب المرابحة والتولیة)

آپ مجھ کو مبلغ سو روپے ایک سال کے واسطے قرض دیدیجیے اور اس میں سے مبلغ بیس روپے قیمت آم مجرا کر لیجیے چنانچہ زید نے وہ آم اور مبلغ اسّی (۸۰) روپے نقد دے کر بغرض اطمینان ایک دستاویز مبلغ سو روپے کی لکھوالی۔ صورت مذکورہ جائز ہے یا داخل سود ہے؟ (۲۰۷۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر درحقیقت وہ آم بیس روپے کا ہے اور قرض کی وجہ سے قیمت آم کی زیادہ نہیں ہے تو یہ معاملہ درست ہے۔ (۱) فقط

کپڑوں کے نقوش اور گل بوٹے کا حکم

سوال: (۳۷۲) زید کہتا ہے کہ بنارسی کپڑوں کو جن میں سچے کلابتون (۲) لگتے ہیں سیف محلی پر قیاس نہیں کر سکتے؛ جس سے شرط تقابض ضروری ہو، کیونکہ بنارسی کپڑوں کے نقوش اور گل بوٹے حسب تحقیق علامہ شامی محض توابع ہیں۔ چنانچہ شامی باب بیع الصرف ذیل قول مفضض اور مزرکش تنبیہ کر کے لکھتے ہیں بخلاف العلم فی الثوب فإنه تبع محض (۳) پس شریعت نے ان کا اعتبار ساقط کر دیا؛ چنانچہ پھر لکھتے ہیں ولا كذلك علم الثوب لأن الشرع أهدر اعتباره حتى حل استعماله (۳) اور اس کے پہلے بھی ان نقوش کی نسبت تحقیق فرما چکے۔ إن المعتمد عدم اعتباره في المنسوج (۳) علاوہ ازیں حلیۂ سیف مقصود بالبیع ہے جیسا کہ شامی میں وہیں پر ہے: فإنه قائم بعينه غير تابع بل هو مقصود بالبيع كالحلية والطوق الخ (۳) اور ان کپڑوں کے نقوش کلابتونی مقصود بالبیع نہیں ہیں؛ بلکہ اصل مقصود بیع کپڑوں کی ہے؛ یہ محض توابع ہیں، آیا زید کی یہ تقریر مفید عدم تقابض کو ہے؟ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ بنارسی کپڑے کا اُدھار لین دین عام طور پر علماء جہلاء، امراء غرباء کر رہے ہیں اس میں شرط تقابض سے حرج عظیم ہوگا۔ (۱۵۵۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

(۱) اگر قرض کی وجہ سے آم کی قیمت زیادہ کی ہے تو بیع عینہ ہو جائے گی جس پر حدیث میں وعید آئی ہے۔ سعید احمد

(۲) کَلاَبَتُّون: چاندی یا سونے کے تار جو ریشم پر چڑھا کر بنے جاتے ہیں، چاندی یا سونے کے تاروں کی ڈور (فیروز اللغات)

(۳) الدر المختار ورد المحتار: ۷/۴۰۹-۴۱۰ کتاب البیوع - باب الصرف، مطلبٌ في بيع المفضض والمزركش وحكم علم الثوب.

الجواب: پوری عبارت درمختار اور شامی کی اس بارے میں یہ ہے، درمختار میں ہے: والأصل أنه متى بيع نقد مع غيره كَمُفَضَّضٍ وَمُزَرْكَشٍ بنقد من جنسه شرط زيادة الثمن فلو مثله أو أقل أو جهل بطل ولو بغير جنسه شرط التقابض فقط (١)

شامی میں ہے: تنبيه: لم يذكر حكم العلم في الثوب. وفي الذخيرة: وإذا باع ثوبًا منسوجًا بذهب بالذهب الخالص لا بد لجوازه من الاعتبار، وهو أن يكون الذهب المنفصل أكثر، وكان ينبغي أن يجوز بدونه لأن الذهب الذي نسج خرج عن كونه وزنيًا ولذا لايباع وزنًا، لكنه وزني بالنص فلا يخرجه عن كونه مال ربا. ثم قال: وفي المنتقى أن في اعتبار الذهب في السقف روايتين فلا يعتبر العلم في الثوب، وعن أبي حنيفة وأبي يوسف أنه يعتبر. وفي التتارخانية عن الغياثية: ولو باع دارًا في سقوفها ذهب بذهب، في رواية لايجوز بدون الاعتبار لأن الذهب لايكون تبعًا بخلاف علم الثوب والإبريسم في الذهب فإنه لا يعتبر لأنه تبع محض. وظاهر التعليل أن ذهب السقوف عين قائمة لا مجرد تمويه، ويدل عليه ما قدمناه آنفًا عن الكافي من أن المموّه لايعتبر لكونه لايخلص. وفي الهندية عن المحيط: والدار فيها صفائح ذهب أو فضة يبيعها بجنسها كالسيف المحلى.

وحاصل هذا كله اعتبار المنسوج قولاً واحدًا، واختلاف الرواية في ذهب السقف والعلم وأن المعتمد عدم اعتباره في المنسوج، وقد علم بهذا أن الذهب إن كان عينًا قائمةً في المبيع كمسامير الذهب ونحوها في السقف مثلاً يعتبر كطوق الأمة وحلية السيف، ومثله المنسوج بالذهب فإنه قائم بعينه غير تابع، بل هو مقصود بالبيع كالحلية والطوق، وبه صار الثوب ثوبًا ولذا يسمى ثوب ذهب، بخلاف المموّه لأنه مجرد لون لا عين قائمة، وبخلاف العلم في الثوب فإنه تبع محض فإن الثوب لايسمى به ثوب ذهب، ولا يرد ما قدمه الشارح من أن الحلية تبع للسيف أيضًا فإن تبعيتها له من حيث دخولها في مسماه عرفًا سواء كانت فيه أو في قرابه لكنها أصل من حيث قيامها بذاتها وقصدها بالشراء كطوق الجارية، ولا كذلك علم الثوب لأن الشرع أهدر اعتباره حتى حل استعماله، لكن

(١) حوالہ سابقہ۔

ینبغی أنه لو زاد علی أربعة أصابع أن یعتبر هنا أیضا، هذا ماظهر لی فی تحریر هذا المحل فتأمل (۱) انتهی قول درمختار اور روایت ذخیرہ سے ثوب منسوج بذہب میں مطلقاً حکم بیع صرف معلوم ہوا، اور روایت منتقی سے علم ثوب میں اختلاف محقق ہوا، پھر شامی کی تحقیق سے علم ثوب میں اس حد تک عدم اعتبار مانا گیا کہ اس کا استعمال شرعاً جائز ہوا گر چار انگشت سے زیادہ ہے تو اس کا اعتبار ہے، اور حکم بیع صرف اس میں جاری ہوگا، پس چونکہ موقع احتیاط کا ہے اور دعوا الربا والریبة (۲) وارد ہے اس لیے مقتضائے احتیاط تو یہ ہے کہ علم میں بھی حکم صرف جاری ہو، اور اگر اس میں عدم اعتبار کو معتمد مانا جاوے تو زائد از چار انگشت میں کوئی گنجائش اس کی نہیں کہ اس کو بھی معتبر کہا جاوے بہر حال عموماً بنارسی کپڑوں میں تقابض کی شرط کو باطل کرنا اور غیر معتبر سمجھنا کسی کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور عرف ورواج حرام کو حلال کردینے میں معتبر نہیں ہے۔ فقط

چاندی کے بدلے چاندی دی جائے تو مساوات ضروری ہے

سوال: (۳۷۳) جاپانی سکہ چاندی کا جاری ہے جو غالبًا یہاں کے انگریزی تین روپے کے برابر قیمت میں ہوتا ہے وزناً مختلف، کبھی وہاں کے سکے کی قیمت یہاں تین روپے، کبھی چار روپے، کبھی پونے تین روپے ہوتی ہے غرضیکہ قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے تو اگر جاپانی سکے سے ہم نے مال خریدا تو اس کی قیمت یہاں ادا کرنا پڑتی ہے جس کی چاندی وزن کے اعتبار سے زیادہ ہو جاتی ہے؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۴۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: چاندی کے بدلے چاندی اگر دیجائے تو مساوات ہونی ضروری ہے کمی وبیشی حرام ہے؛ (۳) البتہ اگر غیر جنس معاوضہ میں دیدی جائے تو معاملہ جائز ہو جاتا ہے۔

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال: إن آخر ما نزلت آیة الربا، وأن رسول الله صلی الله علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا فدعوا الربا والریبة رواه ابن ماجة والدارمی (سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات - التغلیظ فی الربا)

(۳) عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا تبیعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل ...... ولا تبیعوا الورق إلا مثلا بمثل. الحدیث (الصحیح لمسلم ۲/۲۴ کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا)

چاندی کے زیور میں تانبا وغیرہ ملا ہوا ہو تو اس کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

سوال: (۳۷۴) زیور میں تانبا و سیسہ ملا ہوا ہوتا ہے تو وہ زیور چاندی کا ہوگا یا نہیں؟ اور فروخت کرنے میں کمی بیشی درست ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۶۸۴ھ)

الجواب: اگر چاندی زیادہ ہے اور غالب ہے اور تانبا وغیرہ مغلوب ہے تو غالب کا اعتبار ہو کر وہ تمام زیور چاندی شمار ہوگا و غالب الفضة فضة (۱) (درمختار وغیرہ) اور فروخت کرنے میں اگر غیر جنس مثلاً پیسہ وغیرہ مقابلے میں ہو تو کمی وبیشی درست ہے ورنہ نہیں۔ فقط

سونا، چاندی کو اُدھار بیچنا

سوال: (۳۷۵) ہندوستان کے بڑے تاجروں کی سونے چاندی کی بیع اس طور پر ہوتی ہے کہ مشتری نے مثلاً ہزار تولہ سونا آج کی تاریخ میں آٹھ روز بعد لینے کے وعدے پر نرخ مقرر کر کے خرید لیا، لیکن قبضہ مبیع پر بعد اختتام میعاد مقررہ کے ہوتا ہے؛ یہ بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۴۶۶ھ)

الجواب: بیع مذکور صحیح نہیں ہے بلکہ حرام ہے کما ورد فی الحدیث المعروف (۲) فقط

کمی، بیشی کے ساتھ روپیہ اور ریزگاری کا تبادلہ کرنا

سوال: (۳۷۶) پیشہ صرافی یعنی بٹالے کر پیسہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا یہ فعل صراف کے لیے مخصوص ہے یا ہر شخص کے لیے جائز ہے؟ نیز صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے کس نے

---

(۱) وما غلب فضته و ذهبه فضةٌ و ذهبٌ حكمًا (الدر المختار مع الشامی ۷/۴۱۲ کتاب البیوع، مطلبٌ: مسائل فی المقاصّة)

(۲) عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُرّ، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح؛ مِثلاً بمِثلٍ، سواءً بسواءٍ، يدًا بيدٍ؛ فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيدٍ (الصحيح لمسلم ۲/۲۵ کتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا)

اس کام کو کیا ہے؟ اور ان کا کیا نام تھا؟ اور کہاں مسکن تھا؟ (۴۴۳/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: جو معاملہ شرعاً درست ہے اس میں کسی خاص شخص کی تخصیص نہیں ہوتی مثلاً جو معاملہ بیع کا درست ہے وہ ہر ایک کے لیے درست ہے صراف ہو یا نہ ہو، پس بیع فلوس کی یعنی پیسوں کی روپیہ کے عوض کمی بیشی کے ساتھ درست ہے (۱) اس لیے کہ جنس بدل گئی ہے، اور جب جنس مختلف ہو جائے تو کمی وبیشی درست ہے جیسا کہ حدیث شریف اجناس مختلفہ کی باہم بیع کرنے میں فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيدٍ رواه مسلم (۲) وارد ہے یعنی جب یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو بیع کرو، پس اگر ایک روپیہ کے پیسے بجائے سولہ آنے کے پندرہ آنے دیوے لیوے تو یہ درست ہے — اور جب کہ حدیث شریف سے اور روایات فقہیہ سے اس کا جواز ثابت ہے تو پھر اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ صحابہ وتابعین میں سے کس نے اس کام کو کیا ہے؟ اور ان کا کیا نام تھا؟ اور کہاں مسکن تھا؟ اس قسم کی باتیں جہالت کے سوالات ہیں کیونکہ جو امر آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ثابت اور جائز ہو گیا اور فقہاء عظام نے اس کو لے لیا اور اس پر عمل کیا یعنی اس کو جائز رکھا تو پھر اس کی کیا ضرورت رہی کہ یہ پیشہ اس زمانہ میں کس نے کیا؟ ایسے سوالات لایعنی کرنے کی حدیث وفقہ سے ممانعت ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه. (۳)

---

(۱) واضح رہے کہ قدیم زمانے میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور ریزگاری دوسری دھات سے بنتی تھی اس لیے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز تھی، لیکن موجودہ دور میں روپیہ کاغذ اور دوسری دھات سے بنتا ہے، لہٰذا ریزگاری کے ساتھ تبادلے کے وقت کمی بیشی ناجائز ہے۔ ومشائخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالي والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه يفتح باب الربا (هداية: ۱۰۹/۳ كتاب الصرف)

(۲) عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبُرّ بالبُرّ، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح؛ مِثلاً بمثلٍ، سواءً بسواءٍ، يدًا بيدٍ؛ فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيدٍ (الصحيح لمسلم ۲۵/۲ كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه (جامع الترمذي ۵۸/۲ أبواب الزهد، باب ما جاء من تكلّم بالكلمة ليضحك الناس)

سوال: (۳۷۷) مسلمان بنیوں کی دکان سے ایک روپیہ کے پیسے اور ریزگاری سولہ آنہ لاتے ہیں، ان پیسوں کو ایک دھیلا (آدھا پیسہ) کم سولہ آنہ فروخت کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۴۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: روپیہ کے مقابلے میں جب پیسے ہوجاویں تو کمی وبیشی درست ہے، پس اگر ایک روپیہ کے عوض پونے سولہ آنے کے پیسے یا (ایک) دھیلا کم سولہ آنہ دیوے تو درست ہے۔

سوال: (۳۷۸) ایک روپیہ کے پیسے صراف سے لو تو پونے سولہ آنے دیتا ہے، پس پونے سولہ آنے یا سوا سولہ آنے لینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۵۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: روپیہ کے عوض میں پیسے لیے دیے جاویں تو پونے سولہ آنے لینا یا سوا سولہ آنے لینا درست ہے۔ فقط

سوال: (۳۷۹) چودہ آنے دے کر ایک روپیہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳۲۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایک روپیہ کے بدلے چودہ آنے کے پیسے لے سکتے ہیں، لینا دینا اس طرح درست ہے لاختلاف الجنس۔(۱) فقط

کمی بیشی کے ساتھ نوٹ اور روپیہ کا تبادلہ کرنا

سوال: (۳۸۰) دس روپیہ کے نوٹ کو پونے دس یا سوا دس میں فروخت کرنا جائز ہے یا کمی بیشی سود میں داخل ہے؟ (۷۵۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نوٹ کو کمی بیشی میں لینا دینا سود میں داخل ہے درست نہیں ہے۔

سوال: (۳۸۱) نوٹ کے لین دین میں اکثر بارہا گھاٹا دکاندار لیتے دیتے ہیں مثلاً سو روپیہ کا ایک قطعہ نوٹ کبھی ایک سو ایک میں اور کبھی اٹھانوے میں لیتے دیتے ہیں یہ کمی بیشی درست ہے یا نہیں؟ (۱۷۶۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نوٹ کے لین دین میں زیادہ وکم لینا بقاعدہ شریعت جائز نہیں ہے، لیکن بہ مجبوری

---

(۱) وإن وجد أحدهما أي القدر وحده أو الجنس (أي وحده) حلّ الفضل وحرم النساء (الدر المختار مع الشامی: ۳۰۷/۷ کتاب البیوع ـ مطلب في الإبراء عن الربا)

نوٹ کے بھنانے میں اگر پورا روپیہ کوئی نہ دے تو اپنا حق کچھ کم لے لینا درست ہے۔

سوال: (۳۸۲) نوٹ کو روپیہ سے فروخت کرنے میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟ اور ادھار بھی درست ہے یا نہیں؟ (۲۲۷۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نوٹ کو کم وبیش روپیہ سے فروخت کرنا ناجائز اور ربا ہے کما فی الحدیث المشہور: مثلاً بمثل فمن زاد واستزاد فقد أربیٰ (۱) کیونکہ نوٹ حقیقت میں وثیقہ روپیہ کا ہے پس وہ قائم مقام روپیہ کا ہے، اگر کمی بیشی ہوگی تو مطلب یہ ہوا کہ سو روپیہ کو سو روپیہ اور چار آنہ سے فروخت کیا اور یہ ناجائز ہے، اور اگر کچھ پیسے روپیوں کے ساتھ ہوں تو درست ہے اور نوٹ اور روپیہ کے معاوضہ میں اُدھار بھی حرام ہے کما فی حدیث یداً بید(۱) فقط

سوال: (۳۸۳) استبدال نوٹ کا روپیہ کے ساتھ بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور جو شرائط فقہاء نے بیع صرف میں شرط کیں ہیں وہ یہاں بھی مشروط ہوں گی یا نہیں؟ اور برتقدیر دس روپیہ ثمن مبیع بین البائع والمشتری مقرر ہوجانے پر بائع دس روپیہ کا نوٹ لینے سے انکار کرتا ہے کیا نوٹ لینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ اور بصورت غصب اگر نوٹ ہلاک ہوجائے تو غاصب کو نوٹ دینا ہوگا یا روپیہ؟ (۲۰۳۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس معنی کے اعتبار سے بیع صرف ہے کہ کمی وبیشی درست نہیں ہے، اور درحقیقت نوٹ وثیقہ اور حوالہ روپیہ کا ہے، اور مستحق ثمن دس روپیہ مثلاً نوٹ کے لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور غصب نوٹ کی صورت میں نوٹ ہی دینا ہوگا اور روپیہ بھی دے سکتا ہے۔

سوال: (۳۸۴) نوٹ پر بٹا لینا دینا مثلاً پچاس روپیہ کا نوٹ ۴۹ میں لینا یا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۸۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نوٹ درحقیقت اس مقدار روپیہ کا وثیقہ سرکاری ہے جو اس کے اندر درج ہے، پس بٹا لینا دینا نوٹ پر ایسا ہی ہے جیسا کہ روپیہ کے عوض روپیہ کم وبیش دیا لیا جائے پس جیسا کہ وہ سود ہے، یہ

---

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة والبرّ بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، يداً بيدٍ فمن زاد واستزاد فقد أربى الحديث (الصحيح لمسلم ۲/۲۵ كتاب المساقاة والمزارعة - باب الربا)

بھی سود ہے، لیکن چونکہ نوٹ تڑانے میں پورا روپیہ ملنا دشوار ہوگیا ہے تو اس لیے نوٹ بھنانے والا مجبور ہے بٹا دینے پر، اس وجہ سے بٹا دینے کی بہ ضرورت اجازت ہوسکتی ہے، اس تاویل سے کہ صاحب نوٹ نے کچھ اپنا حق چھوڑ دیا، لیکن لینا بٹا کا کسی حال درست نہیں ہے، ہاں اگر بہ مقابلہ غیر جنس سے ہو مثلاً پیسہ وغیرہ بھی کچھ مقابلے میں ہوں تو بوجہ تبدیل جنس کے کمی وبیشی درست ہے۔(۱) فقط

سوال: (۳۸۵) نوٹوں کا کمی وبیشی سے خریدنا شرعاً جائز ہے یا ممنوع؟ (۱۰۶۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نوٹوں کو کمی وبیشی سے خریدنا اور فروخت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نقد روپیہ پر کمی وبیشی لینا دینا، پس جیسے وہ حرام ہے یہ بھی حرام ہے کیونکہ درحقیقت نوٹ وثیقہ اس مقدار روپیہ کا ہے جو اس میں درج ہے اصل مسئلہ یہی ہے، البتہ اس وقت چونکہ نوٹ کا روپیہ پورا کوئی نہیں دیتا تو بہ مجبوری اپنا کچھ حق چھوڑ کر بنام بٹا کچھ پیسہ دے کر نوٹ بھنانا بہ ضرورت جائز ہے کما قیل الضرورات تبیح المحظورات (۲) وماضاق أمر إلا اتسع (۳)

بٹا لینا دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۸۶) نوٹوں پر کمی وبیشی لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۹۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نوٹ پر کمی بیشی لینا درست نہیں ہے کیونکہ نوٹ حقیقت میں وثیقہ ہے اس رقم کا جو اس میں درج ہے پس معاوضہ اسی رقم کا ہوتا ہے جو اس میں درج ہے پس بقاعدہ بیع الذهب والفضة یداً بید مثلاً بمثل (۴) نقد اور برابر برابر ہونا چاہیے، البتہ جب کہ نوٹ بھنانے کے وقت نوٹ لینے

---

(۱) وإن وجد أحدهما أي القدر وحده أو الجنس (أي وحده) حلّ الفضل وحرم النساء (الدر المختار والشامي: ۳۰۶/۷ کتاب البیوع۔ مطلب في الإبراء عن الربا)

(۲) قواعد الفقه، ص: ۹۸، قاعدہ: ۱۷۰۔

(۳) الشامي: کتاب البیوع ۔ مطلب في بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً.

(۴) عن أبی سعید الخدری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة والبرّ بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، یداً بید فمن زاد واستزاد فقد أربی الحدیث (الصحیح لمسلم ۲۵/۲ کتاب المساقاة والمزارعة ۔ باب الربا) =

والا پورا روپیہ نہ دے تو بہ مجبوری کچھ کم لے لینا اور اپنا کچھ حق چھوڑ دینا درست ہے، مگر بیشی کے لینے والے کے حق میں وہ بٹا لینا درست نہیں ہے۔(۱)

سوال: (۳۸۷) نوٹ پر بٹا لینا کیسا ہے؟ اگر مقابل فلوس ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۰۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نوٹ پر بٹا لینا دینا جائز نہیں ہے بلکہ سود ہے، لیکن اگر نوٹ کا روپیہ پورا کوئی نہ دے تو بہ مجبوری اپنا کچھ حق چھوڑ کر کم روپیہ لے سکتا ہے لیکن بٹا لینا مسلمان کو کسی حال حلال نہیں ہے، اور اگر مقابلے میں کچھ پیسے ہوں تو حیلہ جواز کا ہوسکتا ہے۔

سوال: (۳۸۸) جو نوٹ ایک روپیہ کا یا اس سے زیادہ قیمت کا ہے بالعموم بازار میں اس پر ایک پیسہ یا اس سے زائد کچھ بٹا بھنانے کے وقت لیا جاتا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کو اس کا لینا یا دینا شرعاً کیسا ہے؟ (۲۵۱۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نوٹ پر بٹا لینا دینا دراصل ناجائز ہے کیونکہ یہ ربا ہے، اور ربا کا لینا دینا دونوں ناجائز ہیں(۲) لیکن اس مجبوری کی وجہ سے کہ بدون بٹا کے نوٹ کا روپیہ پورا نہیں دیتے اس وجہ سے یہ سمجھ کر کہ اپنا کچھ حق چھوڑتا ہوں کم لینا جائز ہوسکتا ہے، لیکن لینا بٹا کا مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں ہے کیونکہ اس میں کچھ مجبوری نہیں ہے۔ فقط

= فإن باع فضةً بفضةٍ أو ذهبًا بذهبٍ لايجوز إلا مثلاً بمثلٍ وإن اختلفت في الجودة والصياغة، ولابد من قبض العوضين قبل الافتراق (هداية: ۱۰۴/۳ كتاب الصرف)

(۱) ومشائخنا لم يفتوا بجواز ذلك في العدالى والغطارفة؛ لأنها أعز الأموال في ديارنا، فلو أبيح التفاضل فيه يفتح باب الربوا (هداية: ۱۰۹/۳ كتاب الصرف)

(۲) وعلة الربا القدر والجنس، وفي المعراج: القدر عبارة عن العيار (سرکاری کسوٹی، ناپ، باٹ) والجنس عبارة عن مشاكلة المعاني، والأصل في هذا الباب الحديث المشهور وهو قوله عليه السلام "الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير ...... الحديث وحرم الفضل والنساء بهما أي بالقدر والجنس لوجود العلة بتمامها. والفضل: الزيادة والنساء بالمد: التاخير (البحر الرائق ۲۱۲/۶-۲۱۳ كتاب البيع، باب الربا)

وعلته أي علة تحريم الزيادة القدر مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل والنساء. (الدر المختار مع الشامي ۳۰۵/۷ كتاب البيوع - مطلب في الإبراء عن الربا)

سوال: (۳۸۹) نوٹ کی بیع وشراء میں کمی بیشی درست ہے یا نہیں؟ جیسے چاندی خریدنے میں روپیوں کے ساتھ پیسے شامل کر کے خریدنا درست ہے یہ صورت نوٹ کی بیع وشراء میں کمی بیشی کے ساتھ درست ہے یا نہ؟ (۴۸۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نوٹ کے بھنانے اور تڑانے میں کمی بیشی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہ درحقیقت بیع وشراء نہیں ہے اس لیے اس میں وہ حیلہ بھی صحیح نہیں ہے جو چاندی کی بیع وشراء میں کیا جاتا ہے۔ فقط

سوال: (۳۹۰) نوٹ پر بٹا لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اصل میں بٹا لینا اور دینا جائز نہیں ہے سود ہے، لیکن جب کہ بدون بٹا کاٹے نوٹ کا روپیہ نہ ملے تو بہ ضرورت بٹا دے کر روپیہ لیلے اور یہ خیال کرے کہ بہ ضرورت میں نے اپنا کچھ حق چھوڑ دیا ہے مگر لینے میں احتیاط کرے یعنی بٹا خود نہ لیوے۔ فقط۔

اشرفی، گنی اور نوٹ کو روپوں سے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا

سوال: (۳۹۱) اشرفی جو پندرہ روپیہ کی ہے اس کو سولہ یا سترہ روپیہ (میں) چلانا کیسا ہے؟ (۱۲۲۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اشرفی کو سولہ یا سترہ روپیہ کے عوض دینا لینا جائز ہے۔ لاختلاف الجنس (۱)

سوال: (۳۹۲) روپیہ، اشرفی، نوٹ وغیرہ میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟ (۶۸۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جنس کے بدل جانے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے مثلاً اشرفی کو روپوں سے یا روپیہ کو پیسوں سے بدلا جاوے تو کمی بیشی درست ہے اور ادھارنا جائز ہے اور نوٹ کے بدلے میں جو روپیہ لیا جاوے وہ اسی قدر ہونا چاہیے جو رقم نوٹ میں درج ہے مثلاً سو روپیہ کا نوٹ سو روپیہ میں دینا چاہیے اس میں کمی بیشی حرام ہے۔ (۲)

---

(۱) وإن وجد أحدهما أي القدر وحده أو الجنس (أی وحده) حلّ الفضل وحرم النساء (الدر المختار مع الشامی: ۳۰۷/۷ کتاب البیوع ـ مطلب في الإبراء عن الربا)

(۲) و علته أي علة تحريم الزيادة القدرُ المعهودُ بكيل أو وزن مع الجنس، فإن وجدا حرم الفضل أي الزيادة والنساء بالمد: التأخير: (الدر المختار مع الشامی ۳۰۵/۷ کتاب البیوع ـ مطلب في الإبراء عن الربا)

سوال: (۳۹۳) نوٹ، روپیہ اور گنی (GUINEA) کی بیع وشراء میں کمی زیادتی لے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۱۳۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: گنی کے مقابلے میں روپیہ ہو تو بوجہ اختلاف جنس کمی وبیشی درست ہے مثلاً پندرہ روپیہ کی گنی سولہ سترہ روپیہ کو فروخت کرنا یا خرید نا درست ہے، اور نوٹ وروپیہ کے باہم تبادلہ کرنے میں کمی وبیشی درست نہیں ہے مثلاً دس روپیہ کے نوٹ کے مقابلے میں پورے دس روپیہ لینے دینے چاہیے۔ فقط

سوال: (۳۹۴) نقد فی گنی (اشرفی) چودہ روپیہ اور ادھار فی گنی تیرہ روپیہ تین ماہ کے وعدہ پر لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۷۴۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اختلاف جنس نقدین کی صورت میں کمی وبیشی درست ہے مثلاً ایک گنی ۱۴ کو یا ۱۳ کو نقد فروخت کرنا درست ہے، اور نسیئہ اس میں درست نہیں ہے مثلاً گنی فی الحال دی جائے اور اس کا روپیہ بعد میں لیا جائے یا روپیہ فی الحال دیا جائے اور گنی بعد میں لی جائے یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ قید یداً بید (۱) سے ظاہر ہے۔ فقط

سکہ فروخت کرنے سے جو نفع ہو اس کا حکم

سوال: (۳۹۵) کوئی سکہ ایک وقت خرید کر دوسرے وقت فروخت کرنے سے جو نفع ہو کیا وہ جائز ہے؟ (۱۲۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر غیر جنس سے مبادلہ ہو تو کمی بیشی درست ہے مثلاً اشرفی کو جتنے روپے کے عوض چاہے فروخت کردے، مگر شرط یہ ہے کہ نسیئہ یعنی اُدھار نہ ہو۔ (۲)

---

(۱) عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة والبُرّ بالبر، والشعیر بالشعیر، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مِثلاً بمثل، یداً بیدٍ فمن زاد واستزاد فقد أربی الحدیث (الصحیح لمسلم ۲/۲۵ کتاب المساقاة والمزارعة ـ باب الربا)

(۲) وإن وجد أحدهما أي القدر وحده أو الجنس (أی وحده) حلّ الفضل وحرم النساء (الدر المختار والشامی: ۷/۳۰۶ کتاب البیوع ـ مطلب في الإبراء عن الربا)

سود، قمار اور بیمہ کا بیان

مسلمانوں کو سود سے بچانے کے لیے اسلامی بینک کھولنا، اور حلت ربا کے لیے حیلہ کرنا

سوال: (۱) مسلمان ہنود سے سودی قرض لیتے ہیں اس کو بند کرنے کے لے ایک بینک کھولا گیا ہے، مگر چونکہ بینک کے متعلق بہت سے اخراجات ہوں گے تو کیا اس بینک میں ایک کاغذ چھپوا کر قرض خواہ کے ہاتھ فروخت کرنا مثلاً جو شخص دس روپیہ قرض لے اس کو دس آنے میں اور جو بیس روپیہ لے اس کو ایک روپیہ چار آنے میں فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۰۵/۳٦-۱۳۴۷ھ)

الجواب: روپیہ قرض دے کر اس پر کچھ نفع لینا کسی حیلہ سے ہو جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ وارد ہے: کل قرض جر نفعًا فهو ربا (۱) اور نیز حدیث شریف میں ہے: إنما الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى الحديث (۲) لہٰذا یہ صورت جو سوال میں درج ہے شرعاً جائز نہیں ہے ربا کے شبہ سے

---

(۱) عن الحكم عن إبراهيم قال: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا (مصنف ابن أبي شيبة ۳۲۳/۴ كتاب البيوع والأقضية، باب من كره كل قرض جرّ منفعة، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

(۲) عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لإمرئ ما نوى؛ فمن كانت هجرته إلى دنيا يُصِيبُهَا أو إلى امرءة ينكحها؛ فهجرته إلى ماهاجر إليه (صحيح البخاري ۲/۱ باب كيف كان بدء الوحي)

بھی بچنے کا حکم ہے جیسا کہ وارد ہے: دعوا الربا والریبۃ (۱) پس یہ صورت جائز نہیں ہے(۲) فقط

ہندوؤں کے ظلم سے بچنے کے لیے اسلامی بینک قائم کرکے بہت کم سود پر قرض دینا

سوال: (۲) ہندو مسلمانوں پر سخت مظالم کررہے ہیں اس لیے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک بینک چندہ سے کھولا جائے اور بہت کم سود پر دیگر مسلمانوں کو بوقت حاجت قرضہ دیا جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۲۴/۱۳۴۵ھ)

---

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ أن آخر مانزلت آیۃ الربا وأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قُبض ولم یفسّرھا لنا فدعوا الربا والریبۃ رواہ ابن ماجۃ والدارمی (مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۶ کتاب البیوع - باب الربا)

(۲) اصل فتوی تو یہی ہے، پھر بعض مفتیان کرام سے جواز کا فتوی حاصل کیا گیا، اوراس کے مطابق منظم طریقہ پر کام شروع کیا گیا جو آج تک چل رہا ہے۔ اوراس سلسلہ میں ۲۲ تا ۲۴ رجب ۱۴۱۱ھ میں ایک فقہی اجتماع من جانب جمعیۃ علماء ہند بلایا گیا جس میں اکثر کا موقف یہ تھا: فارم (معاہدہ نامہ) چونکہ مال متقوم ہے اوراس کی خریداری صلب عقد میں شرط نہیں ہے اس وجہ سے فارموں کی بیع اداروں کے لیے جائز ہے، اور بعض حضرات نے اختلاف کیا کہ فارم حاصل کرنے والے کا مقصد چونکہ فارم خریدنا نہیں ہے، بلکہ یہ قرض کے حصول کا ذریعہ ہے اس لیے جائز نہیں، البتہ اُجرۃ الخدمت (سروس چارج) کے سلسلہ میں رجحان جواز کا تھا، مگراس کی کوئی صحیح صورت کسی کے ذہن میں نہیں آئی، اور میں نے یہ رائے دی تھی کہ بزرگوں کی دی ہوئی اجازت کے مطابق فارم کی بیع ایک حیلہ تھی، جس کو خرابیوں کے سامنے آنے کی وجہ سے سداً للباب ناجائز کہنا ضروری ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حیلہ درحقیقت قانون کی لچک ہوتی ہے، جس قانون میں لچک نہیں ہوتی لوگ اس قانون کو توڑنے پر مجبور ہوتے ہیں، مگر حیلے خود قانون نہیں ہوتے یعنی ان کو مستقلاً استعمال کرنا درست نہیں ہوتا۔ حیلوں کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے سورۂ ص (آیت:۴۴) میں ایک حیلہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لیں اوراس سے ماریں اور قسم نہ توڑیں۔ اور حدیث میں عِثکال (کھجور کے گچھے) کے ذریعہ ایک نہایت لاغر پر جو ناقص الخلقت تھا: حد جاری کرنے کا ذکر آیا ہے (مشکوۃ ص:۳۱۲ کتاب الحدود) لیکن ان حیلوں کو اگر قانونی شکل دے دی جائے اور ہر زانی کو اسی طرح سزادی جایا کرے تو یہ کسی طرح بھی روا نہ ہوگا، یہ بات صحیح ہے کہ فارم مال متقوم ہے، اس لیے اس کو جس قیمت پر بیچنا چاہیں بیچ سکتے ہیں، مگراس کو حلتِ ربا کے حیلے کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

الجواب: سود کا معاملہ تو شریعت میں کسی حال جائز نہیں ہے اور قلیل وکثیر سود حرمت میں برابر ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک درہم سود کا چھتیس زنا سے معصیت میں زیادہ ہے، اس لیے ایسی صورت کی جاوے کہ سود نہ لیا جاوے مسلمان ہمت کر کے چندہ سے روپیہ جمع کریں اور بلا سود قرض دیں اور اہل اسلام غرباء کی اعانت اس طرح کریں۔ فقط

سوال: (۳) یہاں کے چند مسلمانوں نے چندہ سے بینک قائم کیا ہے اور منشا یہ ہے کہ بنیوں سے قرض نہ لیا جائے اور اس بینک سے قرض سودی دیا جاتا ہے اس بینک کی شرکت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جس بینک میں سود پر روپیہ دیا جائے اس میں شرکت جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سود کے لینے والے اور دینے والے وغیرہما پر لعنت فرمائی ہے (۱) فقط

سود کا گناہ

سوال: (۴) جو شخص ایک بار سود کھاتا ہے گویا اپنی ماں کے ساتھ ہزار بار زنا کرتا ہے، یا یہ کہ ربا میں ستر گناہ ہیں ان میں ادنی گناہ یہ ہے کہ گویا کعبہ شریف میں اپنی ماں کے ساتھ ستر ہزار بار زنا کرتا ہے، یہ کیسی بات ہے؟ (۱۳۳۸/۵۲۰ھ)

الجواب: ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت ہے: الربا سبعون جزءً أيسرها أن ينكح الرجل أمه (۲) ترجمہ: ربا کے ستر جزو (گناہ) ہیں کمتر ان کا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے اور دوسری روایت میں ہے: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلثين زنيةً رواه أحمد (۳) (مشکوۃ) ان کے سوا دوسرے الفاظ کے ساتھ مروی ہونا معلوم نہیں ہے۔ فقط

---

(۱) عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

(۲) مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغليظ في الربا.

(۳) مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا.

سود لینے والا اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں؟

سوال: (۵) ایک مولوی صاحب نے سود دہندہ مسلمان پر حکم لعنت کا دیا ہے اور یہ کہ گناہ میں سود گیرندہ اور سود دہندہ دونوں برابر ہیں اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو حجت میں پیش کرتا ہے یہ حدیث صحیح ہے یا نہ؟ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو آیت کریمہ ﴿ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۹) کا کیا جواب ہوگا؟ کیونکہ سود دہندہ مظلوم ہے تو وہ اور سود لینے والے کیسے برابر ہوں گے؟ (۱۳۴۲/۱۲۷۵ھ)

الجواب: حدیث جابر رضی اللہ عنہ صحیح حدیث ہے، صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں **عن جابر رضی اللّٰه عنه قال:** لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء . رواه مسلم (۱) اس حدیث میں سود کے لینے والے اور دینے والے دونوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، پس دونوں موافق اس حدیث کے ملعون اور مورد لعنت ہوئے اس میں کچھ شبہ اور تردد نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں گناہ میں برابر ہیں، صاحب مرقات نے اس کی شرح میں فرمایا کہ اصل گناہ میں دونوں برابر ہیں اگرچہ مقدار گناہ میں فرق ہو یعنی لینے والے پر زیادہ گناہ ہے (۲)

اور آیت ﴿ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۹) سے اس کا کچھ تعارض نہیں ہے جو کسی تاویل کی ضرورت ہو، چنانچہ ماہرین تفسیر پر مخفی نہیں ہے۔ فقط

بینک یا ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کر کے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۶) ...... (الف) موجودہ حکومت ہندوستان نے ایک طریقہ گورنمنٹ پرامیری نوٹ کا

---

(۱) الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا.

(۲) قوله: (هم سواء) أي في أصل الإثم وإن كانوا مختلفين في قدره (مرقاة المصابيح شرح مشكوة المصابيح ۶/۵۹ كتاب البيوع، باب الربا. مطبوعة: مكتبه امدادية، ملتان، باكستان)

جاری کر رکھا ہے جس کی نوعیت یہ ہے کہ ایک شخص حکومت کو ایک رقم قرض دیتا ہے گورنمنٹ اس روپیہ پر اس کو سود بہ حساب فیصدی دیتی ہے۔ یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) ایک طریقہ یہ ہے کہ سرکاری بینک میں روپیہ جمع کیا جاتا ہے بطور امانت اور اس پر بھی سود ملتا ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) ایک صورت یہ ہے کہ بعض غیر مسلم جماعتوں نے تجارتی کمپنیاں اور بینک جاری کر رکھے ہیں اور لوگوں سے قرض لے کر تجارت میں لگاتے ہیں اور روپیہ والے کو ایک شرح مقرر سے نفع یا سود دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کی عمل داری میں رہتے ہوئے غیر مسلم لوگوں کے بینک میں روپیہ رکھ کر نفع یا سود لینا مسلم کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۹۷/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-ج) اخذ ربا واکل ربا کے بارے میں آیات واحادیث میں وعید شدید وارد ہے، کہیں ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۵) سے مطلقاً حرمت ربا بیان فرمائی جاتی ہے، کہیں ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۹) وعید سنائی جاتی ہے، احادیث میں ایک درہم سود کو چھتیس زنا سے شدید تر فرمایا جاتا ہے اور سود کے سترویں جزو کو اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ والعیاذ باللّٰہ تعالٰی. قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل و هو يعلم أشد من ستة و ثلثين زِنْيَةً رواه أحمد وغيره (۱) وعن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الربا سبعون جزءً أيسرها أن ينكح الرجل أمه رواه ابن ماجة وغيره (۲) الغرض ایسی معصیت کبیرہ کی اجازت شریعت میں کسی وقت اور کسی حال اور کسی قوم سے نہیں ہوسکتی جس پر اس قدر وعید شدید وارد ہے فی الواقع اب وہ زمانہ آ گیا جس کی نسبت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آوے گا کہ کوئی شخص اکل ربا سے نہ بچے گا اگر وہ سود نہ کھاوے گا تو اس کو غبار و بخار سود کا ضرور پہنچے گا عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ليأتين على الناس زمان لايبقى

(۱) مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع - باب الربا.

(۲) مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع - باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات - باب التغليظ في الربا.

أحد إلا اکل الربا فإن لم یأکله أصابه من بخاره. ویروی من غباره رواه أحمد و أبوداؤد وابن ماجة (۱) ایک دوسری حدیث میں آکلین ربا کے بارے میں سخت وعید وارد ہے: عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أتیت لیلة أسری بی علی قوم بطونهم کالبیوت، فیها الحیات تُریٰ من خارج بطونهم، فقلت: من هٰؤلآء یا جبرئیل؟ قال: هٰؤلآء أکلة الربا رواه أحمد وابن ماجة (۲) اور آنحضرت ﷺ نے سود کے لینے والے اور دینے والے وغیرہ پر لعنت فرمائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سود کے شبہ سے بھی بچو دعوا الربا والریبة (۳) پس ضرور ہے کہ اہل اسلام ان مواعید شدیدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے سود کے جملہ طرق اور صور سے کلی اجتناب کریں اور سود سے ترقی مال کی کبھی امید نہ کریں کہ انجام اس کا خسارہ اور نقصان ہے کما ورد: الربا و إن کثر، فإن عاقبته تصیر إلی قُلّ (۴) فقط

سوال: (۷) روپیہ بینک میں داخل کرکے اس کا منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۴۸۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: روپیہ کا منافع لینا یہی سود ہے اس سے بچنا چاہیے، لیکن جو روپیہ داخل ہو چکا ہے اس پر جو کچھ بنام منافع ملے اس کو لے کر صدقہ کر دیا جاوے، اور آئندہ داخل کرنے سے اور نفع لینے سے احتراز کیا جاوے۔ فقط

سوال: (۸) ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرکے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۵۶/۱۳۳۲ھ)

---

(۱) سنن أبی داؤد ص: ۴۷۲ کتاب البیوع – باب فی اجتناب الشبهات. مشکاة ص: ۲۴۵ کتاب البیوع – باب الربا.

(۲) مشکاة ص: ۲۴۶ کتاب البیوع – باب الربا. وابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغلیظ فی الربا.

(۳) سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغلیظ فی الربا. مشکاة المصابیح ص: ۲۴۶ کتاب البیوع – باب الربا.

(۴) عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: الربا و إن کثر، فإن عاقبته تصیر إلی قُلّ (مسند الإمام أحمد بن حنبل ۳۹۵/۱ رقم الحدیث: ۳۷۵۳ من مسند عبدالله بن مسعود رضی اللّٰه عنه)

الجواب: اصل اس میں عدم جواز ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ڈاکخانہ میں روپیہ داخل کیا ہوا ہے، تو اس کا جو سود ملے وہ وہاں نہ چھوڑے، بلکہ لے کر فقراء و مساکین کو دیدے۔ فقط

سوال: (۹) ڈاکخانہ یا بینک میں جو روپیہ بغرض حفاظت جمع ہے اس پر سرکار کی طرف سے جو سود ملتا ہے اس کا مسلمانوں کو لینا یا لے کر مسکین کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۸۹ھ)

الجواب: وہ سود کی رقم وصول کر کے مساکین کو دے دے، وہاں نہ چھوڑے؛ کیونکہ وہاں چھوڑنے میں یہ خرابی ہے کہ وہ رقم مخالفت اسلام میں صرف کی جاتی ہے۔

سوال: (۱۰) بینک میں جو روپیہ امانت رکھتے ہیں اور جو منافعہ اس سبب سے ملتا ہے وہ لینا درست ہے یا نہیں؟ یہ روپیہ کسی کی طلب پر دینا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ از خود لوگ جمع کرتے ہیں اس خیال سے کہ بینک کوئی خاص شخص نہیں ہے۔ شرعاً اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۵/۱۰۰۱ھ)

الجواب: درست نہیں ہے؛ کیونکہ ربا یہی ہے کہ روپیہ بہ مقابلہ روپیہ کے کچھ زیادہ لیا جائے (۱) اور چونکہ بصورت اختلاف ائمہ (۲) ایسے امور میں احوط کو اختیار کرنا چاہیے، اس لیے یہی جانب احوط ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ فقط

سود کی رقم بینک وغیرہ میں چھوڑ دے یا لے لے

سوال: (۱۱) عرصہ بارہ سال سے زائد ہوا کہ میں نے ایک سو روپیہ بطور ضمانت برائے ملازمت، کمپنی میں جمع کیا تھا اس روپیہ کا سود کمپنی سے لے کر کس کو دیا جائے یا کمپنی سے ہی نہ لیا جائے؟ فقط (۱۳۴۲/۲۰۳۳ھ)

الجواب: اس رقم زائد کو جو بنام سود ملتی ہے کمپنی میں نہ چھوڑا جائے بلکہ وہاں سے لے کر فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیا جائے۔ فقط

سوال: (۱۲)...... (الف) بینک میں جو روپیہ جمع ہوتا ہے اس پر جو سود ملتا ہے اس کو میں حرام قطعی سمجھتا ہوں، لیکن رقم سود کو وہاں چھوڑنے میں یہ ڈر ہے کہ وہ اس روپیہ کو تبلیغی کام میں اسلام کے خلاف

---

(۱) الربا: فضل مالٍ بلاعوض في معاوضة مالٍ بمال، وعلته القدر والجنس وحرم الفضل والنساء (البحر الرائق: ۶/ ۲۰۷ کتاب البیع – باب الربا)

(۲) یعنی دار الحرب میں غیر مسلم سے سود لینے کے مسئلہ میں۔

صرف کریں گے، شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(ب) کچھ روپیہ بطور ضمانت محکمہ والوں کو پہلے کام شروع کرنے سے دینا پڑتا ہے، اور بعد ختم ملازمت معہ رقم سود کے واپس ملتا ہے، اس کے سود کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۲۹۲۲/۱۳۴۴ھ)

الجواب: (الف، ب) دونوں صورتوں میں سود کا روپیہ لے کر فقراء ومساکین پر صدقہ کر دیا جائے، وہاں نہ چھوڑا جائے، کیونکہ وہاں چھوڑنے میں واقعی یہ خوف ہے کہ اس روپیہ کو وہ خلاف اسلام صرف کریں گے۔ فقط

سوال: (۱۳) بینک میں روپیہ جمع کرنے سے جو سود ملتا ہے اس کو کچھ علماء جائز کہتے ہیں، دیوبند کے علماء کی کیا رائے ہے؟ (۳۱۲۲/۱۳۴۴ھ)

الجواب: اس روپیہ کو جو بنام سود ملے وہاں سے لے کر فقراء پر صدقہ کر دیا جائے وہاں نہ چھوڑا جائے؛ کیونکہ وہاں چھوڑنے میں وہ روپیہ خلاف اسلام خرچ ہوتا ہے، یہاں کے علماء یہی فتویٰ دیتے ہیں۔ فقط

سوال: (۱۴) مجلس ملیہ اسلامیہ بنگلور سٹی کا مبلغ ایک ہزار دوسو روپیہ میسور بینک میں بغرض حفاظت جمع ہے اگر اس کے سود سے انکار کیا جائے تو غیر اقوام کی تبلیغی وخیراتی مدات میں صرف ہوگا، لہٰذا رقم سود کو حاصل کر کے کس مد میں صرف کیا جائے؟ (۳۲۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ہر چند کہ بینک میں روپیہ رکھنا اور سود لینا شرعاً جائز نہیں ہے اور آئندہ اس سے احتراز چاہیے کیونکہ سود کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب وشاہد پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے، اور فرمایا ھم سواء یعنی وہ سب گناہ میں برابر ہیں (۱) لیکن فی الحال جو رقم سود بینک میں جمع ہے اس کو وہاں نہ چھوڑا جائے کیونکہ وہاں وہ رقم خلافِ اسلام واہل اسلام میں صرف ہوگی بلکہ اس کو لے کر فقرائے مسلمین کو صدقہ کر دیا جائے۔ فقط

سود لینے سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

سوال: (۱۵) کیا مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند نے یہ فتوی دیا ہے کہ بینک کا سود وصول کر کے

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: ھم سواء (الصحیح لمسلم ۲/ ۲۷ کتاب المساقاۃ والمزارعۃ — باب الربا مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع — باب الربا)

نیک کاموں میں صرف کر سکتا ہے جیسا کہ ''الامان وخلافت'' میں شائع ہوا ہے؟ (۱۳۴۳/۲۲۰ھ)

الجواب: بندہ کی غرض اس سے جواز سود کا فتوی دینا نہیں ہے، اس کا منشا صرف یہ تھا کہ جن لوگوں نے بینک میں روپیہ داخل کر رکھا ہے وہ اگر رقم سود کو وہاں چھوڑتے ہیں تو وہ رقم مخالفت اسلام وتائید عیسائیوں میں خرچ ہوتی ہے، یا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے، لہٰذا اس رقم کو وہاں نہ چھوڑیں بلکہ وہاں سے لے کر فقراء ومساکین کو دے دیں تا کہ اس دوسرے گناہ سے جو کہ بہت شدید ہے محفوظ رہیں، پس ظاہر ہے کہ اس سے یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ بینک میں روپیہ داخل کریں اور سود حاصل کر کے نفع اٹھائیں، بلکہ غرض وہی ہے جو مذکور ہوئی کہ جب کہ وہ لوگ روپیہ داخل کر چکے تو اگر رقم سود کو وہاں چھوڑتے ہیں تو معصیت مذکورہ کے ساتھ ایک دوسری معصیت شدیدہ میں مبتلا ہوتے ہیں، لہٰذا ان کو لکھا گیا کہ اس رقم کو وہاں نہ چھوڑیں اور لے کر فقراء کو دے دیں اور اس گناہ سے توبہ کریں جو ان سے روپیہ داخل کرنے میں سرزد ہوا، بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا فقط، والسلام علی من اتبع الهدی. فقط

سوال: (۱۶) ۵ ستمبر سنہ ۲۴ کے روز نامہ ہمدم میں جناب مولوی میرک شاہ صاحب مددگار مفتی کا ایک مضمون آپ کے اس فتوی کے متعلق شائع ہوا ہے کہ جس کو آپ نے جواز سود بینک کے لیے تحریر فرمایا ہے جس کو قبل اس کے اخبار مذکور میں کسی صاحب نے شائع فرمایا ہے جناب شاہ صاحب موصوف نے بینک کے سود کے جواز کے متعلق علمائے دارالعلوم دیوبند کے خیالات کا دو صورتوں میں اظہار فرمایا ہے:

(۱) سود لینے کے خیال سے بینک میں روپیہ جمع کرنا۔

(۲) بطور امانت بدون خیال سود بینک میں روپیہ جمع کرنا۔

صورت اولی کو اس وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے اور کسی قسم کا خیال ظاہر نہیں فرمایا کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں علمائے ہند کو اختلاف ہے، صورت ثانیہ میں جو سود بینک سے ملے اس کو لے کر غرباء ومساکین کو تقسیم کر دینا اور اس سے امید ثواب نہ رکھنا تحریر فرمایا ہے، آیا صورت ثانیہ میں سود لینا کس وجہ سے جائز ہے؟ (۱۳۴۳/۵۸۷ھ)

الجواب: بندہ کو جو کچھ اس بارے میں تحقیق ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں سود لینا بینک وغیرہ سے مطلقاً ناجائز ہے، کیونکہ اولاً ہندوستان کا دارالحرب ہونا مختلف فیہ ہے، ثانیاً دارالحرب میں بھی جواز

سو مختلف فیہ ہے اور ارشاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دعوا الربا والریبۃ (۱) شبہ ربا سے بھی بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ لہٰذا فتویٰ مطلقاً حرمت ربا کا دیا جاتا ہے جیسا کہ مقتضا عموم ادلہ کا ہے، باقی یہ جو یہاں سے بعض مواقع میں لکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کا روپیہ بینک میں جمع ہے کسی ارادہ اور کسی نیت سے ہو یعنی خواہ سود لینے کے لیے اپنی غلطی سے وہاں روپیہ داخل کیا ہو یا محض بغرض حفاظت جمع کیا ہو، بہرحال وہاں اس سود کی رقم کو نہ چھوڑا جائے، بلکہ وہاں سے لے کر فقرائے مسلمین کو صدقہ کردیا جائے، کیونکہ وہاں چھوڑنے میں اس رقم سود کے متعلق یہ تحقیق ہوئی ہے کہ وہ روپیہ پادریوں کو دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کو مسلمانوں کو مرتد (عیسائی) بنانے میں اور مذہب عیسائیت کی تائید میں خرچ کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ امر بہت سخت ہے اور اعداء اسلام کی تقویت کا باعث ہے، لہٰذا بموجب قاعدہ مسلمہ من ابتلی ببلیتین فلیختر أھونھما (۲) اس کو راجح سمجھا گیا کہ اس سود کی رقم کو وہاں نہ چھوڑے بلکہ وہاں سے لے کر فقراء وغرباء کو تقسیم کردیا جائے اور اپنے خرچ میں نہ لایا جائے، اس سے ظاہر ہے کہ سود لینا جائز نہیں ہے اور نہ سود لینے کے جواز کا فتویٰ اس سے سمجھنا چاہیے بلکہ بہ مقابلہ اس کے کہ وہ روپیہ مسلمانوں کے مرتد بنانے میں خرچ ہو، یہ اہون ہے کہ اس رقم سود کو وہاں نہ چھوڑا جائے اور وہاں سے نکال کر فقراء کو دیا جائے کیونکہ کہیں نہ کہیں تو وہ ضرور خرچ ہوگا، پس مسلمانوں کو اپنے اختیار سے اس رقم کو تائید ارتداد وکفر میں صرف ہونے دینا کسی طرح گوارا نہیں ہے، یہ وجہ ہے اس فتویٰ کی جو کہ یہاں سے لکھا گیا ہے اور ساتھ میں یہ بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ سود لینا حرام ہے، لہٰذا کوئی شخص بینک وغیرہ سودی کارخانوں میں اپنا روپیہ داخل نہ کرے۔ فقط

سوال: (۱۷) جناب والا نے جو فتویٰ جواز سود بینک کے متعلق صادر فرمایا ہے، اس کی نقل مرحمت فرمائی جائے۔ (۱۳۴۳/۲۹۷ھ)

الجواب: اس کی اصل یہ ہے کہ بمبئی وغیرہ سے بعض انجمنوں اور اوقاف کے سرمایہ کے متعلق یہ

---

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه قال: إن آخر ما نزلت آیة الربا، و أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا فدعوا الربا والریبة (سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات - باب التغلیظ فی الربا. مشکاة المصابیح ص: ۲۴۶ کتاب البیوع - باب الربا)

(۲) قال في المحیط: والأصل أن من ابتلی ببلیتین یختار أهونهما و أیسرهما (تکملة البحر الرائق ۹/۱۳۳ کتاب الإکراہ)

دریافت کیا گیا تھا کہ جن انجمنوں اور اوقاف وغیرہ کا روپیہ بینکوں میں جمع ہے اور ان کا سود لاکھوں روپیہ کی مقدار میں ہے اس کو اگر وہاں چھوڑا جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں اور مذہب عیسائیت کی تائید میں صرف ہوتا ہے تو ایسی حالت میں وہ رقم سود وہاں چھوڑی جائے یا وہاں سے لے کر کسی نیک کام میں یا غرباء ومساکین کو دے دی جائے تو اس پر بندہ نے یہ لکھ دیا تھا کہ بحالت مذکورہ رقم سود وہاں نہ چھوڑی جائے بلکہ وہاں سے لے کر غرباء وفقرائے مسلمین کو دے دی جائے۔ ایسا فتوی پہلے سے حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالی نے بھی دیا تھا، لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ جواز سود کا فتوی دیا گیا بلکہ یہ حکم بطریق من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما (۱) کے تھا، باقی اصلی مسلک ہم لوگوں کا وہی ہے جو پہلے سے حرمتِ سود کا تھا، جواز سود کا فتوی نہ اب دیا جاتا ہے نہ پہلے دیا گیا اور بینک میں بغرض سود روپیہ داخل کرنے کی نہ پہلے اجازت دی گئی بلکہ یہ حکم ان لوگوں کو لکھا گیا کہ جنہوں نے بینک میں روپیہ داخل کر دیا اور اس وقت کچھ دریافت نہ کیا اور اب رقم سود کی وہاں چھوڑنے میں یہ فتنہ پیش آتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مرتد بنانے میں صرف ہوتا ہے تو ایسے وقت میں سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ حکم بالا بتلایا جائے، یہ فتوی کسی وقت میں یہاں سے لکھا گیا تھا جو اخباروں میں شائع ہو گیا اس کی نقل رجسٹروں میں باوجود تلاش کے نہ ملی، نہ معلوم وہ نقل ہونے سے رہ گیا تھا یا کیا بات ہے؟ اور نہ وہ چھپا ہوا موجود ہے بلکہ اب یہاں سے اس کی تردید اور اصل واقعہ کا اظہار اخبار میں شائع کرایا جائے گا۔ فقط

جب سود لینا حرام ہے تو سودی رقم لے کر غرباء کو دینا کیوں کر جائز ہے؟

سوال: (۱۸) جناب نے سود کو ناجائز لکھا ہے کہ سود لینا تو کسی سے جائز نہیں ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ بینک وغیرہ سے سود لے کر غرباء کو دے دینا چاہیے جب کہ سود ناجائز ہے تو ایسی ناجائز رقم غرباء کو دینا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے؟ (۲۶۴۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: باوجود عدم جواز سود کے جو یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ بینک وغیرہ میں وہ رقم نہ چھوڑے بلکہ وہاں سے لے کر غرباء وفقرائے مسلمین کو دے دی جائے اس کی وجہ ایک خاص ہے وہ یہ کہ وہاں اگر وہ

(۱) قال في المحيط: والأصل أن من ابتلی ببلیتین یختار أهونهما و أیسرهما (تكملة البحر الرائق ۹/۱۳۳ کتاب الإکراه)

رقم چھوڑی جاتی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ رقم پادریوں کو دی جاتی ہے جس سے وہ اپنے مذہب کی اشاعت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مرتد بنانے میں وہ روپیہ خرچ کرتے ہیں، اور حکم شریعت کا یہ ہے من ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما (۱) یعنی جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ اہون اور کمتر کو اختیار کرے، پس سود کا لینا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر نہ ایسا جیسا کہ مسلمانوں کو مرتد بنانے اور بے دین کرنے میں امداد دینا اس لیے اس میں اس اہون طریق کو اختیار کیا گیا۔ فقط

غیر مسلم سے سود لینا

سوال: (۱۹) زید بکر سے کہتا ہے کہ تو سود کا معاملہ کیوں کرتا ہے؟ مسلمان ہو کر ممنوع کو جائز رکھتا ہے، اس کے جواب میں بکر کہتا ہے کہ سود جن جن وجوہ سے اور جن جن سے ممنوع ہے میں ان سے بچ کر کرتا ہوں، کسی مسلمان سے سود نہیں لیتا ہوں ہاں بے دین اشخاص سے لیتا ہوں ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرتا ہوں سرکار بخوشی سود دیتی ہے حاکم وقت کے حکم سے سودی قرضہ دیا ہے، جس کے واسطے حاکم وقت نے خوشی سے سود دینا قبول کیا ہے کیا بکر کو یہ سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۲۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: فتویٰ اس پر دیا جاتا ہے کہ سود لینا مطلقاً ناجائز ہے غیر مسلم سے بھی سود لینا ناجائز ہے، بناءً علیہ کسی سے سود نہ لیا جائے اور اگر بہ مجبوری لیا جائے تو اس کو فقراء پر صدقہ کر دیا جائے۔

مدرسہ کا روپیہ سیونگ بینک یا ڈاک خانہ میں جمع کرنا

سوال: (۲۰)...... (الف) اسلامی مدرسہ کا روپیہ منافعہ کے خیال سے سیونگ بینک اور ڈاک خانہ میں جمع کرنا جائز ہے یا نہ؟

(ب) مدرسہ کی رقم بمد صدقات، زکوۃ، منت، چرم قربانی وغیرہ بھی مذکورہ غرض سے ڈاک خانہ میں داخل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(ج) بصورت عدم جواز، الف، ب جو رقم صدقات وغیرہ کی کسی ذمہ دار زیر دست مثلاً نائب مہتمم

(۱) قال في المحيط : والأصل أن من ابتلى ببليتين يختار أهونهما و أيسرهما (تكملة البحر الرائق ۱۳۳/۹ كتاب الإكراه)

کو بلا تملیک وصول ہوئی ہو اور اس رقم کو بغرض مذکورہ ذمہ دار بالا دست مہتمم وغیرہ ممبران مدرسہ لے لیں اور وہ دے دے تو ذمہ دار زیر دست عنداللہ ماخوذ ہوگا یا بری؟ (۱۳۴۳/۱۰۶ھ)

الجواب: (الف) نفع جو سیونگ بینک سے وصول ہوگا وہ ربا ہے، لہٰذا وہاں اس غرض سے روپیہ داخل کرنا اور نفع حاصل کرنا ناجائز ہے اور سود ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے: **لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکل الربا وموکلہ الحدیث** (۱)

(ب) یہ بھی ناجائز ہے۔

(ج) زیر دست کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کہہ دے کہ یہ رقم صدقات وزکوۃ وغیرہ کی ہے اور یہ کہ اس کا داخل کرنا سیونگ بینک میں ناجائز ہے اس کہہ دینے سے وہ زیر دست گناہ سے بری ہو جائے گا پھر جو کچھ مؤاخذہ ہے ان پر ہے جو با اختیار منتظم ہیں، اور اگر یہ زیر دست ایسے صدقات واجبہ زکوۃ وغیرہ کو حیلۂ تملیک (۲) کے بعد ان کے حوالہ کرے تو بہتر ہے تاکہ زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ اس حیلۂ تملیک سے ادا ہو جائے پھر جو کچھ وبال ہے ان لوگوں کے ذمے ہے جو داخل کریں گے۔

بغرض حفاظت ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنا

سوال: (۲۱) ڈاک خانہ میں حفاظت کی غرض سے روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۵۸۱ھ)

الجواب: ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنے میں یہ خرابی ہے کہ اگر سود نہ لے تو وہ عیسائیوں کو دیا جاتا ہے اور وہ روپیہ لوگوں کو عیسائی بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے اور اگر لیا جائے تو سود کا گناہ ہوتا ہے اس لیے وہاں روپیہ داخل نہ کرنا چاہیے اور اگر کسی نے غلطی سے داخل کر دیا ہے تو اس کا سود وہاں نہ چھوڑے بلکہ وہاں سے لے کر غرباء وفقراء کو تقسیم کر دے خود اپنے خرچ میں نہ لائے۔ فقط

---

(۱) الصحیح لمسلم ۲/۲۷ کتاب المساقاۃ والمزارعۃ - باب الربا. مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع - باب الربا.

(۲) حیلۂ تملیک: اسی وقت حیلہ ہوگا جب واقعی تملیک ہو، ورنہ وہ حیلہ نہیں ہے ڈھونگ ہے، اس سے کوئی حلت پیدا نہ ہوگی ۱۲ سعید احمد پالن پوری

دارالحرب میں کفار سے سود لینے کا حکم

سوال: (۲۲) لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب عند أبی حنیفة رحمه الله تعالی الخ (۱) سے استدلال کرتے ہوئے ہمارے ملک میں کھلم کھلا لوگ کفار سے بیاج لیتے ہیں، کیا حکم ہے؟ (۱۷۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ مسئلہ کتب فقہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے، لیکن چونکہ اس میں اختلاف ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی وائمۂ ثلاثہ حرمت کے قائل ہیں (۲) ادھر دار میں بھی اختلاف ہے اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ ربا سے احتراز کیا جاوے، عموم ادلہ محرمہ ربا کا اقتضاء بھی یہی ہے، باقی آپ کو کسی سے جھگڑا کرنا فضول ہے خود اپنا عمل ایسا رکھیے یعنی ترک ربا کا، اور جو لوگ آپ کی بات کو مانیں ان کو منع کر دیجئے کہ سود نہ لیویں۔

سوال: (۲۳) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہم اللہ تعالی ہندوستان کو دارالحرب لکھتے ہیں تو بناءً علیہ اگر کوئی حربی کافر سے سود لیوے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۶۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ اول تو ہندوستان کا دارالحرب ہونا مختلف فیہ ہے، اور پھر دارالحرب میں سود کا جواز اور عدم جواز مختلف فیہ ہے، حضرت امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالی دارالحرب میں بھی حرمت ربا کے قائل ہیں، اس لیے حلت ربا کا فتوی ہندوستان میں نہیں دیا جاتا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی اور ان کے استاذ بقیۃ السلف الصالحین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالی کا یہی مسلک ہے، اور ہم خدام حضرات اکابر کا بھی یہی مسلک ہے۔ فقط

---

(۱) العناية شرح الهداية مع فتح القدير ۱۷۷/۶ كتاب البيوع، باب الربا، مطبوعة: المكتبة النورية الرضوية، بسكهر، باكستان.

(۲) ولا بين المسلم والحربي في دار الحرب، خلافًا لأبي يوسف والشافعي ومالك و أحمد رحمهم الله تعالى (فتح القدير ۱۷۷/۶ كتاب البيوع، باب الربا، المكتبة النورية الرضوية، بسكهر، باكستان)

سوال: (۳۴) لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب (۱) میں حربی سے کیا مراد ہے؟ آیا کفار محارب مراد ہیں یا مسلمان بھی؟ دارالحرب ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اس میں ربا جائز ہوگا یا نہ؟ (۱۰۲۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: دارالحرب کی شرائط میں اختلاف ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین شرائط سے دارالاسلام دارالحرب ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ صرف ایک شرط سے دارالحرب ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے: لا تصير دار الإسلام دار حرب إلا بأمور ثلاثة بإجراء أحكام أهل الشرك وباتصالها بدار الحرب وبأن لا يبقى فيها مسلم أو ذمي آمنًا بالأمان الأول الخ قال الشامي: وقالا: بشرط واحد لا غير وهو إظهار حكم الكفر وهو القياس هندية (۲) پس بر بناء اختلاف تعریف؛ ہندوستان کے دارالحرب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، اور جب کہ ہندوستان کا دارالحرب ہونا مشتبہ ہوگیا تو حلت ربا کا فتویٰ دینا ہندوستان میں روانہ ہوگا لما ورد: دعوا الربا والريبة (۳) اور قول لاربا بين المسلم والحربي في دارالحرب (۴) میں مراد حربی سے دارالحرب کا رہنے والا ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اور خواہ محارب بالفعل ہو یا غیر محارب وحكم من أسلم في دار الحرب ولم يهاجر كحربي، فللمسلم الربا معه الخ (۵) (درمختار) دارالحرب سے ہجرت اُس وقت ضروری ہے کہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے سے روکا جاوے ورنہ ضروری نہیں ہے، بناءً علیہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کو علمائے محققین نے فرض نہیں فرمایا۔ فقط

---

(۱) هداية ۸۶/۳ كتاب البيوع، آخر باب الربا.

(۲) الدر والرد ۲۱۵/۶ كتاب الجهاد. مطلبٌ فيما تصير به دار الإسلام دار حرب و بالعكس.

(۳) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: إن آخر ما نزلت آية الربا، و أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربا والريبة (سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات - باب التغليظ في الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۶ كتاب البيوع - باب الربا)

(۴) هداية ۸۶/۳ كتاب البيوع، آخر باب الربا.

(۵) الدر المختار مع الشامي ۳۲۲/۷ كتاب البيوع، باب الربا، آخر مطلب في استقراض الدراهم عددا.

ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور غیر مسلم سے سود لینے کا حکم

سوال: (۲۵) ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور غیر مسلمین سے سود لینا کیسا ہے؟ (۱۳۴۳/۶۶۶ھ)

الجواب: ہندوستان کا دارالحرب ہونا مختلف فیہ ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہندوستان پر دارالحرب کی تعریف صادق نہیں آتی لہٰذا ہندوستان دارالحرب نہیں ہے، اور دارالحرب کی تعریف میں بھی امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے جو کہ کتب فقہ میں مذکور ہے اس لیے ہندوستان میں کفار سے بھی سود لینا جائز نہیں ہے کیونکہ شبۂ ربا سے بھی بچنے کا حکم ہے کما ورد: دعوا الربا والريبة (۱) فقط

ہندوؤں سے سود لینا

سوال: (۲۶) اہل ہنود و دیگر اہل مذاہب سے آج کل سود کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۳/۸۴۷ھ)

الجواب: سود کے بارے میں آیات واحادیث میں سخت وعید وارد ہے، ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ ایک درہم سود کا کھانا چھتیس زنا سے شدید تر ہے (۲) اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ سود کے ستر جزو ہیں ان میں کمتر کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ عیاذاً باللہ اپنی ماں سے زنا کرنا (۳) اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ یہ حدیثیں مشکوۃ شریف میں ہیں۔ الغرض مسلمانوں کو سود کے معاملہ سے بالکل احتراز کرنا چاہیے کسی سے سود نہ لے نہ کافر سے نہ مسلمان سے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة ص:۱۶۴ أبواب التجارات ـ باب التغليظ في الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۶ كتاب البيوع ـ باب الربا.

(۲) عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم، أشد من ستة وثلاثين زِنْيَةً. رواه أحمد والدارقطني وروى البيهقي في شعب الإيمان عن ابن عباس رضي الله عنهما (مشكاة ص:۲۴۶ كتاب البيوع ـ باب الربا)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون جزءً ـ وفي ابن ماجة: حُوبًا ـ أيسرها أن ينكح الرجل أمه (مشكاة ص:۲۴۶ كتاب البيوع ـ باب الربا. سنن ابن ماجة ص:۱۶۴ أبواب التجارات ـ باب التغليظ في الربا)

سوال: (۲۷) کفار سے سود کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲/۴۴۷-۱۳۳۷ھ)

الجواب: سود کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے۔ عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء رواہ مسلم (۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے سود کے لینے والے اور دینے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جس گناہ پر لعنت وارد ہوئی ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ اور دوسری حدیث شریف میں ہے: درھم ربٰا یأکلہ الرجل وھو یعلم أشد من ستة وثلثین زِنْيَةً رواہ أحمد والدار قطنی (۲) یعنی ایک درہم سود کا کہ کھاوے اس کو کوئی مرد اور وہ جانتا ہے کہ یہ ربا ہے چھتیس زنا سے سخت تر ہے باعتبار گناہ کے۔ فقط

سوال: (۲۸) زید صوم وصلوۃ کا پابند ہے اور کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے مگر وہ غیر مسلم فرقوں سے سود لیتا ہے یہ فعل کیسا ہے؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور غیر مسلم بینک میں روپیہ جمع کر کے سود لینا کیسا ہے؟ (۸۷۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: سود لینے اور دینے والے کے لیے سخت وعید حدیث شریف میں وارد ہے آنحضرت ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سود کے لکھنے والے اور گواہ پر لعنت فرمائی ہے (۳) اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک درہم سود کا کھانا چھتیس زنا سے بدتر ہے (۴) اور ایک حدیث میں فرمایا ہے

(۱) الصحیح لمسلم ۲/۲۷ کتاب المساقاۃ والمزارعة – باب الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا.

(۲) مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا.

(۳) عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال: ھم سواء (الصحیح لمسلم ۲/۲۷ کتاب المساقاۃ والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

(۴) عن عبداللّٰہ بن حنظلة غسيل الملائكة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: درھم ربا يأكله الرجل وھو يعلم، أشد من ستة وثلاثين زَنْيَةً. رواہ أحمد والدارقطنی وروى البيهقی فی شعب الإيمان عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما (مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا)

کہ ربا کے ستر جزو ہیں اور کمتر اس کا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا (۱) والعیاذ باللہ، پس ایسے گناہ کی جرأت مسلمان کو کس طرح ہو سکتی ہے! لہٰذا مسلمانوں کو سود سے بالکل احتراز کرنا چاہیے نہ کافر سے سود لے اور نہ مسلمان سے اور نہ بینک سے، اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فقط

سوال: (۲۹) ہندوستان میں ہنود سے مسلمانوں کو سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۱۹۰ھ)

الجواب: فتویٰ عدم جواز اخذ ربا پر ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے سود کے لینے والے اور دینے والے و کاتب و شاہد وغیرہ پر لعنت فرمائی ہے (۲) اور ہندوستان کا دار الحرب ہونا مختلف فیہ ہے اور پھر دار الحرب میں سود کا جواز مختلف فیہ ہے لہٰذا احوط یہ ہے کہ بالکل سود نہ لے۔ فقط

سوال: (۳۰) مسلمانوں کو اس زمانے میں ہنود سے سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اور لینے والا گنہ گار ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۶۳۷ھ)

الجواب: ہندوؤں سے سود لینا بھی مسلمانوں کو درست نہیں ہے اور وعید سود کے بارے میں نہایت شدید ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سود کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب و شاہد پر بھی لعنت فرمائی ہے (۳) اور بعض احادیث میں ہے کہ سود لینا اس سے بھی بہت زیادہ شدید ہے جیسے کوئی

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون جزءً – وفي ابن ماجة: حُوبًا – أيسرها أن ينكح الرجل أمه (مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغليظ في الربا)

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهدَيه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

(۳) عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهدَيه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

شخص اپنی ماں سے زنا کرے (۱) والعیاذ باللہ، پس مسلمانوں کو ایسے شدید گناہ کے فعل سے سخت اجتناب کرنا چاہیے، بلکہ شبہ ربا سے بھی بچنا چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: دعوا الربا والريبة الخ (۲) فقط

سوال: (۳۱) کیا ہم اہل ہنود یا دیگر غیر مسلم اقوام سے جن کو ہمیں سود دینا پڑتا ہے، سود لے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۸۰۲ھ)

الجواب: سود لینا کسی سے جائز نہیں ہے سود پر قرآن شریف وحدیث شریف میں سخت وعید وارد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے لینے والے اور دینے والے وغیرہ پر لعنت فرمائی ہے، اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک درہم سود کا کھانا چھتیس زنا سے شدید تر ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ فرمایا کہ ربا کے ستر جزو ہیں ان میں سے کمتر یہ ہے کہ اپنی ماں سے زنا کرے والعياذ بالله تعالى، الربا سبعون جزء أيسرها أن ينكح الرجل أمه رواه ابن ماجة والبيهقي (۲) فقط

سوال: (۳۲) زید کہتا ہے کہ ہنود وعیسائی وغیرہ سے سود لینا درست ہے اور عمر کہتا ہے کہ درست نہیں، کس کا قول صحیح ہے؟ (۱۳۴۲/۱۵۶ھ)

الجواب: زید کا قول درست نہیں ہے، عمر صحیح کہتا ہے، سود لینا کسی سے درست نہیں ہے، اور سود خوار کے لیے سخت وعید حدیث میں وارد ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے لینے اور دینے والے وغیرہ پر لعنت فرمائی ہے (۳) فقط

سوال: (۳۳) ہندو سے بیاج لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۶۸ھ)

الجواب: سود لینا کسی سے درست نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله الحديث. (۳) فقط

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون جزءً – وفي ابن ماجة: حُوبًا – أيسرها أن ينكح الرجل أمه (مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغليظ في الربا)

(۲) سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغليظ في الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا.

(۱) الصحيح لمسلم ۲/ ۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا.

حاجت مند کی امداد کے لیے سود لینا

سوال: (۳۴) زید کو اس ارادہ سے سود لینا جائز ہے یا نہیں کہ وہ لے کر اپنے داماد کو جو کہ حاجت مند ہے دے دیوے؟ (۲۷۷۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ قصد مذکور بھی زید کو سود لینا حرام ہے، اور وعید اخذ ربا میں وہ داخل ہے، ارادہ مذکورہ کی وجہ سے زید کو سود لینا حلال نہ ہوگا۔ فقط

لاچار مدیون کو بینک سے سودی قرض دلانا

سوال: (۳۵) ایک شخص زمانۂ دراز سے تجارت کرتا ہے اور ادھر اُدھر تاجروں سے نقد و اُدھار ہر طرف سے خرید کر لاتا ہے اور خود نقد و ادھار فروخت کرتا ہے اور منافع کو بھی تجارت میں لگا کر تجارت کو بڑھاتا جاتا ہے۔ لیکن قدرت ایزدی سے ایک ایسا وقت آیا کہ بوجہ زیادہ ادھار فروخت ہونے کے جن لوگوں سے ادھار مال خرید کر لایا تھا وہ سخت تقاضا کرتے ہیں اور یہ لاچار ہے کسی طرح ادا نہیں کر سکتا، اگر ایسے وقت میں کوئی اللہ کا بندہ لوجہ اللہ اس کی طرف سے ضامن ہو کر اور کچھ دنوں کی مہلت دلائے یا اس کو سودی قرض دلائے تو ایسا شخص مستحق ثواب ہے یا مستحق عذاب؟ (۸۸۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مدیون مفلس کو مہلت دلانا درحقیقت ایک امر واجب میں اعانت کرنا ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۸۰) لہٰذا جس نے مہلت دلائی اور دین کو مؤخر کرایا وہ بڑے ثواب کا مستحق ہوا، حدیث شریف میں ہے: واللّٰه فی عون العبد ما كان العبد فی عون أخيه (۱) اور دوسری صورت یعنی بینک سے سود پر قرض دلانا جائز نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس میں سودی معاملہ میں داخل ہونا اور شامل ہونا پڑتا ہے اور سودی معاملہ میں کسی طریق سے بھی

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من نفّس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة ، ومن يسّر على معسر ، يسر الله عليه في الدنيا والآخرة ، ومن ستر مسلمًا ستره الله في الدنيا والآخرة ، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه ، الحديث (الصحيح لمسلم ۲/۳۴۵ كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار ، باب – فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر)

شامل ہونا اور واسطہ بننا ممنوع ہے کما ورد فی الحدیث: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال: ھم سواء رواہ مسلم (۱) فقط

سودی رقم سے اپنے حقیقی بھائی، بہن کی امداد کرنا

سوال: (۳۶) ڈاک خانہ کا سود حقیقی بھائی بہن کو بطور امداد غربت بلا اظہار لفظ سود دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۵/۷۵-۳۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: دیا جاسکتا ہے۔

غیر مسلم کی سودی رقم سے مسجد وعیدگاہ بنانا

سوال: (۳۷) ہنود کے سودی روپیہ سے مسجد وعیدگاہ تیار کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں نماز درست ہے یا نہیں؟ اور ﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الآیۃ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۸) کے خلاف ہے یا نہیں؟ (۳۴۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کفار کے حق میں سود حرام نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف فروعات کے نہیں ہیں، لہٰذا ان سے چندہ لے کر مسجد وعیدگاہ بنوانا درست ہے اور نماز اس میں درست ہے اور ﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۸) کے منافی نہیں ہے، کیونکہ تعمیر کرانے والے مسلمان ہی سمجھے جاویں گے، کفار سے چندہ لے کر مسلمان تعمیر کراتے ہیں۔

سود پر روپیہ قرض لے کر مسجد یا عیدگاہ بنانا

سوال: (۳۸) ۸ فیصدی سود پر روپیہ قرض لے کر مسجد یا عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟ (۱۸۶۱/۱۳۳۲ھ)

الجواب: اہل اسلام کے مذہب میں سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اور سودی روپیہ قرض لے کر مسجد اور عیدگاہ بنانا درست نہیں ہے حدیث شریف میں سود کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب و

---

(۱) الصحیح لمسلم ۲/۲۷ کتاب المساقاۃ والمزارعۃ – باب الربا. مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع – باب الربا.

شاہد پر لعنت وارد ہوئی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ھم سواء یعنی وہ سب گناہ میں برابر ہیں (۱) فقط

سود دینے والوں کی رضامندی سے سودی رقم مسجد میں لگانا

سوال: (۳۹) اس طرف بینک کا انتظام ہے مسلمانان بینک سے روپیہ لیتے ہیں اور سال میں پندرہ روپیہ سیکڑہ سود دیا کرتے ہیں، کمپنی بارہ روپیہ سیکڑہ لیتی ہے اور تین روپیہ بستی کے چند اشخاص کے نام سے جمع کرتی ہے، جب بینک کا انتظام اٹھ جاتا ہے تو جس قدر روپیہ بستی والوں کے نام سے جمع ہوتا ہے وہ روپیہ مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ برضامندی سود دہندگان؟ (۲۰۹۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ معاملہ سود پر روپیہ لینے کا شرعاً ناجائز ہے کیونکہ حدیث شریف میں سود کے لینے والے اور دینے والے پر لعنت وارد ہوئی ہے (۱) لیکن سود دہندوں کی رضامندی سے وہ روپیہ جو بستی کے اشخاص کے نام سے جمع ہے مسجد میں خرچ کرنا درست ہے۔ فقط

سود کی رقم، تبلیغ واشاعت اسلام میں صرف کرنا

سوال: (۴۰) بعض مساجد کے منتظمین اور بعض اوقاف کے متولیوں نے مساجد و اوقاف کی آمدنی کو بغرض حفاظت بینک میں رکھا، مگر جو زائد رقم بنام سود بینک والے دیتے ہیں وہ نہیں لیتے حالانکہ یہ زائد رقم وہاں چھوڑنے سے یہ کل رقم تبلیغ عیسائیت کے لیے عیسائی مشنریوں میں دی جاتی ہے اس رقم کا وہاں چھوڑنا شرعاً کیسا ہے؟ اور یہ رقم سود تبلیغ واشاعت اسلام میں صرف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۳۱۳/۱۳۴۵ھ)

الجواب: سود لینا شریعت میں حرام ہے اور بینک اور غیر بینک کا سود سب حرمت میں برابر ہیں کما نطق به النص لیکن جب کہ بینک میں رقم سود چھوڑنے سے وہ رقم اشاعت مذہب عیسائیت میں

---

(۱) عن جابر رضی الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة - باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع - باب الربا)

دے دی جاتی ہے تو پھر بحکم من ابتلي ببليتين فليختر أهونهما(۱) یہ صورت اختیار کرنی چاہیے کہ وہاں سے وہ رقم لے کر غرباء ومساکین پر صدقہ کردی جاوے کیونکہ ایسی رقم محرمہ کا شریعت میں یہی حکم ہے اور فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور تبلیغ واشاعت اسلام میں اگر صرف کی جاوے تو اس کی یہ صورت کی جاوے کہ پہلے وہ رقم کسی ایسے شخص کو دی جاوے جو کہ مالک نصاب نہ ہو پھر وہ اپنی طرف سے تبلیغ واشاعت اسلام میں صرف کردے تا کہ صدقہ بھی ہو جاوے، اور تبلیغ کا کام بھی ہو جاوے جیسا کہ فقہاء نے زکوۃ کے بارے میں یہ حیلہ لکھا ہے (۲) (درمختار) فقط

غیر مسلم سے سود وصول کر کے کسی اسلامی کام میں صرف کرنا

سوال: (۴۱)...... (الف) جب مسلمان تجار ہنود سے نقد رقم یا تجارتی مال بطور قرض لیتے ہیں تو ان کو مع سود ادا کرنا پڑتا ہے اور جب مسلمان ہنود کو نقد یا مال تجارتی دیتے ہیں تو بلا سود اصل رقم وصول کرتے ہیں کیا ایسی صورت میں اہل اسلام کو اجازت ہے کہ اپنے مال کے سود کو وصول کر کے کسی اسلامی کام میں صرف کریں، جیسے بینک کے متعلق اجازت ہے۔

(ب) ہنود سے زمین سودی رہن لے کر اس کے سود کی رقم کو اسلامی کاموں میں صرف کرنا کیسا ہے؟ (۱۶۸۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف، ب) دراصل معاملہ سودی ہندو مسلمان کسی سے کرنا درست نہیں اور سود لینا کسی سے جائز نہیں ہے، لیکن جب کہ ایسا حرام معاملہ ہو گیا مثلاً بینک میں روپیہ داخل کردیا گیا تو پھر یہ حکم دیا جاتا ہے کہ رقم سود کو وہاں نہ چھوڑا جائے، بلکہ وہاں سے لے کر غربائے مسلمین کو دے دیا جائے بحكم من ابتلي ببليتين فليختر أهونهما (۳) کے، پس یہی حکم ہنود سے سود لینے کا ہے، اور زمین

(۱) قال في المحيط: والأصل أن من ابتلى ببليتين يختار أهونهما و أيسرهما (تكملة البحر الرائق ۱۳۳/۹ كتاب الإكراه)

(۲) وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه (الدر المختار مع الشامی ۱۷۷/۳ كتاب الزكاة – مطلب في زكاة المبيع وفاءً)

(۳) قال في المحيط: والأصل أن من ابتلى ببليتين يختار أهونهما و أيسرهما (تكملة البحر الرائق ۱۳۳/۹ كتاب الإكراه)

مرہونہ سے نفع اٹھانے کا ہے کہ جب کوئی معاملہ ایسا ہو گیا جس میں سود لینا پڑے تو اس رقم سود کو کفار سے لے کر غربائے مسلمین کو دے دیا جائے خود اپنے صرف میں نہ لائے۔

رفاہی فنڈ کی ترقی کی غرض سے فنڈ کی رقم سود پر دینا

سوال: (۴۲) آج کل مسلمانوں کی مالی حالت دیکھتے ہوئے ایک جماعت نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ایک معتد بہ مقدار نقود کی بطور بینک جمع کردیں اور اس مقدار کو اپنی ملک سے بالکل ہی نکال کر ایک معتمد علیہ جماعت کو متولی بنادیں اور یہ جماعت افزونی مقدار اور مصارف دفتر وغیرہ کے لیے قرض داروں سے سود تھوڑی تھوڑی مقدار پر لیا کرے اور یہ سود کسی کی ملک میں نہ جائے گا آیا یہ عمل شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اگر یہ ناجائز ہے تو بینک کے جواز کی کوئی صورت شرعاً نکل سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۰۷۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے، جائز صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس رقم جمع شدہ کو تجارت میں لگایا جاوے اور جو نفع ہو اس کو شامل اصل رکھ کر بڑھایا جاوے اور اہل حاجات کو قرض حسنہ بلا اخذ سود دیا جاوے۔

ڈاک خانہ اور بینک میں جمع شدہ رقم کا سود لینا اور بینک سے سودی قرض لینا

سوال: (۴۳)...... (الف) ڈاک خانہ و بینک میں روپیہ جمع کرا کے اس کی واپسی کے وقت جو اس روپیہ کا سود ملتا ہے اس کا لینا درست ہے یا نہیں؟

(ب) بینک سے سودی روپیہ قرض لینا کیسا ہے؟ (۱۱۳۸/۱۳۴۴ھ)

الجواب: (الف، ب) سود کی حرمت عام ہے جو آیات واحادیث حرمت سود پر دال ہیں ان سے عموماً بینک اور غیر بینک سے سود لینا حرام معلوم ہوتا ہے اور سود کے بارے میں جو وعید وارد ہوئی ہے ان سے کوئی سود لینے والا مستثنیٰ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے درهم ربا يأكله الرجل أشد من ستٍ وثلثين زِنيَةً (۱) ایک درہم سود کا چھتیس زنا سے شدید تر ہے، ایک روایت میں ہے کہ ربا کے ستر جزو ہیں

(۱) مشکاۃ ص: ۲۴۶ کتاب البیوع - باب الربا۔

ان میں کمتر ایسا ہے جیسے کہ اپنی ماں سے زنا کرنا (۱) والعیاذ باللہ تعالیٰ اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور کاتب وشاہد پر لعنت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ھم سواء یعنی وہ سب اصل گناہ میں برابر ہیں (۲) اس سے معلوم ہوا کہ سودی قرض لینا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ سود لینا، لہٰذا سودی معاملات لین دین سے قطعاً مسلمانوں کو احتراز کرنا لازم ہے۔

بہ حالت مجبوری سود پر قرض لینا

سوال: (۴۴) قرض حسنہ ملنا دشوار ہے مجبور ہوکر سود پر قرض لیا تو کیا حکم ہے؟ وہ روپیہ جو سود پر لیا حلال ہے یا نہ؟ (۱۵۴۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: سود دے کر قرض لینا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ سود لینا (۳) اس سے احتراز لازم ہے، اور روپیہ جو قرض لیا وہ حلال ہے۔

سوال: (۴۵) جس جگہ ذریعہ معاش کا کوئی نہ ہو مثلاً محنت مزدوری وغیرہ، لیکن سوائے قرض کے کچھ چارہ نہ ہو اور بال بچے بھوکے مرتے ہوں ایسی صورت میں سودی قرض لینا کیسا ہے؟ (۲۲۱۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حدیث شریف میں سود لینے والے اور دینے والے اور کاتب وشاہد وغیرہ سب پر لعنت

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون جزءً – وفي ابن ماجة: حُوبًا – أيسرها أن ينكح الرجل أمه (مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغليظ في الربا)

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/ ۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

(۳) ما حرم أخذه حرم إعطاؤه كالربا الخ (الأشباه والنظائر مع شرحه للعلامة الحموي ص: ۲۲۹ الفن الأول، القاعدة الرابعة عشر، المطبوعة: إدارة النشر والإشاعة بدارالعلوم ديوبند، الهند ۱۴۰۶ھ)

وارد ہوئی ہے (۱) لیکن جو صورت اور مجبوری سوال میں لکھی ہے اس صورت میں سودی قرض لینا بقدر ضرورت اس میں گنجائش ہے (۲) شاید حق تعالیٰ معاف فرمادیوے لیکن حتی الوسع اس سے بچنا چاہیے، معاش کے حلال ذریعے بھی بہت ہیں مَنْ جَدَّ وَجَدَ کوشش کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (سورۂ طلاق، آیت: ۳)

سوال: (۴۶) سودی قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص مجبوراً فاقہ کشی یا عزت بچانے کے واسطے لےتو کیا حکم ہوگا؟ (۱۵۴۵/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: سود کالینادینا حدیث شریف میں ممنوع فرمایا گیا ہے اور سود کے لینے، دینے والے پر حضرت نے لعنت فرمائی ہے اور یہ کہ دونوں برابر ہیں (۳) باقی حالت اضطرار کا قصہ جدا ہے اس میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔

سوال: (۴۷) ضرورت شدیدہ میں سودی قرض لینے کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ (۳/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: حدیث اور فقہ سے کوئی صورت سودی قرض کے لینے کے جواز کی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سود کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب وشاہدین پر لعنت فرمائی ہے اور آخر میں فرمایا هـم سـواءٌ کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں (۳) پس جواز کی کوئی صورت شرعاً نہیں ہے، باقی اگر کسی مجبوری میں ایسا کیا جائے تو اس گناہ سے توبہ واستغفار کیا جائے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرماوے گا کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ

---

(۱) عن جابر رضی اللّٰه عنه قال : لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه ، وقال:هم سواء(الصحيح لمسلم ۲/ ۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة- باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

(۲) يـجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الأشباه والنظائر مع شرحه للعلامة الحموی ص : ۱۴۹ الـفن الأول ، تـحت القاعدة السادسة من الخامسة : الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة . المطبوعة : إدارة النشر والإشاعة بدارالعلوم ديوبند ، الهند ۱۴۰۶ھ)

(۳)الصحيح لمسلم ۲/ ۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا.

فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۶۴) فقط

سوال: (۴۸) جب کہ سود کا لینا و دینا دونوں حرام قرار دیے گئے ہیں، لیکن نوے فیصدی اشخاص خصوصاً روزگار پیشہ ایسے ہیں کہ سودی روپیہ لے کر کاروبار کرتے ہیں البتہ سود لینے سے قطعی پرہیز کرتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۳۲۲۱/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: حدیث شریف میں سود کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب وشاہد وغیرہ سب پر لعنت وارد ہوئی ہے اور اصل گناہ میں سب کو برابر اور مساوی فرمایا ہے اس لیے مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہو سود سے قطعاً احتراز کرنا اور بچنا چاہیے لیکن اگر کوئی شخص ایسا معذور و مجبور ہے کہ بغیر سودی قرض کے اس کا کام نہیں چلتا یعنی اس کی زندگی معرض خطر میں ہے اس کے لیے گنجائش ہے۔

قرض دار سے ایک روپیہ فیصدی ماہوار سود لینا

سوال: (۴۹) اکیس آدمیوں نے مل کر انجمن قائم کی یعنی فی کس پچاس پچاس روپیہ کے حساب سے ایک ہزار پچاس روپیہ جمع کیا، اور یہ تجویز کی کہ ان حصہ داران سے جس شخص کو قرضہ کی ضرورت پڑے وہ جمع شدہ روپیہ سے حسب رائے باقی حصہ داران لے کر خرچ کر لے، اور بوقت واپسی اصل قرضہ معہ ایک روپیہ فیصدی ماہوار کے حساب سے اضافہ بھی داخل کرے۔ نیز اس انجمن میں من جملہ حصہ داران ایک میر مجلس اور ایک نائب میر مجلس اور ناظم اور خزانچی ہوتے ہیں، لہٰذا میر، نائب اور خزانچی وغیرہ اس کا بننا درست ہے یا نہیں؟ (۲۸۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ تجویز خلاف شرع ہے اور انعقاد ایسی انجمن کا شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ قرض لینے والے کے ذمے یہ مقرر کرنا کہ وہ ایک روپیہ فیصدی ماہوار زیادہ دیوے یہ عین ربا ہے اور حرام ہے قال علیه الصلاة والسلام: كل قرض جر نفعًا فهو ربا (۱) پس شرکت ایسی انجمن میں جس میں معاملہ ربا کا ہے کسی کو درست نہیں اور میر مجلس اور نائب اور خزانچی بننا اس کا کسی کو روا نہیں ہے۔ فقط

---

(۱) عن الحكم عن إبراهيم قال: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا (مصنف ابن أبي شيبة ۴/۳۳۳ كتاب البيوع والأقضية، باب من كره كل قرض جرّ منفعة، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

سودی قرض لے کر دوسرے کو سود پر قرض دینا

سوال: (۵۰) ایک شخص نے مہاجن سے سودی قرض لے کر دوسرے آدمی کو اسی سود پر دے دیا تو دوسرے آدمی سے سود لینا کیسا ہے؟ (۱۳۵۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: درست نہیں ہے اس میں دو گناہ ہیں ایک سود دینے کا اور دوسرا لینے کا۔

سودی قرض لے کر تجارت کرنے سے جو نفع حاصل ہو اس کا حکم

سوال: (۵۱) اگر کسی شخص نے کچھ روپیہ سودی قرض لے کر تجارت کی تو اس تجارت کا نفع حلال ہے یا نہ؟ (۹۴۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس تجارت کا نفع حلال ہے۔

سوال: (۵۲) قرض سودی لے کر جو تجارت وسوداگری اس روپے سے کرتے ہیں جو نفع اس تجارت سے حاصل ہوتا ہے حلال ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۲/۳۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: وہ نفع حلال ہے۔

سود کی رقم سے خریدی ہوئی زمین کی پیداوار کا حکم

سوال: (۵۳) زید سود کھاتا ہے اور جائداد بھی بہت ہے مگر جائداد سود کے روپیہ کی ہے اس زمین سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۴۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: فتوی میں جائز ہے مگر احتیاط اس میں ہے کہ نہ کھائے۔

سودی قرض سے خریدی ہوئی زمین کی پیداوار کا حکم

سوال: (۵۴) مہاجن سے سودی قرض لے کر زمین خرید کرنا کیسا ہے؟ اور اس کی پیداوار کا کیا حکم ہے؟ (۱۴۷۰/۱۳۴۴ھ)

الجواب: سودی قرض لے کر جو زمین خریدی جائے وہ مملوک ہو جاتی ہے مگر اس میں کراہت ہے، اور سود دینے کا گناہ ہوگا اور اس کی پیداوار حلال ہے۔ فقط

اصل اور سودی رقم سے خریدی ہوئی زمین سے نفع اٹھانا

سوال: (۵۵) اگر سود خوار توبہ کرے تو سود اور اصل سے جو زمین خریدی تھی اس سے نفع لینا بعد توبہ کے جائز ہوگا یا نہیں؟ (۲۰۱۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جس قدر سود کی مقدار ہے اس کو واپس کرے اور بصورت تعذر اس مقدار کو صدقہ کرے اس وقت اس کو منافع زمین مذکورہ کے حلال ہے۔

بینک میں جمع شدہ رقم کا سود لے کر اپنے والد کے قرض خواہ کو سود میں دینا

سوال: (۵۶) میرا کچھ روپیہ بینک میں جمع ہے جس کا سرکار سود دیتی ہے اور میرے والد پر کچھ قرضہ ہے کہ جو کارخانگی میں صرف ہوا، تو کیا یہ جائز ہے کہ سرکار سے سود لے کر دوسری طرف اپنے والد کے قرض خواہ کو سود میں دے دوں؟ (۲۲۰۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ صورت جائز نہیں ہے اس میں دو گناہ ہیں ایک سود لینے کا اور دوسرا سود دینے کا۔ فقط

سود کا حساب کتاب لکھنے اور کافر کی ملازمت کرنے کا حکم

سوال: (۵۷) سودی تمسک اور دستاویزات لکھنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۸۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: سودی تمسک لکھنے جائز نہیں ہیں اور لکھنے والا گنہ گار ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے عن جابر رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: هم سواء. رواه مسلم (۱) جس فعل پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہو اندازہ کرلیا جاوے کہ وہ کام کس قدر خبیث اور برا ہوگا۔ فقط

سوال: (۵۸) سود کی ڈگری دینا یا حساب جانچ پڑتال کرنا اور لکھنا درست ہے یا نہ؟ اور کافر کی

(۱) الصحیح لمسلم ۲/ ۲۷ کتاب المساقاة والمزارعة - باب الربا. مشکاة المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع - باب الربا.

ملازمت جائز ہے یا نہ؟ (۱۹/۱۷۔۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ایسی ملازمت کرنا جس میں سود کی ڈگری دینا ہو یا سود کا حساب یا حکم لکھنا ہو سب حرام ہے، اور سب پر لعنت خدا تعالیٰ کی وارد ہوئی ہے، کافر کی ملازمت درست ہے مگر خلاف شرع فعل نہ کرے اور وہ ملازمت جس میں خلاف شریعت کام کرنا پڑے ناجائز ہے۔

سوال: (۵۹) سود لینے والا اور دینے والا اور لکھنے والا تمسک سودی کا وغیرہ وغیرہ کی نسبت کیا حکم ہے؟ (۲۴/۱۷۔۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں (۱) دوسری حدیث میں ہے: الربا سبعون جزءً أیسرها أن ینکح الرجل أمه (۲) سود کے ستر جزو ہیں ادنیٰ ان میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح اور وطی کرے اس سے گناہ اس مدد کرنے والے کا معلوم ہوسکتا ہے۔

سود سے تنخواہ دینے والے غیر مسلم کے یہاں ملازمت کرنا

سوال: (۶۰) بغیر حلال روزی اور کمائی کے کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی اور اس زمانے میں حلال مال ملنا بہت دشوار ہے چنگی وآب کاری وغیرہ سے ملازمین کو تنخواہ ملتی ہے یا کفار اپنے ملازم کو سود سے تنخواہ دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۲۰/۱۷۔۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ حتی الوسع اپنے کسب کا حلال طریقہ اختیار کرے، اس کا لحاظ نہ کرے کہ جس کے یہاں میں ملازم ہوں اس کی آمدنی کیسی ہے، خود جس کام پر نوکر ہے اس کو پورا انجام دے اور وہ کام خلاف شریعت نہ ہو ہندوؤں کی ملازمت درست ہے ان کی سودخواری وغیرہ اس ملازم کو مضر نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ورع اور تقویٰ حاصل کرنا اور شبہات سے بچنا تو اس زمانے

(۱) عن جابر رضی اللّٰہ عنه قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء (الصحیح لمسلم ۲/ ۲۷ کتاب المساقاة والمزارعة-باب الربا. مشکاة المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع - باب الربا)

(۲) مشکاة ص: ۲۴۶ کتاب البیوع - باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات - باب التغلیظ فی الربا.

میں دشوار ہے، صریح حرام کا مرتکب نہ ہو۔

بینک میں ملازمت کرنا

سوال: (۶۱) جس بینک میں سودی معاملات ہیں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں غریب مسلمان ہنود سے قرض لیتے تھے اور وہ چار پانچ روپیہ فیصدی سود لیتے تھے اس لیے گورنر نے جابجا بینک قائم کرادیے جس میں صرف ایک روپیہ نو آنہ سود مقرر کیا گیا ایسے بینک میں ملازمت کرنی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۳۴۴ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب وشاہد پر (۱) پس جس میں سود کا لکھنا پڑھنا اور حساب کرنا پڑے اس حدیث کی وجہ سے وہ نوکری جائز نہیں ہے اور سود کم دینا پڑے یا زیادہ، حرمت میں برابر ہے اسی طرح لینا سود کا کم ہو یا زیادہ مطلقاً حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک درہم سود کا کھانا چھتیس زنا سے زیادہ گناہ ہے (۲) والعیاذ باللہ۔ فقط

سود سے بری ہونے کا طریقہ

سوال: (۶۲)...... (الف) کسی شخص نے سود لیا اور سود لے کر بہ رضامندی وہ سود بخشوالیا، آیا وہ سود بخشا جائے گا یا سود دینا پڑے گا؟

(ب) کسی شخص نے سود کا روپیہ لیا اور اپنا اصلی روپیہ اور سود کا سب شاملات سوداگری وغیرہ میں جاری ہے، مگر یہ پتا نہیں کہ کتنا سود کا روپیہ ہے اور کتنا اصلی؟ اگر سود کا روپیہ نکالنا چاہے تو کیا صورت پیدا

---

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ قال : لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاهدیه ، وقال:هم سواء (الصحیح لمسلم ۲/ ۲۷ کتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع – باب الربا)

(۲)عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائكة قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : درهم ربا یأكله الرجل وهو یعلم ، أشد من ستة وثلاثین زنیة . رواه أحمد والدارقطني وروى البيهقي في شعب الإیمان عن ابن عباس رضی اللہ عنهما (مشكاة ص:۲۴۶ کتاب البیوع – باب الربا)

ہوگی؟ کسی شخص سے سود لیا اگر ہم لوٹا دیں تو بموجودگی ہونے اس شخص کے اسی کو دیں لیکن اگر وہ سود والا شخص مرگیا یا کہیں چلا گیا تو وہ روپیہ کسی کار خیر میں لگانا چاہیے یا کیا کرنا چاہیے؟ (۴۴۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) بہ خوشی اگر وہ شخص معاف کر دے گا سود لینے والا بری ہو جائے گا۔

(ب) اندازہ کر کے جس قدر گمان غالب میں سود معلوم ہو اس کو علیحدہ کر کے واپس کرے یا معاف کرالے۔ اگر وہ شخص مرگیا تو اس کے ورثہ کو دیوے یا ان سے معاف کراوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سودی مال کی پاکیزگی کا طریقہ

سوال: (۶۳) ایک شخص نے سود سے بہت مال جمع کیا، اور تھوڑا سا کسب حلال سے ہے، اس کی طہارت کی کیا صورت ہے؟ اور یہ مال مخلوط مساجد اور مدارس میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور امام و مفتی کو اس سے دعوت کھانا کیسا ہے؟ (۶۵۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس کی طہارت کی صورت یہ ہے کہ بقدر مال حرام مالکوں کو یا ان کے ورثہ کو واپس کیا جائے یا ان سے معاف کرایا جائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو فقراء پر صدقہ کیا جائے، اور بہ حالت موجودہ مسجد میں صرف کرنا اس مال حرام ومشتبہ کا درست نہیں ہے، اور دعوت کھانا بھی اس میں سے درست نہیں ہے۔

سودخوری سے توبہ کا طریقہ

سوال: (۶۴) زید سود کھاتا ہے اور زید کی بابت صرف بکر یہ کہتا ہے کہ زید نے سود کھانے سے توبہ کرلی ہے اور آئندہ کے واسطے نیا لین دین بند کر دیا ہے اور جو روپیہ قبل توبہ سے لوگوں پر باقی ہے اس کی وصول یابی کی کوشش میں ہے، لیکن توبہ کرنا سوائے بکر کے بیان کے اور کسی مسلمان کو علم نہیں ہے اور نہ وہ مال جو ناجائز طور پر پیدا کیا ہے اس کو تلف کیا ہے اس حالت میں جب کہ زید نے کسی مسلمان کے روبرو توبہ نہیں کی تو زید کا مسلمان ہونا اور زید کا توبہ کرنا اور مال پیدا کردہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۳۳۴۱/۴۶-۱۳۳۷ھ)

الجواب: سود لینا کبیرہ گناہ اور حرام ہے اور سود کا لین دین کرنے والا فاسق اور گنہ گار، مرتکب کبیرہ کا ہے، مگر مسلمان ہے کافر نہیں ہے کیونکہ مذہب اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کا

فاسق ہے کافر نہیں ہے، اور سود خوار کی توبہ میں یہ امر بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے سود لیا ہے ان کو واپس کرے، اگر واپسی ممکن نہ ہو تو مقدار سود اور رقم سود کو فقراء پر صدقہ کرے در مختار میں ہے: عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس من عليه ذلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها الخ (۱)

سودخواروں سے توبہ کرانا جماعت مسلمین کا دینی فریضہ ہے

سوال: (۶۵) مسلمانوں کی جماعت نے مسلمان سودخواروں سے برادرانہ دباؤ ڈال کر سود سے توبہ کرانی چاہی، چنانچہ چند شخصوں نے سود سے توبہ کی بھی، لیکن کچھ لوگوں نے نہ توبہ کی اور نہ انکار ہی کیا۔ اور بعض شخصوں نے کہا کہ آج ہم توبہ تو ضرور کیے لیتے ہیں، پر بقیہ سود ضرور وصول کریں گے، اور کچھ لوگ قطع نظر توبہ کرنے کے توبہ کرانے والوں پر لاٹھیاں اٹھائیں۔ اس صورت میں تینوں قسم کے لوگوں کے لیے کیا حکم ہے؟ (۵۶۶/۳۲-۱۳۳۴ھ)

الجواب: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اقتضاء یہی تھا جو سود سے توبہ کرانے والوں نے کیا، اب اگر کوئی نہ مانے تو وہ جانے، توبہ کرانے والے بری الذمہ ہیں، اور وہ لوگ جنہوں نے نہ توبہ کی نہ انکار کیا وہ بھی گنہ گار ہیں، مگر جو مقابلہ اور انکار سے پیش آئے وہ زیادہ گنہ گار ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہم توبہ تو کریں گے، مگر بقیہ سود ضرور وصول کریں گے، ان کی توبہ صادقہ نہیں ہے وہ بھی مثل نہ توبہ کرنے والوں کے ہیں۔

بینک سے جو سود ملا تھا اس کو استعمال کرلیا تو اب کیا کرے؟

سوال: (۶۶) اگر سود کھالیا ہو جو بینک سے ملا تھا تو اتنا ہی روپیہ فقراء ومساکین کو دینے اور توبہ کرنے سے گناہ دور ہوجائے گا؟ (۱۳۵۶/۱۳۳۲ھ)

الجواب: گناہ دور ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بیاج وغیرہ حرام رقوم کا مصرف

سوال: (۶۷) ایک شخص کے پاس بیاج کا روپیہ ہے اب اسے کس مصرف میں خرچ کرے آیا

(۱) الدر مع الشامی ۳۴۲/۶ كتاب اللقطة – مطلب فيمن عليه ديون و مظالمُ جَهِل أربابها.

بیاج سے توبہ کرنے کے بعد وہ روپیہ حلال ہو جائے گا؟ مسجد یا مدرس کی تنخواہ یا مسافر کا سفر خرچ وغیرہ میں صرف کرنا کیسا ہے؟ یا بیاج اصل مالک کو دیا جائے۔ (۲۵۰۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: توبہ کے بعد سود کا روپیہ مالکوں کو یا ان کے ورثہ کو واپس کر دیا جائے، اور اگر وہ موجود نہ ہوں یا معلوم نہ ہوں تو مساکین پر صدقہ کرنا چاہیے، مسجد میں صرف کرنا درست نہیں ہے، اور مدرسہ میں طلبائے مساکین کو دینا بھی درست ہے، مدرسین کی تنخواہ میں دینا درست نہیں ہے، مسافر اگر محتاج ہے تو اس کو بھی دینا درست ہے۔

سوال: (۶۸) معلوم ہوا ہے کہ بینک وڈاک خانہ کے سود کے متعلق جو سوال علماء میں زیر غور تھا اس کا فیصلہ ہو گیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس فیصلہ سے خاکسار کو بھی مطلع فرمادیں۔ (۱۳۴۴/۱۳۵ھ)

الجواب: مدرسہ ہذا سے کوئی فتوی ڈاک خانہ سے سود کے معاملہ کے جواز میں شائع نہیں ہوا، عام طور سے سود کے عدم جواز پر یہاں سے فتوی دیا جاتا ہے، اور یہ لکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ ڈاک خانہ میں سود لینے کی غرض سے روپیہ داخل کریں۔ البتہ جن لوگوں کا روپیہ وہاں داخل ہے ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ رقم سود وہاں نہ چھوڑیں، کیونکہ وہاں چھوڑنے میں وہ رقم خلاف اسلام و مسلمین استعمال کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کو لے کر فقراء وغرباء پر صدقہ کر دیا جائے جو کہ ایسی حرام رقوم کا حکم ہے۔ فقط

سود کی رقم انگریزی پڑھنے والے غریب طلبہ کو دینا

سوال: (۶۹) ایک مسلمان جماعت پابند صوم وصلوٰۃ نے اپنا پیسہ پوسٹ آفس بینک میں جمع کیا کچھ دنوں بعد اس جمع رقم کا سود جماعت کو پوسٹ آفس سے ملا، جماعت چاہتی ہے کہ سود کی رقم انگریزی جوان طالب علم لڑکوں کی امداد میں صرف ہو، صورت مذکورہ بالا میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے؟ (۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: حکم اس روپیہ کا شرعاً یہ ہے کہ اس کو وہاں سے لے کر فقراء وغربائے مسلمین پر صدقہ کیا جاوے کیونکہ دراصل سود لینا حرام اور ناجائز ہے، لیکن وہاں اس کے چھوڑنے میں یہ سخت خرابی ہے کہ وہاں سے اس قسم کا روپیہ پادریوں کو دے دیا جاتا ہے جب کہ وہ لوگ نہ لیویں جن کا روپیہ وہاں داخل

ہے اور وہ پادری اس کو اپنے مذہب کی اشاعت میں صرف کرتے ہیں، اس لیے یہ حکم کیا جاتا ہے کہ وہاں اس رقم کو نہ چھوڑیں بلکہ وہاں سے لے کر فقراء پر صدقہ کردیں جیسا کہ ایسے اموال محرمہ کا یہی حکم ہے، پس اگر وہ انگریزی جوان طلبہ غریب ہوں تو ان کو دینا بھی درست ہے۔ فقط

سود دینے پر کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں

سوال: (۷۰) زید اور عمر نے بشراکت نصفی سودی روپیہ قرض لے کر تجارت کی، عمر نے اپنے حصہ کا روپیہ معہ سود کے ہندو کو جس سے قرض لیا تھا دیدیا، زید فی الحال ادائیگی سے مجبور تھا، پھر عمر نے زید کے حصے کا روپیہ معہ سود کے ہندو کو دے دیا، عرصہ دو سال تک زید عمر کو سود دیتا رہا عمر فوت ہوگیا، اس کی زوجہ زید سے سود طلب کرتی ہے، زید اصلی روپیہ دینے پر راضی ہے، کیا ازروئے شرع زید اس سود کے دینے پر مجبور ہے یا نہیں؟ (۹۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: زید سود دینے پر مجبور نہ کیا جاوے اور سود دینا اس کو جائز نہیں ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۵) وفی الحدیث: لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اکل الربا وموکله الحدیث (۱) فقط

سود خور کے ورثہ کے لیے سود کا مال حلال ہے یا نہیں؟

سوال: (۷۱) سود خور کے ورثہ کے لیے سود کا مال حلال ہے یا نہیں؟ (۱۸۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس میں اختلاف روایات ہے احوط یہ ہے کہ جن سے سود لیا گیا ہے ان کو یا ان کی اولاد کو واپس کرے یا ان سے معاف کراوے اور اگر یہ متعذر ہو تو اس کو صدقہ کردے، درمختار میں ہے: وفی حظر الأشباه: الحرمة تتعدی مع العلم بها إلا فی حق الوارث وقیده فی الظهیریة بأن لایعلم أرباب الأموال الخ وقال في الشامي: قوله (إلافی حق الوارث) أی فإنه إذا علم أن کسب مورثه حرام یحل له، لکن إذا علم المالك بعینه، فلا شك في حرمته و وجوب رده

(۱) الصحیح لمسلم ۲/۲۷ کتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا. مشکاة المصابیح ص: ۲۴۴ کتاب البیوع – باب الربا.

عليه وهذا معنى قوله وقيده في الظهيرية إلخ (۱) وتمام تحقيقه فيه .

سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال: (۷۲) میرا روپیہ بینک میں جمع ہے، میں اس کے سود سے انکم ٹیکس ادا کرسکتا ہوں؟ اور یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۷۷/۲۵۷۷ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: بینک میں روپیہ داخل کر کے سود لینا حرام ہے لیکن جس کا روپیہ بینک میں داخل ہے اور بینک سے اس کو سود ملے تو اس رقم سود کو وہاں نہ چھوڑنا چاہیے کہ وہاں چھوڑنے میں وہ روپیہ عیسائیوں کو بغرض تبلیغ مذہب دیا جاتا ہے بلکہ وہاں سے لے کر غرباء وفقرائے مسلمین کو دے دیا جائے، اپنے کسی صرف میں نہ لایا جائے، اور انکم ٹیکس کے ادا کردینے کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

سود کی رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۷۳) گورنمنٹ نے جو قرضہ بوقت جنگ لیا تھا اور پانچ روپیہ فیصدی سود دینا قرار پایا تھا یہ سود لینا اور اپنے مصرف میں لانا جب کہ گذارہ کی صورت نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ اس روپیہ کی زکوۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟ بصورت وجوب اصل رقم میں سے دے یا سود میں سے؟ اور قبل وصول بھی واجب ہوگی یا نہیں؟ (۱۲۲۲/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: خلاصہ جواب اس بارے میں یہ ہے کہ سود بہ نصوص قطعیہ حرام ہے، لیکن اس صورت میں وہ رقم سود وہاں نہ چھوڑے، بلکہ وہاں سے لے کر فقراء ومساکین پر صدقہ کردے اور ہوسکتا ہے کہ حالت اضطرار میں خود بھی اس کو اپنے صرف میں لے آوے اور اگر اس روپیہ کو فوراً لے کر صدقہ کردے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے اور اگر لے کر سال بھر تک اپنی ملک میں رکھے بشرطیکہ وہ بقدر نصاب ہو تو زکوۃ واجب ہوگی خواہ کسی رقم میں سے دے غرض یہ کہ قبل وصول زکوۃ اس کی واجب نہ ہوگی۔ فقط

مال اُدھار لینے کی وجہ سے مال کی قیمت پر سود لینا

سوال: (۷۴) سنا ہے کہ سود لینے اور دینے والے کو عذاب برابر ہوتا ہے، زید تجارت کرتا ہے

(۱) الدر والشامی ۷/۲۲۳ کتاب البیوع ، مطلب فیمن ورث مالا حراما .

اور بڑے سوداگروں سے مال قرض لے کر فروخت کرتا ہے، اور بوجہ قرض کے وہ سوداگر اس سے مال کی قیمت پر سود لیتے ہیں؛ اس کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہ؟ (۱۳۲۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ تو صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ سود کا کھانے والا اور کھلانے والا اور لکھنے والا اور گواہ گناہ اور عذاب میں برابر ہیں (۱) اگرچہ اس کی مقدار اور کیفیت میں تفاوت ہو، لہٰذا نقد روپیہ اگر سوداگروں سے قرض لیا جاوے اور اس پر سود مقرر کیا جاوے اور دیا جاوے تو اس کے جواز کی کوئی صورت شریعت میں نہیں ہے، البتہ اگر مال ان سے لیا جائے اور اس میں وہ اصل قیمت سے کچھ زیادہ بہ سبب اُدھار کے لگالیویں تو یہ درست ہے، زید کو اس لین دین میں یہ سمجھنا چاہیے کہ بسبب اُدھار کے سوداگران مجھ کو دس روپیہ کا مال بارہ روپیہ میں دیتے ہیں یہ جائز ہے، فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اگر نسیئہ کی وجہ سے زیادہ قیمت مبیع کی لی جائے تو لینا اور دینا اس کا درست ہے اور بائع ومشتری کے حق میں وہ حلال ہے (۲) پس ان سوداگران سے زید یہ کہہ دے کہ جس قدر تم کو زیادہ لینا ہے بہ سبب اُدھار کے اس کو قیمت مال میں بڑھالو مثلاً زید نے اگر دس روپیہ کا مال سوداگران سے خریدا اور وہ سوداگر دس روپیہ کی جگہ بارہ روپیہ مثلاً لیں گے تو زید ان سے یہ کہہ دے کہ بارہ روپیہ میں دوں گا مگر وہ قیمت اس مال کی ہی متصور ہوگی، کاش وہ سوداگران بھی ایسا ہی کریں باقی وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں، زید ان سے یہ کہہ دے کہ میں زیادہ قیمت دوں گا، پس سوداگران کا اس میں کچھ نقصان نہیں، ان کو کچھ حجت نہ ہوگی۔ فقط

روپیہ قرض دے کر فی تھان ایک دو آنہ سود مقرر کرنا

سوال: (۷۵) ایک شخص سود تو لیتا نہیں مگر روپیہ جُلاہوں کو دے دیتا ہے اور فی تھان ایک دو آنہ مقرر کر لیتا ہے یہ صورت مضاربت کی تو نہیں معلوم ہوتی، آیا جائز بھی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۷۳۲ھ)

الجواب: یہ صورت مضاربت کی نہیں ہے، کیونکہ اس میں نفع ونقصان دونوں میں شرکت ہوتی

(۱) عن جابر رضی الله عنه قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة -- باب الربا. مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع - باب الربا)

(۲) ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل الخ (هداية ۳/۷۴ كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية)

ہے یعنی نفع حسب شرط دونوں پر تقسیم ہوتا ہے اور نقصان میں مضارب کی محنت اور رب المال کا مال ضائع ہوتا ہے، نیز نفع مشترک ہوتا ہے یعنی نصف یا ثلث وغیرہ، لہٰذا یہ صورت مضاربت کی نہیں ہے بلکہ یہ صریح ربا کی صورت ہے کہ روپیہ قرض دے کر فی تھان ایک دو آنہ مقرر کیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے کہ فی روپیہ ایک آنہ یا دو آنہ مقرر کیا جاوے۔ فقط

مرہونہ مکان سے نفع اٹھانا سود میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال: (۷۶) زید بکر کا مکان رہن لے کر اس کو کرایہ پر چلاتا ہے اور اس سے نفع اٹھاتا ہے یہ کرایہ سود میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو زید کو کیا سزا ہونی چاہیے؟ (۵۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ سود میں داخل ہے وہ کرایہ بکر کو ملنا چاہیے اور زید کو توبہ کرنی چاہیے۔

چمڑا اُدھار فروخت کر کے روپیہ بعد میں وصول کرنا سود نہیں

سوال: (۷۷) زید تاجرِ چرم ہے، چمڑا اُدھار فروخت کر کے بعد میں روپیہ وصول ہوتا ہے، کیا یہ بھی سود ہے؟ (۱۱۳۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: چمڑا جو اُدھار دیا جاتا ہے اور قیمت بعد میں آتی ہے وہ سود نہیں ہے۔

منی آرڈر کی فیس سود میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال: (۷۸) فیس منی آرڈر سود میں داخل ہے یا نہیں؟ اور اسی وجہ سے منی آرڈر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۴۷/۳۹-۱۳۴۰ھ)

الجواب: بہ ضرورت منی آرڈر کرنے اور کرانے کے جواز پر فتویٰ ہے، اگر چہ دراصل یہ مکروہ تھا مگر بحکم الضرورات تبیح المحظورات (۱) مباح کہا جاوے گا۔

ڈاک خانے میں جمع شدہ رقم کا سود خود استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۷۹) مسلمان کو ڈاک خانے میں روپیہ جمع کرنے پر جو سود ملتا ہے اس سود کو وہ اپنے مصرف

(۱) الدر مع الرد ۵/۱۷۵ کتاب الطلاق، فصل فی الحداد۔

میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۵۳۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جو سود ڈاک خانے سے ملے اس کو لے کر فقراء پر صدقہ کردیوے خود کام میں نہ لاوے۔ فقط

سود کے نام سے جو زائد رقم مل رہی ہے
اس کو اپنے حق میں وصول کرنا

سوال: (۸۰) زید کے ذمہ خالد کا پانچ سال کا لگان باقی ہے، اور حسب قانون وہ تین سال سے زائد کا دعویٰ نہیں کرسکتا نہ وصول کرسکتا ہے تو جو رقم سود کے نام سے علاوہ لگان کے ملے وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ زید کے ذمہ دو سال کا لگان باقی ہے۔ (۲۹۲۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس زائد رقم کو جو بنام سود دلوائی گئی ہے خالد اپنے حق بقایا لگان میں وصول کرسکتا ہے اور یہ لینا درست ہے کیونکہ اپنا حق ہر ایک طریق سے وصول کرنا جائز ہے کما صرح به الفقهاء: من أن صاحب الحق له أخذ حقه من أى جنس كان (۱) فقط

تجارت کے لیے رقم دے کر معین نفع لینا سود ہے

سوال: (۸۱) زید اپنے روپیہ کو خود یا معرفت دیگر اشخاص کے مسلم وغیر مسلم میں اس طرح تقسیم کرتا ہے یا کراتا ہے کہ مبلغ دس روپیہ ایسے شخص کو دے کر جو ان روپیوں کو تجارت میں لگا کر نفع اٹھائے نہ کہ بیجا طریقہ سے خرچ کرے، مبلغ بارہ روپیہ سال بھر میں اس طریقے سے لینے مقرر کرتا ہے کہ شخص مذکور مسمّی زید یا اس کے کارکنان کو مبلغ ایک روپیہ ماہوار سال بھر تک دیتا رہے گا، یہ معاملہ جائز ہے یا سود ہے؟ زید اس کو تجارت حلال سمجھ کر کرتا ہے۔ (۱۴۹۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ معاملہ تجارت حلال میں داخل نہیں ہے بلکہ تجارت حرام اور ربا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی

---

(۱) فی الدر: و أطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس للمجانسة في المالية . قال في المجتبى: وهو أوسع فيعمل به عند الضرورة . وفي الشامي : أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق . والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لاسيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق (الدر والشامی ۶/۱۱۷ کتاب السرقة ، مطلب : يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة)

شخص کسی دوسرے شخص کو بغرض تجارت روپیہ دیوے تو یہ مضاربت ہوتی ہے۔ اور مضاربت میں حکم یہ ہے کہ جو نفع کا رکن کو ہو، اس میں مضارب کا حصہ مشترک ہو یعنی نصف یا ثلث وغیرہ حصہ مقرر کیا جائے، اس وقت مضاربت صحیحہ ہوتی ہے، اور اگر مضارب کا حصہ نفع میں مشترک نہ ہو بلکہ معین روپیہ ہو جیسا کہ صورت مذکورہ میں ہے، تو یہ مضاربت فاسدہ ہے اور حرام ہے۔ درمختار میں ہے: و (شرطها) كون الربح بينهما شائعًا فلو عين قدرًا فسدت الخ (۱) وفي باب الربا منه: فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة فكلها من الربا (۲) اور اگر بطریق مضاربت و بشروط مضاربت روپیہ نہ دیا جائے بلکہ دس روپیہ مثلاً دے کر دس روپیہ سے زیادہ لینا مقرر کیا جائے جیسا کہ صورت مذکورہ میں یہ بھی صادق آتا ہے کیونکہ سال بھر میں دس روپیہ کے بائیس روپیہ ہو جاتے ہیں دس روپیہ اصل اور بارہ روپیہ نفع کے تو یہ عین ربا ہے اور حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں ہے: لا تبيعوا الذهب بالذهب إلا مِثْلاً بمِثْل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا الورق بالورق إلا مثلاً بمثل، ولا تشفوا بعضها على بعض، ولا تبيعوا منها غائباً بناجز متفق عليه (۳) فقط

سودخوار کے آٹے دال کو اپنے آٹے دال کے ساتھ ملا کر پکانا

سوال: (۸۲) ایک میاں جی کی خوراک ایسے لوگوں کے یہاں مقرر ہے جو سود لیتے ہیں اور میاں جی کی روٹی میرے گھر پکتی ہے، اس آٹے دال کو بدلنا چاہیے یا نہ؟ اگر نہ بدلا جائے تو مجھ پر ایک ساتھ پکانے میں سود کا کچھ گناہ ہوگا یا نہ؟ (۱۳۴۴/۴۳۵ھ)

الجواب: تم پر کچھ گناہ سود کا نہیں خواہ آٹا دال بدلو یا نہ بدلو، ویسے ہی اپنے آٹے دال کے ساتھ پکالو اور میاں جی کا حصہ اس کو دے دو۔

سود کا نام بدلنے سے سود کی حرمت ختم نہیں ہوتی

سوال: (۸۳) ہندوستان میں ایک کمپنی لندن نصاری کی قائم کردہ ہے نصاری اس کے مالک

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ۳۷۶/۸ كتاب المضاربة۔
(۲) الدر المختار مع الشامي ۳۰۱/۷-۳۰۲ كتاب البيوع - أوائل باب الربا۔
(۳) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تبيعوا الذهب بالذهب الحديث (الصحيح لمسلم ۳۴/۲ كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا)

ہیں، اس کمپنی نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جو شخص اس کا ایجنٹ بنتا ہے اس سے پیشگی روپیہ جمع کراتی ہے اور اس روپیہ پر پانچ روپیہ فیصدی واپسی دیتی ہے اس واپسی کو ہنود کے حق میں سود سے موسوم کرتی ہے اور مسلمانوں کے حق میں انعام سے موسوم کرتی ہے ان کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۵۰۰ھ)

الجواب: وہ سود ہی ہے مسلمانوں کو اس کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ فقط

مالک کے کہنے پر ملازم کا بینک میں روپیہ جمع کرنا

سوال: (۸۴)...... (الف) بکر زید کا ملازم ہے، زید اس کی دعوت دیتا ہے کہ اس کفایت شعاری بینک میں شامل ہو جو تمہاری بہتری کے لیے اسکول میں جاری کیا گیا ہے اس میں ۷ فیصدی سالانہ سود ملا کرے گا بکر شامل ہو یا نہ ہو؟

(ب) اگر زید بکر کی تنخواہ سے بینک کے حصہ کی مقدار اس کو تنخواہ تقسیم کرتے وقت پہلے ہی بلا رضامندی، خود بخود بینک کے لیے وضع کر لے تو بکر کے لیے کیا حکم ہے؟ آخر میں روپیہ کے وصول کے وقت جو سود ملے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(ج) زید بکر کو کہتا ہے کہ تم بینک کفایت شعاری میں شامل ہو جاؤ اور بعد میں سود نہ لینا، صرف روپیہ لے لینا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۳/۸۲۸ھ)

الجواب: (الف) اپنے اختیار سے اس میں شامل نہ ہونا چاہیے کیونکہ معصیت میں کسی کی اطاعت درست نہیں ہے کما ورد: لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق (۱)

(ب) اس صورت میں بکر گنہ گار نہ ہوگا اور جب سود ملے تو اس کو مسلمین فقراء پر صدقہ کر دے۔

(ج) وہاں نہ چھوڑے بلکہ لے کر فقرائے مسلمین پر صدقہ کر دے۔

ڈاک خانہ کے سود اور کیش سارٹیفکیٹ کا حکم

سوال: (۸۵)...... (الف) ڈاک خانہ میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس پر تین روپیہ سالانہ سود ملتا ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (مصنف ابن أبي شيبة ۵۴۹/۶ كتاب السير، في إمام السرية يأمرهم بالمعصية من قال: لاطاعة له)

(ب) کیش سارٹیفیکٹ کا یہ طریقہ رائج ہے کہ ڈاک خانہ سے ایک کاغذ مبلغ ساڑھے سات روپیہ کا ملتا ہے اور پانچ سال کے بعد وہی کاغذ ڈاک خانہ میں واپس کر کے مبلغ دس روپیہ مل جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ (۹۱۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف، ب) یہ دونوں صورتیں شرعاً ناجائز ہیں جیسا کہ وارد ہے کل قرض جر نفعا فھو ربا (۱) اور ربا کی حرمت آیات واحادیث سے ثابت ہے، آنحضرت ﷺ نے سود کے لینے اور دینے والے پرلعنت فرمائی ہے (۲) اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک درہم سود کا چھتیس زنا سے شدید تر ہے (۳) اور ایک حدیث میں ہے کہ سود کے ستر جزو ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے زنا کرنا (۴) والعیاذ باللہ تعالیٰ اور سود ہونا ان دونوں معاملات کا ظاہر ہے، یہ وہ تجارت نہیں ہے جو کہ حلال ہے بلکہ ربا ہے جو کہ حرام ہے قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۵) فقط

کپڑے کی پوری قیمت وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں سود کا مطالبہ کرنا

سوال: (۸۶) بکر اور زید رشتہ دار ہیں، زید نے بکر سے کہا مجھے کچھ کپڑا خرید کر دو، بکر نے ایک سو

---

(۱) عن الحكم عن إبراهيم قال: كل قرض جرّ منفعة فهو ربا (مصنف ابن أبي شيبة ۳۲۳/۴ كتاب البيوع والأقضية، باب من كره كل قرض جرّ منفعة، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء (الصحيح لمسلم ۲/۲۷ كتاب المساقاة والمزارعة – باب الربا مشكاة المصابيح ص: ۲۴۴ كتاب البيوع – باب الربا)

(۳) عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم، أشد من ستة وثلاثين زِنْيَةً. رواه أحمد والدارقطني وروى البيهقي في شعب الإيمان عن ابن عباس رضي الله عنهما (مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب البيوع – باب الربا)

(۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون جزءً – وفي ابن ماجة: حُوبًا – أيسرها أن ينكح الرجل أمه (مشكاة ص: ۲۴۶ كتاب بيوع – باب الربا. سنن ابن ماجة ص: ۱۶۴ أبواب التجارات – باب التغليظ في الربا)

انیس روپیہ کا کپڑا خرید کر دیا ہندو سے، اور یہ طے ہو گیا کہ اگر تین مہینے کے اندر روپیہ ادا کردو گے تو سود وغیرہ کچھ نہیں لیا جائے گا، بعد میں سود لیا جائے گا یہ بات بکر نے منظور کرلی، زید نے تقریباً تین سال میں ایک سو روپیہ بکر کو دے دیا، بکر نے ہندو کو کچھ نہیں دیا، اس نے مجبور ہو کر نالش کردی بہت سود لگا کر، بکر نے زید کو اطلاع دی کہ ایسا معاملہ ہوا ہے اب جو کچھ خرچ وغیرہ پڑے گا وہ تمہارے سے وصول کیا جائے گا، خلاصۂ سوال یہ ہے کہ زید کے ذمے سود کا ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ (۱۷۱۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں زید کے ذمے سود کا ادا کرنا واجب نہیں ہے زید کے ذمے اصل قرض دینا لازم ہے اور سو روپیہ اس میں سے وہ دے چکا ہے باقی انیس روپیہ وہ اور دے دے شرعاً زید سے مطالبہ سود کا نہیں ہوسکتا۔ فقط

عدالتی کارروائی کے اضافی خرچ کو وصول کرنے کے لیے سود لگا کر مقدمہ دائر کرنا

سوال: (۸۷) جامع مسجد سکندر آباد کے دکانداران کرایہ داران کی نالش کرنی ہے تو جو کچھ خرچ بے ضابطہ ہوتا ہے وہ عدالت مدعا علیہ سے نہیں دلاتی تو کیا سود لگا کر نالش کی جاوے کہ زائد خرچہ وصول ہو جاوے۔ ورنہ جامع مسجد کو بہت نقصان رہے گا (۱۶۶۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: سود لگا کر نالش نہ کرنی چاہیے جو کچھ خرچ مسجد کا ہوگا اس کا مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ آئندہ کو اس میں مسجد کا نفع ہے کہ دکان مسجد کی محفوظ رہے گی۔ فقط

سوال: (۸۸) مدیون سے بغرض احتیاط دستاویز میں سود لکھا لیا اگر مدیون قرض ادا نہ کرے اور نوبت عدالت کی پہنچے تو دائن محض اپنا مطالبہ زر اصل وخرچہ عدالت وصول کرلیوے اس میں اہل اسلام وغیر مسلم کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوگا یا جداگانہ؟ (۲۴۱/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: سودی دستاویز لکھوانا درست نہیں ہے کہ حدیث شریف میں سود کے کاتب وشاہد پر بھی لعنت وارد ہے اور بصورت تعنت وسرکشی مدیون کے اگر دائن کو نوبت چارہ جوئی عدالت کی پہنچے تو دائن اپنا اصل قرض مع خرچہ عدالت کے مدیون سے لے سکتا ہے اور ان معاملات میں مسلم وغیر مسلم میں کچھ فرق نہیں ہے۔ فقط

لاٹری کا حکم

سوال: (۸۹) لاٹری اس کو کہتے ہیں کہ ایک کمپنی ہے مالک کمپنی نے ہزار یا دس ہزار یا اس سے زیادہ ٹکٹ فروخت کیے، اور قیمت ہر ایک ٹکٹ کی ایک روپیہ ہے اور ٹکٹ پر سلسلہ وار نمبر ہوتے ہیں، اور جتنے ٹکٹ فروخت کیے تھے ہر ایک کا نمبر مالک کمپنی اپنے پاس بھی رکھتا ہے، جب سب ٹکٹ فروخت ہو جاتے ہیں تو لاٹری کھلنے کی تاریخ مقرر کی جاتی ہے کہ فلاں تاریخ میں لاٹری کھلے گی۔ اب تاریخ مقررہ پر وہ سب ٹکٹ جو مالک کمپنی نے اپنے پاس رکھے تھے ان کو ایک گھڑے یا دوسری چیز میں ڈالتا ہے اور کم سن لڑکے سے وہ ٹکٹ نکلواتا ہے۔ اب جس کے نام و نمبر کا ٹکٹ پہلے نکلا اس کو وہ روپیہ مل جاتا ہے کہ جو ٹکٹ فروخت کر کے جمع کیا گیا تھا۔ اور اسی روپیہ میں سے مالک کمپنی اپنا کمیشن وضع کر لیتا ہے تو اب جس کے نام سے یہ روپیہ نکلا وہ اس کو لینا جائز ہے یا نہیں۔ اور وہ روپیہ کسی کار خیر میں بھی صرف کرنا جائز ہے یا شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۰۹۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ قمار ہے شرعاً جائز نہیں ہے، جس کا نام نکلا اس کو وہ روپیہ لینا درست نہیں ہے اور نہ مالک کمپنی کو کمیشن لینا درست ہے، بلکہ جس جس کا روپیہ تھا ان کو واپس کرنا چاہیے کسی کار خیر میں اس کا صرف کرنا درست نہیں ہے اور کبھی ایسا معاملہ نہ کیا جاوے۔ جس جس شخص نے ایک ایک روپیہ دیا ہے وہ اسی کو واپس کیا جاوے وہ نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دیا جاوے۔

بذریعہ لاٹری فروخت کرنے کا حکم

سوال: (۹۰) زید اپنے والد کے سودی قرضے کے ادا کرنے کے لیے انجن فروخت کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اس کے فروخت ہونے کی کم قیمت پر بھی، کوئی صورت نہیں ہے، اور روپیہ قرضے کا چوں کہ سودی ہے اس لیے رقم بڑھ رہی ہے، اب انجن کے فروخت ہونے کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ انجن کی لاٹری ڈالی جائے؛ کیا سودی قرض کے جرم سے بچنے کے لیے انجن کو بذریعہ لاٹری فروخت کر دینا چاہیے یا نہیں؟ (۱۱۷/۳۶-۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ صورت بیع کی قطعاً حرام اور باطل اور أکلُ أموال الناس بالباطل ہے جس کی

حرمت منصوص ہے اور قمار ہے جو صریح حرام ہے۔غرض اس میں بہت وجوہ سے محرمات کثیرہ کا ارتکاب ہے، احقر کی رائے میں یہ صورت اس سے زیادہ بری ہے، لہٰذا اس کو کسی طرح اختیار نہ کیا جائے۔فقط

لاٹری کے ٹکٹ خریدنا

سوال: (۹۱) پچاس، سو آدمی مل کر کسی چیز پر روپیہ دے کر ٹکٹ خریدیں، اور وہ ایک چیز اس آدمی کے حصہ میں آجائے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۶۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس طرح خریدنا اور فروخت کرنا جائز نہیں ہے اس میں دھوکہ ہے اور لوگوں کی حق تلفی ہے، اور أخذُ أموال الناس بالباطل ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الآية﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۸) اور یہ حقیقت میں قمار ہے اس سے احتراز لازم ہے اور جس کے نام پر وہ چیز آوے اس کو لینا جائز نہیں ہے۔

سوال: (۹۲) بعض یورپین نے اس قسم کی کمپنی قائم کی ہے جس میں وہ مثلاً ایک چیز پچاس روپے کی فروخت کرتے ہیں، مگر اس طریق سے کہ پچاس ٹکٹ ایک ایک روپے کے پبلک کو تقسیم کرتے ہیں جس کا نام قرعہ میں برآمد ہوا اس کو بہ عوض ایک روپے کے ٹکٹ کے وہ پچاس روپے کی چیز مل جاتی ہے اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ (۵۶۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس میں شرکت کرنا جائز نہیں یہ قمار ہے اور حرام ہے۔فقط

فقیروں سے سٹا دریافت کرنا

سوال: (۹۳) فقیروں وغیرہ سے سٹا دریافت کرنا کہ اس دفعہ سٹا کیا نکلے گا اور جو کچھ وہ بتلاتے ہیں اس کو ٹھیک سمجھنا کیسا ہے؟ (۱۱۷۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: پوچھنا بھی ناجائز ہے اور اس کو صحیح سمجھنا بھی ناجائز ہے۔اور جہالت کا خیال ہے۔فقط

قمار کا حکم

سوال: (۹۴) قمار بازی شرعاً درست ہے یا نہیں اور ایسے شخص کی شرعاً کیا سزا ہے؟ (۲۰۰۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: قمار بازی حرام ہے اور وہ شخص فاسق ہے۔

سوال: (۹۵)......(الف) ایک شخص نے جوا کھیلا اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(ب) جو عورتیں جوا کھیلتی ہیں ان کے واسطے کیا سزا ہے؟ اور جو مسلمان ہو کر سود روپیہ کا کھاتے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ (۸۷۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) اس کو توبہ کر لینی چاہیے آئندہ کو کبھی جوا نہ کھیلے، اور گذشتہ سے توبہ واستغفار کرے۔ حدیث شریف میں ہے جس نے کسی گناہ سے توبہ کر لی وہ پاک ہو گیا۔ (۱)

(ب) قمار بازی اور سود خواری حرام ہے ان افعال سے توبہ کرنی چاہیے اور عورتوں سے توبہ کرانی چاہیے۔ فقط

قمار کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال: (۹۶) ایک تجارتی کمپنی نے اعلان شائع کیا ہے کہ جو شخص ہمارے یہاں سے تین روپیہ کی کتابیں خریدے گا، ہم اس کو تین روپیہ کی کتابیں روانہ کریں گے، اور اس کو پانچ سو روپیہ بطور انعام کے اس طرح دیں گے کہ تمام خریداروں کے ناموں کو جمع کر کے قرعہ ڈالیں گے جس خریدار کا نام قرعہ میں برآمد ہوگا اس کو وہ روپیہ انعام کے طور پر علاوہ ان کتابوں کے دیا جائے گا، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۰۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ صورت خرید وفروخت کی جائز نہیں ہے کیوں کہ حدیث شریف میں ہے: **نهى عن بيع و شرط** (۲) یعنی آنحضرت ﷺ نے بیع میں کوئی شرط خلاف مقتضائے عقد کرنے سے منع فرمایا ہے، علاوہ بریں یہ ایک صورت قمار کی ہے جو کہ حرام ہے۔ فقط

---

(۱) عن أبي عُبيدة بن عبدالله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له (سنن ابن ماجة ص: ۳۱۳ أبواب الزهد - ذكر التوبة)

(۲) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع وشرطٍ، البيع باطل والشرط باطل الخ (المعجم الأوسط للطبراني ۲۱۱/۳ باب العين، من اسمه عبدالله، رقم الحديث: ۴۳۶۱ المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

زندگی کا بیمہ کرانا حرام ہے

سوال: (۹۷) مسلمان جو زندگی کا بیمہ کرا رہے ہیں، اور شرح مقررہ کے ساتھ وہ اپنا سرمایہ جمع کرا رہے ہیں جس سے غیر مسلم اقوام کو بہت بڑا نفع سود در سود کا پہنچتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز خواجہ حسن نظامی صاحب جنہوں نے اس کی تائید کی اور مشورہ مسلمانوں کو دیا ہے انھیں اس کا مشورہ دینا بہ فحوائے المستشار مؤتمن (۱) جائز تھا یا نہیں؟ (۳۸۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: زندگی کا بیمہ کرانا حرام اور ناجائز ہے، قواعد شرعیہ کے موافق اس میں قمار اور ربا دونوں شامل ہیں، اور دونوں بہ نص قطعی حرام ہیں، قواعد بیمہ میں جو شرائط مفصلہ مذکور ہیں ان سے واضح ہے کہ وہ شرائط خلاف قواعد شرعیہ ہیں، اوران سے قمار و ربا لازم آتا ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۰) وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ الآیة ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۷۸-۲۷۹) وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿ وَلَا تَاْکُلُوْا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۳۰) فقط

سوال: (۹۸) زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا عموماً یہ رواج ہے کہ کمپنی بعد معائنہ ڈاکٹر ایک شخص کی عمر متعین کردیتی ہے، اوراس کے ساتھ یہ شرط ہوتی ہے کہ اتنی مدت میں اس قدر روپیہ ادا کرتا ہوگا، بعد اختتام زمانہ وہ روپیہ واپس دیا جائے گا، اگر بعد تصفیہ معاملہ ایک گھنٹے میں بھی فوت ہوجائے گا تو اتنا روپیہ ورثہ کو ملے گا۔ (۹۷۱/۱۳۴۴ھ)

الجواب: بیمہ زندگی کا درست نہیں ہے، اس میں بہت سے مفاسد شرعیہ ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہوسکتے ہیں، ایک شخص نے ایک رسالہ مطبوعہ زندگی کے بیمہ کا اوراس کے متعلق سوال جواز وعدم جواز بھیجا ہے جس کو کل احقر نے مفصل دیکھا اور آج اس کا بھی جواب عدم جواز کا لکھا ہے۔

سوال: (۹۹) اس زمانے میں بیمہ کمپنی زندگی کا بیمہ کیا کرتی ہیں، زر چندہ ایک میعاد مقررہ کے

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المستشار مؤتمن (سنن أبي داؤد ص: ٦٩٩ كتاب الأدب، باب في المشورة)

لیے وصول کرتی ہیں، آخر میں نفع کے ساتھ واپس کرتی ہیں، یہ روپیہ چندہ کا تجارت کے کام میں لایا جاتا ہے، کیش ادا کرنے والا قبل از وقت راہیٔ عدم ہوتو پوری رقم بیمۂ زندگی وارثان کو کمپنی ادا کرتی ہے، عام مسلمان اس کو جائز سمجھ کر شرکت کررہے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۹۴۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: زندگی کا بیمہ کرانا شرعاً جائز نہیں ہے، اور کوئی صورت اس کے جواز کی شریعت میں نہیں ہے، اس میں قمار و ربا دونوں حرام امور کا ارتکاب لازم ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے عملِ خلاف شرع اور حرام سے محفوظ رکھے۔ فقط

موت کا بیمہ کرانا

سوال: (۱۰۰) بیمہ موت کا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۹۸/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: زندگی اور موت کا بیمہ کرانا شرعاً حرام ہے، اور یہ مشتمل قمار اور ربا کو ہے، اور وہ دونوں شرعاً حرام ہیں قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ الآية﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۰) اس آیت سے قمار اور انصاب وازلام وغیرہ کی حرمت اور پلیدی معلوم ہوئی، دوسری آیات واحادیث میں ربا کی حرمت منصوص ہے، ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک درہم سود کا کھانا اور لینا چھتیس زنا سے شدید تر اور بدتر ہے۔ (۱) والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ فقط

جان و مال اور جائداد کا بیمہ کرانا

سوال: (۱۰۱) بیمہ کرنا کسی مکان کا یا اپنی جان کا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۱۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلثين زنية رواه أحمد والدارقطني وروى البيهقي في شعب الإيمان عن ابن عباس رضي الله عنهما وزاد و قال: من نبت لحمه من السحت فالنار أولى به (مشكوة المصابيح ص: ۲۴۵-۲۴۶ كتاب البيوع، باب الربا، الفصل الثالث)

الجواب: بیمہ کرانا مکان و جان کا شرعاً ناجائز ہے، اور یہ قمار ہے جو کہ بنص قاطع حرام ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۱۰۲) اپنی دکان کسی شخص کو کرایہ پر دی، اور اس نے اپنی دکان اس میں لگائی، اور جو مال واسباب اس میں بھرا اس کا کمپنی سے بیمہ کرالیا موافق قواعد مروجہ زمانہ ہذا کے کہ آگ وغیرہ سے مال جل جائے تو اس کا بیمہ مل جائے، اب سوال یہ ہے کہ بہت سے دکاندار بد معاشی کرتے ہیں، اور بیمہ حاصل کرنے کے لیے اپنی دکان کا مال جلا کر بیمہ حاصل کر لیتے ہیں، ان کو کچھ خسارہ نہیں ہوتا، اگر خسارہ ہوتا ہے تو صاحب مکان کا، ایسی حالت میں صاحب مکان کو بھی بیمہ اپنے مکان کا کرانا درست ہے؟ تا کہ آگ میں جل جائے تو صاحب مکان کو بھی بیمہ مل جائے یا صاحب مکان کو بیمہ کرانا کسی حال میں

(۱) بیمہ کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ وہ سود اور قمار (سٹا) پر مشتمل ہوتا ہے، پہلے زندگی اور اَملاک کے بیمے ان دونوں باتوں پر مشتمل ہوتے ہوں گے، اس لیے حضرت مفتی صاحب نے دونوں کو ناجائز لکھا ہے، مگر اب زندگی کا بیمہ تو ان دونوں خرابیوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور اَملاک کے بیمہ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں، اس لیے لائف انشورنس تو حرام ہے، مگر اَملاک (کار، دُکان، سامان وغیرہ) کا بیمہ جائز ہے، میڈیکل انشورنس میں یہ دونوں خرابیاں نہیں پائی جاتیں اس لیے وہ بھی جائز ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ لائف انشورنس میں اگر آدمی مدت بیمہ پوری کرنے سے پہلے مر جائے تو بیمہ کی رقم ملتی ہے اور مدت بیمہ پوری کر لے اور حادثہ پیش نہ آئے تو بھری ہوئی رقم مع سود واپس ملتی ہے، پس اس میں ربا بھی ہے اور قمار بھی کہ معلوم نہیں: بیمہ کی رقم ملے گی یا بھری ہوئی رقم، اس لیے زندگی کا بیمہ ناجائز ہے۔

اور املاک کے بیمہ کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً کار کا بیمہ کرایا اگر مدت بیمہ میں حادثہ پیش آیا تو حسب قرارداد بیمہ کی رقم ملے گی جو کمپنی کی طرف سے ایک طرح کا تعاون ہوگا۔ اور مدت بیمہ پوری ہوگئی اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو بھری ہوئی رقم گئی، پس وہ گویا ایک انجمن کی ممبری فیس ہے اور بیمہ کی رقم حادثہ پیش آنے کی صورت میں کمپنی کی طرف سے تعاون ہے، غرض اس میں نہ قمار ہے نہ سود، اس لیے اَملاک کا بیمہ جائز ہونا چاہیے، مفتیان کرام غور فرمالیں! ——— اسی طرح جو مال ڈاک وغیرہ سے روانہ کیا جاتا ہے اور اس کا بیمہ کرایا جاتا ہے، اس کا طریقہ بھی اَملاک کے بیمہ کا طریقہ ہے، اس میں بھی نہ سود ملتا ہے نہ قمار ہے، بلکہ بیمہ کی رقم سیکیورٹی (حفاظت) کا معاوضہ ہے، اگر مال مطلوبہ جگہ پہنچ گیا تو بیمہ کی رقم یعنی حفاظت کا معاوضہ گیا اور اگر نہ پہنچ سکا تو ڈاک خانہ وغیرہ معینہ رقم ادا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، یہ بھی کمپنی کی طرف سے ایک طرح کا تعاون ہے، مال کا ضمان نہیں ہے، اس پر بھی مفتیان کرام غور فرمالیں! ۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

درست نہیں؟ (۴۴۸/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: موافق قواعد شرعیہ بیمہ جان کا یا مال کا یا مکان کا و دکان کا کرانا یہ سب قمار میں داخل ہے اس کے جواز کی کوئی صورت بطریق شرعی نہیں ہے۔

سوال: (۱۰۳) کسی جائداد کا بیمہ کرانا آئندہ تحفظ کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲۹/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: شریعت میں بیمہ جان کا یا مال کا یا جائداد کا درست نہیں ہے، ایسے مفاد کا لحاظ نہ کیا جائے جو خلاف حکم شریعت ہو خواہ قومی مفاد ہو یا ذاتی، شریعت کے مقابلہ میں کوئی فائدہ دنیاوی مد نظر نہ رکھا جائے۔ فقط

موقوفہ جائداد کا بیمہ کرانا

سوال: (۱۰۴)...... (الف) ایک وقفی ملکیت کا بیمہ کیا جائے، یعنی اس ملکیت کو آگ یا طوفان سے نقصان ہو تو اس نقصان کا ذمے دار زید رہے جس کے عوض بیمہ کی سالانہ اجرت زید کو ادا کی جائے اس طرح سالانہ اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) ملکیت کو آگ یا آندھی سے نقصان ہو تو زید سے اس نقصان کی قیمت وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۷/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف و ب) بیمہ کرنا، کرانا شرعاً جائز نہیں ہے، پس سالانہ اجرت دینا جائز نہیں ہے، اور زید سے نقصان لینا جائز نہیں ہے۔

تجارتی مال جو دوسرے ملکوں میں روانہ کیا جاتا ہے اس کا بیمہ کرانا

سوال: (۱۰۵) تجارت کا مال بذریعہ اسٹیمر (دُخانی جہاز) دوسرے ملکوں میں روانہ کرتے ہیں، اس مال کا اگر بیمہ کرا لیا جائے تو اسٹیمر والے اس کو بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں جیسا کہ ڈاک خانے والے بیمہ کردہ شدہ لفافہ کو بہت حفاظت سے پہنچاتے ہیں؛ اس صورت میں بیمہ کرانا مال

کا درست ہوگا یا نہیں؟ (۴۴۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: موافق قواعد شرعیہ کے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ شرطِ ضمان اجیر پر ناجائز ہے کما فی الدر المختار: ولا يضمن ما هلك في يده وإن شرط عليه الضمان، لأن شرط الضمان في الأمانة باطل كالمودع الخ (۱) فقط

(۱) الدر مع الرد ۹/۷۶ كتاب الإجارة – مبحث أجير المشترك.